علاّمہ محمد انور شاہ کشمیری

اُن کے متوسلین اور تلامذہ

کی

خدمات زبان اردو



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ محمد انور شاہ کشمیری

اُن کے متوسلین اور تلامذہ

کی

خدمات زبانِ اردو

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی

۱۹۸۹ء



نگران
ڈاکٹر نجم الاسلام

مقالہ نگار
خواجہ عبدالغنی

شعبۂ اردو ، سندھ یونیورسٹی، جام شورو

CERTIFICATE

Certified that Kh. Abdul Ghani S/O Kh. Ghaffar Joo

Has carried out research on the topic

علامہ محمد انور شاہ کشمیری ، ان کے متوسلین اور تلامذہ کی خدمات

زبان اردو ۔

under my supervision and that his work is original and distinct and his dissertation is worthy of presentation to the University of Sind for the award of the Degree of Doctor of Philosophy in Urdu.

(Prof. Dr. Najmul Islam)
Supervisor
& Chairman
Department of Urdu
University of Sind.



Vide University of Sind letter No. AC-1/1115 Dated 15-10-87 from the date of 7-12-1986.

اظہارِ سپاس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس کی ذات رحیم و کریم نے اُن آرزوؤں کو جن کا اظہار زمانۂ طالب علمی میں علامہ اقبالؒ کی زبان میں "علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب" کے گنگنانے کی صورت میں ہوتا تھا، باوجود نامساعد حالات کے حقیقت سے ہمکنار کیا۔

پاکستان بھر کی یونیورسٹیوں کے دروازوں پر دستک دینے کے بعد وہ ساعت سعید ناقابلِ فراموش ہے جب راقم کراچی سے واپسی پر جامشورو یونیورسٹی کے شعبہ اُردو میں پہنچا اور جناب ڈاکٹر نجم الاسلام سے پہلی ملاقات ہوئی۔ اس مختصر ملاقات میں، مختصر گفتگو کے دوران چائے کا ایک پیالہ بھی نصیب ہوا اور ڈاکٹر صاحب کسی میٹنگ میں چلے گئے لیکن اس میں شک نہیں کہ اس ملاقات میں راقم کو وہ سب کچھ مل گیا جس کی عرصے سے تلاش تھی۔

۲۸ دسمبر ۱۹۸۴ء کو جب ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی صدر شعبہ اُردو سندھ یونیورسٹی نے راقم کے ایک مکتوب کے جواب تحریر فرمایا کہ "علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی خدمات زبانِ اُردو" کا موضوع بمشورہ جناب ڈاکٹر نجم الاسلام راقم کے لیے تجویز ہوا ہے۔ اس موضوع پر ابتدائی تحقیق و تجسس کے بعد راقم کی استدعا پر جناب ڈاکٹر نجم الاسلام کے گرامی نامہ مورخہ ۵ جنوری ۱۹۸۶ء میں موضوع میں ترمیم ہوئی اور ۷ دسمبر ۱۹۸۶ء سے مطابق ترمیم ارسال کردہ درخواست خاکہ و کتابیات کی روشنی میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو راقم کی رجسٹریشن ایم فل میں ہوئی۔

۸ دسمبر ۱۹۸۸ء کو اب تک کیے گئے کام کی روشنی میں نیا خاکہ پیش کرنے کی شرط کے ساتھ اسی موضوع کو پی ایچ ڈی کے لیے ترقی دی گئی۔ جو بفضلِ خدا اب حتمی شکل میں ہے

اس وادی تحقیق و تلاش کی صحرا نوردی کے دوران جن حضرات نے دستِ تعاون سے نوازا۔ اُن کی کرم فرمائیوں کے لیے سپاس عقیدت کا اظہار راقم کا اوّلین اور خوشگوار فرض ہے۔

جناب سید سخی احمد ہاشمی جو اپنی مدت ملازمت پوری کر کے ۸ دسمبر ۱۹۸۵ء کو صدر شعبہ اُردو سندھ یونیورسٹی کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے اور راقم کی فائل برائے رجسٹریشن جناب ڈاکٹر نجم الاسلام کے سپرد کر گئے، راقم کے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اُن کے دور میں نہ صرف رجسٹریشن کے ابتدائی مراحل طے ہوئے، بلکہ اُن کے خطوط راقم کے لیے راہنمائی کا سرچشمہ ثابت ہوئے۔

رجسٹریشن کے بعد جناب ڈاکٹر نجم الاسلام صدر شعبہ اُردو یونیورسٹی آف سندھ نے کام کی نگرانی قبول فرما کر جس طرح فریضہ انجام دیا وہ راقم کے لیے سرمایہ حیات ہے۔ موصوف کا ذکرِ مکرر قندِ مکرر سے کم نہیں۔

اس تحقیق کے دوران آزاد کشمیر، پاکستان اور بیرونِ ملک کے اہلِ علم حضرات سے راقم کا رابطہ، ملاقاتیں اور خط و کتابت رہی۔ جن جن حضرات

نے راقم کی معاونت، رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی اُن کی فہرست طویل ہے۔ بموجب فرمانِ الٰہی «تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ» عنداللہ سب ماجور ہیں۔ اُن میں سے بعض ہستیاں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی ہیں۔ اُن میں مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا محمد چراغ گوجرانوالہ اور مولانا محمد ادریس میرٹھی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

بقیہ کرم فرماؤں کے اسمائے گرامی :-

کراچی سے :- عزیزم خواجہ غلام محمد کشمیری، خواجہ محمد بشیر کشمیری، خواجہ امیرالدین کشمیری، جناب مولانا محمد طیب کشمیری، جناب ڈاکٹر وقار راشدی
جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری، جناب مولانا محمد طاسین، جناب مولانا محمد تقی عثمانی، جناب مولانا منظور احمد طالب علم کورنگی۔

لاہور سے :- جناب مولانا محمد یعقوب کشمیری، جناب پروفیسر محمد اسلم، جناب پروفیسر رحیم بخش، جناب پروفیسر کلیم اختر، جناب سید رشید احمد امدادی، جناب مولانا محمد حنیف، جناب محمد فاروق کمال، خواجہ حبیب اللہ ککرو۔

فیصل آباد :- جناب مولانا عزیزالرحمن، جناب ڈاکٹر انعام الحسن، پروفیسر پیرزادہ عبدالحمید و محمد سلیم زرعی یونیورسٹی فیصل آباد۔

راولپنڈی :- جناب مولانا عزیزالرحمن ہزاروی، جناب خواجہ عبدالصمد وانی، جناب میر واعظ محمد احمد، جناب مولانا محمد یعقوب بھگلہ سڑیالہ تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی)

مظفرآباد :- جناب پروفیسر خواجہ عبدالصمد، جناب عبداللہ شاہ مسعودی ایڈووکیٹ، جناب جسٹس راجہ محمد اکرم خان، جناب رشید آثم، خواجہ عبدالمجید جناب محمد یحییٰ (لوات)

نوشہرہ :- جناب پروفیسر احمد عبدالرحمن صدیقی۔

ماولاکوٹ :- جناب بشیر احمد قریشی

کہوٹہ فارورڈ :- جناب مختار احمد ہاشمی

ہندوستان :- مہتمم دیوبند جناب مولانا مرغوب احمد صدیقی، جناب سید احمد رضا بجنوری

اس فہرست میں وہ گمنام حضرات جن کے نام بتقاضائے بشری لوحِ ذہن سے محو ہو گئے شامل نہیں۔

راقم نے دورانِ تحقیق جن جن لائبریریوں سے استفادہ کیا ہے اور لائبریریوں میں متعین حضرات نے جس خلوص بھرے تعاون کا مظاہرہ کیا، اس کا ذکر کرنا راقم کے لیے باعثِ افتخار ہوگا۔ اس لیے اُن لائبریریوں کا ذکر کرنا گویا اُن احباب کا ذکر ہوگا۔

کراچی :- یونیورسٹی لائبریری، لیاقت میموریل لائبریری، دارالعلوم کورنگی لائبریری، دارالعلوم نیوٹاؤن لائبریری، مجلس علمی لائبریری کتب خانہ انجمن ترقی اُردو، غالب لائبریری، مولانا محمد طیب کشمیری کی ذاتی لائبریری۔

لاہور :۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شعبہ تاریخ ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، پنجاب پبلک لائبریری ، قائداعظم لائبریری ، دیال سنگھ لائبریری ، میوزیم لائبریری ، جامعہ عربیہ لائبریری گوجرانوالہ ، جامعہ اشرفیہ لائبریری لاہور ۔

راولپنڈی :۔ بلدیہ لائبریری ، مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کی لائبریری (ذاتی) (مسجد صدیق اکبر چوہڑ) مخیل کیوٹہ ضلع راولپنڈی سے مولانا محمد یعقوب کی ذاتی لائبریری بمقام بھگار شریف ۔ اسلام آباد :۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کی لائبریری ۔

مظفرآباد :۔ جلال آباد پبلک لائبریری ، (دوات) :۔ مولانا غلام مصطفےٰ شاہ مرحوم کی ذاتی لائبریری

کیوٹہ فارورڈ :۔ ڈگری کالج کیوٹہ کی لائبریری ، جناب مختار احمد ہاشمی کی ذاتی لائبریری ۔

اور آخر پر ذوی القربیٰ سے :۔

راقم اپنی اہلیہ کا شکرگزار ہے کہ انہوں نے باوجود اپنی ناسازیٔ صحت کے شب و روز کے سفر کی اجازت دی ۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اُن کی دُعاؤں سے اس منزل میں بڑی آسانیاں پیدا ہوئیں ۔

عزیزم خواجہ محمد صغیر الحسن (بی ۔ اے بی ایڈ صدر معلم مڈل سکول ناچھاں) کے قلمی تعاون نے مقالہ کو حتمی شکل دینے میں ٹائپ کی مشکلات سے یکسر بے نیاز کر دیا ، کے لیے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے درازیٔ عمر ، عمل صالح ، علم نافع اور ترقی مناصب سے نوازے ، آمین ۔

احقر العباد

خواجہ عبدالغنی شوکت (اسسٹنٹ پروفیسر)

شعبہ اُردو

گورنمنٹ ڈگری کالج فارورڈ کیوٹہ آزاد کشمیر

۲۴ / اکتوبر ۱۹۸۹ء

فہرست مضامین

تصاویر

پیش لفظ

پیش نظر مقالہ "علامہ محمد انور شاہ کشمیری، اُن کے متوسلین اور تلامذہ کی خدمات زبان اُردو" کی منظوری سندھ یونیورسٹی نے زیر نمبر AC-I/1115 مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۸۶ء برائے ایم فل دی جسے بعد میں زیر نمبر AC-I/31 مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۸۸ء پی ایچ ڈی کے لیے ترقیاب کیا گیا۔

اس مقالے کی ترتیب و تدوین میں بذیل امور کو پیش نظر رکھا گیا۔

۱۔ عنوان مقالہ کے تحت ہر فرد کی پہلے سوانح حیات درج کی گئی ہے کیونکہ جس طرح ایک شجر کے مختلف حصوں سے ٹہنیاں ظاہر ہو کر اُسے پُر بہار درخت کی شکل بخشتی ہیں، اسی طرح اہل علم حضرات کی زندگی کے مختلف گوشوں سے علم و ادب کے سوتے اُبلتے ہیں۔ جن کے مطالعہ کے لیے سوانح کا اندراج ضروری سمجھا گیا ہے۔

سوانح کے بعد جملہ تصانیف کا اندراج بقدر ضرورت کیا گیا ہے۔ خدمات زبان اُردو کے عنوان کے تحت خصوصیات زبان اور معروف اُردو تصانیف پر تبصرہ درج کیا گیا ہے۔

۲۔ سوانح اور دیگر واقعات میں موضوع سے متعلق پہلے سے لکھے گئے مقالات و کتب کا باہمی موازنہ کر کے حالات و واقعات کی چھان بین کی گئی ہے اور اتفاق و اختلاف کا اندراج کیا گیا ہے۔

۳۔ سوانحی یا دیگر مواد میں جہاں سنوں کا اندراج صرف ہجری میں تھا یا عیسوی میں یا تاریخوں میں اختلاف پایا گیا تو مولانا عبدالقدوس ہاشمی کی "تقویم تاریخی" کی روشنی میں اندراج یا درستی کر دی گئی ہے۔

۴۔ مقالہ زیر ترتیب میں کتب حوالہ، کتب زیر تبصرہ، اخبارات و رسائل، مسودات، مکتوبات، دستاویزات کے علاوہ مقالات اور انٹرویوز سے بھی کام لیا گیا ہے۔ مقالے میں شامل حضرات میں سے بعض کی تصانیف جو زیادہ تعداد میں تھیں بدون تبصرہ درج کر دی گئی ہیں تاکہ آئندہ محققین کو نشاندہی ہو سکے۔ اسی طرح غیر مطبوعہ مواد کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے تاکہ آئندہ ضرورت مندوں کو تلاش میں آسانی رہے۔

۵۔ مقالہ کے آغاز میں اُن تمام حضرات کا جنھوں نے دوران تدوین مقالہ تعاون کیا کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ نیز اظہار سپاس میں اُن تمام سرکاری و ذاتی لائبریریوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے استفادہ کیا گیا۔

اس مقالے کے آٹھ ابواب میں جن کی مختصر کیفیت بذیل ہے۔

باب اوّل:۔ مقالہ ہذا کی مرکزی شخصیت علامہ محمد انور شاہ کشمیری ہیں اُن کے وطن مالوف کشمیر کی نسبت سے اس مقالے کا پہلا باب علمائے کشمیر کی علمی خدمات پر ہے۔ جس میں کشمیر کے چند معروف علماء اور اُن کی خدمات کا ذکر ہے، جن کے دامن علم سے نہ صرف کشمیر بلکہ سارے برصغیر کی معروف شخصیات وابستہ رہیں اور اُردو زبان کی ترقی کا باعث ہوئیں۔

باب دوم :- اس باب میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے حالات زندگی ہیں۔ جس کے اختتام پر شاہ صاحب کی جملہ تصنیفات، تالیفات اور امالی کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب سوم :- یہ باب حضرت شاہ صاحب کی خدمات زبان اُردو پر مشتمل ہے۔ جس میں اُن کی اُردو تصانیف، تقاریر، ملفوظات، مکتوبات، امالی مقدمہ بہاولپور میں اُن کے بیان اور اُن کی اُردو شاعری کو زیر تبصرہ لا کر مواد کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے نام کو مقالے میں اختصاراً "شاہ صاحب" کے نام سے لکھا گیا ہے۔

باب چہارم :- پاکستان میں مقیم تلامذہ پر مشتمل ہے جن میں، شمس العلماء مولانا احسان اللہ خان تاجور نجیب آبادی، مولانا شمس الحق افغانی، قاضی مولانا شمس الدین، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا محمد چراغ، مولانا غلام اللہ خان اور قاضی مولانا نور محمد کو شامل کیا گیا ہے۔ جن کی جملہ مطبوعہ تصانیف اُردو شامل تبصرہ کی گئی ہیں۔ مختلف رسائل و جرائد میں لکھے گئے مضامین کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ غیر مطبوعہ مواد زبان اُردو کی نشاندہی کر دی گئی ہے اور اُن کے اسلوب نگارش کے مختلف پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب پنجم :- اس باب میں ہندوستان میں مقیم تلامذہ سے مولانا اعزاز علی، مولانا محمد بدر عالم، مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا قاری محمد طیب، اور مولانا سید محمد میاں شامل ہیں جن کی ۸۷ اُردو تصانیف زیر تبصرہ لائی گئی ہیں جب کہ بہت سی کتب جو دستیاب نہ ہو سکیں بدون تبصرہ درج کی گئی ہیں۔ ان کتب کے علاوہ بعض کی جرائد نگاری، مقالات نگاری اور سفرنامے بھی شامل ہیں۔ ان حضرات کی خدمات زبان اُردو سے اُردو کا دامن گنج بردار ہے۔

باب ششم :- یہ باب مہاجر تلامذہ پر مشتمل ہے یعنی جن حضرات نے ہندوستان سے پاکستان میں ہجرت کی اور پاکستان کی حمایت میں اپنا وطن چھوڑا ان میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی، پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی، مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا یوسف بنوری شامل ہیں۔ ان حضرات کی قریباً ۱۵۰ کتب کو زیر تبصرہ لایا گیا ہے اور بہت سی اُردو تصانیف جو دستیاب نہ ہو سکیں بدون تبصرہ درج کی گئی ہیں۔

باب ہفتم :- علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے ہم وطن کشمیری تلامذہ کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اس باب میں مولانا غلام مصطفٰے شاہ دراوری جو شاہ صاحب کے تلمیذ اور خواہر زادہ تھے، مولانا میرک شاہ اندرابی اور برادر اصغر مولانا یوسف شاہ شامل ہیں۔ جس میں اُن کے سوانحی حالات کے ساتھ اُن کی اُردو نظم و نثر مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف و خطبات پر تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔

باب ہشتم :- یہ باب متوسلین کے لیے مختص تھا۔ اس سلسلہ میں ہمیں صرف ایک نام مولانا محمد انوری فیصل آبادی ملا۔ جن کے سوانحی حالات اور خدمات زبان اُردو سپرد قلم کی گئی ہیں۔ مولانا کی نو اُردو تصانیف زیر تبصرہ آئی ہیں۔

مقالے کے آخر پر حوالجاتی اور زیر تبصرہ ۱۸۶ کتب، ۱۱ مقالات، ۲۷ رسائل جرائد و اخبارات، ۶ دستاویزات، ۱۱ انٹرویوز

اور ۱۰۰ شخصیات کی تعداد زیر بحث ماخذ و مصادر کے عنوان کی ذیل میں درج کیے گئے ہیں۔ ان کے اندراج میں حروف تہجی کی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

احقر العباد
خواجہ عبد الغنی شوکت (اسسٹنٹ پروفیسر)
شعبۂ اردو
ڈگری کالج کھوئی رٹہ آزاد کشمیر
مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۹ء

باب اوّل

علمائے کشمیر کی علمی خدمات

[ ]

عُلمائے کشمیر کی علمی خدمات

اللہ تعالیٰ نے کشمیر کو حُسنِ ظاہری و باطنی دونوں سے نوازا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر جہاں حُسنِ ظاہری کے لیے جنت نظیر کہلاتی ہے، وہاں اپنی روحانی برتری و فضیلت کے لیے بھی ساری دُنیا میں مشہور ہے۔

اس دھرتی سے روحانی فیض کے ایسے سرچشمے جاری ہوئے جن کی یادیں رہتی دُنیا تک قائم رہیں گی۔ وادیٔ کشمیر کو یوں تو وادیٔ گل پوش بھی کہا جاتا ہے اور اس کا حسن نظارگی ایسی جاذبیت اور کشش رکھتا ہے کہ آنکھوں میں روشنی اور شادابی کی قندیلیں جھلملانے لگتی ہیں۔ یہاں کے چشمے، سبزہ زاروں اور برف پوش مخروطی چوٹیوں کے جلوؤں میں ایسی عظیم المرتبت شخصیتوں نے جنم لیا اور بسیرا کیا ہے، جن کے فیوض و برکات کا چرچا دور دور تک ہے۔ حضرت سید عبدالرحمٰن (بلبل شاہ)، امیر کبیر حضرت سید میر علی ہمدانیؒ، حضرت میر محمد ہمدانی، حضرت شیخ نورالدین نورانی، حضرت بہاؤالدین گنج بخش، حضرت مخدوم شیخ حمزہ، حضرت شیخ یعقوب چرخی، حضرت بابا داؤد خاکی، مُلا جو برنامہ، حضرت خواجہ حبیب اللہ حاجب نوشہری، حضرت خواجہ اکمل الدین بدخشی جیسی سحر انگیز اور بلند پایہ شخصیتوں نے اپنی جلوہ ترازیوں سے اہلِ کشمیر کو روشنی بخشی ہے۔ جس سے بے شمار دِل جگمگا اُٹھے۔ (۱)

کشمیر کے حُسن دلکش نے صرف بادشاہوں، سیاحوں، علماء و فقراء ہی کے دامنِ دِل کو اپنی طرف نہیں کھینچا۔ بلکہ شاعروں نے بھی اس کے حُسنِ بے مثال کی تعریف میں اشعار کے موتی لُٹا دیئے۔ مثلاً

۱۔ فیضی: ہزار قافلۂ شوق می کند شبگیر ✤ کہ بارِ عیش کشاند بہ عرصۂ کشمیر

۲۔ عرفی: سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید ✤ کہ بارِ عیش کشاند بہ عرصۂ کشمیر

حاجی محمد جان قدوسی متوفی ۱۰۵۶ھ: خوشا کشمیر و خاکِ پاکِ کشمیر ✤ کہ سر برزد بہشت از خاکِ کشمیر

ابوطالب کلیم متوفی ۱۰۶۲ھ: شمیم خلد گرائے بہار کشمیر است ✤ شگفتگیٔ گل خارِ بار کشمیر است

طالب آملی: خیفِ پیالہ بخشد آب و ہوائے کشمیر ✤ از خشتِ خُم نہادند گویا بنائے کشمیر

مرزا داراب جویا: بیا ساقی بہار آمد بصد رنگ ✤ سوئے کشمیر باید کرد آہنگ

مرزا صائب: الٰہی تا بود کشمیر آباد ✤ ز گلزار خراسانم مدہ یاد (۲) ہر کس ہر چہ خواہد بہ سخن دہ ✤ مرا کشمیر، بلبل راہ چمن دہ

غنی کاشمیری: کردہ است ہوائے بند دلگیر مرا ✤ اے بخت رساں بباغ امہ مرا

کشمیر از صباحت روشن گر جہاں است ✤ حسن سیاہ آنجا گر ہست، خالِ خال است۔ (۲)

---

(۱)۔ نصرت الاسلام: خصوصی شمارہ بیادِ حضرت میر واعظ مولانا رسول شاہؒ، اشاعت ۱۹۸۱ء، ص ۷۔

(۲)۔ گمی، سلیم خان: اقبال اور کشمیر، ص ۱۲۶ تا ۱۲۹۔

شبلی :- آنکہ گر کشمیر ہست و بودنا مش دل ✗ گویا آئینہ در دستِ عروس زیبا است
شالامار است و نشاط است و رنگیں است نسیم ✗ باغہائے کو بہ سراپائے دل غالبہ سا ہست
شالامار است از آں جملہ فزوں تر بجمال ✗ کہ چو دو چرخ طبق بر طبق و تا بر تا است

الطاف حسین حالی : ہر چمن یاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے ✗ ہر چمن میں یاں مہیا ہیں مکاں ہر مکیں
ان مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے ✗ پھر وہ عالم ہے جہاں نیرِ از خوش کچھ نہیں
جیسے ہوتا ہے ابر بروقت جا کر سنتے ✗ ختم ہو جاتی دُنیا بھی یہاں آ کر یونہی

حفیظ جالندھری :- دور دُنیا کی نگاہوں سے دور ✗ دور دُنیا کی شاہراہوں سے دور
اک وادی ہے کوہساروں میں ✗ حُسن کی فطرتی سہاروں میں
نغمہ زن آبشار چار طرف ✗ ندیاں بے شمار چار طرف ۔ (۳)

علامہ اقبالؒ :- آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر ✗ کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر
سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہ سوزناک ✗ مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوب سلطان و امیر
کہہ رہا ہے داستاں بے دردیٔ ایام سے ✗ کوہ کے دامن میں وہ غم خانۂ دہقانِ پیر (۴)

اس باب میں ہم چند علمائے کشمیر کی علمی خدمات کے ذکر کی سعادت حاصل کریں گے ۔

قاضی کمال الدین کشمیری :-

مولانا جمال الدین کشمیری کے بھائی تھے جو شیخ علی بن شہاب حُسینی ہمدانی کے ساتھ کشمیر میں وارد ہوئے ، پھر اُن کے حسب الحکم یہیں سکونت پذیر ہوئے ۔ قاضی کمال الدین کشمیری برصغیر کے فحول علماء میں سے تھے ۔ ۹۷۱ھ میں کشمیر سے سیالکوٹ منتقل ہوئے اور یہیں ساری عمر درس و افادہ میں مشغول رہے ۔

فقہ ، اصول فقہ ، منطق و حکمت ، علم کلام اور دیگر علوم و فنون میں مہارت کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا ۔ نہایت ذکی و سریع الحفظ تھے ، ہر وقت مطالعہ میں مستغرق رہتے اور بڑی کاوش سے تلامذہ کو پڑھاتے ۔ ان کے تلامذہ میں برصغیر پاک و ہند کے مشاہیر علماء و فضلاء تھے ۔ ان کے تلامذہ

(۳)۔ الانور : کوثر ، عبدالرحمٰن ، طبع چہارم ۱۹۸۱ء ، دہلی ، ندوۃ المصنفین ، ص ۵۳ تا ۵۸ ۔

(۴)۔ ارمغان حجاز ، ڈاکٹر ، محمد اقبال ، علامہ ، لاہور ، سن ندارد ، شیخ غلام علی چوک انارکلی ، لاہور ، ص ۳۲ ۔

میں مجددالف ثانی، شیخ احمد سرہندی اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ شامل تھے۔ نواب سعداللہ خان جو بعد کو شاہجہان بادشاہ کے وزیر مقرر ہوئے، بھی مولانا کمال الدین کے درس میں شامل تھے۔ مولانا اپنے زمانہ کے محقق اور عابد و زاہد شخص تھے۔ حضرت مجدد کے علوم انہی کے فیض کا سرچشمہ ہیں۔ (۵)

خواجہ معین الدین کشمیری :۔

خواجہ معین الدین کشمیری خواجہ خاوند محمود کے بیٹے تھے جن کا شمار مشائخ نقشبندیہ اور کشمیر کے فقہائے حنفیہ میں ہوتا تھا۔ ابتدائی درسی کتب اور فقہ کی کچھ کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ مزید تعلیم کے لیے دہلی گئے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور حدیث وفقہ کی کتابیں پڑھیں یہاں تک کہ اپنے عہد کے جید عالم اور نامور فقیہ گردانے جانے لگے۔ بعد ازاں کشمیر واپس آ گئے اور مسند شیخیت کو رونق بخشی، علم و فضل کی فراوانی کے سبب اس عہد کے بڑے بڑے کشمیری اصحابِ علم اور اربابِ طریقت ان کی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے۔ ان علماء میں ملا محمد طاہر کشمیری، علامہ ابو الفتح، ملا محمد یوسف، مفتی محمد طاہر، مولانا عبدالغنی، مولانا مفتی فتح محمد اور یہ سب حضرات حضرت خواجہ معین الدین کشمیری سے فتویٰ طلب کرتے۔ خطۂ کشمیر کے ارکان دولت اربابِ حکومت اور خواص و عوام سب ان سے رجوع کرتے۔

خواجہ معین الدین کشمیری نے مسلمانوں میں اتباعِ سنت اور ترویجِ سنت کا جذبہ پیدا کیا۔ بدعات و خلافِ شرع رسوم کو مٹانے کی بے حد سعی کی۔ وہ زاہد، عابد متقی و متورع عالم و فقیہ اور مصنف تھے۔

تصانیف :۔ فتاویٰ نقشبندیہ اور کنز السعادات، مسائل فقہ میں ان کی تصانیف ہیں۔ مراۃ القلوب، سیرت خیر البشر اور مراۃ طیبہ بھی ان کی تصانیف ہیں۔ سیرت و سلوک سے متعلق ایک رسالہ "رضوانیہ" لکھا۔ سعدیہ لائبریری ٹونک میں ان کی دو ضخیم تفسیریں ایک زبدۃ التفاسیر عربی میں اور دوسری شرح القرآن فارسی میں۔

خواجہ ممدوح ۱۰۸۵ھ میں کشمیر میں فوت ہوئے۔ (۶)

مفتی قوام الدین کشمیری :۔

مفتی قوام الدین بن سعدالدین کی ولادت ایک علمی گھرانے میں ۷ شعبان ۱۱۵۲ھ کو ہوئی۔ کشمیر میں تربیت کی منزلیں طے ہوئیں۔ شیخ رحمت اللہ، شیخ عبداللہ، ملا مقیم اور اخوند نورالدین ٹوپی گر کے حلقۂ ہائے درس سے کسب فیض کیا۔ صغر سنی ہی میں علوم و فنون سے فارغ ہو کر کشمیر کے فقہائے حنفیہ میں شمار ہونے لگے۔ قراءت و تجوید بھی سیکھی۔ اس کے لیے مشہور قاری تلمیذ شیخ القراء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حدیث کی سند شیخ ابوالحسن سندھی مدنی کے تلمیذ رشید حاجی عبدالولی طرخانی سے حاصل کی۔

---

(۵) ۔ خفقیائے ہند : بھٹی، محمد اسحاق، طبع اوّل ۱۹۷۹ء، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، ج ۲، ص ۱۶۱ تا ۱۶۲، ج ۴، ص ۷۵، ۷۶، ج ۲، ۲۰۲، ۲۰۳۔

(۶) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

مسندِ درس :- فارغ التحصیل ہونے کے بعد سید محمد امین اویسی کی خانقاہ میں درس جاری کیا اور عرصے تک یہ خدمت انجام دیتے رہے اور رجال علم پیدا کیے۔

مسندِ قضا :- رفتہ رفتہ کشمیر کی مسندِ قضا اُن کے سپرد ہوئی اور شیخ الاسلام کا منصب پایا۔ حق تو یہ ہے کہ تیرھویں صدی ہجری کے علاوہ کشمیر میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا اور اتقاد و تقدس کی سلطنت کے واحد مالک تھے۔

تصانیف :- ایک کتاب "صحائفِ سلطانی" اِن کی تصنیف ہے جو سات علوم پر محیط ہے۔ تاریخ وفات ۹ ذی قعدہ ۱۳۱۹ھ ہے۔ (۷)

شیخ نورالدین ولی نورانی

رشی سلسلہ تصوف کے بانی شیخ نورالدین نورانی ہیں۔ کشمیر کے ہندو آپ کو نند رشی کہتے ہیں اور مسلمان علمدارِ کشمیر۔ ۱۳۳۶ء میں بج بہارا کے قصبہ دوریل وور کیمو کے گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ سالار الدین تھا جو کہ متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ اِن کا تعلق کشتواڑ کے راجاؤں کے خاندان سے تھا۔

شیخ نورالدین نورانی نے ۶۱ سال عمر پائی اور ۱۴۳۸ء میں بعہد بڈشاہ فوت ہوئے۔ آپ کا مقبرہ سرینگر کے جنوب مغرب میں ۲۰ میل کے فاصلے پر چرارِ شریف میں ہے۔ جہاں ہر سال عُرس منعقد ہوتا ہے۔

شیخ نورالدین پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کا دودھ نہ پیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور رابعہ اور کشمیری زبان کی شاعرہ للہ عارفہ نے آپ کو گود میں لیا اور کہا کہ دُنیا میں آتے وقت شرم محسوس نہ کی اور اب ماں کا دودھ پیتے وقت شرم محسوس کرتے ہو۔ اس پر آپ نے اپنی ماں کا دودھ پیا۔

شیخ نورالدین نورانی کی شادی زئی دد نامی خاتون سے ہوئی۔ آپ کے دو بچے بھی ہوئے (لڑکے کا نام حیدرالدین اور لڑکی کا نام زون حور تھا) مگر آپ نے گھر بار چھوڑ کر جنگل کی راہ لی۔ ماں نے بیتیرا کہا کہ ایسی زندگی اختیار نہ کرو جو مصیبتوں اور مشکلوں کی زندگی ہے لیکن آپ نہ مانے اور آخرکار ایک غار میں بسیرا کیا اور خدا کی یاد میں محو ہوگئے۔ عبادت اور ریاضت کا یہ عالم تھا کہ کئی دن تک کھانا نہ کھاتے تھے اور نہ پانی پیتے۔ آپ نے لکڑی کی روٹی تیار کی ہوئی تھی، جب بھوک ستاتی تو لکڑی کی روٹی دانتوں تلے دبا لیتے۔

شاعری :- آپ شاعر بھی تھے اور آپ نے اپنے اشعار میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری، عبادت، زہد و ریاضت، نفس کشی، تقدیر کی بالادستی اور رضائے الٰہی پر زور دیا ہے۔ آپ نے اپنے اشعار میں ریاکاری کرنے والے لوگوں کو بھی ہدفِ ملامت بنایا ہے۔ مغرور و متکبر مذہبی عالموں پر چوٹیں کی ہیں۔ آپ نے اپنی آخری عمر میں رہبانیت ترک کردی تھی۔ جب حضرت شاہ ہمدان کو معلوم ہوا کہ شیخ نورالدین نورانی گھر بار اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگلوں کی طرف نکل گئے ہیں تو آپ نے اپنے بھتیجے اور خلیفہ میر محمد ہمدانی کو شیخ صاحب کے پاس بھیجا تاکہ وہ اِن کو بتائیں کہ اسلام میں گھر بار چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں کی راہ لینا معیوب ہے۔

(۷)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ج ۳۲، ص ۱۴۳، ۱۴۷۔

روحانی تربیت کے لیے مدرسہ کا قیام :۔ حضرت شاہ ہمدان کے پیغام پر آپ نے چرارِ شریف میں مقیم ہو کر عوام کی ذہنی اور روحانی تربیت کے لیے ایک مدرسہ کھولا آپ کے کثیر تعداد میں شاگرد تھے۔ جن میں بابا نصیر الدین، بابا بام الدین، بابا زین العابدین اور بابا لطیف الدین زیادہ معروف ہیں۔

جب آپ کی وفات ہوئی تو سلطان زین العابدین بڈشاہ نے آپ کی میت کو کندھا دیا اور آپ کی تجہیز و تکفین کا کام کیا۔

افغان صوبیدار عطا محمد خان (۱۸۰۸ء تا ۱۸۱۰ء) نے کشمیری عوام کی اس شگفتگی کو سامنے رکھا اور نور الدین کے نام سے سکہ جاری کیا تھا۔ دُنیا میں آپ واحد صوفی ہیں جن کے نام کا کسی حاکم نے سکہ جاری کیا ہو۔ (۸)

شیخ یعقوب صوفی :۔

شیخ یعقوب صوفی ۱۵۲۱ء/ ۹۲۸ھ میں کشمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ حسن غنائی تھا اور آپ عاصمی قبیلے سے تھے (عاصمی قبیلہ کے لوگ خود کو حضرت عاصم بن حضرت خلیفہ عمر فاروقؓ کی اولاد سے بتلاتے ہیں)۔ آپ جب سات سال کے ہوئے تو آپ نے سارا قرآن حکیم حفظ کر لیا تھا۔ اس عمر میں آپ فارسی میں شعر موزوں کرنے لگے۔ آپ نے خود کہا ہے ؎ چو در سالِ ہفتم نہادم قدم ✦ ز طبعم روان گشت شعرم

آپ نے ابتدائی تعلیم ملا امنی سے حاصل کی (ملا امنی حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ کے شاگرد تھے، جام ہرات کے صوبہ کا ایک قصبہ تھا) ازاں بعد آپ نے مُلا بصیر خان سے تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد سیالکوٹ، لاہور، کابل، سمرقند، شہر مکہ مدینہ اور دوسرے بلادِ اسلامیہ میں حصولِ تعلیم کی خاطر گئے۔ بیس سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی۔ ایک بچہ ہوا جو فوت ہو گیا۔

جب ۹۵۶ھ تا ۹۵۸ھ میں ترکستان کے روحانی پیشوا شیخ حسین خوارزمی فوت ہوئے تو آپ اُن کے روحانی وارث قرار پائے۔ مکہ معظمہ میں قیام کے دوران آپ نے شیخ ابن حجر مکی سے (جو حدیث کے ایک عظیم اُستاد تھے) حدیث و فقہ کی تدریس و تبلیغ کا اجازت نامہ لیا۔ آپ ابن المنزلی کی تحریروں کے معتبر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ آپ نے مذہبی رہنما اور عالم کی حیثیت سے ہندوستان اور کشمیر میں وعظ و تبلیغ کی اور یوں آپ کے بے شمار شاگرد اور عقیدت مند پیدا ہوئے۔ ایک حج کے موقع پر آپ نے فتح پور سیکری کے عظیم بزرگ شیخ سلیم چشتی سے ملاقات کی۔

ڈاکٹر جی ایم ڈی صوفی نے اپنی انگریزی تصنیف کشیر (جلد دوم ص ۳۶۳) میں لکھتے ہیں کہ :۔

"ہندوستان کے قیام کے دوران حضرت شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) آپ سے حدیث و تصوف میں درس لیا کرتے تھے۔ صاحب دلبستانِ مذاہب ملا محسن فانی آپ کو اپنے عہد کا روحانی پیشوا لکھتے ہیں"

---

(۸) کشمیر میں اشاعت اسلام، ڈاکٹر سلیم خان، طبع ۱۹۸۶ء، ناشر یونیورسل بکس ۲۴-اے اُردو بازار لاہور، ص ۷۶ تا ۷۸۔

آپ کئی کتابوں کے مصنف اور فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ کے قلمی دیوان کا ایک نسخہ جناب احسان قریشی (مظفرآباد) آزاد کشمیر کے پاس محفوظ ہے۔

تصانیف:۔ آپ کی چند مشہور تصانیف بذیل ہیں:۔

(۱) تفسیر مالک الاخیار۔ (۲)۔ وامق عذرا۔ (۳)۔ لیلیٰ مجنوں۔ (۴)۔ مناسکِ حج۔ (۵)۔ مقامات مرشد

آپ نہ صرف عالم اور مذہبی راہنما تھے بلکہ سیاست دان بھی تھے۔ کشمیریوں کا جو وفد سلطان یعقوب شاہ چک کے خلاف مغل اکبر بادشاہ کے پاس گیا آپ اس کے ایک سرکردہ رُکن تھے۔

وفات:۔ آپ نے ذی قعدہ ۱۲، ۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۴ء کو وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ محلہ زینہ کدل سرینگر میں ہے۔ جو مرجع خاص و عام ہے۔ (۹)

شیخ داؤد شاہ خاکی:۔

آپ ۱۵۳۱ء / ۹۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ حسن غنائی تھا (شیخ حسن اعلیٰ پائے کے خطاط اور خوش نویس تھے) لفظ غنائی غن سے مشتق ہے جس کے معنی قلم کے ہیں یعنی بابا داؤد شاہ خاکی قلم کاروں کے خانوادہ سے تھے۔

بابا داؤد شاہ خاکیؒ نے ابتدائی تعلیم مُلا نصیر خان اور علامہ رضی الدین سے حاصل کی۔ بعد ازاں آپ سلطان مالک شاہ کے بیٹے کے اتالیق مقرر ہوئے۔ آخر آپ نے سلطان کی ملازمت چھوڑ دی اور شیخ حمزہ مخدوم کے مرید بن گئے۔ جو وفد چک سلطان کے خلاف اکبر اعظم کے پاس مدد کے لیے گیا تھا۔ آپ اس کے ایک رُکن تھے۔ اکبر اعظم سے ملنے کے بعد آپ کشمیر آئے اور جلد ہی اسلام آباد (اننت ناگ) میں ۱۵۸۵ء / ۹۹۳ھ فوت ہوگئے اور وہیں بابا رشی صاحب کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔ بعد ازاں آپ کا جسد خاکی سرینگر لایا گیا اور آپ کو شیخ حمزہ مخدوم کی زیارت میں ان کے روحانی مرشد کے ساتھ دفن کیا گیا۔

شاعری:۔ آپ اعلیٰ پائے کے شاعر بھی تھے۔ خاکی تخلص رکھتے تھے۔

تصانیف:۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں:۔

(۱)۔ ورد المریدین۔ (۲)۔ قصیدہ لامیہ (دلریشی نام)۔ (۳)۔ قصیدہ غیلیہ۔ (۴)۔ قصیدہ مزوریہ۔ (۵)۔ دستور السالکین۔ (۶) مجمع الفوائد۔ (۱۰)

---

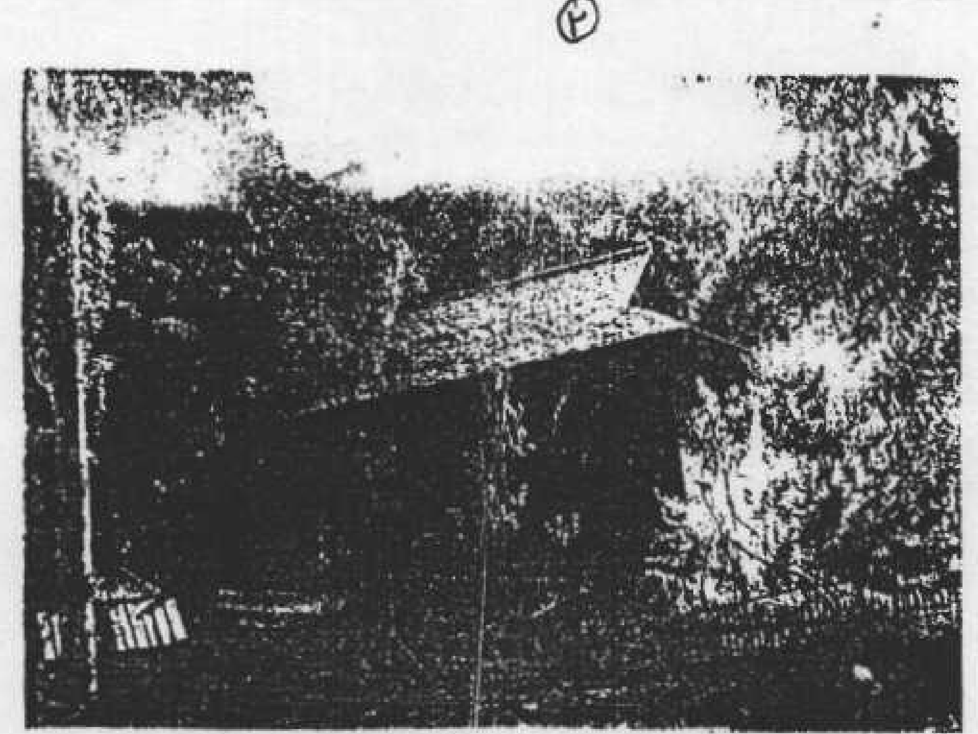
(۹)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۸۵، ۸۶۔

(۱۰)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۸۶، ۸۷۔

باب دوم

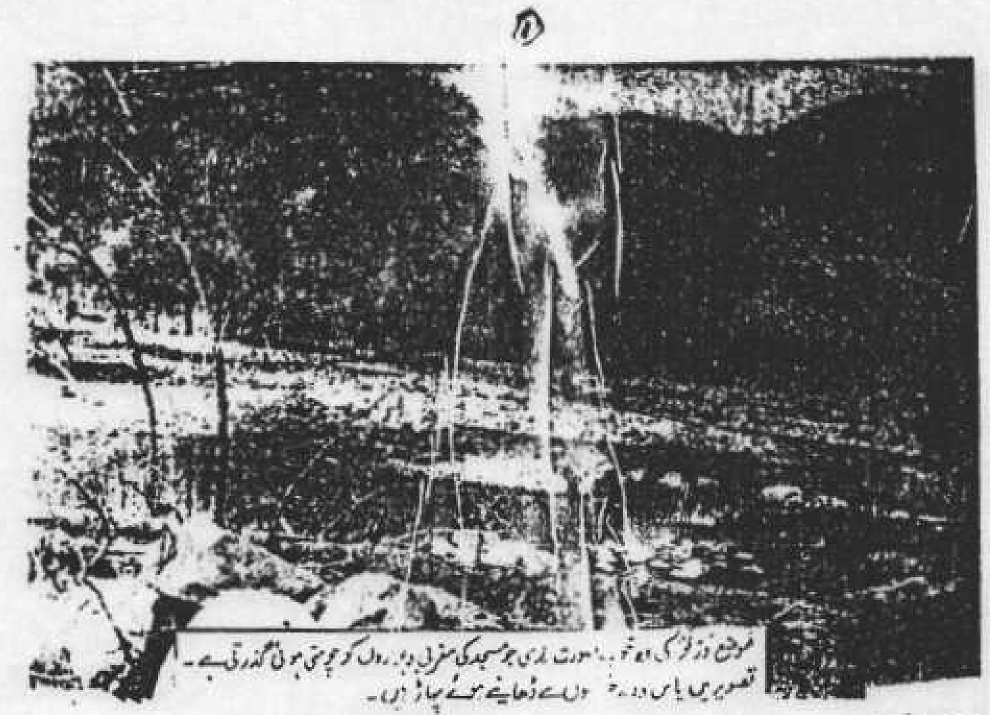
علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے حالاتِ زندگی

(۴)



موضع لواب کی وہ یادگار مسجد جس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مسجد کے مشرق میں مولینا معظم شاہ صاحبؒ اور آپ کے دیگر متعلقین کا مزار ہے۔

(۵)



موضع وزنگر کی وہ خوبصورت ندی جو مسجد کی مغربی دیواروں کو چھوتی ہوئی گذرتی ہے۔
تصویر میں پاس دور درختوں سے ڈھانپے ہوئے پہاڑ ہیں۔

(۱) - الانور از عبدالرحمن کوندو : ص ۴۸ -
(۲) - ایضاً : ایضاً : ص ۴۹ -



(۱) دارالتفسیر، دارالعلوم دیوبند

(۲) حضرت علامہ کشمیریؒ کی خوابگاہ۔
خاک کی وہ ڈھیری جس کے نیچے ایک گنج گراں مایہ پنہاں ہے۔

دارالحدیث، دارالعلوم دیوبند

حضرت شاہ صاحبؒ کے جدِ بزرگوار حضرت الشیخ بابا مسعود نوریؒ کی تربت۔
یہ سنگِ مزار کہ مرورِ زمانہ نے چراغ ... پھولوں کے جھنڈ میں سے سر نکالے کھڑا ہے۔

(۱) الانور، عبدالرحمن کوندو، ص ۲۲۴ -
(۲) ایضاً ایضاً ، ص ۲۲۵ -

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے حالات زندگی

خاندانی وطن :- عبدالصمد صارم رقمطراز ہیں :-

"آپ کے آباؤ اجداد بغداد کے رہنے والے تھے جو بغداد شریف کو چھوڑ کر ملتان آ گئے تھے۔ لاہور میں کچھ دن رہے اور پھر جنت کشمیر کو اپنا مستقل گھر بنا لیا۔" (۱)

حضرت شاہ صاحب کے خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت شیخ مسعود ۹۵۰ھ / ۱۵۴۳ء یا اس سے بھی کچھ مدت پہلے وارد سرینگر ہوئے۔ ۹۵۰ھ / ۱۵۴۳ء سے ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۹ء تک اس خاندان کے بزرگ سرینگر کے علاقہ نرورہ میں پہلے بحیثیت معروف تاجر یعنی ملک التجار اور بعد ازاں بحیثیت مرشد روحانی و مبلغ دینِ اسلام سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد بارھویں صدی ہجری کے دوران اولاد حضرت مسعود کی وہ شاخ جس کے گل سرسبد حضرت علامہ محمد انور شاہ ہیں، جو وادی کشمیر کے شمالی حصہ یعنی علاقہ کامراج اور خاص کر لولاب کے گل بداماں خطے کو اپنا مسکن بنا لیتے ہیں۔

۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۹ء جب ریاست جموں و کشمیر پر رنجیت سنگھ کی حکومت کا قبضہ ہو گیا تو حکام کے ظلم و ستم کی بدولت لوگ ہجرت پر مجبور ہو گئے تو دیگر ہزاروں تارکین وطن کی طرح حضرت شاہ صاحب کے جد امجد شاہ عبدالکبیر اور مسعودی قبیلہ کی دوسری شاخ کے رکن اعلیٰ شاہ محمد صالح اور اس خاندان کے دیگر کئی گھرانے لولاب کے لہلہاتے مرغزاروں، سیماب گوں چشموں، سونا اگلتی زمینوں، سو سال سے جمع کی ہوئی جائدادوں کو چھوڑ کر محبوب وطن کو ترک کر دیا اور شمالی حدود کو عبور کر کے وادیٔ نیلم کے پار مضافات کوٹلی لوات اور دواریاں وغیرہ میں آباد ہو گئے۔ اس زمانہ میں اس علاقے کا راجہ منصور علی خان تھا جس نے بخوشی ان مہاجرین کو آباد کیا۔ اس خاندان کے بہت سے گھرانے اب بھی وادی نیلم میں آباد اور بہت سے واپس کشمیر کی حدود میں آ گئے۔ (۲)

راقم دو مرتبہ بسلسلہ تحقیق لوات گیا اور شاہ صاحب کے رشتہ دار مولانا محمد یحییٰ مدظلہ سے ملا۔ دوسری مرتبہ راقم کے ساتھ مولانا غلام مصطفیٰ شاہ (تلمیذ حضرت علامہ) کے صاحبزادے عبداللہ شاہ مسعودی ایڈووکیٹ بھی تھے۔ حضرت علامہ کے اجداد اور ان کے گھرانہ کے مکانات سیری کلاں موضع لوات میں ہیں اور ان کے خاندان کے لوگ وہاں آباد ہیں۔ مولانا محمد یحییٰ نے بتایا کہ حضرت علامہ کے والد کا یہاں آنا بتایا جاتا ہے۔ البتہ حضرت علامہ کے یہاں آنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ (۳)

لولاب واپسی :- تیرھویں صدی ہجری کے آخر اور چودھویں صدی کے آغاز میں کشمیر میں سکھوں کا دور ختم ہوا اور ڈوگرہ دور شروع ہوا۔ راجہ منصور خان اور اس

---

(۱) صارم، عبدالصمد: سیرت انور شاہ کشمیری، ناشر، ایم ثناء اللہ خان ۲۶ ریلوے روڈ لاہور، سن ندارد، ص ۵۔

(۲) کوثر، عبدالرحمٰن: الانور، دہلی ندوۃ المصنفین، طبع چہارم ۱۹۸۱ء، ص ۱۰۰، ۱۰۱۔

(۳) ملاقات مولانا محمد یحییٰ۔ مقام سیری کلاں موضع لوات، نومبر ۱۹۸۶ء، ۱۲ جولائی ۱۹۸۷ء۔

سے جانشین راجہ شیر علی خان کی چھوٹی سی پہاڑی سلطنت جو پچاس سال تک وادیٔ پر مشتمل مظلوموں کی پناہ گاہ تھی، علم بغاوت بلند کرنے اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونے کے بعد ختم ہو گئی تو وادیٔ نیلم اور لولاب کے نظام میں کوئی فرق نہ رہا۔ رنبیر سنگھ کا عہد نسبتاً کم تشدد آمیز تھا۔ اس تبدیل شدہ فضا میں مولانا معظم شاہ اپنے اجداد کے وطن لولاب کی کشش اور سسرال والوں کے اصرار سے واپس وادیٔ لولاب آ گئے۔ کچھ مدت موضع دودوان (سسرال) میں رہ کر پھر موضع درنو میں ایک تیز رو ندی کے کنارے دامن کوہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ (۴)

مولانا معظم شاہ :۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے والد ماجد مولانا معظم شاہ ضلع مظفر آباد تحصیل کرناہ میں پیدا ہوئے۔ آپ فارسی زبان کے قادر الکلام شاعر، مناظر فطرت کے رمز شناس اور سہروردیہ سلسلہ میں مجاز طریقت تھے۔

آپ کی وفات اپنے فرزند ارجمند علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی وفات کے بعد بعمر ۱۲۵ سال درنو وادیٔ لولاب ضلع بارہ مولا میں ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں ہوئی۔ آپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ جن سے اولادیں ہوئیں۔ پہلی اہلیہ سے اولاد ذکور کی تعداد پانچ ہے، جن کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱) مولانا محمد یٰسین شاہ۔ (۲) مولانا انور شاہ (صاحب سوانح)۔ (۳) مولانا عبداللہ شاہ۔ (۴) سلیمان شاہ۔ (۵) نظام الدین شاہ۔ دوسری اہلیہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمد شاہ ہے۔ (۵)

علامہ احمد رضا بجنوری مولانا معظم شاہ صاحب کے بارہ میں رقمطراز ہیں :۔

"آپ (علامہ محمد انور شاہ) کے والد ماجد، بہت بڑے عالم ربانی، زاہد و عابد اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیر و مرشد تھے۔" (۶)

والدہ ماجدہ :۔ عبدالرحمٰن کوندو رقمطراز ہیں :۔

"آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی "مال دیدی" تھا۔ کشمیری زبان میں "مال" کے معنی پہاڑ کی اونچی چوٹی ہے اور دیدی کا لفظ کشمیری زبان میں عزت و احترام کا مفہوم ادا کرنے کے لیے بڑا جامع لفظ ہے جس کے معنی ماں بھی اور بڑی بہن بھی ہیں۔ یوں بھی اگر کسی خاتون کا عزت یا عمر کے لحاظ سے ادب کرنا ہو تو اس کو بھی "دیدی" کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے۔ بنابریں اس لفظ کا مفہوم بلند مرتبہ خاتون یعنی سربلند اور پروقار ماں ہے۔" (۷)

(۴)۔ کوندو، عبدالرحمٰن : الانور، دہلی ندوۃ المصنفین، طبع چہارم ۱۹۸۱ء، ص ۴۲۔

(۵) بگھی، غلام محمد : علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔ ص ۷۶، ۷۷۔

(۶) احمد رضا بجنوری، مولانا : انوار الباری، دیوبند، یو، پی، مکتبہ ناشر العلوم، سن ندارد، ج ۲۔ ص ۲۳۷۔

(۷) کوندو، عبدالرحمٰن : الانور، دہلی ندوۃ المصنفین، طبع چہارم ۱۹۸۱ء، ص ۳۰، ۳۱۔

پیدائش :۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری ۲۷ر شوال المکرم ۱۲۹۲ھ بروز شنبہ بوقت صبح اپنے ننھیال موضع دودھواں (علاقہ لولاب کشمیر) میں پیدا ہوئے ۔ (۸)

عبدالرحمٰن کوندو نے تاریخ پیدائش ۲۷ر شوال المکرم ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۷ر اکتوبر ۱۸۷۵ء بروز شنبہ لکھی ہے ۔ (۹)

ڈاکٹر رضوان اللہ نے تاریخ پیدائش ۲۷ر شوال المکرم ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۸۷۵ء لکھی ہے (۱۰)

غلام محمد کیمی نے بھی ۲۷ر شوال المکرم ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۸۷۵ء لکھی ہے ۔ (۱۱)

تقویم تاریخی مولانا عبدالقدوس ہاشمی کے مطابق یکم شوال المکرم ۱۲۹۲ھ کو ۳۱ر اکتوبر ۱۸۷۵ء ہے ۔ اس طرح ۲۷ر شوال ۱۲۹۲ھ کو عیسوی تاریخ پیدائش ۲۶ر نومبر ۱۸۷۵ء بنتی ہے ۔ (۱۲)

ابتدائی تعلیم و تربیت :۔ آپ کے ماہر نفسیات اور علم و فراست کے نور سے منور والد نے ایام رضاعت ہی سے آپ کی ذہنی تربیت کا خاص خیال رکھا ۔ جونہی گویائی شروع ہوئی تو آپ کو کلمات طیبات اور تہلیل و تسبیح یاد کرائے گئے ۔ تین چار سال کی عمر میں اپنے والد کے اذکار و اوراد اور درود خوانی کے اوقات میں موصوف کی جائے نماز کے پاس بٹھا دیئے جاتے تھے ۔ جو الفاظ کان سے سُنتے زبان سے جاری ہو جاتے ۔

خاندانی رواج کے مطابق ٹھیک چار سال، چار ماہ، چار دن کی عمر میں بسم اللہ خوانی کی تقریب کے ساتھ والد صاحب نے قرآن پاک پڑھانا شروع کیا ۔ عنایات و عطیات الٰہی کی فراوانی کی بنا پر چھ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے قرآن پاک ناظرہ کے علاوہ فارسی زبان کے مروجہ نصاب کی ابتدائی کتب نام حق، کریما و پندنامہ شیخ عطار ایسے چند رسالے اور فارسی کی صرف و نحو کے قواعد " دستور الصبیان " وغیرہ ختم کرلیے ۔ اس کے بعد عربی زبان میں علم فقہ کی ابتدائی کتب ، منیۃ المصلی اور قدوری وغیرہ کے ساتھ فارسی میں گلستان و بوستان سعدی پڑھنے لگے ۔ آپ کی تعلیم کے ابتدائی مراحل اس تیزی کے ساتھ طے ہوئے کہ پڑھانے والا تھک جاتا لیکن پڑھنے کی شدت عطش کم نہ ہوتی ۔ جو ایک بار پڑھ لیا ۔ حافظہ میں کالنقش فی الحجر محفوظ ہو جاتا ۔ (۱۳)

---

(۸) ۔ انظر شاہ ، قیصر : حیات انور ، مطبوعہ محمدی پریس دیوبند ، طبع جنوری ۱۹۷۷ء ، ج ۱ ، ص ۹ ۔

(۹) کوندو ، عبدالرحمٰن : الانور ، دہلی ، ندوۃ المصنفین ، طبع چہارم ۱۹۸۱ء ، ص ۳۰ ۔

(۱۰) رضوان اللہ ، قاری ، ڈاکٹر : مولانا انور شاہ حیات اور علمی کارنامے ، ص ۴۰ ۔

(۱۱) کیمی ، غلام محمد : علامہ محمد انور شاہ کشمیری ؛ حیات اور علمی کارنامے ، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ۔ ایچ ۔ ڈی ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ، ص ۸۳ ۔

(۱۲) عبدالقدوس ہاشمی ، مولانا : تقویم تاریخی ، اسلام آباد ، ادارہ تحقیقات اسلامی ، طبع دوم ۱۹۸۷ء ، ص ۳۲۳ ۔

(۱۳) کوندو ، عبدالرحمٰن : الانور ، دہلی ، ندوۃ المصنفین ، طبع چہارم ۱۹۸۱ء ، ص ۶۳ ، ۶۴ ۔

غلام محمد گچھی رقمطراز ہیں :۔

"پھر آپ نے شیخ سعدی شیرازی، النظامی، الامیر خسرو دہلوی، العارف الحق الجلس اور المحقق جلال الدین دوانی کی فارسی ادب کی نظم و نثر، انشاء و اخلاق کی وہ کتابیں پڑھنی شروع کیں جن کا پڑھنا آپ کے شہر والوں میں معروف متوارث تھا۔ آپ ان کتب فارسیہ اور علوم متعارفہ کے جامع بن گئے، یہاں تک کہ آپ نے اپنے امثال واقران پر فوقیت حاصل کرلی، علمی دنیا میں آپ کا یہ مقام ہوگیا کہ شہر کے علماء و فضلاء آپ کی طرف انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے۔" (۱۴)

ابتدائی تعلیم کی تکمیل :۔ مولانا معظم شاہ کے علاوہ جن اساتذہ سے آپ نے کسبِ فیض کیا اُن میں مولوی عبدالجبار، مولوی غلام محمد صوفی پورہ (المعروف مولوی محمد جلال ساکن سیبپورہ مُحلّہ کپواڑہ) کے نام ملتے ہیں، البتہ پوری تفصیل نہیں ملتی۔ محمد دین فوق کی کُتب "تاریخ اقوام کشمیر" و "مشاہیر کشمیر" کی ورق گردانی سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالجبار علاقہ کامراج میں فارسی کے زبردست ماہر اور بڑے عالم تھے۔ اس سے یہ اخذ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ شاہ صاحب نے فارسی کی تعلیم مولوی عبدالجبار سے حاصل کی ہوگی اور مولوی غلام محمد سے صرف و نحو، واللہ اعلم۔ لیکن تفسیر قرآن اور فقہ حنفی پر آپ کی وسیع النظری آپ کے والد ماجد ہی کا فیضان نظر تھا۔ (۱۵)

ابتدائی تعلیم کے دوران کشمیر میں جن جن اساتذہ سے آپ نے کسبِ فیض کیا۔ اُن کے نام یہ ہیں :۔ (۱) آپ کے والد پیر معظم شاہ۔ (۲)۔ مولوی عبدالجبار۔ (۳)۔ مولوی غلام محمد صوفی پورہ۔ (۴)۔ محمد جو جنرل۔ (۱۶)

بچپن کی ذہانت و فطانت اور اکابرین کی آراء :۔ آپ نے خود ایک موقع پر فرمایا کہ :۔

"میں بارہ سال کی عمر میں فتاویٰ دینے لگا تھا اور نو سال کی عمر میں فقہ و نحو کی مطولات کا مطالعہ کرچکا تھا۔"

آپ کے والد ماجد کا بیان ہے کہ :۔

"جب اُنہوں نے مختصر القدوری مجھ سے شروع کی تو مجھ سے بعض ایسے مسائل دریافت کرتے تھے کہ ۔

---

(۱۴)۔ گچھی، غلام محمد : علامہ محمد انور شاہ کشمیری؛ حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔ ص ۸۹۔

(۱۵)۔ کوثر، عبدالرحمٰن : الانور، دہلی، ندوۃ المصنفین، طبع چہارم ۱۹۸۱ء، ص ۶۸۔

(۱۶)۔ گچھی، غلام محمد : علامہ محمد انور شاہ کشمیری؛ حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔ ص ۸۶۔

مبسوط کتابوں کے مطالعہ کے بغیر اُن کا جواب دینا ناممکن تھا۔ میں اُنہیں ان موشگافیوں سے پڑھنے
سے منع کرنے پر مجبور ہوا۔ آخر میں اس قوت ذکاوت وذہانت سے پریشان ہو کر میں نے اُنہیں ایک
دوسرے عالم کے سپرد کیا مگر دوسرے اُستاد کو بھی ان سے یہی شکایت پیش آئی۔"

آپ کے والد آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی یٰسین شاہ مرحوم کو کشمیر کے پہاڑوں میں اعتکاف کرنے والے ایک عارف کے پاس حصول برکت کے لیے لے گئے۔ عارف نے جب اس ہونہار بچہ کو دیکھا تو والد سے پوچھا کہ یہ کیسا بچہ ہے ؟ پھر کہا کہ یہ بڑا عظیم الشان عالم ہوگا اور مستقبل میں اس کی علمی عظمت مسلم ہوگی ۔

ایک دفعہ منطق اور نحو کے چند رسالے مطالعہ کر رہے تھے ۔ اتفاقاً ایک بڑے عالم اُس وقت آپ کے پاس آگئے۔ ان عالم نے ان کتابوں کو اُٹھا کر دیکھا۔ کتابوں پر خود حضرت کے حواشی لکھے ہوئے تھے۔ بچپن کے زمانہ کی اس ذکاوت، تیزیٔ طبع ، سرعت فہم اور طبیعت کی دور رس کا اندازہ کر کے بے اختیار کہا یہ بچہ اپنے وقت کا رازی اور اپنے زمانے کا غزالی ہو گا۔ (۱)

حصول علم کے لیے سفر ہزارہ :- بارہ سال کی عمر میں جو کچھ آپ کو حاصل ہو گیا تھا، وہ آپ کے ہم عمر پیرزادوں اور مولوی زادوں کے معیار ضرورت کے مطابق کافی ہو سکتا تھا۔ مگر آپ کی وسعت استعداد کے پیش نظر حصول علم کا سلسلہ درجہ اکملیت تک پہنچانے کا فیصلہ کیا گیا ۔

چونکہ کشمیر میں دینی درسگاہیں نہ تھیں ۔ جو کوئی صاحب علم تعلیم کی مشعل کو روشن رکھے ہوئے تھا وہ پڑھنے والوں کی ضروریات ، کتاب ، کاغذ و لُقمۂ خوراک کا متکفل نہ ہو سکتا تھا۔ سرینگر جو کسی زمانہ میں علوم و فنون کا گہوارہ تھا، اب ماند پڑ چکا تھا۔ اس لیے کشمیر کے مشتاقان علم پکھلی اور ہزارہ ، جا علم و دانش کے چشمے تھے ، کی طرف رُخ کرتے تھے ۔ مولانا معظم شاہ نے بھی وادیٔ نیلم ضلع مظفر آباد سے نکل کر ہزارہ کی درسگاہوں سے کسبِ فیض کیا تھا۔ ہزارہ ضلع مظفر آباد سے متصل ہے ۔

جب شاہ صاحب کو ہزارہ بھیجنے کی تدابیر ہو رہی تھیں۔ آپ کے قریبی چار رشتہ دار پھوپھی زاد بھائی حیدر شاہ ، چچا زاد بھائی عبدالمجید شاہ ، دیگر دو رشتہ دار پیر مختار شاہ اور عبدالاحد شاہ ضلع ہزارہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے ۔

چنانچہ ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء (بعمر ۱۳ سال) " اطلبوا العلم ولو کان بالصین " کے اس علمی مصداق کو اپنے والد گرامی مولانا معظم شاہ نے ہزارہ روانہ کر دیا اور اپنے بھتیجے مولوی عبدالمجید شاہ کو ہر طرح کی حفاظت و نگاہ داشت کی تاکید کر دی ۔

ہزارہ کی دانش گاہوں میں سے مانسہرہ ، بفہ ، خاکی ، گوائی ، بالاکوٹ ، شنکیاری ، داتہ ، بانڈی ڈھونڈاں ، دھنوڑہ ، کاکول اور نواں شہر

---

(۱)۔ قیصر، محمد انظر شاہ : حیات انور ، ناشر نسیم اختر ، شاہ منزل دیوبند ، طبع جنوری ۱۹۷۷ء ، ج ۱ ، ص ۱۰ ، ۱۱ ۔

اپنے اپنے تخصص علوم کی وجہ سے مشہور تھیں۔ کسی میں صرف و نحو کا چرچا تھا اور کہیں منطق و فلسفہ کا، کسی جگہ فقہ اور اصول کی شہرت تھی اور کسی جگہ تفسیر و حدیث کی ۔ (۱۸)

ہزارہ میں شاہ صاحب نے کس کس ادارہ میں اور کن کن اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ اس بارہ میں شاہ صاحب کے سوانح نگار خاموش ہیں۔ عبدالرحمٰن کوندو نے کاکول کی درس گاہ اور مولانا فضل الدین جن سے شاہ صاحب نے کسبِ فیض کیا، کا ذکر کیا ہے ۔

اس سلسلہ میں راقم ۱۷ دسمبر ۱۹۸۶ء کو مولانا حبیب الرحمن عرالفن نولیس سے ایبٹ آباد احاطہ عدالت میں ملا۔ اُنہوں نے بتایا کہ پردادا مولانا فضل الدین اور اُن کے بھائی مولانا شرف الدینؒ کاکول میں فقہ اور اصول کا درس دیتے تھے۔ مولانا انور شاہ صاحب نے اُن دونوں سے کسبِ فیض کیا ہے۔ اُن کے پاس اُس زمانہ کی کوئی کتاب بھی تھی جس پر شاہ صاحب کے دستخط تھے۔ وہ اُن سے کوئی محقق لے گیا ہے ۔

دیگر کسی ادارے کا پتہ نہ چل سکا۔ البتہ ہزارہ میں جو علوم شاہ صاحب نے سیکھے اُن میں صرف و نحو، بلاغت، منطق، فلسفہ اور اصول فقہ وغیرہ کی درمیانہ اور اُونچے درجے کی مروجہ اور اہم کتابیں شامل تھیں ۔

مدارس ہزارہ کے فن تدریس کا دستور تھا کہ کسی فن کی اُونچی تعلیم دینے سے پہلے اس فن کی مختصر کتاب طالب علم کو زبانی یاد کرادی جاتی۔ اسی طرح ہر فن کے متن کو لازمی طور پر حفظ کرنے کے طریق تعلیم نے شاہ صاحب کی قوتِ حفظ اور قوتِ استحضار کے لیے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ جس کے نتائج و ثمرات آپ کی معلومات میں ہمیشہ نمایاں رہے ۔

ضلع ہزارہ میں شاہ صاحب نے صرف تین سال کے عرصہ میں وہ تمام علوم جو دوسرے طلبہ چھ سات سال میں پڑھتے تھے، ماہر فن اور حاذق اساتذہ کی شفقت سے پڑھ کر ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں واپس لولاب آگئے۔ جب کہ آپ کے تین پیشرو ساتھی، حمید شاہ، مختار شاہ، اور عبدالاحد شاہ تو آپ کی واپسی سے قبل ہی واپس آچکے تھے۔ البتہ آپ کے چچازاد بھائی پیر عبدالمجید شاہ آپ کی لولاب واپسی تک وہیں رہے اور آپ کی لولاب روانگی پر انہوں نے دیوبند کا رُخ کیا ۔

پیر عبدالمجید ۱۳۰۸ھ کو دیوبند چلے گئے اور ۱۳۰۹ھ کا سال شاہ صاحب نے اپنے وطن میں گزارا۔ جب کہ عبدالمجید شاہ نے مطابق روئیداد دارالعلوم دیوبند اس سال تفسیر جلالین و بیضاوی، مختصر المعانی و مطول اور ملاحسن و میبذی پڑھ کر ۱۳۱۰ھ میں ان کتابوں کا امتحان دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو عبدالمجید شاہ کی موثر تحریروں نے دیوبند جانے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ ۱۳۱۱ھ میں جب شاہ صاحب نے دیوبند میں پہلا امتحان دیا تو یہ عبدالمجید شاہ کا دارالعلوم سے فراغت کا سال تھا ۔ (۱۹)

(۱۸)۔ کوندو، عبدالرحمٰن : الانور، دہلی، ندوۃ المصنفین، طبع چہارم ۱۹۸۱ء، ص ۶۶ تا ۶۷ ۔

(۱۹) ایضاً ایضاً ص ۷۵ تا ۸۵ ۔

شاہ صاحب ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء میں ہزارہ سے واپس آئے اور ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء کا سال گھر پر ہی گزارا۔ اس زمانہ میں کشمیر میں زمینوں کا پہلا قانونی بندوبست ہو رہا تھا اور اس سال لولاب میں زمینوں کی پیمائش ہو رہی تھی۔ چونکہ شاہ صاحب کی طبیعت ہر نئی چیز کی جویا تھی، اس لیے بندوبست کو قریب سے دیکھنے کے بعد آپ کو علم مساحت، علم ہندسہ و حساب اور پیمائش سے ایسی دلچسپی ہو گئی کہ آپ نے سال بھر کیلئے سب کام ملتوی کرکے اپنی تمام دلچسپیاں اسی پر مرکوز کر دیں۔ کشمیر کا سٹلمنٹ کمشنر ایک انگریز مسٹر والٹر آر لارنس تھا۔ باقی افسران پنجاب وغیرہ سے لائے گئے تھے۔ چند ملاقاتوں میں ان افسران پر شاہ صاحب کے علم و فضل اور فارسی زبان پر تعرف کا اندازہ ہو گیا۔ انہوں نے شاہ صاحب کو بندوبست میں شامل کرنا چاہا اور تحصیلداری اور اس سے بھی اونچے عہدوں کی امیدیں دلانے لگے۔ لیکن شاہ صاحب نے انہیں بتا دیا کہ وہ سرکاری ملازمت سے قطعاً بیزار ہیں۔

دیوبند کے لیے روانگی :۔ شاہ صاحب کے گھر پر قیام کے دوران دیوبند سے پیر عبدالمجید شاہ کے خطوط آپ کے نام اور بزرگوں کے نام آتے رہے۔ جن میں شاہ صاحب کے دیوبند میں داخلہ کا اصرار ہوتا۔ چنانچہ آپ دیوبند روانہ ہو گئے۔ (۳۰)

دیوبند میں داخلہ سنہ ۱۳۱۰ھ/سنہ ۱۸۹۲ء :۔ ڈاکٹر رضوان اللہ رقمطراز ہیں :۔

"بغرض تکمیل علوم سنہ ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں جب دارالعلوم میں داخلہ لیا تو ابتداً مسجد قاضی میں قیام کیا۔ دیوبند یا مدرسہ والوں سے تعارف نہ ہونے کے سبب کئی دن تک بھوکے رہے کسی پر اپنا حال ظاہر نہ ہونے دیا، متولی مسجد قاضی احمد حسن نے جب اس ہونہار نوجوان کے چہرے پر فاقہ کے آثار دیکھے تو رہا نہ گیا، پوچھا صاحبزادے کس غرض سے آئے ہو؟ شاہ صاحب نے کہا؛ مولانا محمود الحسن صاحب سے پڑھنے کے لیے کشمیر سے آیا ہوں، متولی نے شاہ صاحب کو کھانا کھلایا اور اسی وقت مولانا محمود الحسن کی خدمت میں لے گئے۔" (۳۱)

ڈاکٹر رضوان اللہ کا یہ بیان قابل یقین نہیں۔ کیونکہ شاہ صاحب کے چچا زاد بھائی مولوی عبدالمجید شاہ نے شاہ صاحب اور ان کے بزرگوں کو خط لکھ کر شاہ صاحب کو دیوبند بلوایا اور پھر داخلے کے وقت تعاون کے ساتھ ساتھ جس طرح اپنے نام کے ساتھ عبدالمجید شاہ مظفر آبادی لکھوایا تھا اسی طرح شاہ صاحب کے نام کے ساتھ بھی محض کسی نسبت سے مظفر آباد لکھوایا (راقم کو اس بات کا ثبوت نہیں مل سکا کہ شاہ صاحب کبھی لوات ضلع مظفر آباد گئے ہوں) (۳۲)

ابتدائی قیام :۔ دارالعلوم میں مطبخ نہیں تھا۔ دارالاقامہ میں کمروں کی کمی تھی۔ شاہ صاحب ایک عرصہ تک مولانا مشیت اللہ کے ساتھ مسجد کے حجرے میں رہے۔ مولانا

---

(۳۰) - ایضاً ایضاً ایضاً ص ۸۷ تا ۹۱ -

(۳۱) - رضوان اللہ، قاری، ڈاکٹر: مولانا انور شاہ، حیات اور علمی کارنامے - ص ۴۱ -

(۳۲) - کیمپی، غلام محمد، علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور - ص

مشیت اللہ بجنور کے ایک زمیندار کے بیٹے تھے۔ شاہ صاحب اور مولانا مشیت اللہ کی دوستی کو بڑا دوام حاصل ہوا۔ شاہ صاحب چھٹیاں اکثر مولانا مشیت اللہ کے ساتھ بجنور میں گزارتے تھے۔ مولانا مشیت اللہ کا کہنا ہے کہ :۔

"یہ کشمیری نوجوان نصف شب تک مطالعہ میں مصروف رہتا۔ جب نیند کا غلبہ زیادہ ہوتا تو وہیں تھوڑی دیر کے لیے آنکھ جھپکا لیتا اور جلد ہی اُٹھ بیٹھتا اور نوافل و تہجد پڑھتا۔ نوافل سے فارغ ہوتے ہی مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔"

مسجد قاضی کے علاوہ کچھ دنوں آپ کا قیام محلہ پٹھان پورہ اور جامع مسجد کے حجروں میں رہا۔ دارالعلوم میں اس وقت منشی فضل حق کا دورِ اہتمام تھا اور صدر مدرس مولانا محمود الحسن تھے۔ (۲۳)

دارالعلوم دیوبند میں عرصہ قیام ۱۳۱۰ھ تا ۱۳۱۴ھ۔

مولانا محمد میاں اپنے مضمون "حضرت شاہ صاحب اور دارالعلوم دیوبند" میں رقمطراز ہیں :۔

"۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء میں یہ مہر تاباں علوم مشرقیہ کے اس عظیم الشان مرکز میں داخل ہوا جو اُس وقت شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری، مولانا عبدالعلی صاحب محدث مدرسہ عبدالرب دہلی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب، حضرت مولانا حکیم محمد حسن صاحب جیسے اکابر علماء اور ماہرین اساتذہ کے فیوض و برکات کا کوثر و تسنیم بنا ہوا تھا اور طلوع شعبان ۱۳۱۱ھ میں حسامی اور ہدایہ اولین کے سالانہ امتحان میں شریک ہو کر اس کا نام نامی انور شاہ مظفر آبادی زیب روئداد بنا۔" (۲۴)

درسی کُتب اور اُن کی ترتیب :۔

دارالعلوم دیوبند کے درجاتِ عربی میں دفعہ بندی کا قاعدہ کبھی بھی رائج نہیں ہوا۔ دارالعلوم میں ہر ایک فن کی خاص خاص کتابیں متعین ہیں جو طالب علم کو پڑھنی پڑتی ہیں، کچھ کتابیں اعطاءِ سند کے لیے لازمی ہیں، باقی فنون اور کتابیں اختیاری ہیں۔ شاہ صاحب نے خود اپنی رائے سے یا اساتذہ کے مشورہ سے کتابیں جس ترتیب سے پڑھیں وہ دورِ حاضر کے طلباء کے لیے حیرت انگیز ہے۔

(۲۳)۔ رضوان اللہ، ڈاکٹر، قاری : مولانا انور شاہ، حیات اور علمی کارنامے، ص ۱۱، ۱۲۔

(۲۴)۔ ازہر شاہ، قیصر : حیات انور، ناشر نسیم اختر شاہ منزل دیوبند، طبع دوم جنوری ۱۹۷۸ء، ص ۲۷۳۔

دارالعلوم کی سالانہ روئیدادوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۳۱۲ھ میں حدیث میں بخاری شریف، ترمذی شریف، تفسیر میں جلالین شریف، فقہ میں ہدایہ جلد ثانی اور منطق میں قاضی مبارک۔ ۱۳۱۳ھ میں حدیث میں ابوداؤد اور مسلم شریف، تفسیر میں بیضاوی شریف، ہیئت اور فلسفہ میں توضیح، شرح چغمینی اور صدرا پڑھا۔ امتحانات میں درجہ اوّل میں کامیاب ہوئے۔ ۱۳۱۴ھ میں حدیث میں موطا امام مالک، نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف پڑھی۔ فنون میں شمس بازغہ اور نفیسی کا امتحان دیا۔ (۲۵)

شاہ صاحب کے اساتذہ :-

(۱) مولانا محمود الحسن۔ (۲)۔ خلیل احمد سہارنپوری۔ (۳)۔ محمد اسحٰق کشمیری ثم مدنی۔ (۴)۔ غلام رسول ہزاروی۔ (۵)۔ حکیم محمد حسن۔ (۶)۔ مولانا عبدالعلی۔ (۷)۔ بقول شاہ صاحب :-

"انہوں نے بخاری شریف، سنن ابن داؤد، جامع ترمذی اور ہدایہ آخرین مولانا محمود الحسن سے اور صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، شیخ محمد اسحٰق کشمیری سے پڑھیں۔" (۲۶)

ہمعصر نامور طلبہ :-

یوں تو شاہ صاحب کے سہ سالہ قیام دیوبند کے دوران سینکڑوں طلبہ فارغ ہوئے۔ بذیل نام دیئے جاتے ہیں۔ جنہوں نے زمانے میں الگ نقوش چھوڑے۔ (۱) مولانا محمد کفایت اللہ مفتی اعظم ہند و سابق صدر جمعیۃ العلماء و صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ (۲)۔ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی۔ (۳)۔ مولانا حافظ ضیاء الحق صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ (۴)۔ مولانا محمد غلام الدین مدرس و بانی مدرسہ حنفیہ فیض آباد۔ (۵)۔ مولانا محمد صادق بانی مدرسہ اسلامیہ عربیہ کھڈہ کراچی۔ (۶)۔ مولانا محمد شفیع صدر مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی۔ (۷)۔ مولانا صدیق احمد صاحب مہاجر مدینہ۔ (۸)۔ مولانا سید احمد صاحب مہاجر مدینہ (بانی مدرسہ الشرعیہ مدینہ منورہ)۔ (۹)۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ العلمائے ہند۔ (۲۸)

دارالعلوم سے فراغت :-

دارالعلوم دیوبند سے تقریباً چار سال کسب فیض کرکے ۱۳۱۴ھ میں آپ نے مروجہ علوم میں سند فراغت حاصل کی۔ دورۂ حدیث سے فراغت کی ایک سند صدر المدرسین مولانا محمود الحسن نے بھی دی۔ انہوں نے اپنے تاثرات بذیل الفاظ میں تحریر کئے:-

---

(۲۵)۔ ایضاً ایضاً ص ۲۷۵۔

(۲۶)۔ یحییٰ، غلام محمد: علامہ محمد انور شاہ کشمیری: حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۸۹۔

(۲۷)۔ ازہر شاہ، قیصر: حیات انور، ناشر نسیم افتر شاہ منزل دیوبند، طبع دوم جنوری ۱۹۷۷ء، ص ۲۷۶۔

"خداوند تعالیٰ نے مولانا انور شاہ میں علم، عمل، سیرت، صورت، ورع، زہد، حافظہ اور ذہن ثاقب کو جمع کر دیا ہے۔" (۲۸)

گنگوہ میں:- غلام محمد کیچی نے اپنے مقالے "علامہ محمد انور شاہ کشمیری حیات اور علمی کارنامے" میں پہلے "دیوبند سے گنگوہ" کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے کہ "مولانا انور شاہ ۱۳۱۲ھ میں دورۂ حدیث مکمل کر کے دارالعلوم سے فارغ ہو گئے تو گنگوہ چلے گئے"۔ اگلے صفحے پر "مدرسہ عبدالرب دہلی میں تدریس فراغت" کا عنوان دے کر پھر لکھتے ہیں "دارالعلوم سے ۱۳۱۲ھ میں فارغ ہوئے تو آپ دہلی چلے گئے اور وہاں مدرسہ عبدالرب میں صرف چند مہینوں تدریس کا کام کیا۔ اس وقت مدرسے کے صدر المدرس آپ کے ہمعصر طالب علم مولانا محمد شفیع تھے۔" (۲۹)

کیچی صاحب کے بیانات عدم تسلسل کا شکار ہیں۔ مدرسہ عبدالرب کا ذکر صرف کیچی صاحب کے ہاں مقدمہ التقریر ص ۱۶ کے حوالے سے ملتا ہے۔ جب کہ شاہ صاحب کے دوسرے سوانح نگار و مقالہ نگار، عبدالعزیز عاصم، مسعود احمد ہاشمی، ڈاکٹر رضوان اللہ، مولانا احمد رضا بجنوری، ازہر شاہ قیصر، عبدالرحمٰن کوندو، اور سید محمد میاں اسی ضمن میں خاموش ہیں۔ شاہ صاحب کے بڑے صاحبزادے انظر شاہ مسعودی جن کو تحقیق کے جملہ مواقع و سہولیات حاصل تھیں، اپنی تصنیف نقش دوام میں لکھتے ہیں کہ:-

"مدرسہ عبدالرب کی تدریس سے متعلق کوئی مستند روایت راقم الحروف تک نہیں پہنچی۔" (۳۰)

ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کہ "علم بغیر عمل کے وبال ہے" حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ سے بانیان دارالعلوم دیوبند کے بعد آج تک دیوبند سے علوم دین کی تکمیل کرنے والوں کو یہ ترغیب دی جا رہی ہے کہ وہ عملی زندگی کے دائرے میں قدم رکھنے سے قبل کسی روحانی پیشوا کے پاس رہ کر عملی تربیت و ریاضت کا مرحلہ طے کریں۔

جس زمانے میں شاہ صاحب نے دارالعلوم سے تکمیل تعلیم کی، دارالعلوم کے سرپرست حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی تھے جو شریعت و طریقت کے جامع اور مرجع علماء حقانی تھے۔ شاہ صاحب اُن کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے۔ وثوق سے یہ کہنا ہمارے لیے مشکل ہے کہ شاہ صاحب نے حضرت گنگوہی سے کوئی کتاب بھی پڑھی۔ البتہ یہ امر مسلم ہے کہ حضرت گنگوہی نے سند حدیث عطا فرمانے کے بعد آپ کو ایک مشہور سلسلہ "سلسلۂ چشتیہ" میں بیعت کر کے رخصت کر دیا۔ (۳۱)

(۲۸) کیچی، غلام محمد: علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۹۰۔

(۲۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۹۰، ۹۱۔

(۳۰) مسعودی، مولانا، انظر شاہ: نقش دوام، کراچی، مکتبہ النوریہ نیو ٹاؤن، سن ندارد، ص ۳۴۔

(۳۱) کوندو، عبدالرحمٰن: الانور، دہلی ندوۃ المصنفین، طبع چہارم ۱۹۸۱ء۔ ص ۱۰۰، ۱۰۱۔

بجنور میں :۔ دیوبند کے رفیق اویس مولانا مشیت اللہ کے اصرار پر آپ گنگوہ سے بجنور اُن کے ہاں چلے گئے اور وہاں قیام کیا۔ اس قیام کے دوران شاہ صاحب یکسوئی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے فیض باطنی کی مشق میں مصروف ہو گئے اور ساتھ ہی مولانا مشیت اللہ کی لائبریری سے بھی خوب استفادہ کیا۔ (۳۲)

مدرسہ امینیہ دہلی میں :۔ دارالعلوم دیوبند میں شاہ صاحب مفتی کفایت اللہ اور مولانا امین الدین ہم جماعت تھے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر شاہ صاحب گنگوہ اور وہاں سے بجنور چلے گئے، مفتی اعظم شاہجہان پور چلے گئے اور مولانا امین الدین دہلی چلے آئے اور مسجد جھجنہ (چاوڑی بازار) میں قیام کیا۔ کچھ دنوں بعد مفتی اعظم دہلی آئے اور اُن کے پاس قیام کیا اور مولانا نے اُن سے کہا وہ ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی اُن سے تعاون کی درخواست بھی کی۔ مفتی صاحب نے اس مبارک خیال کی تعریف کی۔ مگر خود معذرت کی کیونکہ اُن کو اپنے شفیق اُستاد مولانا عبید الحق خان نے مدرسہ عین العلم کی خدمت کے لیے بلایا ہے اور حضرت شاہ صاحب کو بجنور سے بلانے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ مولانا امین الدین بجنور چلے گئے۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب مولانا مشیت اللہ کے ہاں قیام پذیر تھے۔ مولانا نے شاہ صاحب سے مقصد بیان کیا اور دہلی چلنے پر آمادہ کر لیا۔ مولانا نے شاہ صاحب سے دریافت کیا تمہارے پاس کتنے روپے ہیں؟ شاہ صاحب کے پاس اس وقت کل سات روپے تھے جو انہوں نے مولانا کو دے دیئے اور انہی سات روپوں میں دہلی کے ٹکٹ خریدے گئے۔

دہلی آئے اور مسجد سنہری چاندنی چوک میں شاہ صاحب کو بٹھایا، دو تین طالب علم مہیا کر دیئے تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (۳۳)

مولانا محمد ادریس سکھروڈوی کا بیان ہے کہ :۔

"شاہ صاحب یہ خیال کر کے کہ مدرسہ چلے یا نہ چلے مگر مولوی صاحب کی دل شکنی نہ ہو، مولوی صاحب کے ساتھ ہو لیا اور دہلی پہنچ کر سوا سترہ روپے جو میرے پاس تھے وہ بھی میں نے مولانا کے حوالے کر دیئے۔

یہی روپے مدرسہ کا سب سے پہلا مالی سرمایہ تھا۔" (۳۴)

مدرسہ امینیہ دہلی کی ابتدا ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ/ستمبر ۱۸۹۷ء میں ہوئی۔ مولانا امین الدین بانی و مہتمم اور حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سب سے پہلے صدر مدرس تھے۔ شاہ صاحب ۸ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ/۱۶ جون ۱۹۰۲ء کو اپنی خاندانی ضروریات کی بنا پر کشمیر تشریف لے گئے۔ (۳۵)

---

(۳۱)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۰۶۔

(۳۳)۔ ماہنامہ البلاغ کراچی: تعلیمی نمبر، دسمبر ۱۹۵۴ء تا فروری ۱۹۵۵ء۔ ص ۱۰۵، ۱۰۶۔

(۳۴)۔ کونٹو، عبدالرحمن: الانور، دہلی، ندوۃ المصنفین، طبع چہارم ۱۹۸۱ء، ص ۱۰۸۔

(۳۵)۔ ماہنامہ البلاغ کراچی: تعلیمی نمبر، دسمبر ۱۹۵۴ء تا فروری ۱۹۵۵ء، ص ۱۰۶، ۱۰۷۔

مولانا انظر شاہ مسعودی نے مولانا محمد میاں کی تصنیف "علمائے حق" کے حوالے سے شاہ صاحب کی ابتدائی تنخواہ تین روپے لکھی ہے۔ پھر آگے چل کر روئیداد مدرسہ امینیہ کے حوالے سے چھ سال بعد بیس روپے تنخواہ کے تعین کا ذکر کیا ہے اور کشمیر جانے کی وجہ والدہ کی وفات اور تاریخ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ لکھی ہے۔ اس طرح ۱۳۱۵ھ تاریخ اجراء مدرسہ اور ۱۳۱۹ھ کا درمیانی عرصہ کل چار سال بنتا ہے۔ یہ عرصہ مختلف ہے۔ (۳۶)

ڈاکٹر غلام محمد گچھی، مولانا عبدالرحمن کوندو مدرسہ امینیہ سے کشمیر کے لیے روانگی ربیع الاول ۱۳۲۰ھ اور جانے کی وجہ بڑے بھائی مولوی یٰسین شاہ کا انتقال پُرملال لکھتے ہیں۔ (۳۷)

اس طرح مدرسہ امینیہ میں قیام کا عرصہ پانچ سال بنتا ہے۔ مولانا سید محمد میاں "علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" میں دہلی کا قیام بارہ تیرہ سال لکھتے ہیں۔ جب کہ پروفیسر کلیم اختر ماہنامہ شہ رگ پاکستان اور ماہنامہ المعارف میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری پر لکھے گئے مضامین میں دہلی کے قیام کا عرصہ بارہ سال بتلاتے ہیں۔ ان سب بیانات پر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں زیادہ تر ظن و تخمین سے کام لیا گیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ہمیں کوندو کا بیان صحیح نظر آتا ہے۔ (۳۸)

کشمیر میں قیام :- آپ نے ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء سے ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء تک کشمیر میں قیام کیا۔ کچھ عرصہ آپ نے اپنے آبائی وطن لولاب میں گزارا اور پھر آپ نے وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا جو ۱۳۲۳ھ تک جاری رہا اور اس دوران آپ نے اہل وطن کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ قائم کرنے کا بھی ارادہ کر لیا۔

انجمن اسلامیہ (ایبٹ آباد ہزارہ) کی جامع مسجد کی خطابت :-

عنوان بالا کے تحت ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی رقمطراز ہیں:-

> "سب سے پہلے مولوی فقیر محمد بلوٹھ ہزاروی امام مقرر ہوئے، کچھ عرصہ بعد وہ انجمن کے اسلامیہ ہائی سکول میں معلم دینیات مقرر کیے گئے اور ان کے بعد مولوی شریف اللہ امام ہوئے۔ ان کے بعد سید سرور شاہ ساکن دانہ امام مقرر ہوئے، وہ بہت بڑے عالم تھے لیکن اکھڑ (مزاجی) ہونے کی وجہ سے ان کو معزول کر دیا گیا۔ سید محمد انور شاہ کشمیری کا قیام بھی بطور امام مذکور ہوا۔ اس مسجد کے پانچویں

---

(۳۶) - انظر شاہ مسعودی: نقش دوام، کراچی مکتبۃ الوزیریہ نیو ٹاؤن، سن ندارد، ص ۳۵ -

(۳۷) - گچھی، غلام محمد: علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ایچ ڈی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۹۳-

(۳۸) (الف) ماہنامہ شہ رگ پاکستان مظفر آباد لاہور، مئی ۱۹۸۹ء، ص ۳۹ (ب) ماہنامہ المعارف لاہور، نومبر ۱۹۷۷ء، ص ۲۸ -

امام محمد عبدالرحمٰن صاحب گجوی (ساکن گجہ نزد کوٹ نجیب اللہ) سنہ ۱۹۰۳ء تا سنہ ۱۹۲۳ء رہے۔ (۳۹)

شاہ صاحب ۱۲ رجون سنہ ۱۹۰۲ء کو دہلی سے کشمیر بوجہ وفات والدہ یا برادر حقیقی چلے گئے۔ جاتے ہوئے راستہ میں (ایبٹ آباد) رُکنا بعید از قیاس ہے۔ ممکن ہے کہ کشمیر سے ہو کر شاہ صاحب سنہ ۱۹۰۳ء اور سنہ ۱۹۰۳ء کے درمیانی عرصہ میں مرزائی امام کے اخراج کی خاطر آئے ہوں اور چند ماہ امامت بھی کی ہو۔ کیونکہ آپ کا ہزارہ سے سابقہ تبلیغی تعلق بھی رہ چکا تھا۔

حج بیت اللہ :۔ سنہ ۱۳۲۳ھ / سنہ ۱۹۰۵ء میں آپ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کر لیا۔ بارہ مولا کے رئیس خواجہ عبدالعزیز گگرو جو آپ کے عقیدت مند تھے اور آپ اکثر اُن کے ہاں آتے جاتے تھے۔ گگرو صاحب نے اپنے مکان کا ایک بڑا کمرہ آپ کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ جب اُن کو آپ کے سفر حج کا پتہ چلا تو اخراجات حج خود برداشت کرنے کی استدعا کی جسے شاہ صاحب نے قبول کر لیا۔ اس سفر میں شاہ صاحب کے ہمراہ خواجہ عبدالعزیز گگرو، اُن کا ایک ذاتی ملازم، گڑھی حبیب اللہ ضلع ہزارہ کے ایک نواب کے وزیر مردان علی شاہ اور پانچ دیگر افراد جن کے نام معلوم نہ ہو سکے کُل نو افراد کا قافلہ تھا جس کے تمام اخراجات خواجہ عبدالعزیز گگرو نے برداشت کیے۔ (۴۰)

ڈاکٹر یحیی بحوالہ مولانا یوسف بنوری رقمطراز ہیں :۔

"آپ کو حرمین شریفین کی زیارت کا شوق ہوا اور اللہ تعالیٰ نے توفیق مرحمت فرمائی۔ آپ نے چند ماہ مکہ زادھا اللہ شرفاً و کرامۃً میں قیام کیا۔ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے اپنی بے اختیار آہ و فغانی اور اشک رواں کے تازہ پانی سے سوز دروں کی تپش کو بجھاتے تھے اور نیم شب میں خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر عاجزانہ دعا اور نداکے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور ملتجی رہتے تھے اور پھر شوق کے حدی خواں نے مدینہ طیبہ زادھا اللہ شرفاً چلنے کے لیے بے قرار کیا۔ آپ نے عزم صمیم کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر عاجزانہ حاضری کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔ ایک مدت تک مدینہ منورہ میں رہ کر اپنی دیرینہ تشنگی کی تکمیل میں مصروف رہے۔ دونوں مقدس مقامات کے انوار و تجلیات سے روح کی پاکیزگی کا جلا حاصل کیا۔" (۴۱)

حرمین میں آپ کے علم کا اعتراف :۔ سفر حجاز میں طرابلس، لبنان، مصر، شام اور دوسرے کئی مقامات سے آئے ہوئے علماء نے شاہ صاحب کی بہت عزت افزائی کی۔ اکثر علماء نے آپ کی خدمات، لیاقت اور علمی استعداد کو دیکھ کر آپ کو امتیازی سندات حدیث عطا کیں۔ سندات پر آپ کے نام کے ساتھ اکثر "العالم الفاضل الشیخ محمد انور شاہ بن

---

(۳۹) شیر بہادر خان پنی، ڈاکٹر: تاریخ ہزارہ، ناشر، دارالشفاء ایبٹ آباد، اشاعت اول سنہ ۱۹۶۹ء، ص ۶۱۹۔

(۴۰) یحیی، غلام محمد: علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ص ۹۳، ۹۲

(۴۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۹۴۔

(۴۲) } انٹرویو خواجہ حبیب اللہ گگرو ابن خواجہ عبدالعزیز گگرو، المقام لاہور HIBSAM۔ مورخہ ۱۲ اکتوبر سنہ ۱۹۸۸ء

مولانا محمد معظم شاہ الکشمیری لکھا گیا ہے۔

مدینہ منورہ میں "الرسالۃ الحمیدیہ اور الحصون الحمیدیہ" کے مصنف شیخ حسین طرابلسی جسر سے ملاقات کی اور کچھ مدت تک اُن کے ساتھ رہے۔ انہوں نے آپ کو اپنی سند کے ساتھ حدیث کی اجازت بھی دی۔ (۲۲)

شاہ صاحب جب مدینہ منورہ مسجد نبوی میں پہنچے تو مولانا ظہیر احسن شوق نیموی ؒ کے لیے دعائے مغفرت ہو رہی تھی۔ تب شاہ صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت نیموی ؒ کا وصال ہو گیا ہے۔

مدینہ منورہ میں روضۂ پاک کے پاس مسجد نبوی ؐ میں شاہ صاحب نے درس حدیث دیا۔ اہل مدینہ خصوصاً علماء بہت متوجہ ہوئے۔ اکثر مسائل کا جواب آپ نے رسالوں کی شکل میں دیا۔ (۲۳)

قیام مدینہ :۔ روضۂ اقدس پر حاضری پر آپ نے ایک نعت پیش کی جس کا ایک حصہ فارسی اور ایک عربی میں ہے۔ قیام مدینہ کے دوران آپ نے مدینہ کے کتب خانوں، مکتبہ شیخ الاسلام، عارف حکمۃ الحسینی اور مکتبہ محمودیہ میں نادر کتب کا خوب خوب استفادہ کیا۔ (۲۴)

بارہ مولا میں مدرسہ فیض عام کا قیام :۔ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء۔

۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں شاہ صاحب نے خواجہ عبدالصمد ککرو، خواجہ امیرالدین ککرو اور خواجہ امیر شاہ تحصیلدار کے تعاون سے "فیض عام" کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ جہاں آپ تین سال تعلیمی و تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ ابتدا میں جس جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گیا وہ زبانی زیادہ اور عملی کم ثابت ہوا۔ نہ ہی عمارت کی شکل میں اور نہ ہی طلبہ کی صورت میں کوئی خاص پیش رفت ہوئی۔ اس طرح یہ نیک کام لوگوں کی بدعملی اور عدم تعاون کی نذر ہو گیا۔ شاہ صاحب اہل وطن کی اس بے حسی سے دل برداشتہ ہو گئے۔ آپ نے ربیع الاول ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء تا ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء اپنے گرانقدر برس صرف کیے۔ جس کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلا۔ (۲۵)

غلط فہمی کا ازالہ :۔ ڈاکٹر کیمی نے اپنے مقالے میں مدرسہ فیض عام کے اجراء کا سال ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء لکھا ہے۔ حالانکہ یہ ۱۹۰۶ء کا سال بنتا ہے۔ شاہ صاحب نے ۱۳۲۸ھ تک پڑھایا۔ کیمی صاحب اس کو تین سال کا عرصہ لکھتے ہیں حالانکہ یہ چار سال کا عرصہ بنتا ہے۔ شاہ صاحب چونکہ ۱۳۲۰ھ ہی سے مدرسے کے قیام کی کوششیں شروع

(۲۲) - ایضاً ایضاً ص ۹۵۔

(۲۳) محمد انوری، مولانا : انوار انوری، طبع ۳۰ جنوری ۱۹۷۸ء، ص ۱۵، ۱۶۔

(۲۴) کیمی، غلام محمد : علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ ص ۹۵، ۹۶۔

(۲۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۹۶، ۹۷۔

کی تھیں۔ اس اعتبار سے شاہ صاحب کا یہ کشمیر کا قیام بشمول عرصہ آٹھ سال بنتا ہے -

کشمیر سے دیوبند :- مدرسہ فیض عام کی ناکامی سے دل برداشتہ ہو کر آپ نے حجاز مقدس کی طرف ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ اپنے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کو الوداع کہہ کر ربیع الاول ۱۳۲۶ھ کو دارالعلوم دیوبند پہنچے تاکہ اپنے اساتذہ سے مل کر اپنے ارادہ سے آگاہ کریں۔

دستار فضیلت :- حسنِ اتفاق سے ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ / اپریل ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں دستار بندی کے لیے ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ اس وقت دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا محمود الحسن اور مہتمم حافظ محمد احمد تھے۔ چنانچہ دستار بندی کے موقع پر سب سے پہلے شاہ صاحب کی دستار بندی کی گئی۔ (۴۶)

حضرت شاہ صاحب کا تبحر علمی :- مولانا محمد انوری رقمطراز ہیں :-

"حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نے القاسم شوال ۱۳۳۰ھ ص ۱۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ شوال ۱۳۳۰ھ سے ایک وظیفہ "رفیق دارالعلوم دیوبند" پچاس روپے ماہوار کا مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کو دیا جانے لگا جنہیں عظیم الشان جلسہ دستار بندی ۱۳۲۸ھ میں سب سے پہلے دستار فضیلت ملی اور علوم شریعت میں تبحر اور زہد و تقویٰ میں سلف صالح کا نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔" (۴۷)

تقرر بحیثیت مدرس دارالعلوم :- جب آپ نے مولانا محمود الحسن اور حافظ محمد احمد کو ہجرت حرمین کے ارادہ سے آگاہ کیا تو انہوں نے اجازت نہ دی بلکہ ارادہ کو فسخ کرنے کا حکم دیا۔ آپ کو دارالعلوم دیوبند میں ٹھہرانے کا مقصد ترمذی اور بخاری کی شرح لکھوانا تھا۔ یہ کام تو نہ ہو سکا۔ مولانا محمود الحسن نے جو خود اس زمانہ میں ابوداؤد، بخاری اور ترمذی کے اسباق پڑھاتے تھے۔ آپ کو مسلم، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کی تدریس پر مامور کر دیا اور آپ نے عرصہ دراز تک یہ خدمت بلا معاوضہ انجام دی۔ لیکن اس درس و تدریس کے سلسلے کے باوجود ہجرت کا ارادہ بدستور قائم رکھا۔

شادی :- دارالعلوم کے ارباب حل و عقد شاہ صاحب کے ارادہ سے واقف تھے، شاہ صاحب کی عمر اس وقت ۴۴ سال ہو چکی تھی۔ لیکن آپ تجرد کی زندگی کو پسند کرتے تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب دی اور دیگر بزرگوں نے بھی شاہ صاحب کو اس طرح پابجولاں کرنے کی تدابیر میں ہاتھ بٹایا اور آخر ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء میں شاہ صاحب کا نکاح گنگوہ ضلع سہارنپور کے ایک معزز خاندان میں کر دیا گیا۔ اس وقت آپ کی زوجہ محترمہ خاتون کی عمر ۱۳ سال تھی۔ (۴۸)

---

(۴۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۹۸، ۹۹

(۴۷) محمد انوری، مولانا : انوارِ انوری طبع ۳، جنوری ۱۹۶۸ء ص ۸۳ -

(۴۸) بگھی، غلام محمد : علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۹۹ تا ۱۰۱ -

مولانا چراغ صاحب کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ :۔

"دارالعلوم والوں نے میری شادی کرا کر مجھے مطالعے میں پریشان کر دیا ہے۔" (۴۹)

دارالعلوم میں شاہ صاحب بلا معاوضہ تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور قیام و طعام حافظ محمد احمد صاحب کے ہاں تھا۔ شادی کے بعد بھی انہیں کے مکان پر قیام رہا۔ شادی کے دو سال بعد شاہ صاحبؒ نے حافظ صاحب پر مزید بار ڈالنا پسند نہ کیا اور ان سے کہا :۔

"دس سال سے تو میں تنہا تھا۔ دو سال سے متاہل ہوں اب اولاد کی امید ہے تو ایک اور کا بار ڈالتے ہوئے

میں شرمندگی محسوس کرتا ہوں۔ مجھے اجازت دیں کہ الگ مکان لے کر رہوں۔"

اس کے بعد محلہ دیوان میں رہنے لگے۔ اخراجات بڑھنے لگے تو ارباب حل و عقد کے اصرار پر قلیل مقدار کفاف مشاہرہ قبول کر لیا۔ عبدالفتاح ابو غدہ لکھتے ہیں کہ :۔

"دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تنخواہ پچاس روپے سے بھی کم تھی۔" (۵۰)

دیوبند کی صدر مدرسی :۔ شاہ صاحب ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۳۳ھ تک شیخ الہند کی موجودگی میں اونچے درجے کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ یکم رمضان ۱۳۳۲ھ/ ۲۴ جولائی ۱۹۱۴ء کو پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔ شیخ الہند مشرق سے انگریزوں کا تسلط ختم کرنے کے لیے حجاز مقدس میں اپنا مرکز قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔

چنانچہ ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں حجاز روانگی پر آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو دیوبند کا قائمقام صدر مدرس مقرر کر دیا۔

بقول مولانا انظر شاہ :۔

"اس انتخاب کے بعد آپ نے بخاری اور ترمذی کے اسباق ایسے انقلاب انگیز طریقے پر جاری کیے جس سے دارالعلوم کی تدریس و تعلیم کی پرانی روایتیں بدل گئیں۔"

تحریک کا انکشاف ہونے پر شیخ الہند کو مع رفقاء کے حجاز سے گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا میں نظر بند کر دیا گیا اور ان کی عدم موجودگی میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کی نیابت کے فرائض احسن طریقے پر انجام دیئے۔

۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ/ ۷ جون ۱۹۲۰ء کو طویل اسارت کے بعد شیخ الہند وطن واپس لوٹے اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو وفات پائی۔

(۴۹)۔ انٹرویو مولانا محمد چراغؒ بمقام مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۶ء

(۵۰)۔ بگھی، غلام محمد : علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۱۰۱۔

مائی کے بعد آپ چار ماہ بائیس دن زندہ رہے ۔ کوثر صاحب نے شیخ الہند کی وفات ۱۹۲۱ء لکھی ہے جو درست نہیں ۔

شیخ الہند کی وفات کے بعد حضرت شاہ صاحب مستقل صدر المدرسین بن گئے ۔ حضرت شاہ صاحب نے دارالعلوم میں ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء سے ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء کے آخر تک تقریباً اٹھارہ سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے دوران علماء کی بہت بڑی جماعت کو تیار کیا جو اپنے وقت کے نامور علماء شمار ہوتے تھے ۔ (۵۱)

دیوبند میں اختلاف اور حضرت شاہ صاحب کا استعفیٰ :-

۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۶ء میں دارالعلوم میں اصلاحات کے نام پر ایک تحریک شروع ہوئی ۔ جس میں طلبہ نے مکمل ہڑتال کر دی ۔ طلبہ کے مطالبات بذیل تھے ۔ شعبہ تبلیغ کا قیام ، ضروریات طعام ، کتب خانہ ، مطبخ اور دارالطلبہ کے سلسلہ میں اصطلاحات ، طلبہ کے داخلے سے فراغت تک ، امتحان داخلہ ، کتب برائے تعلیم ، وظیفہ ، قیام دارالطلبہ ، لباس ، طعام ، روشنی ، سند ، ملازمت بتوسط دارالعلوم ، ان تمام ضروریات کا خاص طور پر خیال ہونا چاہئیے ۔ مطبخ کے ملازمین کا طلبہ کے ساتھ ناروا رویہ درست ہونا چاہیے تاکہ طلبہ کا احترام ہو ۔ طعام سے متعلقہ نگرانی منتخب نمائندہ طلبہ کی ہونی چاہیے ۔ تعمیر حجرات میں بھی حاجت و ضروریات کا خیال نہیں رکھا جاتا ۔ تقرب و سفارش سے کام لیا جاتا ہے ۔ طلبہ کی نگرانی پر متعین افراد کا اخلاقی معیار درست نہیں وغیرہ ۔

ان تمام اصلاحات کی طرف طلبہ نے منتظمین دارالعلوم کو توجہ دلائی اور اپنی اصلاحی تحریک کے ذریعے نظم دارالعلوم میں ایک غیر معمولی انقلاب برپا کر دیا ۔ اس تحریک کی حمایت میں اکثر اساتذہ بھی طلبہ کی ہمدردی میں برابر کے شریک تھے ۔

دارالعلوم کی تاریخ میں یہ واقعہ ناقابل فراموش ہے ۔ اختلافات کا طوفان تھا جو رکے رُک نہیں سکتا تھا ۔ دارالعلوم میں پولیس تعینات کر دی گئی ۔ اساتذہ میں شاہ صاحب ، مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے علاوہ ان کی جماعت کے آٹھ یا نو اساتذہ انتظامی اور تعلیمی تعاون کی بنا پر دارالعلوم سے سبکدوش ہوئے ۔ ارباب اہتمام نے شاہ صاحب سے استعفیٰ طلب کیا اور بے بنیاد الزامات لگائے جن کی تردید بھی ہو گئی ۔ (۵۲)

ڈاکٹر غلام محمد گیجی انتظامیہ کے شاہ صاحب کے استعفیٰ اور ناراضگی کی وجوہات کے ذیل میں رقمطراز ہیں :-

"ان کا استعفیٰ ۱۳ صفر ۱۳۴۶ھ کشمیر سے بھیجا تھا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ انہیں اطلاع پہنچائی گئی ہے کہ ان کے متعلق اسباق دوسرے اساتذہ کو دیئے گئے اور یہ وجہ ان کے لطیف جذبات کے بھڑک اٹھنے کی ہوئی ہے ۔"

یہ استعفیٰ یکم ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ / ۲ جون ۱۹۲۷ء سے منظور کیا گیا ۔ (۵۳)

---

(۵۱) ۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۰۲ ۔

(۵۲) ۔ رضوان اللہ ، قاری ، ڈاکٹر : مولانا محمد انور شاہ کشمیری ، حیات اور علمی کارنامے ، ص ۵۱ تا ۵۴ ۔

(۵۳) ۔ گیجی ، غلام محمد : علامہ محمد انور شاہ کشمیری ، حیات اور علمی کارنامے ، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ۔ ص ۱۰۹ ، ۱۱۰ ۔

جب حضرت شاہ صاحب کے دارالعلوم سے مستعفی ہونے کی خبر اخبارات میں چھپی تو مدرسہ امینیہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، ڈھاکہ اور کلکتہ یونیورسٹی کے علاوہ بہت سے مشہور و معروف اداروں نے معقول مشاہروں پر آپ کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن آپ نے بڑی بڑی تنخواہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ایک مخلص شاگرد الحاج محمد میاں سملکی کی استدعا پر ڈابھیل جانے کو ترجیح دی۔ (۵۴)

علامہ محمد اقبالؒ کی علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کو لاہور آنے کی دعوت :-

قبل اس کے ہم علامہ اقبالؒ کی شاہ صاحب کو لاہور دعوت کا تذکرہ کریں۔ ہم اُن کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کی شاہ صاحب سے پہلی ملاقات ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ اُس وقت شاہ صاحب کا لباس چکن کا بڑا کرتہ، شرعی پاجامہ اور سر پر عمامہ تھا۔ جس سے شاہ صاحب کی شرافت کا اندازہ ہوتا تھا۔

پھر جمعیۃ العلمائے ہند کا تیسرا سالانہ جلسہ ۱۸، ۱۹، ۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء کو مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں بریڈلا ہال لاہور میں منعقد ہوا۔ داخلے کے لیے ٹکٹ تھا۔ ڈاکٹر چغتائی رقمطراز ہیں :-

> "میں اور علامہ اقبال بالکل ساتھ ساتھ تھے۔ جب ہم ہال میں داخل ہو رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ قبلہ شاہ صاحب بھی ہمارے دوش بدوش ہیں۔ میں نے فوراً حضرتِ علامہ سے اشارۃً عرض کیا کہ آپ سید محمد انور شاہ صاحب ہیں۔ چنانچہ دونوں حضرات ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ ان کی پہلی بالمشافہ ملاقات تھی۔ اُس وقت جلسے کے بعد ملنے کا پروگرام چند الفاظ میں طے ہوگیا۔ اس کے بعد شاہ صاحب سے اکثر علامہ کی ملاقات رہی۔" (۵۵)

مارچ ۱۹۲۵ء میں مولانا احمد علی مرحوم کے ادارہ خدام دین کے زیر اہتمام علماء کا ایک شاندار جلسہ ہوا۔ جس میں علمائے دیوبند بشمول شاہ صاحب تشریف لائے جب ڈاکٹر چغتائی نے علامہ اقبالؒ سے ان حضرات کی آمد کا ذکر کیا تو علامہ اقبالؒ نے فوراً علی بخش سے قلمدان طلب کرکے ایک خط شاہ صاحب کو لکھا۔ جسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

> " مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا صاحب !
>
> السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مجھے ماسٹر عبداللہ صاحب سے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسے میں تشریف لائے ہوئے ہیں اور ایک دو روز قیام فرمائیں گے۔ میں اسے اپنی بڑی سعادت

(۵۴) - ایضاً ایضاً ص ۱۱۲، ۱۱۳ -

(۵۵) - محمد عبداللہ، چغتائی، ڈاکٹر : اقبال کی صحبت میں، ناشر مجلس ترقی ادب لاہور، طبع ۱۹۷۷ء، ص ۱۲۲ تا ۱۲۶ -

تصور کروں گا، اگر آپ کل شام اپنے دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں گے۔

جناب کی وساطت سے حضرت مولوی حبیب الرحمٰن صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کی

خدمت میں یہی التماس ہے۔

مجھے امید ہے کہ جناب اس عریضے کو شرفِ قبولیت بخشیں گے۔ آپ کو قیام گاہ سے لانے کے

لیے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی۔

لاہور۔ ۱۲ مارچ ۱۹۲۵ء   مخلص محمد اقبال

اس کا جواب حضرت شاہ صاحب نے فوراً اُسی خط کی پشت پر فارسی زبان میں بذیل الفاظ میں دیا۔

"جناب مستطاب دام مجدہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ احقر و دیگر احباب ہمگی ارشاد جناب سامی قبول کردند۔ والسلام

احقر محمد انور عفی اللہ عنہ۔ (۵۶)

سید نذیر نیازی رقمطراز ہیں :-

"مولانا شاہ صاحب ایسے فاضل اور بزرگ انسان جن کو حدیث میں درجہ کمال حاصل تھا۔ اُنہی (خواجہ عبدالعزیز

لکھوی) کی توجہ سے آسمانِ علم پر آفتاب بن کر چمکے۔ مولانا نے ایک عرصہ تک دیوبند میں درسِ حدیث دیا۔ پھر

ڈابھیل چلے گئے"۔ علامہ محمد اقبالؒ کو ان سے دلی عقیدت تھی، لولاب اُن کا وطن تھا۔" (۵۷)

اعجاز الحق قدوسی بحوالہ صحیفہ اقبال نمبر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی زبانی راوی ہیں :-

"ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ میں تو شاہ صاحب کا رسالہ (ضرب الخاتم علی حدوث العالم) پڑھ کر

دنگ رہ گیا ہوں کہ دن رات قال اللہ و قال الرسولؐ سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ

درک و بصیرت اور اس کے مسائل پر اس قدر گہری نگاہ ہے کہ حدوثِ عالم پر اس رسالہ میں انہوں نے جو کچھ لکھ

دیا۔ حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔" (۵۸)

(۵۶)۔ ایضاً   ایضاً   ایضاً   ص ۱۲۵ تا ۱۲۶۔

(۵۷)۔ نذیر نیازی، سید: دانائے راز، اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور، طبع ثانی ۱۹۸۸ء، ص ۲۱۶۔

(۵۸)۔ اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علمائے پاک و ہند، ناشر اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع اول ۱۹۷۷ء، ص ۲۳۴۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں :-

"مشہور حدیث "لا تسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ" میں دہر بمعنی مصنف؟ جو لفظ آیا ہے اس کے متعلق شاہ صاحب جو دنیائے اسلام کے جید ترین محدثین وقت میں سے ہیں، میری خط و کتابت ہوئی، اس مراسلت کے دوران میں شاہ صاحب نے مجھے اس مخطوطے کی طرف رجوع کرایا، بعد ازاں میری درخواست پر از راہ عنایت مجھے اس کی ایک نقل ارسال کی۔"

علامہ شاہ صاحبؒ کا قول ہے :-

"مجھ سے جتنا استفادہ ڈاکٹر اقبال نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا۔" (۵۹)

فتنہ قادیانیت شاہ صاحبؒ اور علامہ اقبالؒ :- پنجاب کے خصوصاً اور ہندوستان کے عموماً انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں قادیانی فتنہ کی شر انگیزی اور اسلام کشی کا جو احساس پایا جاتا ہے۔ اس میں بڑا دخل اقبال مرحوم کے اس لیکچر کا ہے جو ختم نبوت پر ہے اور ساتھ ہی اس مقالہ کا جو انگریزی میں قادیانی تحریک کے خلاف شائع ہوا تھا۔ لیکن یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ دونوں تحریروں کا اصل باعث حضرت شاہ صاحبؒ تھے۔" (۶۰)

پروفیسر کلیم اختر بحوالہ عبدالرشید ارشد مولانا عبدالحنان ہزاروی کی زبانی لکھتے ہیں :-

"جب شاہ صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند سے استعفیٰ دیا۔ میں ان دنوں لاہور آسٹریلیا جامع مسجد میں خطیب تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے دیوبند ایک تفصیلی تار دیا۔ جس میں شاہ صاحب سے درخواست کی گئی تھی کہ آپ لاہور تشریف لے آئیں اور یہیں قیام فرمائیں جوابی تار تھا۔ جس کا کوئی جواب نہ آیا۔ جس پر ڈاکٹر صاحب نے مجھ کو دیوبند بھیجا کہ تم جا کر زبانی عرض کرو۔ میں گیا تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کو تار اس وقت دیا گیا جب ڈابھیل والوں نے اصرار کر کے وہاں تشریف لے جانے پر رضامند کر لیا تھا۔ میں ملا تو فرمایا، افسوس کہ آپ کا پیغام بعد میں ملا اور میں ڈابھیل والوں سے وعدہ کر چکا ہوں۔" (۶۱)

(۵۹)۔ ایضاً ایضاً ص ۲۲۵۔

(۶۰)۔ عبدالرشید ارشد : بیس بڑے مسلمان، ناشر مکتبہ رشیدیہ شاہ عالم مارکیٹ لاہور، طبع چہارم اگست ۱۹۸۳ء، ص ۳۷۷۔

(۶۱)۔ ماہنامہ المعارف لاہور، نومبر ۱۹۷۷ء، پروفیسر کلیم اختر، مضمون اقبال اور مولانا انور شاہ کشمیری، ص ۳۶۔

ملا زادہ ضیغم لولابی :-

"ارمغان حجاز" اقبال کا آخری مجموعہ کلام ہے۔ اس میں اُس حصے کا عنوان جس میں چھوٹی بڑی اُنیس نظمیں ہیں۔ "ملا زادہ ضیغم لولابی کا بیاض" ہے۔ ان اُنیس نظموں سے آٹھ تو ایسی ہیں جن کا موضوع بلا واسطہ کشمیر ہی ہے اور باقی گیارہ بالواسطہ طور پر مذکورہ موضوع سے ہم آہنگ ہیں۔

اس حصہ کا ذکر کرتے ہوئے سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملا زادہ ضیغم لولابی کا ذکر کر کے اقبال کس شخصیت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ کشمیر میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ملا زادہ ضیغم لولابی سے حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری مرحوم مُراد ہیں۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ مفسرین کلام اقبال مثلاً، خلیفہ عبدالحکیم، سید عابد علی عابد، سید عبدالواحد، ڈاکٹر سید عبداللہ، بشیر احمد ڈار، ڈاکٹر اکبر حسین قریشی، آغا شورش کاشمیری، مولانا عبدالمجید سالک، حسن انامری شمل، میاں محمد شفیع اور غلام رسول مہر اس معاملے میں بالکل خاموش ہیں۔

اس ضمن میں سید عابد علی عابد "تلمیحات اقبال" میں لکھتے ہیں کہ :-

"ملا زادہ ضیغم لولابی ایک فرضی کردار ہے جس کے ذریعے سے علامہ اقبال نے کشمیر کے متعلق چند گفتنی باتیں کہلائی ہیں"۔

ڈاکٹر اکبر حسین قریشی نے "تلمیحات و اشارات اقبال" میں "ملا زادہ ضیغم لولابی کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔

لفظ بیاض سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اقبال نے ملا زادہ ضیغم لولابی کے بیاض میں مندرج اشعار کا اُردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ لیکن یہ اصل واقعہ نہیں بلکہ بقول جگن ناتھ آزاد :-

"ملا زادہ ضیغم لولابی ایک استعارہ ہے جس سے اقبال بیک وقت تین مفہوم پیدا کر رہے ہیں۔ ایک تو باعتنائی اور دلآویزی کے اعتبار سے لولاب کو وہ سارے کشمیر کی علامت کے طور پر پیش کر رہے ہیں جس طرح وہ "جاوید نامہ" میں ایک جگہ ولر کو سارے کشمیر کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ دوسرا چونکہ وادی لولاب نے اکثر علماء اور بالخصوص مولانا انور شاہ مرحوم جیسی شخصیت کو جنم دیا ہے اس لیے اس سرزمین کے ساتھ ایک جذباتی ہم آہنگی پیدا کر کے اقبال اپنے کشمیر کے تعلق سے اپنی فکر کا موضوع بناتے ہیں اور لفظ ضیغم کے استعمال سے وہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اہل کشمیر کو جہاں علمی اعتبار سے علمائے لولاب بالخصوص مولانا انور شاہ کا تتبع کرنا چاہیے وہاں ساتھ ہی ساتھ اپنے اندر اس شیر کی سی خاصیتیں پیدا کرنا چاہئیں"

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے ملا زادہ ضیغم لولابی کو ایک فرضی نام قرار دیا ہے۔ البتہ وادی لولاب کے علماء اور بالخصوص مولانا سید محمد انور شاہ مرحوم کی وادی لولاب میں پیدائش اور اُن کے یگانۂ روزگار ہونے کا ذکر کیا ہے۔ (۶۱)

(۶۱) اقبال اور کشمیر: آزاد، جگن ناتھ، طبع اوّل ۱۹۷۷ء، دہلی، جمال پریس، ص ۲۰۳ تا ۲۰۶۔

ڈابھیل میں آمد:۔

مولانا احمد بزرگ لکھتے ہیں:۔ "وہ واقعات و حالات (دارالعلوم دیوبند) کی رفتار سے بجا طور پر یہ اندیشہ ہونے لگا تھا کہ کچھ دنوں اگر یہی صورت حال رہی تو جاہ اور دُنیائے اسلام کہیں اسلام کی ان مایہ ناز ہستیوں کے فیض سے محروم نہ رہ جائے۔"

ان مشکلات کا حل یوں نکلا کہ خُدا کے دو مخلص بندوں جناب حاجی موسیٰ میاں اور حاجی یوسف گاندی کے دل میں ان حضرات کو دعوت کی تحریک پیدا ہوئی اور ان دونوں حضرات نے ایک ایک ہزار روپیہ ماہانہ مدرسہ کو دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ مولانا احمد بزرگ ایک وفد کے ساتھ دیوبند گئے اور ان حضرات اساتذہ کی خدمت میں ڈابھیل سملک آنے کی دعوت دی۔ جسے انہوں نے قبول کر لیا اور ۵ ذوالحجہ ۱۳۴۶ھ / ۲۵ مئی ۱۹۲۸ء کو مندرجہ ذیل حضرات موافق جامعہ ہوئے۔

(۱) شیخ الاسلام حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری، (۲) مولانا شبیر احمد عثمانی۔ (۳)۔ مولانا سید سراج احمد رشیدی (بلند شہری)۔ (۴)۔ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی۔ (۵) مولانا بدر عالم میرٹھی۔ (۶)۔ مولانا محمد ادریس سکھروڈی۔ (۷) مولانا ابوالقاسم حفیظ الرحمٰن سیوہاروی۔ (۸)۔ مولانا محمد یحییٰ تھانوی۔ (۹)۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی

ان حضرات کے آنے ہی مدرسہ تعلیم الدین ترقی کر کے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل بن گیا۔ (۴۲)

محرم ۱۳۴۷ھ / اگست ۱۹۲۸ء میں شیخ الجامعہ حضرت شاہ صاحب بوجہ علالت و تبدیلی آب و ہوا اور علاج معالجہ کے لیے دیوبند چلے گئے، پھر مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی کی درخواست پر ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ / ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو واپس آ کر بخاری شریف کا درس دیا۔

۱۰ شعبان ۱۳۴۷ھ / ۲۲ جنوری ۱۹۲۹ء کو جامعہ کا سالانہ جلسہ ہوا۔ صبح کے اجلاس میں مہتمم جامعہ مولانا احمد بزرگ، مولانا مفتی محمد تراجوی کے علاوہ شاہ صاحب اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے تقریریں کیں۔ شام کے اجلاس میں شاہ صاحب اور علامہ عثمانی کے ہاتھوں طلبہ کی دستار بندی ہوئی۔

۱۰ شعبان ۱۳۴۸ھ / ۱۱ جنوری ۱۹۳۰ء کو بھی حسب دستور سالانہ جلسہ منعقد ہوا اور شاہ صاحب اور علامہ عثمانی نے تقریریں کیں اور تینتالیس طلبہ کی دستار بندی ہوئی اور اسناد تقسیم کی گئیں۔ ٹونل پور کے ایک نابینا طالب علم مولوی عبدالمجید کو باوجود معذوری کے نمایاں کامیابی پر شاہ صاحب نے پانچ روپے بطور انعام خصوصی عنایت فرمائے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی جو اس وقت یہاں اُستاد کی حیثیت سے مقیم تھے، ماضی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے یعنی فنون کی بھی تکمیل کر لینے کے فوراً بعد کم و بیش جو تین برس میں نے شیخ العرب والعجم حضرت الاستاذ مولانا شاہ صاحب اور ان کی جماعت کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سُورت میں گزارے ہیں، ان کو میں تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اپنی زندگی کے بہترین سال سمجھتا ہوں۔" (۴۳)

رنگون کا سفر:۔ ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء جمعیۃ العلماء برما رنگون کی دعوت پر شاہ صاحب، علامہ عثمانی، مولانا احمد بزرگ مہتمم جامعہ، مولانا محمد ادریس سکھروڈی

---

(۴۲) - فضل الرحمٰن، مولانا، تاریخ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک، طبع ۱۳۹۵ھ، ص ۳۸، ۳۹، ۱۰ ۔

(۴۳) - ایضاً   ایضاً   ایضاً   ص ۴۲ تا ۴۸ ۔

مولانا محمد علی کاندھلوی اور مولوی محمد اسماعیل گارڈی نے رنگون کا سفر کیا۔ ۱۵ جمادی الاول ۱۳۴۹ھ / ۲۸ ستمبر ۱۹۳۰ء کو روانہ ہو کر ۲۱ جمادی الاول ۱۳۴۹ھ / ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو وارد رنگون ہو کر ۲۱ یوم کے قیام کے بعد ۵ جمادی الاخر ۱۳۴۹ھ / ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو واپس روانہ ہو کر ۱۰ جمادی الاخر ۱۳۴۹ھ / ۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو ڈابھیل سملک واپس پہنچ گئے۔ سفر میں اہل بمبئی، اہل کلکتہ اور خصوصاً اہل رنگون بڑے اخلاص وعقیدت سے پیش آئے۔ اس سفر میں جو سپاسنامے پیش کئے گئے ان میں شاہ صاحب، علامہ عثمانی اور مولانا اجر بزرگ کو خطاب کیا گیا۔ (۶۴)

۱ شعبان ۱۳۴۹ھ / ۱۳ دسمبر ۱۹۳۰ء کو سالانہ جلسہ ہوا۔ شاہ صاحب نے حقائق علمیہ سے لبریز پرشوکت وعظ فرمایا۔ علامہ عثمانی نے بھی تقریر کی۔ دریا پٹھ احمد آباد کے پرنسپل مسٹر کاکا کیلکر نے بھی تقریر کی اور اسلام کی خوبیوں کا تذکرہ کیا۔

۱۳۵۰ھ میں احاطہ جامعہ کی مشرقی جانب ایک عمارت کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس بنیاد رکھنے والے اساتذہ میں شاہ صاحب بھی تھے۔ اس لیے اس عمارت کا نام انور بلڈنگ رکھا گیا۔ اس درس گاہ میں ایک مہمان خانہ، ایک دفتر، دو کمرے بالائی اور دو کمرے کتب خانہ کے لیے، دس درس گاہیں، کل سولہ کمرے ہیں۔ یہ عمارت ستائیس ہزار روپے میں تعمیر ہوئی۔

۱ شعبان ۱۳۵۰ھ / ۱۱ دسمبر ۱۹۳۱ء کو دستار بندی کا جلسہ ہوا۔ شاہ صاحب نے "سفر آخرت" کے موضوع پر دو گھنٹے تقریر فرمائی جس میں بہت سے مسائل علمیہ پر بہ تفکر اور محققانہ تبصرہ فرمایا جب کہ مولانا عثمانی نے "فضیل علم" پر تقریر کی۔ (۶۵)

۱ شعبان ۱۳۵۱ھ / ۲۹ نومبر ۱۹۳۲ء کو سالانہ جلسہ دستار بندی ہوا۔ مولانا احمد علی لاہوری نے رات کے اجلاس میں وعظ فرمایا۔ پھر شاہ صاحب نے "زندگی اور موت" کے عنوان سے طویل وعظ فرمایا۔ جس سے لوگوں پر عجیب کیفیت اور اثر طاری ہوا۔ شاہ صاحب کا سال گزشتہ اور امسال بھی آخرت ہی کے موضوع پر وعظ آپ کے اپنے سفر آخرت کی تیاری کا غماز تھا۔

فتنہ مرزائیت کے سلسلہ میں اسفار :-

۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء میں شاہ صاحب نے پنجاب کا ایک وسیع دورہ کیا۔ مختلف مقامات پر قادیانیوں نے قادیانیت کا جو جال پھیلا رکھا تھا۔ اس کا تار و پود بکھیرا۔ آپ کے بہت سے تلامذہ اور ساتھی علماء ہمراہ تھے۔ اس سفر میں لدھیانہ، امرتسر، لاہور، گوجرانوالہ، گجرات، راولپنڈی، ایبٹ آباد، مانسہرہ، ہزارہ اور کوئٹہ وغیرہ میں جلسوں سے خطاب کیا۔ (۶۶)

---

(۶۴)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۹۔

(۶۵)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۲ تا ۵۴۔

(۶۶)۔ مقدمہ مرزائیہ بہاولپور: مرتبہ وناشر اراکین اسلامک فاؤنڈیشن، فردوس روڈ لاہور۔ طبع اکتوبر ۱۹۸۱ء، ج ۱، ص ۲۰۱۔

محمد دین فوق رقمطراز ہیں :-

"۱۹۳۲ء میں آپ لاہور انجمن خدام الدین کے جلسہ میں اور علمائے دیوبند کے تشریف لائے اور امرتسر، پشاور، راولپنڈی اور گوجرانوالہ میں بھی اسلامی جلسوں میں تشریف لے جاتے رہے۔ پیر عبدالغفار صاحب کے ساتھ جو لاہور میں ایک کشمیری اہل اللہ بزرگ گزرے ہیں، آپ کے خاص تعلقات تھے۔" (۷۷)

مقدمہ بہاولپور کے لیے سفر :- مقدمہ بہاولپور میں شرکت کے لیے آپ دیوبند سے چل کر ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء کو بہاولپور پہنچے۔ ۲۵، ۲۷، ۲۸ اگست ۱۹۳۲ء کو شاہ صاحب کا بیان قلمبند ہوا۔ ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء کو شاہ صاحب کے بیان پر جرح ہوئی۔ (۷۸)

بہاولپور میں پہلے ہی جمعہ کو بہاولپور کی جامع مسجد میں خطاب فرمایا۔ (۷۹)

قادیان میں اعلان حق :- عبدالرشید ارشد رقمطراز ہیں :-

"حضرت شاہ صاحبؒ اعلان حق کرنے کے لیے نیز قضیۂ زمین، بر سر زمین کی خاطر کئی دفعہ قادیان تشریف لے گئے اور وہاں پبلک جلسہ کر کے اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیتے رہے۔" (۸۰)

ڈاکٹر ذکی رقمطراز ہیں :-

"بہاولپور کے مقدمہ کے سلسلے میں مولانا انور شاہ صاحب اپنے شاگرد مولانا محمد انوری کے ساتھ لاہور پہنچے تو وہاں سے سنٹرل جیل میں نظر بند علماء و رہنماؤں سے ملاقات کرنے کے لیے ملتان گئے۔ ان دنوں مفتی کفایت اللہ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، قاری عبدالرحمٰن، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا داؤد غزنوی، مظہر علی اظہر، چوہدری افضل خان ملتان جیل میں تھے۔ وہاں سے ہو کر شاہ صاحب بہاولپور پہنچے۔ بہاولپور کے سفر کے دوران آپ نے دو روز لاہور میں قیام کیا۔ آسٹریلین بلڈنگ کی جامع مسجد میں بعد نماز فجر وعظ فرمایا۔ علماء و فضلا بالخصوص ڈاکٹر محمد اقبالؒ اور دوسرے کئی تھی انجام سے

(۷۷)۔ محمد دین، فوق : مشاہیر کشمیر ص ۱۶۴ -

(۷۸)۔ مقدمہ مرزائیہ بہاولپور، مرتب و ناشر اراکین اسلامک فاؤنڈیشن، ڈیوس روڈ، طبع اکتوبر ۱۹۸۱ء، ج ۱، ص ۲۰۴، ۲۱۰، ۲۲۸، ۲۳۱ -

(۷۹)۔ کوندو، عبدالرحمٰن : الانور، دہلی، ندوۃ المصنفین، طبع چہارم ۱۹۸۱ء، ص ۲۱۲ -

(۸۰)۔ عبدالرشید، ارشد : بیس بڑے مسلمان، ناشر، لاہور مکتبہ رشیدیہ شاہ عالم مارکیٹ، طبع چہارم اگست ۱۹۸۳ء، ص ۲۹۶ -

حاضر ہوتے تھے؟

آگے چل کر ڈاکٹر کچھی وہ آسٹریلین مسجد لاہور والوں کی خواہش کے عنوان سے مسجد کی روئیداد کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"۱۹ مارچ ۱۹۳۳ء کے جلسہ میں قرار پایا کہ خواجہ محمد خورشید شاہ صاحب کے متعلق ...

اُن کے لیے ۱۷۰۹ اور ۱۵۰۰۱ روپے تنخواہ مخصوص تھی۔" (۴۱)

۱۹۲۱ء میں لاہور اچھرہ میں تردید قادیانیت کے سلسلہ میں تقریر کی، پھر وزیر خان کی مسجد میں، مولانا دیدار علی کی مسجد میں شاہ صاحب نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور بعد از نماز تقریر فرمائی۔

دسمبر ۱۹۳۲ء میں مولانا احمد علی کی دعوت پر ڈابھیل سے براستہ دیوبند لاہور آئے اور جلسہ میں شرکت کی۔ مولانا غلام مصطفیٰ کشمیری جو آپ کے بھانجے تھے، ہمراہ تھے، خدام الدین کے جلسہ کی صدارت حضرت شاہ صاحب نے فرمائی۔ (۴۲)

سفرِ آخرت :۔ ڈابھیل جیسی دور دراز جگہ کا سفر اور آب و ہوا شاہ صاحب کو راس نہ آئی۔ آہستہ آہستہ مرض شدت اختیار کر تا گیا۔ جلسہ کے بعد دیوبند چلے گئے۔ جب کوئی ڈابھیل چھوڑنے کی بات کہتا تو فرماتے "میں نے جامعہ سے نباہ کرنے کا قول و قرار کر لیا ہے۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے میں اپنے قول و قرار سے پھر نہیں سکتا۔"

۳ شوال ۱۳۵۱ھ / ۳۰ جنوری ۱۹۳۳ء کو اپنے ہاتھ سے دیوبند سے ایک خط جامعہ کے نام لکھا۔ جس میں بیماری کے حالات کی وجہ سے لکھا کہ :۔

"احقر مدرسہ تعلیم الدین سے سال بھر کی رخصت لے لے۔"

۱۳۵۱ھ کا سال ختم ہو کر ۱۳۵۲ھ شروع ہو گیا۔ محرم بھی گزرنے لگا۔ شاہ صاحب کا ارادہ تھا ایک دو روز میں کشمیر کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور کچھ دن گزار کر ڈابھیل بھی جائیں گے۔ اچانک ۲ صفر ۱۳۵۳ھ بروز اتوار خون بڑی مقدار میں خارج ہوا، ضعف بڑھ گیا۔ (۴۳)

مولانا انظر شاہ مسعودی رقمطراز ہیں :۔

"بیماری کی شدت ہوئی تو آپ ڈابھیل سے رخصت لے کر دیوبند تشریف لے آئے۔ مطابق ہر علاج معالجہ جاری رہا۔ دہلی کے مشہور معالج حکیم نابینا صاحب، حکیم محمد احمد صاحب، ڈاکٹر انصاری صاحب علاج کرتے رہے۔ خود آپ کے برادر نسبتی

(۴۱) ۔ کچھی، غلام محمد : علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۱۱۹، ۱۲۰۔

(۴۲) ۔ محمد انوری، مولانا : انوار انوری، طبع ۳ جنوری ۱۹۶۱ء ، ایضاً، ص ۱۱۹، ۱۲۰۔

(۴۳) ۔ فضل الرحمٰن، مولانا : تاریخ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک اشاعت ۱۳۳۵ھ ، ص ۵۶ تا ۶۰۔

سید محفوظ علی صاحب جو تجربہ کار طبیب تھے تن دہی سے تدابیر صحت کر رہے تھے ۔ لیکن مرض کا یہ عالم تھا

کہ بڑی مقدار میں خون اجابت کے ساتھ خارج ہوتا ۔ واصلے گریہ وحشت الٰہی کے آثار آپ پر نمایاں تھے۔" (۴)

۲ صفر کا دن گزار کر رات میں نصف شب کے بعد جو کہ نزول رحمت کا خاص وقت ہے ، علم و ہدایت کا یہ چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا ۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

۳ صفر ۱۳۵۲ھ / ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو حکیم سید محفوظ علی کا تار ڈابھیل پہنچا ۔ جو خرمن ہوش و حواس برق عاطف بن کر گرا ۔

جامعہ تین دن کے لیے بند کر دیا گیا ۔ بلکہ طلبہ کے درود کے علاوہ طلبہ اور اساتذہ نے ایک سو قرآن پاک کا ختم کیا ۔ ۸ صفر ۱۳۵۲ھ / ۳۰ مئی ۱۹۳۳ء کو جلسہ تعزیت ہوا ۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے حضرت شاہ صاحب کے مختصر احوال بیان کیے ۔

۹ صفر ۱۳۵۲ھ / ۲ جون ۱۹۳۳ء کو مولانا عثمانی کی صدارت میں جلسہ تعزیت منعقد کیا گیا ۔ آپ نے فرمایا :-

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوری علمی دنیا کا آفتاب غروب ہو گیا ہے ۔ آپ کی وفات سے درحقیقت طلبہ یتیم نہیں ہوئے کیونکہ ان کو پڑھانے والے اور بہت ہو جائیں گے بلکہ پڑھانے والے اساتذہ اور علماء یتیم ہو گئے ہیں ۔ اس لیے کہ اب قرآن و حدیث کی مشکلات کو حل کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا ۔"

نیز فرمایا :-

"مجھ سے اگر مصر کا شام کا کوئی شخص پوچھے کہ تم حافظ ابن حجر عسقلانی ، شیخ تقی الدین بن دقیق العید اور سلطان العلماء شیخ عز الدین بن عبدالسلام کو دیکھا ہے تو میں استعارہ کر کے کہوں گا کہ دیکھا ہے ۔ یعنی صدیوں کے آگے پیچھے کا فرق ہے ۔ اگر شاہ صاحب چھٹی تا ساتویں صدی میں ہوتے تو آپ کا رتبہ اُن ہی علماء کے برابر ہوتا ۔ (۵)

نماز جنازہ دارالعلوم دیوبند میں میاں اصغر حسین صاحب نے پڑھائی ۔ عیدگاہ کے قریب حسبِ وصیت سپردِ خاک کر دیا گیا ۔

اگلے روز ہندوستان کے تمام اخبارات نے سیاہ حاشیوں کے ساتھ شاہ صاحب مرحوم کے سانحہ وفات کی دلدوز خبر شائع کی ۔ ظفر علی خان کے "زمیندار" غلام رسول مہر کے "انقلاب" بجنور کے اخبار "مدینہ" مولانا ظفر علی کا "الامان" اور دینی علمی رسالے مدتوں اس حادثہ پر ماتم کرتے رہے ۔

(۴) ۔ انظر شاہ ، مسعودی ، مولانا : نقش دوام ، ناشر مکتبہ بنوریہ کراچی ، سن ندارد ۔ ص ۴۷ ، ۴۸ ۔

(۵) ۔ فضل الرحمٰن ، مولانا : تاریخ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک اشاعت ۱۴۲۵ھ ص ۵۹ تا ۶۰ ۔

دارالعلوم دیوبند میں تعزیتی اجلاس سے مولانا حسین احمد مدنی نے خطاب کیا ۔ لاہور میں تعزیتی اجلاس سے علامہ اقبال نے خطاب کا آغاز اپنے مشہور شعر سے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سے کیا اور فرمایا :۔

" اسلام کی آخری پانچ سو سالہ تاریخ مولانا شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے ۔ ایسا بلند پایہ عالم اور فاضل جلیل اب پیدا نہ ہوگا ۔ وہ صرف جامع العلوم قدیم کی ایک شخصیت ہی کے مالک نہیں تھے ۔ بلکہ عصر حاضر کے دینی تقاضوں پر اُن کی پوری نظر تھی ۔ میں نے جدید فقہ کی تدوین کے لیے اُن کا انتخاب کیا تھا اور اس موضوع پر ان سے گفتگو بھی رہی ۔ جس طرز پر فقہ کی تدوین میرے پیش نظر تھی اس کیلئے مناسب شخصیت ان کے سوا عالم اسلام میں کوئی نہ تھی " (۲۶)

حضرت شاہ صاحب کی وفات پر ہمہ گیر ماتم منایا گیا ۔ لاہور ، ڈابھیل ، دیوبند ، دہلی کے علاوہ دیلور ضلع بلوری ، جامع مسجد شریف جھنگ ، جمعیۃ العلمائے کشمیر ، بنگال میں جامعہ پوتیہ ، سیالکوٹ ، پشاور ، میرٹھ ، کھنڈر ، انجمن سعادت بخارا و ترکستان میں اجلاس تعزیت ہوئے اور قرار دادیں پاس ہوئیں ۔ دہلی میں مولانا سعید احمد ناظم جمعیۃ العلمائے ہند نے تقریر کرتے ہوئے کہا :۔

" آج ہم نے ایک مکمل لائبریری کو سپرد خاک کر دیا ہے "

انجمن بخارا و ترکستان کے اجلاس میں یوں خراج عقیدت پیش کیا گیا :۔

" شاہ صاحب کی وفات پر اسلام کی مذہبی دنیا یتیم ہو گئی ہے "

۲۵ اگست ۱۹۳۳ء مولانا حسین احمد مدنی نے اجلاس میں طے پایا کہ :۔

" شاہ صاحب کی علمی یادگار " مجلس علمی " کے نام سے قائم کی جائے ۔ یہ مجلس علمی دیوبند میں قائم ہو ۔ اس کے ناظم عمومی مولانا حفظ الرحمٰن ہوں گے اور اس کا سرمایہ پچاس ہزار روپیہ ہوگا "

معارف اعظم گڑھ میں سید سلیمان ندوی نے خراج عقیدت پیش کیا :۔

" دین و دانش کا مہر انور ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کی صبح کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا ۔ یعنی

(۲۶) ۔ انظر شاہ ، مسعودی ، مولانا : نقش دوام ، ناشر مکتبۃ بنوریہ کراچی ، سن ندارد ، ص ۵۳ تا ۶۰ ۔

شاہ صاحب مرحوم کم سخن، وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی ہے جس کی اُوپر کی سطح ساکن ہو، لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قدر خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔ وہ وسعت نظر، قوت حافظ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔

شاہ صاحب کی یاد میں بہت سے لوگوں نے دردناک مرثیے لکھے۔ جن میں مولانا قاری محمد یامین سہارنپوری، محمد علی بندی، جناب عرفی، جناب خلیق دہلوی، منشی غلام محمد بسمل اور مولوی محمد کے نام شامل ہیں۔

تاریخ وفات :۔ الجمعۃ دہلی۔ چہار شنبہ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ / ۵ر جولائی ۱۹۳۳ء

رفت واسفٰے محمد انور شاہؒ (۷۷)
۵۲ ۱۳ھ

راقم الحروف ۱۱ جولائی ۱۹۸۶ء کو سیری کلاں، لوات ضلع مظفر آباد گیا اور مولانا غلام مصطفےٰ شاہ مرحوم کی لائبریری سے ایک رسالہ "الانور" ملا۔ مدیر کا نام اختر کاشمیری، مقام اشاعت، دفتر انجمن تحفظ الاسلام سرینگر کشمیر، سن ندارد، راقم کے پاس عکسی نقل موجود ہے۔ اس کے باب المراثی میں ص۱ تا ۴ پر خواجہ سعد الدین صاحب سید نقشبندی محلہ خواجہ بازار سرینگر کا ایک فارسی مرثیہ بیاد حضرت شاہ صاحب ۲۰ اشعار اور دو قطعات پر مشتمل ہے۔

ص ۳،۴ پر ایک اور فارسی مرثیہ ۲۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ جس میں دو مختلف مصرعوں میں تاریخ ہائے وفات کہی گئی ہے :۔

دل بگفت دل بشمرہ من وہ واحسرتا واحسرتا ۹   دل بس سال فرقش بے گماں "شیخ الحدیث" آمد بجا
۱۳۵۲   ۱۱۱   ۱۴۶۳
۱۱۱
۱۳۵۲

ص ۵ پر انہی صاحب کے دو مزید فارسی قطعات پانچ اشعار پر مشتمل ہیں اور ہر دو قطعات میں بھی تاریخ ہائے وفات کہی گئی ہے۔ ص ۵ تا ۱۲ از قادر شاہ درویش قادری مرثیہ ہے۔ ص ۱۲ تا ۱۵ مُلا اسد اللہ اسد کلاشپوری کا فارسی مرثیہ ہے جس کے آخری شعر میں بھی تاریخ وفات کہی گئی ہے۔ ص ۱۵ تا ۱۸ سید مبارک شاہ گیلانی فطرت کا اُردو مرثیہ ہے۔ آخری صفحہ پر نوٹ دیا ہے۔ متعدد مراثی ابھی باقی ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعتوں میں شائع ہوتی رہیں گی۔

شاہ صاحب کی اُولادیں :۔ آپ نے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑی ہیں۔

(۷۶)۔ بگھیو، غلام محمد؛ علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۱۲۳ تا ۱۲۸۔

(۷۷)۔ تمام تعزیتی اجلاسوں کی کارروائیاں الجمعۃ دہلی نیز دہلی کے جون، جولائی ۱۹۳۳ء کے اخبارات میں شائع ہوئیں۔ اور تمام مرثیے الجمعۃ دہلی ۲۲ جون ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئے۔

(۷۸)۔ ماہنامہ الانور : دفتر انجمن تحفظ الاسلام سرینگر کشمیر (بیاد شیخ الحدیث، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ) ماہ و سن ندارد، ص باب المراثی ص ۱ تا ۱۸۔

(۱) سب سے بڑے ازہر شاہ قیصر مدیر "دارالعلوم"۔ ان کے تین صاحبزادے، محمد اطہر، محمد راحت، محمد نسیم اور دو صاحبزادیاں ہیں۔

(۲) مولانا انظر شاہ:۔ معلم دارالعلوم دیوبند، محقق، مصنف، ان کے ایک صاحبزادے احمد اور دو صاحبزادیاں ہیں۔

(۳) ۔ تیسرے صاحبزادے محمد اکبر شاہ بعمر جوانی فوت ہوئے۔ (۴) ۔ بڑی صاحبزادی عابدہ خاتون کا بھی جوانی میں انتقال ہو گیا۔ ان کا نکاح مولوی محمد شفیق بجنوری سے ہوا تھا۔ (۵) ۔ چھوٹی صاحبزادی راشدہ خاتون کا نکاح مولانا سید احمد رضا بجنوری سے ہوا۔ ان کے پانچ بچے محمد ارشد، محمد سعد، محمد ماجد، محمد احمد، محمد اسعد اور دو بچیاں ہیں۔ شاہ صاحب کی عمر ۵۹ سال ۳ ماہ اور ۵ دن ہوئی۔ (۷۹)

شاہ صاحب کی اہلیہ کا انتقال ۲۵ جون ۱۹۶۷ء کو بعمر ۹۲ سال بعارضہ کینسر ہوا۔ (۸۰)

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی تصانیف

(۱) مشکلات القرآن:۔ یہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں کا مجموعہ ہے۔ یہ قرآنی علوم اور قرآنی معارف کا نہایت بیش بہا گنجینہ ہے۔ اس کتاب میں شاہ صاحب نے ۱۹۰ قرآنی آیات پر محققانہ بحث کی ہے۔

(۲) فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب:۔ یہ ۱۳۳۸ھ کی تصنیف ہے۔ عربی زبان میں ہے۔ اس کتاب میں حدیث عبادہ بن ثابت بروایت محمد بن اسحاق پر عالمانہ بحث کی گئی ہے۔

(۳) ۔ خاتمۃ الکتاب فی مسئلۃ فاتحۃ الکتاب:۔ یہ رسالہ بھی قرأت خلف الامام کے مسئلہ پر فارسی زبان میں ہے۔ کل ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۴) ۔ عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام:۔ یہ کتاب بھی عربی زبان میں ہے۔ ۲۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۵) ۔ تحیۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام:۔ عربی زبان میں ہے۔ کل صفحات ۱۵۰۔

(۶) ۔ اکفار الملحدین فی ضروریات دین:۔ عربی زبان میں ہے۔ کل صفحات ۱۳۲۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا محمد ادریس میرٹھی نے کیا۔ جسے مجلس علمی کراچی نے ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء میں شائع کیا۔

(۷) ۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح:۔ عربی زبان میں ہے۔ کل صفحات ۳۰۸۔ ابتداء میں تین مقدمے ہیں۔ اصل کتاب ۱۹ تا ۳۰۸ صفحات تک ہے۔

(۸) ۔ نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین:۔ عربی زبان میں ۱۲۵ صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔ مجلس علمی ڈابھیل نے شائع کیا۔

(۹) ۔ بسط الیدین لنیل الفرقدین:۔ یہ ۶۳ صفحات کا عربی رسالہ نیل الفرقدین کا تکملہ ہے۔ جسے مجلس علمی نے ۱۳۵۱ھ میں شائع کیا۔

---

(۷۹) ۔ احمد رضا، بجنوری، مولانا: انوار الباری، دیوبند ساہیوال، مکتبہ ناشر العلوم، سن ندارد، ج ۲، ص ۲۶۳، ۲۶۴۔

(۸۰) ۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، اگست ۱۹۶۷ء، ص ۴۸۔

(۱۰) ۔ کشف الستر عن صلوٰۃ الوتر :- یہ ۹۸ صفحات پر مشتمل عربی زبان میں ہے، ۱۳۳۸ھ / ۱۳۵۳ھ میں مجلس علمی ڈابھیل نے شائع کی ۔

(۱۱) ۔ ضرب الخاتم علی حدوث العالم :- عربی زبان میں منظوم رسالہ ہے جو ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اسے مجلس علمی کراچی نے ۱۳۸۲ھ میں شائع کیا ۔ ڈاکٹر لکھبی نے بحوالہ مقالہ ڈاکٹر سید محمد فاروق « مولانا شاہ صاحب کی علوم عقلیہ میں بصیرت میں اشعار کی تعداد ۲۰۷ لکھی ہے ۔

(۱۲) ۔ مرقاۃ الطارم لحدوث العالم :- یہ رسالہ عربی زبان میں ۹۲ صفحات پر مشتمل ہے ، یہ رسالہ عربی نثر میں ہے ، لیکن فارسی اور عربی میں کچھ منظوم کلام بھی شامل ہے ۔ مجلس علمی ڈابھیل نے شائع کیا ۔

(۱۳) ۔ سہم الغیب فی کبد اہل الریب :- شاہ صاحب کا یہ رسالہ ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔

(۱۴) ۔ کتاب فی الذب عن قرۃ العینین :- یہ فارسی زبان میں ہے اور ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے ۔

(۱۵) ۔ خاتم النبیین :- فارسی زبان میں ہے ۔ پہلا ایڈیشن ۱۳۵۳ھ میں مجلس علمی کراچی نے شائع کیا ۔ یہ کتاب ۲۰۳ صفحات پر مشتمل ہے ۔

(۱۶) ۔ خزائن الاسرار :- یہ ۶۵ صفحات کا عربی رسالہ ہے ۔ ۱۳۵۴ھ میں مجلس علمی نے شائع کیا ۔ یہ اوراد و عملیات کی کتاب ہے ۔

(۱۷) ۔ گنجینۂ اسرار :- یہ شاہ صاحب کی مذکورہ بالا مطبوعہ بیاض "خزائن الاسرار" کا اردو ترجمہ ہے ۔ اس میں بہت سی غیر مطبوعہ تحقیقات کو شامل کیا گیا ہے ۔ اس میں دو مقدمے ہیں (ایک مولانا انظر شاہ مسعودی کا لکھا ہوا دوسرا خود مترجم مولانا مظفر الحسن قاسمی کا ۔ یہ کتاب ۱۸۸ صفحات پر مشتمل ہے ، جسے ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور نے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا ۔

(۱۸) ۔ النور الفائض علی نظم الفرائض :- فارسی نظم ۹۲ اشعار پر مشتمل ہے ، جو علم میراث میں ہے ۔ ۱۳۵۶ھ مراد آباد سے شائع ہوئی ۔

(۱۹) ۔ دعوت حفظ ایمان :- یہ رسالہ اردو زبان میں دو حصوں پر مشتمل ہے ۔

(۲۰) ۔ خطبہ صدارت :- ۱۹۲۷ء جمعیۃ العلمائے ہند کے سالانہ اجلاس ۲ ، ۳ ، ۴ دسمبر ۱۹۲۷ء میں پشاور میں شاہ صاحب نے فارسی زبان میں خطبہ صدارت دیا ۔ اسے برقی پریس دہلی نے شائع کیا ۔

(۲۱) ۔ خلاصہ تقریر :- شاہ صاحب کا یہ رسالہ اردو زبان میں اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے شائع ہوا تھا ۔ یہ ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے ۔

(دوسری امالی)

(۲۲) ۔ فیض الباری مرتبہ مولانا بدر عالم میرٹھی :- عربی زبان میں ہے ۔ جو چار جلدوں میں ہے ۔

(۲۳) ۔ العرف الشذی علی جامع الترمذی :- یہ امام ابو عیسیٰ ترمذی کی شہرہ آفاق کتاب جامع ترمذی کے درس کی املائی شرح ہے ۔ عربی زبان میں ہے ۔

(۲۴) ۔ انوار الباری :- شاہ صاحب کے شاگرد اور داماد مولانا احمد رضا بجنوری نے ان تمام مسودات کو جو درس بخاری کے نام سے عربی زبان میں موجود تھے اردو میں منتقل کر رہے ہیں ۔ بقول غلام محمد لکھبی سترہ جلدیں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں ۔

(۲۵) ۔ الاتحاف لمذہب الاحناف :- شاہ صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا حاشیہ (عربی زبان میں) جو شیخ ظہیر احسن شوق نیموی کی کتاب "آثار السنن" پر لکھا تھا ۔

(۲۴)۔ انوار المحمود فی شرح سنن ابی داؤد :۔ مولانا محمد صدیق نجیب آبادی نے شاہ صاحب کی ان تقاریر کو جمع کرکے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ مولانا کے درس ابی داؤد کے افادات کو ثانی عبداد الفاق کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

(۲۵)۔ ایضاح البخاری :۔ یہ شاہ صاحب کے درس بخاری سے متعلق تقاریر کا مجموعہ ہے۔ جو مولانا فخر الدین نے جمع کیا۔

مخطوطات

(۱)۔ امالیہ علی، صحیح مسلم از ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی، ضائع ہو گیا تھا۔ خواجہ عبدالحیٔ فاروقی اور مولانا خلیل بن محمد یمانی نے نقول لے لی تھیں۔

(۲)۔ امالیہ علی، صحیح مسلم، مرتبہ مناظر احسن گیلانی۔ (۳)۔ امالیہ ابو داؤد ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور خواجہ عبدالحیٔ فاروقی نے مشترکہ طور پر شاہ صاحب کے فوائد کو قلم بند کیا۔ (۴)۔ امالیہ علی۔ صحیح بخاری مرتبہ حفظ الرحمان سیوہاروی ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں ضائع ہو گئیں۔ (۵)۔ امالیہ علی، صحیح بخاری مرتبہ مولانا عبدالعزیز۔ (۶)۔ امالیہ علی صحیح بخاری، مرتبہ مولانا عبدالعزیز۔ (۷)۔ مجموعہ امالی، مرتبہ قاری محمد طیب کسی طالب علم کی نذر ہو گئیں۔ (۸)۔ امالیہ علی۔ صحیح مسلم از مولانا احمد علی المظلی کسی نے مستعار لے کر واپس نہ کی۔ (۹)۔ امالی ترمذی۔ مرتبہ انوار الحق حق الفضلی مولانا کے بھتیجے مولانا ریاض الحق قاسمی کے پاس ہیں۔ (۱۰)۔ ریاست بھوپال کے ابی داؤد کے صحیح نسخے کو پڑھ کر زبانی قلمبند کیا۔ (۱۱)۔ شرح ابو داؤد، مرتبہ مولانا بدر عالم میرٹھی۔ (۱۲)۔ شرح ابو داؤد، مرتبہ شاہ صاحب (۱۳)۔ حاشیہ سنن ابن ماجہ مرتبہ مولانا محمد ادریس۔ (۱۴)۔ مشکلات القرآن جلد ثانی۔

مخطوطات کی فہرست الشیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے التصریح بما تواتر فی المسیح کے مقدمہ میں دی ہے۔ جن کی تعداد ۱۸ ہے۔

مضامین اور تقاریر

حقیقت عید / عید مسلم :۔ مہاجر دیوبند قسط اول ۲۹ مارچ ۱۹۲۸ء / مہاجر دیوبند قسط دوم ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء، روزنامہ سیاست لاہور۔ عید نمبر ۲۳ مارچ ۱۹۲۸ء ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک مارچ ۱۹۶۶ء۔ معراج النبیؐ :۔ روزنامہ سیاست لاہور معراج نمبر فروری ۱۹۲۵ء۔ تقریر عنوان، عالم آخرت نمبر ۱، ۲ سالانہ جلسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۱۳۵۰ھ ۱۳۵۲ء۔ ۲۳ صفر ۱۳۵۰ھ میں جامع مسجد سورپور میں تقریر کی جسے قلمبند کر لیا گیا۔ نقل عبدالرحمان کونڈو کے پاس ہے۔

علامات قیامت اور نزول مسیح :۔ انتخاب حدیث، تالیف شاہ صاحب، تالیف مولانا مفتی محمد شفیع، ترتیب ترجمہ و تشریح مولانا محمد رفیع عثمانی۔ ناشر مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ طبع اول ۱۳۹۳ھ۔ ترتیب کتاب :۔ کل صفحات ۱۷۶۔ تالیف حصہ اول، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع۔ انتخاب احادیث حصہ دوم :۔ مولانا محمد شفیع۔ ترجمہ و تشریح حصہ دوم۔ مولانا محمد رفیع عثمانی۔ تالیف حصہ سوم :۔ محمد رفیع عثمانی۔

مفتی محمد شفیع اس کتاب کے بارہ میں رقمطراز ہیں :۔

"دارالعلوم کے صدر مدرس حجۃ الاسلام سیدی و استاذی حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہٗ نے نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع فرما کر ان کو

کتابی شکل میں تدوین و تالیف کے لیے احقر کو مامور فرمایا تھا۔ حسب الحکم یہ کتاب تیار ہو کر اُس وقت بنام "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" شائع ہو گئی۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ مجموعہ احادیث صرف کسی فرقہ کا رد نہیں بلکہ علامات قیامت کے متعلق احادیث معتبرہ کا اہم مجموعہ ہونے کی حیثیت سے ہر مسلمان کے پڑھنے اور یاد رکھنے کی چیز ہے۔ مگر حسبِ ارشاد اُستاذ المحترم اس کو عربی زبان میں لکھا گیا تھا تا عراق و مصر وغیرہ میں جہاں قادیانیوں نے نزول مسیح علیہ السلام کے مسئلے پر فتنہ پھیلایا ہے، اس کو پہچانا جا سکے۔"

تقریر ترمذی بزبان اُردو ، افادات حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ ، مرتبہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان ،

تقریر بخاری ایضاً ایضاً ایضاً

× × ×

باب سوم

علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی خدمات زبان اردو

[ ]

علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی اُردو زبان کی خدمات

عبدالرحمٰن کوندو رقمطراز ہیں :۔

"مولانا انور شاہ صاحب نے ایک صاحب سے فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ اُردو کی کتابوں میں علوم نہیں ہیں۔ اس لیے میں کسی اُردو تصنیف کو دیکھنا بے کار سمجھتا تھا۔ لیکن جب سے تفسیر بیان القرآن دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ معلوم ہوا کہ اُردو کی تصانیف میں بھی اب علوم موجود ہیں اور اس وقت سے مجھے اُردو کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہوگیا اور جو بے وقعتی اُردو کی کتابوں کی میرے خیال میں پہلے تھی وہ جاتی رہی۔" (۱)

مولانا انظر شاہ مسعودی لکھتے ہیں :۔

"حضرت مولانا تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن کو دیکھنے کے بعد اُردو سے متعلق ان تاثرات میں تبدیلی ہوئی پھر تو اپنے ایک شاگرد کو، جنہوں نے عربی میں مقالہ لکھ کر برائے اصلاح پیش خدمت کیا تو کسی اصلاح کے بغیر یہ کہہ کر واپس فرما دیا۔"

"مولوی صاحب اگر ہندوستان میں دین کی خدمت کا جذبہ ہے تو اُردو میں لکھئے۔" (۲)

سید نفیس احمد اندرابی اپنے مضمون مشمولہ الانور "حضرت شاہ صاحب کا قیام سرینگر میں، حضرت شاہ صاحب کی اُردو تصانیف" کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں:

"آپ کی اکثر تصانیف عربی زبان میں اور کچھ فارسی زبان میں طبع ہو کر تشنگان علوم کو برابر سیراب کر رہی ہیں۔ ان تصانیف پر اہل علم حضرات تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں۔ میں اس پر اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ حضرت کے تین درج ذیل رسائل اُردو زبان میں میرے پاس موجود ہیں۔

(۱)۔ خطبہ صدارت جمعیۃ العلماء ہند دہلی۔ (۲)۔ دعوت حفظ ایمان نمبر ۱۔ (۳)۔ دعوت حفظ ایمان نمبر ۲

دعوت حفظ ایمان کے رسالے مرزا قادیانی اور اُن کے چیلے چانٹوں کی تردید میں لکھے گئے ہیں، میرا خیال غالب ہے کہ دعوت حفظ ایمان کے کچھ اور نمبرات بھی شائع ہوئے ہوں گے۔" (۳)

---

(۱)۔ کوندو، عبدالرحمٰن : الانور، طبع چہارم ۱۹۸۱ء، دہلی، ندوۃ المصنفین، بحوالہ الافاضات الیومیہ ج ۷، ص ۱۱۱۔

(۲)۔ مسعودی، انظر شاہ، مولانا، نقش دوام، ناشر المکتبۃ البنوریہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی جز ۵، ص ۲۶۹، ۲۷۸۔

(۳)۔ کوندو، عبدالرحمٰن : الانور، طبع چہارم ۱۹۸۱ء، دہلی، ندوۃ المصنفین، ص ۶۳۲، ۳۳۔

پیشرو دو مقالہ نگار، ڈاکٹر قاری رضوان اللہ اور غلام محمد کچھی نے بھی ان دو رسالوں (دعوت حفظِ ایمان) کا ذکر کیا ہے ۔ اوّل الذکر نے حضرت بل (کشمیر) کی لائبریری میں ان کی نشاندہی کی ہے ۔ جب کہ مؤخر الذکر نے عدم دستیابی کا اظہار کیا ہے ۔

راقم کی تحقیق کے مطابق دعوتِ حفظِ ایمان بنرا کو مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے اپنی تصنیف "اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف" میں صفحہ ۲۷ تا ۳۲ نقل کیا ہے ۔ جس پر آئندہ صفحات میں تبصرہ پیش کیا جا رہا ہے ۔

مولانا انظر شاہ رقمطراز ہیں :-

"بیان القرآن یعنی قرآن حکیم کی تفسیر جسے مولانا تھانوی کے علم ریز قلم نے تیار کیا ۔ جب اس کا مطبوعہ نسخہ دیوبند پہنچا اور شاہ صاحب نے بالاستیعاب اس کا مطالعہ کیا تو طلبہ سے درس بخاری میں ارشاد فرمایا کہ :-

"میں نے اپنے ذوقِ علمی کو محفوظ رکھنے کے لیے اُردو میں مطالعہ سے ہمیشہ پرہیز کیا تا آنکہ اپنی نجی مراسلت کی زبان بھی عربی اور فارسی ہی رکھی اور ہمیشہ یہ سمجھتا رہا کہ اُردو کا دامن علم و تحقیق سے خالی ہے ۔ لیکن مولانا تھانوی ؒ کی تفسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے اپنی رائے میں ترمیم کرنا پڑی اور اب سمجھتا ہوں کہ اُردو بھی بلند پایہ علمی تحقیق سے بہرہ ور ہے ۔ یہ واقعہ ہے کہ "بیان القرآن" جیسی چُست تفسیر دیکھنے میں نہیں آئی ۔" (۴)

راقم الحروف کی تا حال تحقیق میں حضرت شاہ صاحبؒ کا جو مواد دستیاب ہوا اُس کی تفصیل مع تبصرہ بذیل ہے :-

(۱) ۔ حیاتِ جاوداں :- مصنف ڈاکٹر پیر محمد حسن شاہ ، ایم ۔ اے ، پی ۔ ایچ ڈی ۔ سن نامعلوم ، ملنے کا پتہ سعیدیہ کتب خانہ اُردو بازار راولپنڈی ۔

ص ۷۵ ، بعنوان بعض اموات کا قرآن اور نماز پڑھنا کے موضوع پر علامہ انور شاہ صاحبؒ کا بیان بزبان اُردو (قرآن و حدیث کی روشنی میں) قریباً بیس سطور پر مشتمل ہے ۔ ص ۱۰۵ پر بعنوان "شہدا زندہ ہیں" علامہ کا طویل بیان ہے ۔ جس میں قرآن پاک کی آیت " وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا " کی تشریح بیان فرمائی ہے ۔ ص ۱۳۳ پر بعنوان "انبیاء زندہ ہیں" اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں ۔ علامہ صاحب کا بیان کہ موت کا مطلب انبیاء کی ارواح پاکیزہ کا عبادات اور مبارک اعمال سے معطل ہونا نہیں ۔ ص ۱۷۵ ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل جس میں ابوداؤد کی حدیث کہ جب کوئی شخص آپ پر سلام کہتا ہے تو آپ کی روح لوٹا دی جاتی ہے ۔ شاہ صاحب روح لوٹانے سے حضورؐ کا توجہ فرمانا مراد لیتے ہیں اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حالت میں زندہ ہیں بایں معنی کہ آپ کسی حالت میں بیکار نہیں ، حق سبحانہٗ کی طرف توجہ میں مستغرق تھے ۔

---

(۴) ۔ مسعودی ، انظر شاہ ، مولانا : نقشِ دوام ، ناشر المکتبۃ البنوریہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵ ، ص ۲۷۶ ۔

(۲) سہم الغیب فی کبد اھل الریب :

اس کتاب کے بارہ میں مولانا انظر شاہ رقمطراز ہیں :۔

"بریلی کا ایک دریدہ دہن مناظر دہلی پہنچا اور حسبِ دستور دیوبند پر اعتراضات اہل حق کو سب و شتم اور انہیں فرسودہ عنوانات پر دو ورقی رسالوں کی اشاعت شروع کر دی جو اس حلقہ فکر کے محبوب عنوانات ہیں۔ ایک رسالہ اسی مناظر نے تصنیف کیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ہر طرح ثابت کیا بلکہ خدا تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں عرضی و ذاتی کے سوا کوئی فرق نہ رکھا۔ یہ رسالہ عبدالمجید دہلوی کے نام سے شائع ہوا۔ در آنحالیکہ دہلی میں عبدالمجید دہلوی کے نام سے کوئی مصنف نہیں تھا۔ شاہ صاحب نے جواب میں سہم الغیب اردو زبان میں بائیس صفحہ کا تصنیف فرمایا اور مناظرہ کے رنگ میں عبدالمجید بریلوی کے نام سے اسے شائع کیا۔ اس میں مذہب حق کو دلائل سے ثابت کرتے ہوئے دیوبندی نقطۂ نظر کی مدلل وکالت کی گئی ہے۔ آخر میں ایک عربی قصیدہ بھی ہے جو اکابر دارالعلوم مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمود الحسن کی منقبت سے تعلق رکھتا ہے۔" (۵)

(۳)۔ دعوتِ حفظِ ایمان :۔

اس کتاب کے بارہ میں مولانا انظر شاہ رقمطراز ہیں :۔

"جمعہ کے روز آپ کی سانحہ وفات سے کل تین دن پہلے جب کہ جاں گسل بیماری سے آپ نیم جاں ہو رہے تھے اور نشست و برخاست بھی آپ کے لیے دشوار تھی، بستر مرگ سے یہ چار صفحہ کا پیغام آپ نے اپنے قلم سے تیار کیا۔ بعد جمعہ دیوبند کی جامع مسجد میں "انجمن امداد الاسلام" کی جانب سے ایک جلسۂ عام ہوا۔ یہ مرحوم کی آخری زیارت تھی۔ جامع مسجد کے صدر دروازے میں آپ دیوار سے سہارا لیے ہوئے تشریف فرما تھے اور آپ کے تلمیذ خصوصی مولانا سید احمد رضا بجنوری مؤلف انوار الباری آپ کی جانب سے اس پیغام کو سنا رہے تھے۔ سانحہ وفات کے بعد امداد الاسلام انجمن نے اس کو شائع کیا۔" مولانا نے اس کی چند سطور کا حوالہ بھی دیا ہے۔"

(۵) ایضاً — ایضاً — ایضاً — ص ۳۲۴، ۳۲۵۔

اس رسالہ کو جو حضرت شاہ صاحب کی تصنیف ہے، مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے اپنی کتاب "اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف" (جسے ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور نے ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ کو شائع کیا ہے) میں ص ۲۷ تا ۳۲ میں ضمن شامل کیا ہے۔ اس میں دوسرے حصہ کا ذکر نہیں ہے۔

دعوتِ حفظِ ایمان بزامیں حامداً و مصلیاً و مسلماً کے بعد السلام علیکم یا اھل الاسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یوں خطاب ہے:-

"محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ بحیثیت ایمان و اسلام و اخوتِ دینی اور اُمت مرحومہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرد ہونے کے لحاظ سے کافۂ اہل اسلام خواص و عوام کی عالی خدمت میں عرض گزار ہے کہ اگرچہ مختلف طرح طرح کے حوادث اور واردات اس دینِ سماوی پر وقتاً فوقتاً گزرتی رہی ہیں اور باوجود اس کے آخری پیغام خدائے برحق کا یہ ہے کہ: اسکے بعد دو آیات قرآنی: ۱۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ الخ، ۲۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ الخ، سے ختم نبوت کا استدلال اور اسی دعوٰی پر مسیلمہ کذاب اور اسود کاذب کو قتل کیے جانے کی مثال دی ہے۔ پھر فتنہ قادیانی کا ذکر کیا ہے، جسے حکومت کی پُشت پناہی حاصل ہے اور یہ کہ یہود و نصاریٰ کی نسبت مسلمانوں سے زیادہ عداوت رکھتی ہے۔ غلام احمد قادیانی دجال اکبر ہے، جس نے جزو وحی قرآن میں اضافہ کیا اور اس اضافہ کے اور اس کی نبوت کے منکر کو کافر اور اُولادِ زنا کہتا ہے۔ اس کے ساتھ جنازہ، نماز، نکاح جائز نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام کی حدیث جو اس کی وحی کے مطابق نہ ہو اس کی نسبت تعلیم ہے کہ ردی کی ٹوکری میں پھینک دی جائے۔ وہ شریعت کا دعویدار ہے۔ مطابق اُس کے اعلان کے آئندہ حج قادیان میں کریں گے۔ اس کی شریعت کے مطابق جہاد منسوخ ہو گیا ہے۔ حضورؐ کے معجزات تین ہزار نقل ہوئے ہیں جبکہ غلام احمد قادیانی کے تین لاکھ اور دس لاکھ تک ہیں۔ پھر اس کے ان اشعار سے توہین انبیاء ثابت ہوا ہے؎

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ٭ ہر رسولے نہاں بہ پیرہنم

آنچہ حق داد ہر نبی را جام ٭ داد آں جام را مرا بتمام

توہین عیسیٰ علیہ السلام مد نظر خود مسیح بن بیٹھا۔ ہندو پیشواؤں کی توقیر اور بزرگانِ اسلام جیسے امام حسینؓ کی تحقیر کی۔ علمائے اسلام نے اس فتنہ کے استیصال میں کافی خدمتیں کیں۔ مجاہد ملت جناب سامی القاب مولوی ظفر علی خان صاحب دام ظلہٗ اس خدمت کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ ان کے رفقاء، مولوی عبدالحنان صاحب، مولوی لعل حسین اختر اور احمد یار خان صاحب سپرد حوالات ہیں۔ ہم کو کچھ حمیت اور حمایت اسلام سے کام لینا چاہیے۔

اہل خطۂ کشمیر سمجھ اور بوجھ سے کام لیں کہ کچھ قادیانی جماعت اُن کی امداد کر رہی ہے۔ وہ

اہل خطہ کے ایمان کی قیمت ہے۔ جس کا جی چاہے ان عقائد ملعونہ قادیان کا ہم سے لے۔

جن حضرات نے اس احقر سے حدیث شریف کے حرف پڑھے ہیں جو تقریباً دو ہزار ہوں گے۔ وہ اس وقت کچھ ہمدردی اسلام کی کر جائیں اور کلمہ حق کہہ جائیں اور انجمن دعوت و ارشاد میں شرکت فرمائیں۔

اسلام کوئی نئی چیز نہیں بلکہ عقائد اور عمل کا نام ہے۔ ضروریات قطعیہ اور متواترات شرعیہ میں کوئی تاویل یا تحریف بھی کفر و الحاد ہے۔ جب کوئی ایک حکم قطعی اور متواتر شرعی کا انکار کردے وہ کافر ہے خواہ اور سب سے کام اسلام کے کرتا ہو۔"

آخر پر انتباہ کے عنوان سے رقمطراز ہیں:۔

انتباہ: "آخر میں یہ عاجز بحیثیت رعیت ریاست کشمیر ہونے کے حکومت کشمیر کو متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ قادیانی عقیدہ کا آدمی علماء اسلام کے نزدیک مسلمان نہیں ہے۔ لہٰذا حکومت کشمیر جمیع اہل اسلام اور مذہب قومی اہل کشمیر کی رعایت کرتے ہوئے قادیانیوں کی بھرتی اسکولوں اور محکموں میں نہ کرے ورنہ اختلال امن کا اندیشہ ہے"۔

محمد انور شاہ کشمیری عفاہ اللہ عنہ

از دیوبند محلہ خانقاہ ۲۰، ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

آگے چل کر مولانا پھر رقمطراز ہیں:۔

"اس پیغام کا جزو دوم جو سولہ صفحات پر مشتمل ہے اور جسے مدینہ پریس بجنور نے شائع کیا۔ اس میں آپ نے عقائد صحیح، ادیان سماوی، صابئین، ختم نبوت الحاد و زنادقہ نیز غلام احمد قادیانی کے مخترعات و عقائد، ضروریات دین اور کفر و ایمان کے حد فاصل پر جچی تلی گفتگو کے بعد ارشاد فرمایا:۔

قادیانیوں نے علاوہ دعوت نبوت کے دعوت وحی و قرآن کی برابری، ایک نئی شریعت کی دعوت، انبیاء علیہم السلام کی توہین اور امامت کی تکفیر کرتے ہوئے غلام احمد کے لیے خصائص انبیاء کا اثبات اور ضروریات دینیہ کا عزم الکفر کیا ہے۔ یہ قادیانی دین متواتر میں تحریف اور شریعت میں تمسخر کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کا کفر قطعاً ثابت ہے۔ جس میں کسی مسلمان کو شبہ نہ ہونا چاہیے"۔

آخر پر قادیانی اخبار جو کشمیر سے جاری ہوا تھا کے بارہ میں تحریر فرمایا:۔

"اہل کشمیر پر واضح رہے کہ جو قادیانی اخبار کشمیر سے جاری ہوا ہے وہ قادیانی عقائد کی ترجمانی کرتا ہے اور عنقریب

اس کے نتائج برآمد ہوں گے۔ مسلمان اپنی جیبیں خالی کر کے کھڑے خرید یں۔" (۶)

مولانا محمد تقی عثمانی نے اپنے والد مولانا مفتی محمد شفیع کے "شیوخ اکابر" کے عنوان سے البلاغ کے خصوصی نمبر جو بیادِ مفتی اعظم شائع کیا گیا ہے کے بذیل صفحات پر حضرت شاہ صاحب کے اُردو زبان میں ارشادات نقل کیے ہیں۔ ص ۲۷۶ تا ۲۷۷، ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۸، نادرۃ الادب، دار العلوم کی بزم۔

(۵) - از خطبہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (مرحوم) (بالاختصار (رموز)

نظام تشریعی کا سلسلہ از آدم علیہ السلام تا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ختم نبوت مکمل ہوگا۔ البتہ فضائل نبوت باقی رہ گئے ہیں۔ جن سے دجال اور ملاحدہ دھوکہ کھا گئے۔

نصاریٰ اور مسلمانوں کا باہمی قتال و نزاع آخر وقت میں حضرت مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری مشیت حق نے مقدر کر دی اور نصاریٰ کی اصلاح کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اُترنا ضروری ہے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نبی الامم نہیں بلکہ نبی الانبیاء ہیں۔

خیر و شر اس کی صفت خالقیت کے ماتحت ہیں۔ حق تعالیٰ کی صفتِ ارادہ کو انسان اپنے لیے اسوۂ و راہبر نہیں بنا سکتا۔ اس لیے ضرورت پڑتی ہے کہ خدائے قدوس کی دوسری صفات سے مدد لے۔ ان سب میں عظیم الشان صفت کلام حق ہے۔

ہندوستان دارالامان ہے نہ دارالاسلام اور نہ ہی دارالحرب۔ اس کے لیے در منتقیٰ کو دیکھیں جہاں اختلاف دار پر بحث کی ہے۔

اگر مادہ اور روح کو قدیم بالذات مانا جائے تو پھر "قیوم" کی ضرورت نہیں رہتی۔ قدیم بالذات کو نقائص سے کیا سروکار۔

روح کے آلام و ہموم۔ مادہ کا ارزل ہونا۔

(قاعدہ) - کوئی فاعل اپنے مفعول میں مادہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ جیسے انسان اور حیوان کے حرکات و سکنات۔ الخ۔ ہاں اس وقت مادہ کا محتاج ہوتا ہے جب کہ اس کا فعل کسی دوسرے فاعل کے مفعول پر واقع ہو۔ لکڑی کو تخت بنائے تو سادہ لکڑی کا محتاج ہوگا۔ (۷)

<u>ملفوظات علامہ محمد انور شاہ کشمیری بزبان اُردو</u>

(۱) مجموعہ ملفوظات علامہ محمد انور شاہ کشمیری:۔ حضرت شاہ صاحب کے داماد اور شاگرد مولانا سید احمد رضا بجنوری نے ایک مکتوب میں جو انہوں نے بجنور (انڈیا) سے ۹ ۵/۸۹ کو راقم الحروف کے نام لکھا رقمطراز ہیں:۔

"حضرت شاہ صاحب کے پانچ سو ملفوظات کا مجموعہ بھی چار سو صفحات میں طبع ہو گیا ہے۔ اس کا ہدیہ پچاس روپے ہے۔" ملفوظات کے مجموعے کی ترسیل کے لیے راقم نے مولانا موصوف کو تحریر کیا ہے۔

---

(۶) - مسعودی، انظر شاہ: نقشِ دوام، ناشر المکتبۃ البنوریہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵، ص ۳۲۸، ۳۲۹ -

(۷) - از ڈائری مولانا عزیز الرحمٰن مرقوم ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء (مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۶ء کو راقم جامع مسجد منڈیاں ایبٹ آباد گیا۔ رات کو مسجد میں قیام اور مولانا حبیب الرحمٰن برادر مولانا عزیز الرحمٰن مرحوم نے اُن کی تصانیف اور چند ڈائریاں دکھائیں۔ یہ ڈائریاں وہ نوٹ بک ہیں جو مولانا عزیز الرحمٰن حضرت شاہ صاحب کے درس میں لکھی)

(۲) ۔ ارشادات علامۃ العصر سید المحققین حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند مولانا عزیز الرحمٰنؒ مرحوم لوئر ملک پورہ ایبٹ آباد نے اپنی تالیف انعام عزیز یہ میں حوالہ بالا عنوان کے تحت ص ۸۹ تا ۹۹ بذیل ارشادات نقل کیے ہیں۔ مختلف احباب کی زبانی ص ۸۹ تا ۹۱ ، بدون کسی عنوان کے مختلف موضوعات پر منتشر ارشادات نقل کیے ہیں۔ ص ۹۱ تا ۹۳ پر "نفاق کا بیان" کے عنوان سے نفاق اور منافقت فی زمانہ کی کیفیت پر تبصرہ ہے۔ ص ۹۳ تا ۹۶ منافق کی سزا، منافق کی سزا رسوائی ہے۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ فرمانے کھڑے ہوئے اور فرمایا: قُم یا فلان، فاخرج فَاِنَّکَ مُنَافِقٌ، اُخرج یا فلان فَاِنَّکَ مُنَافِقٌ، اس طرح چھتیس آدمیوں کو نام لے لے کر باہر کیا اور ان کو رسوا کیا۔ سورۂ البقرہ کی ابتدا میں انسان کی تین قسمیں اللہ تعالیٰ نے کی ہیں۔ یعنی مومن، کافر، منافق۔ مومن کا ذکر چار آیات میں، کافر کا ذکر دو میں اور منافقین کا بیان تیرہ آیات میں ہوا ہے۔ منافق سب سے زیادہ مضرت رساں ہے۔ اُردو میں نفاق کے مفہوم کا حامل کھوٹ ہے۔ نفاق کی ضد اور مقابل اخلاص ہے۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں اعتقادی اور عملی۔ قسم اوّل کفر بلکہ کفر سے بڑھ کر ہے اور دوسری قسم اسلام کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے۔ گناہ اور نفاق الگ الگ ہیں۔ مسلمان گنہگار تو ہوتا ہے منافق نہیں ہوتا۔

ص ۹۶، ۹۷ پر عملی نفاق: حدیث حضرت ابوہریرہؓ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں سب سے بدتر شخص تم اُس کو پاؤ گے جو دو رُخا ہو۔ حضرت عمارؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دُنیا میں دو رُخی باتیں بنائے گا۔ قیامت کے دن اُس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔" یہ خصلت چغلخوری سے بدتر ہے۔ ص ۹۷، ۹۸ پر "نمازوں میں کاہلی اور سستی" کے عنوان کے تحت تین احادیث پیش کی گئی ہیں اور منافق کی نماز میں سستی اور کاہلی کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ اسی صفحہ پر نفاق کی نشانیاں کے عنوان کے تحت حضرت ابوہریرہؓ کی بیان کردہ ایک روایت میں منافقوں کی چند علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ سلام کی جگہ زبان پر لعنت، خوراک میں لوٹ کا مال، خیانت کا مال، مسجدوں سے دوری، لوگوں سے عدم الفت، شب میں شہتیر کی طرح بستر پر پڑا ہونا۔

(۳) ۔ مولانا عزیز الرحمٰن ہی کی ایک غیر مطبوعہ ڈائری (رجسٹر) پر ۱۸ مارچ ۱۹۳۷ء کو بحث سے اخیر پر حضرت شاہ صاحب کے ارشادات نقل کیے ہیں:۔

(۴) ۔ تحقیقات و تفردات :۔ مولانا انظر شاہ خلف حضرت شاہ صاحب نے اپنی تصنیف (حضرت شاہ صاحب کی سوانح نقش دوام) میں ص ۲۳۳ تا ۳۴۶ کل ۱۱۳ صفحات پر حضرت شاہ صاحب کی تحقیقات و تفردات جمع کیے ہیں۔ جن کا ماخذ تلامذہ کے نوٹ میں ملاحظہ، بالخصوص تین کتب مشکلات القرآن، فیض الباری اور ترجمان السنہ پیش نظر ہیں۔ بخوف طوالت بجائے متن صرف عنوانات پر ہی اکتفا ہے جو بذیل ہے:۔

قرآن میں سب کچھ نہیں - اعجاز القرآن، وجوہ اعجاز، توفّی کی حقیقت۔ ترکیبی اعجاز، اسلوب قرآن، آیاتِ توحید، انداز نگارش، مشکلات القرآن، تعبیرات قرآنی لفظی انتخاب، تکرار اور اُس کی حکمت، ربط آیات ناسخ و منسوخ، اعتبار عموم لفظ، سلیمان علیہ السلام اور سحر، خلافت آدم علیہ السلام، زینت کے حدود، ذکر اب، "خاتم النبیین حدیث کی روشنی میں"، تفسیر آیات بآثار صحابہ، حیثی مومنات، ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج، عقیدت الاسلام، نزول عیسیٰ علیہ السلام، تواتر کی چار اقسام تحقیق رجال، زکوٰۃ، بحث تحویل قبلہ، لیلۃ المعراج اور خدا تعالیٰ کی رویت، انبیاء اور اُن کے خواب، حرا کی خلوت گاہ، ایمان و کفر، محل ایمان، جہاد ایمان کی شاخ ہے، انبیاء اور گناہوں کا صدور، رئیس الاتقیا۔ حقیقتِ علم، نیکی اور ذمہ داریاں، اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ۔ برزخ اور سوال و جواب، سوال قبر، حیات و فضائل

فرق، خواب میں آپؐ کی زیارت، امام الحمد اور فقہ،

(۵)۔ انوار انوری :۔ حصہ اوّل، مرتب: مولانا محمد انوری لائل پوری، طبع ۳۰ جنوری ۱۹۷۸ء، صفحات ۲۰۸، نسخہ مجلس علمی کراچی ۴۰

صفحہ ۲ پر بذیل نوٹ ہے:

"یہ جو کچھ ہم نے لکھا یہ ایک قطرہ ہے۔ بحر محیط کمالات انوری ہے۔ اس لئے کہ شاہ صاحبؒ کے پورے علوم کا

احاطہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ ہمارے جیسے ہیچمدانوں کی کہاں وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے"

ص ۳ تا ۹ ابتدایہ ہے جس میں شاہ صاحبؒ کے دورۂ بہاولپور کی جھلکیاں اور دیگر علمی تذکرے ہیں۔ آخر پر مولانا انور شاہ کا ایک مکتوب ہے۔ ابتدایہ کس

نے لکھا، یہ ذکر نہیں۔ لیکن عبارات اور قرائن مولانا محمد انوری کی نشاندہی کرتی ہیں۔

ص ۹ تا ۱۲ "مرثیہ نعتیہ فارسی" ۲۸ اشعار پر مشتمل ہے۔ ص ۱۳ پر اُس عربی قصیدہ کے چند اشعار ہیں جس میں شاہ صاحبؒ کا تذکرہ بھی ہے۔ ص ۱۲ تا ۱۶

شاہ صاحبؒ کے بارہ میں مختلف واقعات درج ہیں۔ ص ۱۶ تا ۲۷ شاہ صاحبؒ کے خطبہ جمعیۃ العلماء ہند منعقدہ پشاور ۲، ۳، ۴ دسمبر ۱۹۲۷ء سے علمی اقتباسات ہیں، ص ۲۸ پر

احوال تبلیغ اور ۲۹، ۳۰ پر "مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ" پر شاہ صاحبؒ کا اظہار خیال ہے۔ ص ۳۱ تا ۴۱ شاہ صاحبؒ کے سترہ ملفوظات کی تفصیل ہے۔

ص ۴۲ تا ۵۲ "بیان مقدمہ بہاولپور پانچ دن پانچ گھنٹے فی یوم" کے عنوان سے شاہ صاحبؒ کے بیان کے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔ ص ۵۲، ۵۳ پر چند ملفوظات

مختلف حوالوں سے دیئے گئے ہیں۔ ص ۵۴ تا ۶۲ مولانا خیر محمد مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس کے تاثرات کے حوالے سے ملفوظات ہیں۔

ص ۶۳ تا ۷۹ بذیل موضوعات پر شاہ صاحبؒ کی تحقیق ہے۔ القاسم جلد ۳ دیوبند ماہ رمضان ۱۳۳۰ھ کا حوالہ بھی درج ہے۔ یوم عاشورہ کی تاریخ کی تحقیق تمام

کی تمام یادداشتی پر مبنی ہے، ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق، ص ۸۰ تا ۸۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی عملی شکل کے عنوان سے اظہار خیال ہے۔ ص ۸۲ پر

بندوق کے شکار کی حلت و حرمت، علم القرائن پر ایک طویل نظم (فارسی) سے چند اشعار، ص ۸۳ تا اختتام مختلف ملفوظات، کلام فارسی اور تحقیقات شاہ صاحبؒ

افادات علامہ محمد انور شاہ کشمیری بزبان اُردو

انوار الباری :۔ افادات علامہ شاہ صاحبؒ، مرتبہ مولانا سید احمد رضا بجنوری، ناشر: مکتبہ ناشر العلوم دیوبند، یو۔ پی، سن ندارد۔

مؤلف پیش لفظ میں رقمطراز ہیں:۔

"انوار الباری شرح اُردو صحیح بخاری کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ اُردو میں اپنے اکابر سلف کی حدیثی امارت

شرح و بسط کے پیش کر دیئے جائیں۔"

زبان اُردو کی اہمیت :۔ زبان اُردو، انگریزی کی اہمیت کے بارہ میں بحوالہ شاہ صاحبؒ مولانا احمد رضا بجنوری رقمطراز ہیں:۔

"میں نے اپنے عربی و فارسی ذوق کو محفوظ رکھنے کے لیے، ہمیشہ اُردو لکھنے پڑھنے سے احتراز کیا، یہاں تک

(۸)۔ بجنوری، احمد رضا، سید، مولانا: انوار الباری، ناشر، مکتبہ ناشر العلوم دیوبند، یو۔ پی، سن ندارد، ج ۱، ص ۷۔

کہ عام طور پر خط و کتابت کی زبان بھی میں نے عربی و فارسی رکھی ۔ لیکن اب مجھے اس پر بھی افسوس ہے ۔
ہندوستان میں دین کی خدمت اور دین کے دفاع کے لیے ضروری ہے کہ اُردو میں مہارت حاصل کی جائے ۔
اُدھر باہر کی دُنیا میں دین کا کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعہ بنایا جائے ۔ میں اس
بارے میں آپ صاحبان کو خاص طور سے وصیت کرتا ہوں ۔" (۹)

مولانا احمد رضا بجنوری رقمطراز ہیں کہ :۔

"راقم الحروف نے بزمانہ قیام مجلس علمی ڈابھیل دو سالہ درس بخاری شریف میں حاضر رہ کر شاہ صاحب کی تقریر درس
قلمبند کی تھی ۔ اس کے علاوہ علامہ نیموی کی "آثار السنن" دو جلد پر شاہ صاحب نے جو بے نظیر حدیثی تحقیقات خود اپنے
قلم مبارک سے لکھی تھیں ۔ اس کے بھی کچھ نسخے فوٹو اسٹیٹ کے ذریعے مجلس علمی کراچی نے محفوظ کر لیے تھے جس کا
ایک نسخہ مجلس مذکورہ کے سرپرست مولانا محمد میاں سورتی نے مولانا کو دیا ۔ ان سب کو پیش نظر رکھ کر اور فتح الباری
عمدۃ القاری ، لامع الدراری ، امانی الاحبار ، الکوکب الدری اور المعارف السنن وغیرہ کو سامنے رکھ کر ایک مجموعہ اُردو
زبان میں مرتب کرنے کا خیال ہوا اور بالاقساط شائع کرنے کی قابل عمل تجویز بھی سامنے آئی ۔ اس لیے خدا پر بھروسہ
کر کے ابتدا کر دی گئی ۔" (۱۰)

درج بالا حوالہ انوار الباری کے آغاز کی نشاندہی کرتا ہے ۔

راقم الحروف کے بعض استفسارات کے جواب میں مولانا احمد رضا بجنوری رقمطراز ہیں :۔

"انوار الباری کی ۱۹ جلدیں شائع ہو گئی ہیں ۔ صرف ایک بیسویں باقی ہے ۔ شروع کی چار جلدیں آپ کو مکتبہ
حفیظیہ بخاری روڈ گوجرانوالہ سے طبع شدہ مل جائیں گی ۔ باقی یہاں سے کسی ذریعہ سے ارسال کر دوں گا ۔ قیمت
فی جلد ۱۰/۳۰ روپے ہندوستانی ہیں ۔" (۱۱)

راقم الحروف کو بذیل جلدیں "پنجاب پبلک لائبریری لاہور" سے دستیاب ہوئیں ۔ جن پر مختصر تبصرہ درج ذیل ہے ۔

---

(۹) ۔ ایضاً ایضاً ایضاً ج ۲ ، ص ۲۴۷ ۔

(۱۰) ۔ ایضاً ایضاً ایضاً ج ۱ ، ص ۸ ۔

(۱۱) ۔ مکتوب بنام راقم از بجنور مورخہ ۵۔۹۔۱۹۸۹ ۔

(۱) انوار الباری جلد اول حصہ اول ۔ مطبوعہ نیشنل پرنٹنگ پریس دار العلوم دیوبند، مجلد قیمت ساڑھے چار روپے ، سن ندارد ، صفحات ۲۴۰ ۔

ابتدائی ۶ صفحات فہرست مضامین ، ص ۷ تا ۱۶ پیش لفظ از مولف ، مورخہ ۱۲ ذی الحج ۱۳۸۰ھ ، ص ۱۷ تا ۲۲۰ احادیث رسول ﷺ کی حجیت اور دوسرے

تمہیدی مباحث اور تذکرہ محدثین ، امام ابو جعفر داری تک کل ۱۵۱ محدثین کا ذکر ہے ۔

دیکھئے انوار الباری حصہ دوم ، مطبوعہ نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند ، قیمت غیر مجلد ساڑھے چار روپے ، سن ندارد ، صفحات ۳۰۰ ۔

ابتدائی ۸ صفحات فہرست مضامین ، ص ۱۳ سے نمبر ڈالا گیا ہے اور یہ اسی طرح چلتا ہے ۔ اس جلد کا آغاز امام بخاری سے کیا گیا ۔ کل ۱۸۴ محدثین

کا تذکرہ کیا گیا ہے ۔ اور پھر ص ۲۸۰ ، ۲۸۱ مولف نے اپنے حالات رقم کیے ہیں ۔ ص ۲۸۲ تا ۲۹۱ آراء و ارشادات اور تقریظات متعلق انوار الباری نقل کی گئی

ہیں ۔ ص ۲۹۲ پر چند تبصرے کا عنوان ہے ۔ جس میں "صدق جدید لکھنؤ" رسالہ دار العلوم دیوبند ، رسالہ تذکرہ دیوبند ، رسالہ تجلی دیوبند ، ہفتہ وار نقیب پھلواری شریف

روزنامہ الجمعیت سنڈے ایڈیشن ، رسالہ تعلیم القرآن راولپنڈی ، سہ روزہ مدینہ بجنور کے تبصرے شامل کیے گئے ہیں ۔ ص ۲۹۸ پر شکر نعمت کے عنوان سے مولف

نے احباب کا شکریہ ادا کیا ہے ۔ ص ۲۹۹ ، ۳۰۰ پر معذرت و گزارشات ، آخر پر مولف کا نام و تاریخ ۱۱ فروری ۱۹۶۲ء ہے ۔

(۲) ۔ انوار الباری جلد دوم ، مطبوعہ مکتبہ ناشر العلوم بجارہ روڈ بجنور ، یو ۔ پی ۔ صفحات ۲۰۸ ۔

احادیث ۱ تا ۵۰ ص

(۳) ۔ انوار الباری جلد سوم ، مطبوعہ مکتبہ ناشر العلوم بجارہ روڈ بجنور ، یو ۔ پی ۔ صفحات ۲۰۰ ۔

احادیث ص ۵۱ تا ۹۸

علامہ محدث مولانا مفتی سید محمد مہدی حسن ، شاہجہان پوری مفتی دار العلوم دیوبند رقمطراز ہیں : ۔

"در بیرِ سینہ قیمہ پہنچا ۔ باوجود تکلیف کے اس وقت انوار الباری کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور اتنا لطف اندوز

ہوا کہ نصف حصہ پڑھ گیا ، مرحبا احسنت آفرین بر ہمت مردانہ تو ، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ معانی و مطالب

حدیث کے علاوہ نتائج کی طرف بوضاحت ارشادات قابل داد ہیں ۔ جگہ جگہ امام العصر کے جستہ جستہ ریمارک

نکات اور تطبیق نے چار چاند لگا دیے ہیں ۔ جن سے کتابوں اور اس کے مضامین پر ہی نہیں بلکہ مطالعہ

کرنے والوں پر بھی افادات کے انوار کی بارش ہوتی ہے" (انوار الباری جلد سوم ص ۷)

(۴) ۔ انوار الباری جلد چہارم : ۔ مطبوعہ مکتبہ ناشر العلوم بجارہ روڈ بجنور یو ۔ پی ۔ صفحات ۲۰۰ ۔

ص ۹ حدیث ۹۹ تا ۱۴۶ ، حدیث ، علم کس طرح اٹھا لیا جائے گا سے خروج النساء تک ۔

(۵) ۔ انوار الباری جلد پنجم : ۔ مطبوعہ مکتبہ ناشر العلوم بجارہ روڈ بجنور یو ۔ پی ۔ صفحات ، مولف نے مقدمہ کی تاریخ ۲۶ جنوری ۱۹۶۳ء ڈالی ہے ۔

ص ۹ حدیث ، قضائے حاجت کے لیے اُبیات کو باہر جانے کی اجازت تا ص ۱۹۶ ، حدیث بحالت طہارت دونوں پاؤں میں موزے پہننا ۔

مولانا عزیز احمد بہاری رقمطراز ہیں :۔

"انوار الباری جلد دوم ، سوم پیش نظر ہے ۔ مضامین نہایت پُر مغز ، تحقیقات پر تنقید عالیہ کو خوب خوب سلیقہ کے ساتھ اور برمحل جمع فرمادیا ہے ۔ اُردو داں اور اُردو خواں اور مجھ جیسے ارباب طبع کی خوشہ چینی کرنے والے مطولات تک نارسا بہت بہت برگیر ہوں گے ۔" (جلد پنجم ص ۱۹۶)

(۶) ۔ انوار الباری جلد ششم : مکتبہ ناشر العلوم بخارہ روڈ بجنور ۔ یوپی ۔

ص ۱ تا ۶ فہرست ، ص ۷ تا ۸ فضلائے عصر کی آراء ، احادیث ۱۴۸ تا ۲۲۲ ۔

مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں :۔

"اُردو میں بخاری شریف کی یہ شرح خدا کرے جلد مکمل ہو جائے تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا ۔ جو مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کے ہاتھوں انجام پائے گا ۔ جس کی نظیر اُردو زبان میں خدمت حدیث کے لیے اب تک ظہور میں نہیں آئی ۔" (جلد ششم ص ۷)

(۷) ۔ جلد ہفتم انوار الباری : مکتبہ ناشر العلوم بخارہ روڈ بجنور ۔ یوپی ۔ سن ندارد

ص ۱ تا ۵ فہرست ، مقدمہ ۶ تا ۸ ، احادیث ۲۲۳ (غسل سے پہلے وضو کرنا) ہم بستری ہمراہ بیوی اور انزال نہ ہونے کی صورت میں وضو کافی ہے

تقاریظ از علامہ محمد انور شاہ کشمیری بزبان اُردو

نام کتاب ، ۔ مصنف ۔ ۔ ناشر ۔ ۔ سن ۔ ۔ حوالہ تقریظ ۔

۱ ۔ لامیۃ المعراج مع شرح الموسوم بتنویر السراج : مولانا محمد ادریس کاندھلوی ، ادارہ الصدیق ملتان ، ندارد ، کتاب کے ص ۲۲ پر حضرت شاہ صاحب کی تقریظ بزبان اُردو درج ہے ۔

۲ ۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام ، ایضاً ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور ، فروری ۱۹۶۷ء کتاب کے ص ۱۹۰ پر حضرت شاہ صاحب کی تقریظ بزبان اُردو درج ہے

۳ ۔ اسلام اور عیسائیت ، ایضاً کتب خانہ علمی دار العلوم اسلامیہ کامران بلاک لاہور ، ص ۲۵۰ پر ایضاً

۴ ۔ تاریخ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک : مولانا فضل الرحمٰن مدرس جامعہ ، ناشر نامعلوم ، ۱۳۴۰ھ ۔ کتاب کے ص ۲۹ کی پشت پر حضرت شاہ صاحب کے مدرسہ تعلیم الدین کے حالات کی رپورٹ اُردو زبان میں ہے ۔ جو شاہ صاحب نے حسب ارشاد مولوی احمد بزرگ کے کیا ہے ۔ یہ رپورٹ ۱۳۴۶ ، اشعبان کی ہے ۔ جو شاہ صاحب نے اپنے قلم سے لکھی ہے اور دستخط بھی کیے ہیں

۵۔ لامیۃ المعجزات : مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ناظم دارالعلوم دیوبند، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی سن ۱۳۸۹ھ۔ ص ۹۲ پر حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریظ بزبان اُردو تحریر ہے۔

۶۔ نور البصر فی سیرت خیر البشر : مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ، سن پبلیکیشنز لاہور، سن ندارد ۔ ص ۱۲ پر ایضاً

مکتوب نگاری حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری بزبان اُردو

نام کتاب :۔ مکتوبات بزرگان ، مولفہ ، مولانا محمد خلیل آبادی ، اشاعت ۱۰ ستمبر ۱۹۷۶ء ۔

نمبر شمار ۔	منجانب ۔	کاتب ۔	مکتوب الیہ ۔	مقام تاریخ	صفحہ نمبر	
۱۔	علامہ محمد انور شاہ ۔	خود ۔	میاں محمد عبداللہ ۔	ڈابھیل/ ۷ جمادی الآخر ۱۳۵۱ھ	۴۹	
۲۔	ایضاً	غلام مصطفیٰ کشمیری	مولانا زید	دیوبند/ اگست ۱۹۲۶ء	۵۰	
۳۔	ایضاً	سید احمد رضا بجنوری	ایضاً	ڈابھیل/ ۱ نومبر ۱۹۳۲ء	۵۰ ، ۵۱	
۴۔	ایضاً	ایضاً	جناب مستطاب مولوی محمد صاحب کاموری	ایضاً/ ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۵۱ھ	۵۲	
۵۔	ایضاً	مولانا محمد	مولوی عبدالغفور	ایضاً/ ۱۰ مارچ ۱۹۳۲ء	۵۴	
۶۔	ایضاً	خود	مولانا احمد علی لاہوری بوساطت پیر واعظ	دیوبند/ سن ندارد	(۵۴)	(عربی میں)

(نوٹ) خط نمبر ۶ اگرچہ مولانا محمد نے اُردو میں درج کیا ہے ۔ اصل خط عربی میں ہے ۔ اس کا اُردو ترجمہ مولانا یوسف بنوری نے کیا ہے ۔ اصل خط مولانا محمد احمد لیسر پیر واعظ محمد یوسف شاہ کے پاس راولپنڈی میں موجود ہے ۔ راقم نے اُس کی فوٹو اسٹیٹ حاصل کی ہے ۔ یہ خط پیر واعظ صاحب کو تعارفی طور پر دیا گیا ہے ۔ (عبدالغنی) (مصنف)

نمبر شمار ۔	منجانب ۔	کاتب ۔	مکتوب الیہ ۔	مقام تاریخ	صفحہ نمبر	
۷۔	ایضاً	ایضاً	حاجی محمد بن موسیٰ	ایضاً/ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ	۵۶	
۸۔	ایضاً	ایضاً	معلوم نہ ہو سکا	ڈابھیل/ ۱۷ جمادی الآخر ۱۳۵۱ھ	۵۹	
۹۔	ایضاً	ایضاً	حاجی ابراہیم	دیوبند/ جمعہ تاریخ ندارد	۶۰	
۱۰۔	ایضاً	ایضاً	حاجی یوسف گارڈی	ڈابھیل/ یکم جمادی الآخر ۱۳۲۹ھ	۶۱	
۱۱۔	ایضاً	ایضاً	مولوی بشیر احمد	درفونید اللہ گنج/ ۱۲ ربیع الاول	۶۲	
۱۲۔	ایضاً	ایضاً	حاجی محمد جان بزرگ افریقہ	ندارد/ ۲ شعبان ۱۳۲۹ھ	(۵۵)	(فارسی میں)
۱۳۔	ایضاً	ایضاً	حاجی محمد بن موسیٰ	ایضاً/ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ	(۵۷)	(فارسی میں)

حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک اُردو مکتوب جو محلہ خانقاہ دیوبند سے مولانا حبیب الرحمٰن کو تحریر کیا گیا ہے ۔ تاریخ ۱۲ ، ماہ صفر ۱۳۳۱ھ ۔ یہ مکتوب ، کتاب ، [illegible] [illegible] در حدیث دیگراں " کے صفحہ ۲۵۷ تا ۲۵۹ تقریباً تین صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس مکتوب میں مرزائیت کے بارہ میں تحریر کیا گیا ہے ۔

خطبہ صدارت اجلاس جمعیۃ العلمائے ہند دہلی ۔

یہ خطبہ تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکا۔ یہ خطبہ یقیناً اُردو کی بہترین دستاویز ہوگا ۔

روئیداد مقدمہ بہاولپور : اسلامک بک فاونڈیشن ڈیوس روڈ لاہور۔ طبع اکتوبر ۱۹۸۶ء۔ جلد اوّل ، ص ۴۰۰ تا ۴۹۴ ۔

بیان امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری صاحبؒ گواہ مدعیہ ۔

ص ۴۰۰ تا ۴۰۳ ابتدائیہ از محمد عبدالقادر آزاد۔ چیرمین مجلس علمائے پاکستان خطیب بادشاہی مسجد لاہور۔ جس میں انہوں نے علامہ شاہ صاحبؒ کی مرزائیت کے خلاف جدوجہد۔ اُن کے تلامذہ اور دیگر علماء کی خدمات اور مقدمہ بہاولپور میں آپ کی شرکت اور پنجاب کے دوروں کا ذکر کیا ہے ۔

مقدمے کا تعارف :۔ مسمیان مولوی الٰہی بخش و عبدالرزاق باہمی رشتہ دار تھے۔ مولوی الٰہی بخش نے اپنی دختر مسماۃ غلام عائشہ کا نکاح اسی کے ایام صغر سنی میں مسمی عبدالرزاق سے کردیا۔ جس نے بعد میں اپنے سابقہ اعتقادات سے انحراف کرتے ہوئے مرزائی مذہب اختیار کرلیا۔ جب مسماۃ غلام عائشہ سن بلوغت کو پہنچی تو عبدالرزاق نے مولوی الٰہی بخش سے مسمات مذکورہ کے رخصتانہ کی استدعا کی۔ جس کے جواب میں مولوی الٰہی بخش نے کہا کہ وہ یعنی عبدالرزاق چونکہ مذہب اسلام ترک کرکے مرزائی ہوگیا ہے اور شرعاً کافر ہوگیا ہے۔ لہٰذا جب تک وہ مرزائی مذہب ترک نہیں کرتا غلام عائشہ کو اس کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔

کشیدگی بڑھ گئی تو مولوی الٰہی بخش نے بحیثیت مختار غلام عائشہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو مسمی عبدالرزاق کے خلاف عدالت احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور میں دعویٰ تنسیخ نکاح دائر کردیا۔

مقدمہ ہذا عدالت منصفی احمد پور شرقیہ میں زیر سماعت تھا کہ عبدالرزاق کی استدعا پر عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور نے نوعیت مقدمہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۶ء مقدمہ ہذا عدالت ڈسٹرکٹ جج بہاولپور میں منتقل کردیا۔ عدالت مذکورہ نے ۲۱ نومبر ۱۹۲۱ء کو دعویٰ مسمات غلام عائشہ بدیں وجہ خارج کردیا کہ عدالت چیف کورٹ بہاولپور نے اس قسم کے ایک مقدمہ بعنوان مسمات جندوڈا بنام کریم بخش باتباع فیصلہ جات عدالت ہائے عالیہ مدارس، پٹنہ و پنجاب سے یہ قرار دیا جاچکا ہے کہ احمدی مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے نہ کہ اسلام سے باہر اور کسی کے مرزائی مذہب اختیار کرلینے سے کسی سُنی عورت کا نکاح اس شخص کے ساتھ جو احمدی ہو کے فسخ نہیں ہوجاتا ہے۔ صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولپور کا یہ فیصلہ بر طبق اپیل عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور بحال رہا۔ لیکن اپیل ثانی عدالت جوڈیشل کونسل بہاولپور سے یہ قرار دیا گیا کہ عدالت ڈسٹرکٹ جج بہاولپور نے فریقین کے پیش کردہ اسناد پر بحث کے بغیر دعویٰ خارج کردیا ہے نیز یہ کہ فاضل ججان، چیف کورٹ بہاولپور نے اپنے فاصلے میں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ پٹنہ و پنجاب ہائی کورٹوں کے فیصلہ جات مقدمہ ہذا میں حاوی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ان میں غیر متعلق سوال زیر بحث رہے۔ لہٰذا یہ مقدمہ مزید تحقیقات کا محتاج ہے ۔

مزید برآں ہندوستان کے جید علماء سے بھی اس بارے میں رائے لی جائے نیز عبدالرزاق کو بھی موقع دیا جائے کہ وہ بھی ان کے بالمقابل اپنے اکابرین کو پیش کرے۔

ابتدا یہ مقدمہ دو فریق کے درمیان تھا۔ لیکن امر مابہ النزاع حل و حرمت سے تعلق رکھنے کے علاوہ ضمناً چونکہ عبدالرزاق مرزائی کی ہم خیال جماعت کی تکفیر پر مشتمل تھا۔ لہٰذا عدالت عظمٰی سے مسل کی واپسی پر اس کا دائرہ فریقین کی ہم خیال جماعتوں تک وسیع ہوگیا۔ اہل ایمان اور مرزائی جماعت کے درمیان ایسے گھمسان کا رن پڑا کہ

پورے ہندوستان کی نظریں اس مقدمہ پر مرکوز ہو گئیں۔

مسماۃ غلام عائشہ کی طرف سے علامۃ العصر اسوۃ البقر وقدوۃ الخلف حضرت سید علامہ محمد انور شاہ کشمیری ؒ اُن کے جمیع علماء و تلامذہ اور عبدالرزاق کی جانب سے مرزائی جماعت کے صف اوّل کے مبلغین جلال الدین شمس و غلام احمد نے مقدمہ کی پیروی کی۔ (روئیداد مقدمہ بہاولپور، ج ۱، ص ۱۳، ۱۴)

ہم ذیل میں علامۃ العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے بیان جو اُردو زبان میں ہیں اور روئیداد مقدمہ بہاولپور جلد اوّل کے ص ۲۰۰ تا ۲۴۹ کل ۴۹ صفحات پر مشتمل ہے بالاختصار بجنسہٖ درج کرتے ہیں۔

۲۵ اگست ۱۹۳۲ء بیان گواہ مدعیہ سید محمد انور شاہ ولد معظم شاہ ذات سید ساکن کشمیر عمر ۵۵ سال باقرار صالح۔

ایمان۔ غیب کی خبروں کو انبیاء کے اعتماد پر باور کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔

کفر۔ حق ناشناسی اور منکر ہو جانے کو یا مُکر جانے کو کفر کہتے ہیں۔

دین کا ثبوت دو طرح سے ہے یا تواتر سے یا خبر واحد سے۔ پھر حضرت شاہ صاحب نے تواتر کی چار اقسام پر مفصل بحث کی ہے اور ثبوت پیش کیے۔

۱۔ تواتر اسنادی:۔ جو حدیث متواتر ہے اور صحابہ سے بسند صحیح مذکور ہے۔

۲۔ تواتر طبقہ:۔ یہ معلوم نہ ہو کس نے کس سے لیا۔ بلکہ یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسلوں نے اگلی سے سیکھا جیسا کہ قرآن کا تواتر۔

۳۔ تواتر قدر مشترک:۔ حدیثیں کئی ایک خبر واحد آئی ہوں۔ اس میں قدر مشترک متفق علیہ وہ حصہ حاصل ہو جو تواتر کو پہنچ گیا۔ مثلاً معجزات، کچھ متواتر ہیں کچھ اخبار احاد۔

۴۔ تواتر توارث:۔ نسل نے نسل سے لیا۔ جیسا کہ ساری امت ختم نبوت کے علم میں شریک رہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

چاروں تواترات کا انکار یا ان میں تاویل کرنا یا مطلب بگاڑنا کفر عظیم ہے۔ اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کیا جائے تو اسلام کی کوئی حقیقت قائم نہیں رہ سکتی۔ کفر قولی بھی ہوتا ہے اور فعلی بھی۔

قولی کفر یہ ہے کہ خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانا، صفتوں میں یا فعل میں، کفر فعلی یہ ہے کہ ایک آدمی ساری عمر احکام الٰہی بجا لاتا رہے لیکن ایک دفعہ بُت کے سامنے سجدہ کر دے۔ اہلسنت والجماعت اور مرزائی مذہب میں قانون کا اختلاف ہے۔ علمائے دیوبند اور علمائے بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے، قانون کا نہیں۔

مرزائی مذہب والے (مرزا) نے مسلمات دین کے بہت سے اصولوں کی تبدیلی کر دی ہے اور بہت سے اسماء کا مسمّٰی بدل دیا ہے۔ ختم نبوت کے بارے میں ہمارے پاس دو سو احادیث، قرآن مجید اور اجماع بالفعل ہے کوئی مسلمان اس عقیدہ سے غافل نہیں رہا۔ اس عقیدہ کی تحریف یا اس سے انحراف صریح کفر ہے۔

ہر زمانہ میں حکومت اسلامی نے اس شخص کو جس نے دعویٰ نبوت کیا سزائے موت دی ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بہ فتویٰ علماء دین ایک شاعر کو ایسا شعر جس میں نبوت کو اکتسابی کہا گیا تھا، قتل کرا دیا تھا۔

مرزا خاتم کے معنی یہ کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہر ہیں، آپ کے منظور کرنے سے نبی بنتے ہیں۔ جو اقرار نہ کرے دین محمدیؐ کا اس کو کافر کہتے ہیں۔ جسے اندرسے اعتقاد نہ ہو اُسے منافق کہتے ہیں۔ حکم اس کا بھی دیا ہے بلکہ کافر سے اشد۔

قادیانی صاحب کی کتب سے بہت سے متواترات شرعیہ کا انکار اور خلاف صریح سے صریح طور پر اس کی کلام میں موجود ہے۔ جن میں سے چند چیزیں یہ ذیل ہیں جو بقول شاہ صاحب ساری امت کے نزدیک موجبات کفر سے ہیں۔

۱۔ ختم نبوت کا انکار اور اس کے اجماعی معنی کی تحریف۔ ۲۔ نبوت کا دعویٰ اور اس کی تفریع کہ ایسی ہی نبوت مُراد ہے جیسے پہلے انبیاء کی ہوتی رہی ہے۔

۳۔ وحی کا دعویٰ اور اپنی وحی کو قرآن کی طرح واجب الایمان قرار دینا۔ ۴۔ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔ ۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین۔ ۶۔ عام امت محمدیہ کی تکفیر کرنا۔ بجز اپنے چند مریدوں کے سب کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور پچاس کروڑ مسلمانوں کو اولاد زنا کہنا۔

ختم نبوت پر قرآن پاک کی آیت۔ ماکان محمدٌ الخ کی تفسیر، احادیث اور اقوال صحابہ وائمہ مجتہدین کی روشنی میں تشریح اور غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت کے ساتھ اپنے مریدوں کو پچاس کروڑ مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور اُولاد زنا کہا۔ یہ منجملہ موجبات کفر سے ہے۔ توہین کرنا خُدا کی سب کا اور رسول کی سب (گالی) کا ارتداد ہے اور موجب قتل ہے۔

ارتداد سے وہ پانچ چیزیں جو بنا دین ملت پر ہیں نکاح، ذبیحہ، جنازہ، شہادت، ارث منقطع ہو جائیں گی۔ توہین انبیاء میں مرزا کے اشعار پیش کئے

مثلاً مرزا کی کتاب نزول المسیح ص ۹۹ پر یہ شعر ہیں۔

آنچہ داد است ہر نبی را جام ✦ داد آں جام را مرا بتمام

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے ✦ من بعرفاں نہ کمترم زکسے

کم نیم زاں ہمہ بروئے یقیں ✦ ہر کہ گوید دروغ است ولعین

پھر کتاب ازالہ اوہام جلد اوّل ص ۹۹ پر مرزا کا شعر ہے۔

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم ✦ عیسیٰ کجا است تا بنہد پا بہ منبرم

کتاب دافع البلاء کے ص ۲۰ پر مرزا کا شعر ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ✦ اس سے بہتر غلام احمد ہے۔

مرزا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تنقیص کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد تین ہزار ملتی ہے اور مرزا نے اپنے معجزات کی براہین احمدیہ جلد پنجم ص ۵۶ پر دس لاکھ لکھی ہے۔

اس کی کتاب اعجاز احمدی ص ۷۱ پر عربی کا ایک شعر لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے لیے گرہن لگا چاند کو اور میرے لیے گہن لگا سورج اور چاند کو۔

کیا تجھے اے مخاطب اس سے کچھ انکار ہے۔ یہ بھی توہین ۔

ادعاء نبوت عرشیم وجہ کفر ہے۔ مرزا لکھتا ہے :

کہ سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلا ص ۱۱)

اربعین نمبر ۴ ص ۶ پر مرزا لکھتا ہے :

"اب دیکھو ! خدا نے میری وحی اور میری تعلیم ، میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا ہے اور تمام انسانوں کے لیے اس کو مدارِ نجات ٹھہرایا ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھے ، جس کے کان ہوں سنے !"

پھر تریاق القلوب حاشیہ ص ۱۵۷ میں مرزا کا کلام ہے ۔

"غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دوری ہیں ۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً ڈھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔"

مرزا نے خو ظلی بروزی اور مجازی کا لبادہ اوڑھا ہے جو اسلام میں کفر ہے اور ہندوؤں کا عقیدہ ہے ۔

حضرت شاہ صاحب کا بیان ہے کہ ظل اور بروز کی اصطلاح (تحقیق) فلسفہ سے ذکر کرتا ہوں ۔ فلسفہ یونانی میں بروز اُسے کہا ہے کہ ایک روح دوسرے ذی روح میں حلول کرے ۔ یعنی ایک بدن میں دو روحیں ہو جائیں ۔

تناسخ اسے کہتے ہیں کہ روح ڈھانچے بدلتی رہے ، نسخ : اسے کہتے ہیں کہ نوع دوسری نوع میں تبدیل ہو ، رسخ : اُسے کہتے ہیں کہ ایک جوان نباتات میں تبدیل ہو ، مسخ : اُسے کہتے ہیں کہ حیوان جماد بن جائے ، یہ پانچوں اصطلاحیں آسمانی دینوں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں ۔

خلاصہ بیان

حضرت شاہ صاحب کا بیان ہے کہ :- میرے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانی مدعی نبوت حسب تصریحات قرآن وحدیث اور باجماع امت کافر اور مرتد ہے۔ جو شخص ان کے عقائد باطلہ اور دعویٰ نبوت و وحی پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو کافر نہ سمجھے ، ان کی نبوت کو تسلیم کرے یا مسیح موعود کہے ، وہ بھی اسی حکم میں ہے ۔

اور حکم یہ ہے کہ ان کا نکاح کسی مسلمان مرد ، عورت کے ساتھ جائز نہیں اور اگر بعد نکاح کوئی شخص ایسا عقیدہ اختیار کرے تو نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے ، قضاء قاضی اور عدت کی بھی ضرورت نہیں رہتی اور اس کے بعد اگر زن وشوہر کے تعلقات باقی رکھے گا تو جو اولاد ہوگی وہ ثابت النسب نہ ہوگی یعنی وہ حرام کی ہوگی ۔

حضرت شاہ صاحب نے مرزا کے چھ وجوہ کفر بیان کیے :-

۱ ۔ ختم نبوت کا انکار ، اور اس کے اجماعی معنی کی تحریف اور جس مذہب میں سلسلہ نبوت منقطع ہو تو اس کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دیا ۔

۲۔ دعویٰ نبوۃ مطلقہ اور تشریعیہ ۔ ۳ ۔ دعویٰ وحی اور ایسی وحی کو قرآن کے برابر قرار دینا ۔ ۴۔ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ۔ ۵ ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ۔ ۶ ۔ ساری امت کو بجز اپنے متبعین کے کافر کہنا۔

یہ اصول ہیں جن کے تحت میں اور بھی ایسے فروع موجود ہیں جو منشاء وجوہات کفر ہو سکتے ہیں ۔

مورخہ ۲۵، ۲۷، ۲۸ اگست ۱۹۳۲ء تین دن حضرت شاہ صاحب کا بیان ہوا۔ جب کہ مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۳۲ء کو حضرت شاہ صاحب کے بیان پر جرح ہوئی اس پر تبصرہ بذیل ہے ۔

یہ جرح روئیداد مقدمہ بہاولپور ص ۳۶۹ تا ۳۷۹ دس صفحات پر مشتمل ہے۔ حزب مخالف نے جو سوالات اٹھائے ہیں وہ درج نہیں ہیں۔ صرف شاہ صاحب کا جوابی بیان درج ہے۔ جس میں سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ مثلاً

بانئ اسلام، تواتر کی اقسام علماء کی ایجاد شدہ نہیں بلکہ انہوں نے قرآن وحدیث کا ثبوت جس حال سے پایا۔ اس کو ادا کر دیا ۔ تواتر معنوی میں جو حصہ قدر مشترک کا ہو اُس کا ثبوت اگرچہ واضح ہے تو اس کا منکر کافر ہے ، اگر خفی ہے تو جمل ایمان فرض ہے ۔

اگر خبر واحد کو کوئی شخص محبت نہ مانے تو کافر نہیں ، بدعتی ہے ، صحابہ کا اجماع کسی مسئلہ پر ہو اس کا منکر کافر ہے ۔

روافض جو منکر ہیں خلافت خلفائے ثلاثہؓ سے اس بنا پر کہ وہ خلافت کے مستحق نہ تھے تو وہ کافر ہیں ۔ اگر صحابہ صدیق اکبرؓ کے سوا کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرتے کوئی خلاف جزو ایمانی نہ تھا ۔

علماء بریلوی نے جن واقعات پر علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے ، وہ عقائد علمائے دیوبند نے ظاہر نہیں کئے ، غلط فہمی ہوئی۔ جن عقائد کی بنا پر علمائے بریلی نے علمائے دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا ہے، علمائے دیوبند ان عقائد کے قائل نہ تھے ۔

ابن صیاد جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دعویٰ نبوت کیا، اسے اس لیے قتل نہ کیا گیا کہ وہ نابالغ تھا۔ نابالغ کو قتل نہیں کیا جاتا ۔ صحیح بخاری نے اس کے متعلق کہا ہے کہ وہ نابالغ تھا ۔

اجماع کے معنی یہ ہیں کہ مسئلہ پیش کیا جائے اور اس پر سب اتفاق کر گئے ہوں ۔ کسی نے مخالفت نہ کی اسے اجماع کہا جاتا ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کے سامنے وہ مسئلہ پیش ہو اور وہ کہے کہ مجھے اتفاق ہے ۔

دین میں کوئی چیز متواتر ایسی نہیں پائی جاتی جو قرآن کی ناسخ ہو، کوئی حدیث متواتر یا خبر واحد ایسی نہیں ہے کہ جس کو علماء نے قرآن کے ساتھ منسوخ ہو قرآن کریم میں تین طریقے انسان کے ساتھ خدا کے ہم کلام ہونے کے بیان کئے گئے ہیں ۔ لیکن ان کو احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ پیغمبر کے ساتھ وحی کے متعدد طریقے ہیں۔ جو پیغمبر کا معاملہ اور خدا کا معاملہ ہے ۔ اس کی انتہا ہرے مقدور سے باہر ہے۔ نہ مناسب نہیں ہے ۔ سزاوار نہیں ہے کسی بشر کو کہ کلام کرے اُس کے ساتھ خدا۔ بلکہ بطور وحی یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے اُس کی طرف قاصد اور قاصد کے ذریعے سے پیغام دے"۔ آمنت ۔ پیغمبر پر جو وحی ہوتی ہے، وہ وحی قطعی ہے، دوسرے شخص پر جو وحی ہے وہ ظنی ہے

جو شخص خاتم الانبیاء کے بعد حقیقی نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے ۔ عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی نبی مانتے ہیں ۔ اس کے جو وحی ہے وہ وحی نبوت نہیں ۔ حضرت مریم اور ام موسیٰ (والدہ موسیٰ) کی طرف جس وحی کا قرآن شریف میں ذکر ہے ، وہ چونکہ پیغمبر نہیں ہیں اس لیے وحی سے وہ دوسری وحی مراد ہوگی جو ظنی ہے ۔

مکتوبات امام ربانی جلد ثانی ص ۹۹ مکتوب ۵۱ کو میں نے سنا ہے ۔ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کشفی ہے یا الہامی ہے جو حجت قطعی نہیں ہے ۔ شیخ مجدد کی کلام کشف والہام میں ہے ۔

میں نے وجہ ارتداد مرزا صاحب میں تحریف کو نہیں لیا بلکہ جس چیز کو انہوں نے قرآن مجید سے مستند کیا اور اسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا اور جس چیز کو اپنی جانب سے حق کہا میں اسے وجہ ارتداد سمجھتا اور قرار دیتا ہوں ۔

مرثیہ شیخ رشید احمد صاحب گنگوہی ص ۶ ، ۷ ، ۳۲ پر شیخ الہند کے جو اشعار نقل کیے گئے ہیں اس کے متعلق جواب یہ ہے کہ جو وجہ اشعار وہ تحقیق نہیں ہوتے بلکہ لطف کی کلام اٹکل کے ہوتے ہیں اور شاعرانہ محاورہ نئی نوع کلام کی تسلیم کیا گیا ہے ۔

جھوٹ میں اور شاعر میں یہ فرق ہے کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے کہ میری کلام کو لوگ سچ مان لیں اور شاعر کی اس امر پر کوشش نہیں ہوتی ۔

میں موجب ارتداد مرزا صاحب میں اس قسم کی کوئی چیز پیش نہیں کرتا جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے بلکہ میں نے اس چیز کو لیا ہے جسے انہوں نے قرآن کی تعبیر بتایا ہے اور اسے حق کہا ہے ۔ میں اپنے بیان میں تصریح کر چکا ہوں کہ میں مرزا صاحب کی نیت پر گرفت نہیں کروں گا ۔ بروز ، نسخ ، رسخ ، فسخ ، مسخ کے جو الفاظ میں نے بیان کیے تھے ۔ ان کی کوئی حقیقت دین سماوی میں نہیں ہے ۔

میرا عقیدہ نہیں ہے کہ مسیح کی شکل دوسرے کسی مرد میں ڈالی گئی ہو ۔ لیکن بعض مفسرین نے اہل کتاب سے نقل لی ہے ۔

حیات مسیح کے سوال پر امت کا اجماع ہے اور امت کہتے ہیں ۔ یہاں سے لے کر پیغمبر کے زمانے تک کے مسلمان اور صحابہ بھی اس ضمن میں داخل سمجھے جائیں گے ۔

کل یہ سوال کیا گیا تھا کہ امور مستقبلہ پر اجماع ہوتا ہے یا نہیں ۔ امور مستقبلہ میں اجماع نہ ہونا کا مراد یہ ہے کہ حکم علی جزء تعیین سے کرنا ہو ۔ اسے مستقبل پر چھوڑ دیا جائے ، پہلے سے اجماع کا کوئی اثر نہیں ۔ وقت پر دیکھا جائے گا اور جو عقیدہ قرآن و حدیث میں آ چکا ہے ، مستقبل کے متعلق اس پر اجماع منعقد ہو تو معقول ہوگا اور حجت ہوگا اور کہیں فرض ہوگا ۔

حضرت شاہ صاحب کی اردو شاعری

علامہ محمد انور شاہ عربی فارسی اور اردو زبان کے شاعر بھی تھے ۔ عبدالرحمٰن کوندو نے بحوالہ تاریخ اقوام کشمیر از محمد دین فوق مطبوعہ لاہور جولائی ۱۹۴۲ء علامہ محمد انور شاہ کی دس اشعار پر مشتمل ایک نظم اپنی کتاب الانور ۶۶۳ تا ۶۶۴ پر نقل کی ہے ۔ (۹)

(۹) ۔ کوندو ، عبدالرحمٰن ، الانور ، حضرت علامہ کے ملفوظات ص ۶۲۱ تا ۶۲۸ کل سترہ ملفوظات ، ندوۃ المصنفین دہلی ۔ طبع چہارم ۱۹۸۱ء ۔

حضرت انظر شاہ مسعودی حضرت شاہ صاحب کی اُردو شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں :-

"شاہ صاحب کبھی کبھی اُردو میں بھی کچھ اشعار موزوں فرماتے تھے چند اشعار بطور نمونہ نذر قارئین ہیں" پھر چھ اشعار کی ایک نظم درج کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے بھی بحوالہ محمد دین فوق کی تاریخ اقوام کشمیر کے حوالے سے گیارہ اشعار درج کیے ہیں۔ ان اشعار میں بھی کچھ اشعار وہی ہیں جن کا حوالہ کو ملا دیا ہے"(ب)

غلام محمد گیچی نے اپنے مقالے میں شاہ صاحب کی اُردو شاعری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ان کا کلام صاحب نگارستان " نے جمع کیا ہے۔ لیکن راقم کو یہ کتاب تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی" (ج)

———— xxx ————

(ب) - مسعودی، انظر شاہ، مولانا : نقش دوام ، ناشر المکتبۃ البنوریہ نیو ٹاؤن کراچی نمبر ۵ - ص ۲۶۷ تا ۲۷۰ -

(ج) - گیچی ، غلام محمد : علامہ محمد انور شاہ کشمیری حیات اور علمی کارنامے ، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور -

باب چہارم

پاکستان میں مقیم تلامذہ کی خدمات زبان اردو

۱۔ شمس العلماء مولانا احسان اللہ تاجور نجیب آبادی ۔
۲۔ مولانا سید شمس الحق افغانی ۔
۳۔ مولانا غلام غوث ہزاروی ۔
۴۔ مولانا محمد چراغ ۔
۵۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان ۔



علامہ تاجور کا قلمی چہرہ

از خورشید گرامی (ایڈیٹر بیسویں صدی)

پروفیسر، شاعر، ادیب اور نقاد۔

شکل و صورت کے محاسن داڑھی اور مونچھوں نے چھپا رکھے ہیں۔ جسامت کے اعتبار سے رستم ہند۔ علم و فضل میں شمس العلماء۔ دل عمر سے زیادہ زندہ مگر ذہنی طور پر مردہ۔ اگر اس میں کسی وقت زندگی کے آثار پیدا ہونے لگیں۔ تو کسی نہ کسی بہانے زہر کا گھونٹ دے دیتے ہیں۔ دوستی اور دشمنی میں انتہا پسند۔ معرکے میں آزمودہ کار جرنیل مگر دوستی کے معاملے میں انتہا کے سادہ لوح اور آفت طلب۔ دوست چرکے دیتے ہار گئے مگر اس اللہ کے بندے [illegible]!

شمس العلماء مولانا احسان اللہ خان تاجور نجیب آبادی

×××

حالاتِ زندگی

مولانا عبدالصمد صارم لکھتے ہیں :

"میں چاہتا تھا کہ مولانا کے خود نوشت حالات مل جائیں، کاغذات تلاش کیے تو وہ کاغذات مجھے مل گئے، مولانا لکھتے ہیں :

"میرا نام احسان اللہ خان، ابوالعرفان کنیت، تاجور تخلص، جائے ولادت نینی تال، تاریخ پیدائش غالباً ۱۸۹۰ء، وطن نجیب آباد، ضلع بجنور، قومیت درانی پٹھان، تربیت گاہ دارالعلوم دیوبند، ذریعہ معاش دیال سنگھ کی پروفیسری ہے۔ وطنِ اقامت لاہور، گورنمنٹ نے علمی و ادبی خدمات کے صلے میں شمس العلماء کا خطاب عطا کیا۔ "انجمن ارباب علم" نے ۱۹۲۱ء میں "بلیغ الملک" کا خطاب دیا تھا" (۱)

مولانا تاجور ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق روہیلہ خاندان سے تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن نجیب آباد میں پائی، بعد ازاں مزید تعلیم کے لیے دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی میں عربی ادب سے شغف رہا جو آگے چل کر اردو ادب میں تبدیل ہو گیا۔ (۲)

مولانا خود رقمطراز ہیں:

"میں نسباً درانی افغان ہوں۔ اپنے وطن نجیب آباد میں فارسی، عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے برادر معظم سے حاصل کی۔ ۱۰ صفر ۱۳۲۱ھ میں دس سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند کا طالب علم بنا۔ دس سال وہاں رہ کر درس نظامیہ کی تکمیل کر کے اگست ۱۹۱۲ء میں لاہور آیا اور حسب ایما حضرت شمس العلماء مفتی عبداللہ ٹونکی اورینٹل کالج میں داخل ہوا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۱۵ء میں مولوی فاضل اور ۱۹۱۷ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۷ء میں رسالہ "مخزن" کا ایڈیٹر بنا" (۳)

---

(۱) ماہنامہ "پکچر" لاہور، جلد نمبر ۹، شمارہ ۵، تاجور نمبر، اپریل ۱۹۶۵ء، "شمس العلماء تاجور نجیب آبادی" از عبدالصمد صارم، ص ۲۵۔

(۲) محبوب، رضوی، سید : مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، ناشر، کراچی، مرکز علم و ادب، سن ندارد، ج ۲ ص ۱۱۶۔

(۳) ماہنامہ "پکچر" لاہور، جلد نمبر ۹، شمارہ ۵، تاجور نمبر، اپریل ۱۹۶۵ء، آپ بیتی، ص ۷۔

سنِ ولادت میں اختلاف :

تاریخ دارالعلوم میں ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۲ء درج ہے۔ آپ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ "۱۰ عمر بعمر دس سال دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا"، اس اعتبار سے آپ کا سنِ پیدائش ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء ہے۔ مولانا عبدالصمد صارم نے آپ کی جس آپ بیتی کا حوالہ دیا ہے، اس میں آپ کا سالِ ولادت "غالباً ۱۸۹۰ء" لکھا ہے۔ ان شواہد کی روشنی میں ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ مولانا کی اصل سنِ پیدائش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا عبدالصمد صارم کے بذیل بیان سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔

(حاشیہ: ۱۳۲۶ھ)

مولانا صارم لکھتے ہیں :

"ان کی وفات سے کوئی تین سال پیشتر، ان کی دعوت کی - چند ایک احباب بھی شریک تھے۔ ایک صاحب نے دریافت کیا، مولانا! آپ کی عمر کیا ہوگی؟ فرمانے لگے، کس عمر کے بارے میں دریافت کرتے ہو؟ بھائی! میری تین عمریں ہیں، ایک وہ جو کالج اور میری اسناد میں لکھی ہوئی ہے، اس حساب سے تو اب پچپن کے لگ بھگ ہے۔ اور ایک عمر وہ ہے، جس سے میرے بچپن کے ساتھی اور بڑے، بوڑھے واقف ہیں۔ اور تیسری عمر میری اصلی عمر ہے۔ وہ صاحب کہنے لگے، میں تو اصلی عمر معلوم کرنا چاہتا ہوں، کہنے لگے، وہ میں کسی کو بتاتا نہیں، نظر لگا دوگے۔ اور ایک چوتھی عمر میری اور ہے، ہم لوگوں نے تعجب سے پوچھا وہ کونسی؟ فرمانے لگے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے" (۴)

آپ کے آباؤ اجداد احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کے ہمراہ ہندوستان میں وارد ہوئے۔ علامہ نے دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی اور فنِ شعر میں حضرت رسا رامپوری سے استفادہ کیا۔ مولانا جنگِ عظیم کے آخری ایام میں لاہور چلے آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ابتدا میں آپ دیال سنگھ ہائی سکول میں اردو کے مدرس مقرر ہوئے اور عرصے تک غیر مسلم بچوں کو اردو پڑھاتے رہے۔ تقسیمِ ملک کے بعد سید عابد علی عابد کو کالج کا پرنسپل اور مولانا کو دیال سنگھ لائبریری کا لائبریرین مقرر کیا گیا۔ (۵)

رسائل و جرائد کی ادارت :-

۱۹۱۷ء میں رسالہ مخزن کی ادارت سنبھالی، ۱۹۲۱ء میں دیال سنگھ کالج میں تدریسی فرائض کے ساتھ رسالہ ہمایوں

(۴) ماہنامہ نیرنگِ خیال لاہور، جلد نمبر ۹، شمارہ ۵، ۶، تاجور نمبر، اپریل ۱۹۶۵ء، شمس العلماء تاجور نجیب آبادی از عبدالصمد صارم، ص ۲۵۔

(۵) ایضاً ایضاً ایضاً "علامہ تاجور اور ان کی شاعری از احمد حسین نظیر لدھیانوی"، ص ۴۹

لاہور میں معاونِ مدیر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۲۹ء میں رسالہ "ادبی دنیا" اور ۱۹۳۲ء میں "شاہکار" کی نگرانی ان کے سپرد ہوئی۔ ۱۹۲۷ء میں "اردو مرکز" کے نام سے ایک ادارۂ تصنیف و تالیف قائم کیا۔ (۶)

انجمن اربابِ ادب کا قیام :

لاہور میں جلد ہی نوجوان شعرا ان کے گرد جمع ہو گئے، ان میں بہت سوں نے آگے چل کر شہرت اور ناموری حاصل کی۔ مولانا تاجور نے لاہور میں انجمن اربابِ ادب قائم کی۔ ان کے ادبی کمالات کا شہرہ پنجاب سے گزر کر پورے ملک میں پھیل گیا۔

خطابات :

آپ کی علمی اور ادبی خدمات کے صلے میں برطانوی حکومت کی جانب سے آپ کو "شمس العلماء" کا خطاب دیا گیا اور ادبی حلقوں نے ادیب الملک کا خطاب دیا۔ (۷)

وفات :

مولانا ایک دو سال سے نماز کے کچھ پابند ہو گئے تھے، مگر پھر بھی طبعی کسل غالب آکر ہی رہی۔ کہا کرتے تھے میرے سامنے موت کا ذکر نہ کیا کرو، ڈر لگتا ہے، بالکل تہی دامن ہوں۔ ۱۹۳۶ء میں دو صاحبزادوں کی پے در پے وفات سے ان کی طبیعت بجھ گئی تھی اور دنیا کے ہنگاموں سے عزلت گزیں ہو گئے تھے۔

۱۹۵۱ء میں وفات پائی۔ میانی صاحب میں ان کا مزار صاحبزادوں کے مزار کے برابر لبِ سڑک واقع ہے۔ (۸)

اولادیں :

مولانا کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی سے ناراض ہو کر نکاحِ ثانی کر لیا تھا اور وہ نجیب آباد میں رہتی تھیں۔ مولانا انہی کی امداد کیا کرتے تھے۔ وفات سے دو ماہ پیشتر وہ عرصہ دراز کے بعد لاہور آئیں۔ انہوں نے مولانا کو معاف کر دیا تھا بہت خوش رہتی تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادی ہوئی جو مرحوم کے خواہرزادہ، مولوی ضیاء اللہ خان سابق عربی ٹیچر شیخوپورہ ہائی سکول کی زوجہ ہیں۔

دوسری بیوی سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہوئی۔ صاحبزادی نسیم تاجور نے ایم۔ اے عربی پاس کیا اور شاہجہان پور کے پٹھانوں میں لائل پور میں شادی ہوئی۔ تینوں صاحبزادے تعلیم پا کر بڑے عہدوں تک پہنچے۔

---

(۶) ایضاً ایضاً ایضاً، تاجور کی کہانی تاجور کی زبانی، ص ۷۷۔

(۷) محمد طیب، مولانا: مکمل تاریخ دار العلوم دیوبند، ناشر، کراچی، میر محمد کتب خانہ، مرکز علم و ادب، سن ندارد، ج ۲ ص ۱۱۶۔

(۸) ماہنامہ "پکچر" لاہور، جلد نمبر ۹، شمارہ ۵، تاجور نمبر، اپریل ۱۹۶۵ء، شمس العلماء تاجور نجیب آبادی (از عبدالغفور)، ص ۲۸۔

تلامذہ :

مولانا کے مشہور تلامذہ میں احسان دانش ، اختر شیرانی ، تلوک چند محروم ، پروفیسر موہن سنگھ دیوانہ اور جگن ناتھ آزاد ہیں - (۹)

مولانا تاجور کی خدمات زبان اُردو

مولانا "اپنی آپ بیتی" میں ، جو انہوں نے ماہنامہ نگار لکھنؤ میں ۱۹۴۱ء میں لکھی ہے ، رقمطراز ہیں:

"میں نے سارا عہد طالب علمی امتیازی شہرت میں بسر کیا تھا مگر غالباً کسی گناہ کبیرہ کی پاداش کے طور پر قدرت نے مجھے اُردو کے جنونِ خدمت میں مبتلا کر دیا - اُردو زبان و ادب کی راہ میں اپنا ذاتی سرمایہ تیس ہزار روپیہ کا مع ساری آمدنی کا ، اپنی جوانی ، صحت و طاقت اور متعلقین کا حال و مستقبل سب کچھ نثار کر دیا -"

آگے چل کر لکھتے ہیں :

"میرے ہندوستان گیر شہرت رکھنے والے شاگردوں کی ایک جماعت اُردو اصنافِ ادب کے ہر شعبے میں نمایاں خدمت انجام دے رہی ہے - یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ جدید اردو ادب کی تعمیر کرنے والوں میں ۸۰ فیصدی میرے شاگرد ہیں" (۱۰)

خالد بزمی لکھتے ہیں :

مجھے جب یہ خیال آتا ہے کہ تاجور اس دنیا میں موجود نہیں ہیں تو میرے منہ سے بے اختیار نکلتا ہے

آہ تاجور !

لیکن برس کے بعد جب اُن کی علمی خدمات اور ادبی کارناموں کا تصور کرتا ہوں تو میری زبان پر آتا ہے کہ ، واہ تاجور !! (۱۱)

(۹)	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً شمس العلماء تاجور نجیب آبادی از عبد الصمد صارم ، ص ۲۶ -
(۱۰)	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً تاجور کی کہانی تاجور کی زبانی ص ۷ -
(۱۱)	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً علامہ تاجور کی شخصیت اور شاعری از خالد بزمی ، ص ۲۷ -

چوہدری محمد اکبر خان اکبر لاہوری لکھتے ہیں :

"لاہور کی تاریخ میں اُردو کے حق میں دو واقعات ایسے ہوئے ہیں جن کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ ایک شمس العلماء حضرت مولوی محمد حسین آزاد دہلوی کی آمد، دوسرے شمس العلماء حضرت تاجور نجیب آبادی کی تشریف آوری۔ اُردو کے حق میں ان ہر دو حضرات کا ورودِ مسعود خشک ٹہنی پر ابرِ بہاری کے کھل کر برس جانے کے مصداق ہوا۔" (۱۲)

علامہ تاجور بحیثیت جریدہ نگار :

دراصل مولانا کی صحافتی زندگی کا آغاز دیو بند سے ہوا۔ وہ "القاسم" کے مدیر یا نائب مدیر کی حیثیت سے عرصہ تک کام کرتے رہے۔ ۱۹۱۵ء مولانا کی صحافتی زندگی کا اصل آغاز تھا۔ یوں تو اس سے پیشتر بھی ۱۹۱۱ء میں رسالہ "بلبل" لدھیانہ اور اس کے بعد "آفتابِ اُردو" اور اس کے بعد غالباً ۱۹۱۲ء میں رسالہ "تاج الکلام" نجیب آباد کی ایڈیٹری کی۔ (۱۳)

غالباً ۱۹۱۸ء میں اُردو کے مشہور قدیم رسالہ "مخزن" کی ادارت آپ کے سپرد کی گئی۔ ۱۹۲۲ء میں میاں بشیر احمد بار ایٹ لاء نے اپنے والدِ مرحوم میاں محمد شاہ دین کی یادگار کے طور پر ماہنامہ "ہمایوں" جاری کیا تو مولانا ۱۹۲۵ء کے آخر تک اس کے جوائنٹ ایڈیٹر رہے۔ چنانچہ مولانا گرامی نے ہمایوں کی پیشانی پر درج کرنے کے لیے جو شعر عطا کیے وہ دراصل مولانا کی مدح ہی تھا۔ شعر یہ تھا :

لسانِ تاجور در نکتہ سنجاں ارجمند آمد ٭ تعالی اللہ ہمایوں دلوگیر و دلپسند آمد۔

یہ شعر ہمایوں کے ٹائٹل پر عرصہ تک چھپتا رہا بعد ازاں میاں شاہ دین کا یہ شعر چھپنے لگا :

اُٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی ٭ دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا۔

اسی دوران مولانا نے انجمن اربابِ علم پنجاب کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی جس کے دائمی صدر شیخ عبدالقادر رہے۔ اس انجمن کے مشاعرے گاہ گاہ لاہور میں اور کبھی پنجاب کے دیگر اضلاع میں منعقد کرتے تھے۔ اس انجمن کی شاخیں بعض دوسرے اضلاع میں بھی تھیں۔ (۱۴)

---

۱۲) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً شمس العلماء تاجور نجیب آبادی (چند تاثرات) از چوہدری محمد اکبر ص ۴۱-

۱۳) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً شمس العلماء تاجور نجیب آبادی از عبدالصمد صارم، ص ۲۷، ۲۸-

۱۴) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً علامہ تاجور اور اُن کی شاعری از اصغر حسین نظیر لدھیانوی، ص ۲۹۵-

(۱) اُردو مرکز کا قیام :

اگست ۱۹۲۵ء میں مولانا نے عطر چند کپور اینڈ سنز تاجران کتب لاہور اور خان بہادر شیخ نور الٰہی انسپکٹر مدارس لاہور ڈویژن کے اشتراک عمل سے اُردو مرکز قائم کیا۔ اس ادارے کے نگران اور مالک کل دراصل مولانا ہی تھے۔ ارکان میں اختر شیرانی، اصغر گونڈوی، جگر مرادآبادی، یاس یگانہ چنگیزی، سیفی سیوہاروی، درد نکودری، سردار اودھو سنگھ شائق، پنڈت میلا رام وفا، پنڈت دیتہ تریہ کیفی دہلوی اور اصغر حسین نظیر لدھیانوی شامل تھے

اِس ادارے کی نگرانی میں تمام پرانی ادبی تصانیف کا جائزہ لیا گیا اور ان میں سے جاندار چیزوں کا انتخاب کرکے شائع کیا گیا۔ میر، سودا، دبیر، انیس وغیرہ اساتذہ کے چیدہ چیدہ کلام کے مجموعے چھاپے گئے، بہترین افسانوں کے مجموعے شائع کیے گئے۔ "فسانۂ آزاد" "خوجی کے کارنامے" کے نام سے خوجی کے حالات میں ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی۔

(۲) ہفت روزہ اتحاد :

اُردو مرکز کے زیر اہتمام ایک غیر سیاسی ہفت روزہ "اتحاد" جاری کیا گیا جس کا مقصد ہندو مسلم اتحاد تھا۔ یہ پرچہ مولانا ہی مرتب کرتے تھے۔ اور یہ عرصے تک برصغیر کے مدارس میں مقبول رہا۔

(۳) ہفت روزہ پریم :

اُردو مرکز کے زیر اہتمام بچوں کے لیے ہفت روزہ "پریم" جاری کیا گیا۔ یہ پرچہ پورے برصغیر میں مقبول تھا۔ اس میں کہانیاں، نظمیں، سائنس اور علمی مضامین نہایت آسان زبان میں شائع ہوتے تھے۔ ابتدا میں اس کے ایڈیٹر سیفی سیوہاروی تھے۔

(۴) ادبی دنیا :

مولانا نے "السٹریٹڈ ویکلی" کے سائز پر "ادبی دنیا" کے نام سے ایک شاندار صحافیانہ مصور رسالہ جاری کیا، جس کے طویل سائز، رنگینی تصاویر اور گراں قدر مضامین نظم و نثر سے ادبی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ اہل صحافت کو حیرت تھی کہ مولانا اتنے گراں بہا اخراجات کے متحمل کیسے ہو سکتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد مولانا نے "ادبی دنیا" کو منصور احمد مرحوم کے سپرد کر دیا اور بعد ازاں یہ پرچہ مولانا صلاح الدین کی تحویل میں چلا گیا۔

(۵) شاہکار :

ادبی دنیا کو منصور احمد کے سپرد کرنے کے بعد "شاہکار" نامی مصور رسالہ نکالا جس کی ظاہری و باطنی خوبیاں

ادبی دنیا سے بھی زیادہ تھیں ۔ مولانا یہ رسالہ عرصہ تک اختر شیرانی کی معاونت سے نکالتے رہے ۔ بعد میں "شاہکار" کو عبدالحلیم انصاری مرحوم کے حوالے کر دیا اور پھر ۱۹۳۷ء تک اسے احمد حسین خان نظیر لودھیانوی چلاتے رہے ۔

(ی) ہمارا پنجاب :

آخر حکومت پنجاب کے ہفتہ وار مصور پرچے "ہمارا پنجاب" کی عنانِ ادارت مولانا کے سپرد ہوئی ۔ غرضیکہ مولانا کی ساری عمر پنجاب میں اُردو کی خدمت میں گزری ۔ اگر پنجاب میں آپ کو بابائے اُردو ڈاکٹر عبدالحق کا ثانی کیا جائے تو غلط نہ ہوگا ۔ (۷۵)

مولانا تاجور بحیثیت ادیب اور نقاد :

مولانا کی نثر نگاری بھی ایک مستقل موضوع ہے ۔ اِن کے نثری کارنامے افسانوں، ڈراموں، مقالات اور خطوط پر مشتمل ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ افسانوں کی دنیا میں اُنہوں نے کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دیا اور افسانوں کے نقاد اِن کی خدمات کو بہت بڑا درجہ نہیں دیں گے ، کیونکہ اِن کے افسانے افسانہ نگاری کے نئے رجحانات سے خالی ہیں مگر مولانا نے سیدھے سادے انداز سے زندگی کے حقائق کو اور اس دور کے ضروری مسائل کو افسانوں میں سمونے کی پوری کوشش کی ۔ اس اعتبار سے اِن کی تخلیقات یہی ہے اور اُنہوں نے عام اور رستہ ہونے کی کوششیں کیں جو قابلِ قدر ہیں ۔

اِن کے مضامین بہت پائے کے اور معلومات سے پُر ہیں ۔ ادبی اور تنقیدی مضامین میں اِن کی علمی صلاحیتیں پوری فنکاری سے جلوہ گر ہیں ۔ "ادبی دنیا" اور "شاہکار" کے وہ مضامین جو میر و سودا کے موازنے اور آزاد شاعری، زبان اور فنِ عروض کی باریکیوں پر مشتمل ہیں ، علم و ادب کے طالب علموں کے لیے ایک بیش بہا ذخیرے کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اِن میں مولانا نے اپنی معلومات کے دریا بہائے ہیں اور اکثر جگہ رجحانات بھی ایسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِن کی ایک رنگی رائے تھی اور نہایت بے باکی سے اس کا اظہار کر دیتے تھے ۔

مزاح نگاری :

مولانا نے مزاحیہ مضامین کا بھی ایک سلسلہ شروع کیا تھا ۔ اِس سلسلے کی چیزیں اخبارات و رسائل کے صفحات کے علاوہ ریڈیو سٹیشن سے بھی وقتاً فوقتاً نشر ہوتی تھیں ۔ یہ مضامین صرف ہنسنے ہنسانے کے لیے نہیں تھے بلکہ اِن میں اُنہوں نے اپنے دور کے معاشرے پر بھرپور طنز کی تھی ۔ بحیثیت مزاح نگار وہ حیرت انگیز طور پر کامیاب ہوئے ۔ اِن مضامین کی افادیت خاص طور

(۷۵) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۷۰۱ ۔

پر قابلِ لحاظ ہے۔

نصابی کتب کی تدوین :

مولانا نے اسکولوں کے نصاب کے لیے بہت سی کتابیں لکھیں، جن میں سے بعض الہ آباد اور مدراس یونیورسٹیوں کی ایف اے اور بی اے کلاسز میں پڑھائی جاتی تھیں۔ ان کی مرتب کی ہوئی کتاب "روحِ نظم" لندن یونیورسٹی کے "آنرز ان اُردو" کے کورس میں عرصے تک شامل رہی۔ اس سے بھی ان کی علمی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کا مرتبہ متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ (۱۶)

مکتوب نگاری :

کسی نقاد کا یہ نظریہ صرفی صد درست ہے کہ خط ایسا آئینہ ہوتا ہے جس میں انسان کے حقیقی خط و خال نظر آتے ہیں۔ اس خاص نفسیاتی مطالعے کے علاوہ، مشاہیر کے خطوط ادب و انشا کا نہایت ہی قیمتی سرمایہ ہے۔ علامہ تاجور کے خطوط ان دو گونہ بلکہ سہ گونہ صفات کے حامل ہیں۔ ان خطوط میں ان کے دوستانہ تعلقات کی جھلکیوں کے علاوہ اُن کا ادب بھی طرح پر نظر آتا ہے۔

مولانا کی خطوط نویسی کے بارہ میں کم توجہ ہوئی ہے حالانکہ ان کے خطوط ادب کے شاہکار ہیں۔ آپکے خطوط نہایت دلچسپ شگفتہ اور سلیس ہیں۔ "پریم" اور "شاہکار" میں مولانا نے اپنے بہت سے خطوط شائع کیے ہیں۔ "علامہ ظریف" کے نام سے بھی خطوط کا ایک طویل سلسلہ "پریم" میں طبع ہوتا رہا۔ ماہنامہ "پکچر" لاہور "تاجور نمبر" میں مولانا کے سترہ خطوط شائع کیے گئے ہیں جن میں آخری خط سردار سنگھ شائق کے نام ہے۔ اس خط پر تاریخ درج نہیں۔ (۱۷)

مولانا تاجور بحیثیت شاعر :

مولانا اپنی شاعری کے بارہ میں خود رقمطراز ہیں :

"اُردو میری تفریح تھی لیکن شامتِ اعمال سے یہ تفریح عذابِ زندگی بن گئی چونکہ میرا مجموعہ کلام ابھی تک شائع نہیں ہو سکا۔ اسی لیے جدید دور کے نام نہاد نقادوں کے دائرۂ تعارف سے آج تک خارج ہوں

(۱۶) ماہنامہ پکچر لاہور، جلد نمبر ۹، شمارہ ۵، تاجور نمبر، اپریل ۱۹۷۵ء، شمس العلماء مولانا تاجور نجیب آبادی از پیام شاہجہانپوری، ص ۱۳۔

(۱۷) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً شمس العلماء تاجور نجیب آبادی (از عبدالصمد صارم)، ص ۲۲۔

و ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً علامہ تاجور اپنے خطوط کے آئینے میں، ص ۲۹۵

متعدد اصنافِ ادب میں بیسیوں شاگردوں کو آسمانِ شہرت پر پہنچا دیا۔ ابتدائی مشق کا کلام اگر گم نہ ہوتا تو میں اُسے خود گم کر دیتا۔ البتہ اوسطِ مشق کے ایک مجموعے کے گم ہونے کا افسوس ہے غالباً کسی شاگرد کی سعادت مندی اِس سرقے کی مرتکب ہوئی۔ اِس مجموعے کے گم ہونے سے جی بہت شکستہ ہو گیا اور پھر کبھی میں نے اپنے کلام کی فراہمی کی جانب توجہ نہیں کی۔

میرا کلام وقتاً فوقتاً پنجاب کے اخبارات اور ماہناموں میں شائع ہوتا رہا ہے، اِس کی کوئی نقل بھی نہیں، نہ یہ یاد ہے کہ کس پرچے میں کب شائع ہوا۔ حافظہ بھی اب کمزور ہو چکا ہے۔" (۱۸)

مولانا کی شاعری کا آغاز لاہور آنے سے قبل ہی ہو چکا تھا۔ البتہ شہرت لاہور میں آکر ملی۔ ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ء کا زمانہ تھا۔ پنجاب یونیورسٹی میں ایک مشاعرہ تھا۔ حکومتِ پنجاب کے چیف سیکرٹری مسٹر ٹامسن مشاعرے کی صدارت کر رہے تھے۔ ڈاکٹر اقبال، ڈاکٹر عظیم الدین، شمس العلما مولوی محمد عبداللہ ٹونکی جج کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مولانا کا بیان ہے:

"مشاعرے کے بڑے چرچے تھے، بڑے زور شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں، مجھے شاعری کا شوق بھی جنون تھا۔ جب مجھے مشاعرے کی اطلاع ہوئی تو میں نے بھی اِس میں شامل ہونے کا ارادہ کیا اور مشاعرے والے دن ہال میں پہنچ گیا۔ مشاعرے کا رنگ بہت خراب تھا۔ ایک بار تو میں نے ارادہ کیا کہ اِس طوفانِ بدتمیزی سے نکل بھاگوں۔ حالت یہ تھی کہ جہاں شاعر صاحب اسٹیج پر تشریف لائے اور سامعین کرام نے ہڑبونگ شروع کی۔ جو غریب شاعر سامعین کے معیار پر پورے نہ اُترتے تھے، وہ طوفان کے ڈر سے اپنی جبینوں سے پسینہ پونچھتے ہوئے واپس چلے جاتے تھے۔ خدا معلوم کتنے شاعر اِس ادبی مقتل میں کشتۂ ناز ہو چکے تھے۔ اِتنے میں سٹیج سیکرٹری صاحب نے میرے قلب و جگر کو نشانہ بنایا، اب تاجور صاحب نجیب آبادی تشریف لاتے ہیں۔ میں نے پہلا ہی شعر پڑھا تھا کہ ہر طرف سے "ونس مور" کی آوازیں آنے لگیں۔ میں مولوی آدمی، انگریزی سے نابلد، کنگ ریڈر بھی نہیں پڑھی تھی۔ اِس "ونس مور" سے سمجھا کہ شاید میرا بھی وہی انجام ہوگا

(۱۸) ایضاً ایضاً ایضاً تاجور کی کہانی تاجور کی زبانی، ص ۷۔

جو میرے پیش رو شعرائے کرام کا ہوا اور میں بھی اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ اتنے میں میرے ایک دوست نے عربی زبان میں بآوازِ بلند کہا کہ آپ کی نظم بہت پسند کی جارہی ہے۔ آپ پڑھیے۔ تب میری ہمت بندھی اور میں نے تقریباً تیس شعر کی یہ نظم تالیوں کی گونج اور تحسین و آفرین کے غوغا میں ختم کی۔ دراصل یہ نظم اور یہ مشاعرہ میری شہرت کا سنگِ بنیاد ثابت ہوا۔ اس کے بعد لاہور کی علمی ادبی محفلیں مجھے بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں اور مجھے بہت جلد یہاں کی ادبی دنیا میں ایک بلند مقام حاصل ہو گیا" (۱۹)

مولانا پائے کے عالم، چوٹی کے صحافی، ایک قادر الکلام استاد اور شعلہ بیاں شاعر تھے۔ ایسے لوگ بہت کم پیدا ہوتے ہیں جو ایک سے زیادہ فنون سے واقفیت رکھتے ہوں اور پھر ان میں کمال حاصل ہوا ہو، مولانا انہی چند لوگوں میں سے تھے۔ ان کے ادبی کارناموں میں نظم و نثر کے اس انتخاب کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو انہوں نے اردو مرکز کی طرف سے ۳۴ جلدوں میں شائع کیا اور اردو کے قابلِ قدر اور جاندار حصے کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ اس انتخاب میں انہوں نے بڑی محنت اور توجہ سے ہندوستان کے تمام مشاہیر شعرا و ادبا اور اپنے عہد کے لوگوں کا بھی بڑا پاکیزہ حصہ شامل کیا ہے۔ (۲۰)

تاجور مرحوم شعر کے میدان میں صفِ اول کے شاعر تھے۔ ان کے شعر میں تاثیر کا جوہر نمایاں تھا۔ اُن کے اکثر اشعار میں گہرائی اور گیرائی، دونوں اوصاف موجود ہیں۔ کسی نقاد نے کہا ہے کہ اچھا شعر وہ ہے جو سنتے ہی یا پڑھتے ہی دل میں اتر جائے۔ تاجور کے اکثر شعروں میں یہ خوبی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاجور کے کئی اشعار ایک ہی بار سن کر یا پڑھ کر ہمیشہ کے لیے حافظہ کا حصہ بن جاتے ہیں مثلاً۔

نہ دل بدلا نہ دل کی آرزو بدلی نہ وہ بدلے ؎ میں کیسے اعتبارِ انقلابِ آسماں کر لوں۔

مشہور نقاد، اردو نواز پروفیسر پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی [illegible] نے دیوانِ حالی کا جو نسخہ مرتب کیا ہے۔ اس نسخے کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے مولانا حالی مرحوم کے بعض اشعار کی وضاحت کے خیال سے کہیں کہیں دیگر شعرا کے مشترک المفہوم یا قریب المعنی اشعار دے دیئے ہیں۔ اس سلسلہ میں تاجور کا بنزل شعر حالی کے شعر کے تقابل و وضاحت کے لیے دیا گیا ہے۔ وہ اس نے

---

(۱۹) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً شمس العلماء مولانا تاجور نجیب آبادی از پیام شاہجہانپوری، ص ۲۹۔

(۲۰) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۰۔

حالی کے شعر کو مات کر دیا ہے:

حالیؔ : تیغ میں برش یہ اے حالی نہیں ؏ جس قدر تیری زباں کرتی ہے کاٹ۔

تاجورؔ : تاجور شعر تر سے سن کے تڑپ جاتا ہوں ؏ کاٹ جو تیری زباں میں ہے خنجر میں نہیں۔

تاجور مرحوم کے شاگردوں میں جہاں مسلمان کثیر تعداد میں شامل تھے وہاں کئی ہندو اور سکھ بھی تھے۔ دیکھا جائے تو یہ مرحوم کا بڑا کمال تھا کہ انہوں نے اپنی کوشش سے غیر مسلموں کے دلوں میں بھی اردو سے لگاؤ پیدا کر دیا۔ یہ لگاؤ بعض صورتوں میں اس قدر پائیدار اور لازوال تھا کہ اس کے نتیجے میں بعض ہندو اور سکھ اردو کی بقا اور ترویج کے لیے پروانہ وار جاں نثاری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ (۴۱)

مشہور شاعر اور ادیب جگن ناتھ آزاد آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ لاہور میں آپ کے مزار پر حاضر ہوئے تو "مزارِ تاجور پر چند لمحے" کے عنوان سے خراجِ عقیدت پیش کیا جو مولانا کی شاعری پر تبصرہ بھی ہے۔

اے دل فدائے جلوۂ ہر دشت ہر چمن ؏ کس رنگ میں ہے آج تیری محفلِ کہن۔

تنہا جو اپنی ذات میں تھا ایک انجمن ؏ خاموش اب ہے خاک میں وہ بلبلِ سخن۔

اب وہ سکوت یادگار ترانوں کا ذکر کیا ؏ ماضی کے دل نواز فسانوں کا ذکر کیا۔

اے دل نہ چھیڑ دورِ گزشتہ کا ماجرا ؏ قصۂ سخن تمام نہیں مجھ میں حوصلہ۔

تو اتفاق سے جو یہاں تک ہے آ گیا ؏ آنسو دفورِ شوق میں اس خاک پر گرا۔

اے دل یہاں ہے خاک میں پنہاں اک انجمن ؏ یہ ہے مزارِ تاجورِ کشورِ سخن۔

اے رہنمائے قافلۂ شعر السلام ؏ اے زمزمہ دارِ ولولۂ شعر السلام۔

مجھ میں ہے تجھ سے حوصلۂ شعر السلام ؏ آساں تجھی سے مرحلۂ شعر السلام۔

غنچے کو اک نگاہِ محبت سے پھول کر تو
آزاد کا سلامِ محبت قبول کر تو

روحِ تاجور کی آواز:

تو جو پھر لاہور میں وارد ہوا ہے اے جگنؔ ؏ نکہتِ گل لوٹ کر آئی ہے پھر سوئے چمن (۴۲)

(۴۱) ایضاً الفاً: علامہ تاجور کی شخصیت اور شاعری از خالد بزمی، ص ۷۶
(۴۲) ایضاً ایضاً: مزارِ تاجور پر چند لمحے، از جگن ناتھ آزاد، ص ۷۵
علامہ تاجور جگن ناتھ آزاد کو جگن کے نام سے پکارتے تھے۔

اِصلاحِ سُخن ،

علامہ تاجور نجیب آبادی کے مختلف النوع ادبی کارناموں میں اِصلاحِ سخن کو ایک خاص درجہ حاصل ہے
مشہور انگریزی شاعر براؤننگ کی ایک دلاویز سانیٹ میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

"میرے چاند تیرے دو رُخ ہیں۔ ایک وہ جو ساری دنیا کے سامنے ہے اور دوسرا وہ جو صرف میرے حصہ میں آیا ہے"

سو علامہ تاجور کی شخصیت کا یہ پہلو صرف اُن کے خوش قسمت شاگردوں کے حصے میں آیا ہے اور صرف وہی اِس کی تابانیوں سے واقف ہیں۔ جب کوئی شاگرد اصلاحِ سخن کی غرض سے حاضر ہوتا، اگر اُس وقت فرائضِ منصبی میں کوئی کام سر پہ نہ ہوتا تو فوراً ہمہ تن متوجہ ہو جاتے اور کہتے پڑھیئے۔ شاگرد اپنی ساری نظم یا غزل پڑھ دیتا۔ بیچ میں نہ ٹوکتے۔ جس شعر کی اصلاح مقصود نہ ہوتی، اس پر کہہ دیتے، "ہاں ٹھیک ہے، آگے چلو"۔ کبھی کبھی "اچھا شعر ہے" "خوب ہے" بھی کہتے اور شاگردوں کا دل بڑھانے میں بخل نہ کرتے۔ جس شعر میں اصلاح مقصود ہوتی اُس کا ایک آدھ لفظ ہی بدلتے، زیادہ رد و بدل نہ کرتے۔ تعقید کا عیب ہو تو پورے مصرع کو بدل ڈالتے مگر اس طرح کہ مضمون سانچے میں ڈھل جاتا، سب چولیں ٹھیک ٹھیک بیٹھ جاتیں اور مضمون کا چہرہ دمک اُٹھتا۔ اصلاح کے بعد دوبارہ پڑھنے کی فرمائش کرتے۔ اِس وقت بھی اگر کوئی تبدیلی کرنی منظور ہوتی تو کر دیتے۔ نظم کا عنوان اکثر بدل دیا کرتے تھے۔ شاعر کے مضمون کو حتی الوسع کبھی نہ بدلتے۔ اِس لیے اِن کی اصلاح شدہ نظموں پر اُستاد کی نہیں بلکہ شاگردوں ہی کی چھاپ باقی رہتی۔

اصلاحِ سخن کے سلسلہ میں ایک پابندی تھی اور وہ یہ کہ جو شاگرد لاہور میں موجود ہوتے، وہ اپنا کلام اصلاح کے لیے ڈاک میں نہ ڈال سکتے تھے۔ خط و کتابت کی اجازت صرف لاہور سے باہر رہائش رکھنے والے شاگردوں کو تھی۔ اِن کی غزل بنانے کے بعد غزل کے مقام یا بعض اوقات ہر شعر کے متعلق مختصر نوٹ درج کرتے تھے اور یہ سارا کام وہ اس طرح کرتے تھے جیسے کوئی مذہبی فریضہ انجام دے رہے ہوں۔ نہ کسی پر احسان، نہ صلے کی تمنا، صرف اُردو زبان کی خدمت۔ مستند کے لیے تاکید کرتے کہ مستند اُستاد داغ سے لو۔ مرزا غالب اور ڈاکٹر اقبال جیسے اہلِ کمال کے افکار سے فیض حاصل کرو۔ (۲۶)

بچوں کے ادب اور شاعر:-

ادب میں بچوں کے ادب کی حیثیت کئی پہلوؤں سے نمایاں ہے۔ اس صنفِ ادب میں کام کرنے والے شاعر اور ادیب کو بیک وقت بہت سی باتیں نگاہ میں رکھنا پڑتی ہیں۔ مثلاً بچوں کی نفسیات کے ماہر کی حیثیت

(۲۳) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی از محمد اکبر خان اکبر لودھی ص ۵

سے اپنے قاری کی دلچسپیوں کے پیشِ نظر موضوعات اور عنوانات کا انتخاب۔ ننھے ننھے بچوں کو انسانی معاشرے کا مفید رکن اور قوم و وطن کے سعادت مند فرزند بنانے کے لیے کون کون سی باتیں بطورِ خاص اور تواتر و تکرار کے ساتھ سمجھانے کی ضرورت ہے۔ اِسی اعتبار سے ادیب کو ماہرِ نفسیات، ماہرِ تعلیم، معلمِ اخلاق اور تمدنی، معاشرتی اور سیاسی ضرورتوں سے پوری طرح آگاہ ہونا چاہیے۔

بچوں کے ادب کی اِس تعریف کو پیشِ نظر رکھ کر جب ہم اِس ادب کے ذخیرے پر نظر ڈالتے ہیں تو گنتی کے چند ایک مصنف ہی صحیح معنوں میں بچوں کے ادیب اور شاعر کہلانے کے مستحق نظر آتے ہیں۔ مولانا اِس قلیل تعداد میں علامہ تاجور کا نام درخشاں نظر آتا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی سنڈیکیٹ کے ممبر اور دیال سنگھ کالج کے پروفیسر کی حیثیت سے وہ ملک کے تعلیمی مسائل سے وابستہ رہے۔ مخزن، ہمایوں، ادبی دنیا اور شاہکار جیسے موقر ادبی رسائل کے ایڈیٹر کی حیثیت سے تنقیدی تاریخی، اصلاحی اور سیاسی مقالات لکھنا پڑے۔ ایک شاعر کی حیثیت سے لاہور کی ادبی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا۔ اپنی نگرانی میں بچوں کے رسائل "ستارہ صبح" اور "پریم" بھی نکالے اور مختلف موضوعات پر بچوں کے لیے مضامین، کہانیاں اور نظمیں لکھیں۔

مولانا نے اقتصادی ضرورتوں کے تحت بھی بچوں کے ادب کی طرف دھیان دیا۔ اُس زمانہ میں بچوں کے اخبارات و رسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ اِس موضوع پر لکھنے والوں کی بھی قلت تھی اور تعلیم میں ترقی کے باعث ایسے ادب کی ضرورت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ فیاض قدرت نے اُنہیں ایسی طباعی اور ذہانت سے نوازا تھا کہ شعر و ادب میں جس طرف بھی رُخ کرتے تھے، محسوس ہوتا تھا کہ یہی اُن کا پسندیدہ موضوع ہے۔ چنانچہ اُن کا بچوں کا ادب بھی اِسی ذہانت اور مشق کا مظہر ہے۔

مولانا کی زبان بے عیب، اسلوبِ بیان دلکش، موضوعات نمائندہ بیان اور نفسیاتی مطالعہ و مشاہدہ کامل ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے دیگر مشاغل ترک کرکے صرف بچوں کے لیے کام کرتے تو اُردو ادب کی پوری تاریخ میں اُن کا کوئی حریف نہ ہوتا۔

بچوں کے ادب میں اُن کی دو نمائندہ حیثیتیں ہیں:

(۱) درسی کتب کی صورت میں بچوں کا ادب۔ (۲) وہ ادب جو بچوں کی عام دلچسپی اور تہذیب و تربیت کے لیے

معرضِ وجود میں لایا جاتا ہے -

ان دونوں میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا - درسی کتابوں میں بھی تقریباً ویسی ہی کہانیاں، نظمیں اور مضامین شامل کیے جاتے ہیں جیسے عام ادبی کتب و رسائل میں ہوتے ہیں لیکن ان میں کافی فرق ہوتا ہے - نصابی کتب خاص منصوبہ بنا کر اور حدود متعین کر کے مرتب کی جاتی ہیں اور ان کی ایک بہت بڑی ضرورت یہ بھی ہوتی ہے کہ تدریجاً الفاظ کا ذخیرہ بڑھایا جائے جس پر بچوں کی علمی استعداد بڑھتی چلی جائے - اس نقطۂ نظر سے درسی کتب کی تصنیف و تالیف نسبتاً مشکل کام ہے - مولانا تاجور نے اپنی مصروف ادبی زندگی میں یہ مشکل بلکہ مشکل تر کام بھی انجام دیا - انہوں نے پہلی سے دسویں جماعتوں تک کے طلبہ کے لیے ریڈروں کے کئی سلسلے لکھے - (۲۴)

علامہ تاجور کی تصنیفی خدمات

۱- پیامِ زندگی : مرتبہ : مولانا تاجور نجیب آبادی، پروفیسر دیال سنگھ کالج، ایڈیٹر اتحاد، بہ اعانت حضرات اراکین اردو مرکز لاہور، ناشر : میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور -

اس کتاب کی جلد اوّل دستیاب ہو سکی - مولانا رقمطراز ہیں :

"ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہاں انگریزی لٹریچر کی فضیلت کے ثبوت میں ملٹن، شکسپیر، شیلے، ورڈسورتھ، جانسن، میکالے اور رائڈر ہیگرڈ وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں، وہاں اردو ادبیات کی محفل میر و غالب، انیس اور دبیر، حسن و نسیم، داغ اور حالی آزاد اور نذیر احمد، سرشار اور شرر، سر سید اور شبلی، اکبر اور اقبال جیسی بلند پایہ شخصیتوں سے خالی نہیں" - (۲۵)

مولانا لکھتے ہیں :

"ایک اچھی لائبریری ایک اوزال یونیورسٹی ہے" یہ کسی یورپین مصنف کا قول ہے

(۲۴) ماہنامہ پھلجھڑی لاہور : جلد نمبر ۹، شمارہ ۵ - اپریل ۱۹۷۶ء، تاجور نمبر، علامہ تاجور : بچوں کے ادیب اور شاعر کی حیثیت سے از نظر زیدی ص ۲۷، ۲۸ -

(۲۵) تاجور، احسان اللہ، مولانا : پیامِ زندگی، ناشر : میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور - سن ندارد - ص ۳ -

جس کی بلیغ معنویت اپنے اجمال و ابہام میں کسی مزید تفصیل و توضیح کی محتاج نہیں "

کتاب کے صفحہ ۱ تا ۲۰ پر مولانا نے "اُردو مرکز" کے عنوان سے مرکز کے قیام، اس کے اغراض و مقاصد اور اراکین اُردو مرکز کا تعارف کرایا ہے۔ مقاصد میں (۱) اُردو اُس حصۂ نظم و نثر کو محفوظ رکھنے کے قابل ہے کو مستقل مجلدات کی صورت دینا۔ (۲) اُردو میں ایک انسائیکلوپیڈیا (مخزن العلوم) تیار کرنا (۳) اُردو زبان کے فتوحات ادبیہ کا منتخب مجموعہ سال بسال مجلدات کی صورت میں پیش کرنا (۴) نایاب مطبوعہ و غیر مطبوعہ اُردو کتب کی اشاعت (۵) اُردو مرکز کی مجلس مشاورت کے ذریعے علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ کی اختراع، متنازعہ معاملات کا فیصلہ کرنا شامل ہیں۔ اراکین مرکز میں سر عبدالقادر، خان بہادر شیخ نور الٰہی اور برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی کے نام شامل ہیں۔

صفحہ ۲۱ تا ۲۴ پر مؤلف کا لکھا ہوا دیباچہ ہے۔ صفحہ ۲۵ تا ۸۲، مرثیہ کی ماہیت، اثرات، مرثیہ گوئی کی تاریخ، کربلا کے افراد مرثیہ کے اسمائے گرامی، فریق مخالف کے نام اور مرثیہ نگاروں کے مختصر حالات درج کیے گئے ہیں۔ یہ ۸۱ صفحات کتاب میں شامل نہیں۔ ان صفحات کے بعد کتاب "پیام زندگی" کا صفحہ ۱ سے آغاز کیا گیا ہے۔ ابتدا میں واقعات کربلا کا ذکر کیا گیا ہے پھر مرثیہ گو شعرا کا، کربلا کے مختلف واقعات پر منتخب کلام درج کیا گیا ہے۔ اس طرح کربلا کے موضوع پر جملہ مرثیہ نگاران کے منتخب اشعار کو یکجا کر کے، مرثیہ کے شوقین ارباب علم کے لیے محاکمہ و موازنہ کرنے کا سامان بھی یکجا کر دیا ہے اور مرثیہ نگاروں کی ارتقائی منازل زمانی و فنی اعتبار سے مرتب کر دی گئی ہیں۔ چونکہ کلام کے جامع خود شاعر اور نقاد ہیں، اس لیے انتخاب بہ خوبی ہے۔ صفحہ ۱۵۲ تک مراثی ہیں اور صفحہ ۱۵۳ تا ۱۷۰ تک اُردو مرکز کی خدمات کے متعلق مشاہیر کی آرا پیش کی گئی ہیں۔

(۲) روحِ نظم حصہ اوّل۔ مرتبہ: مولانا تاجور نجیب آبادی و پنڈت میلا رام وفا۔ مطبع: مرکنٹائل پریس لاہور، صفحات ۱۷۶

اس مجموعے میں (۱) مثنویات از میر تقی میر تا شوق قدوائی (۲) اُردو مراثی از مرزا محمد رفیع سودا تا مرزا اوج۔ (۳) اُردو نظمیں از میر تقی میر تا فاخر ہریانوی۔ (۴) غزلیات از ولی دکنی تا جگر مراد آبادی۔ آخر پر رباعیات حالی و اکبر ہیں۔ یہ مجموعہ بعض خوبیوں کی بنا پر ایک قابلِ قدر گلدستہ ہے۔

(۱) ہر شعبۂ شاعری پر ایک مجمل تاریخی تنقید، عہد بعہد کی تبدیلیوں، اور ارتقائی ترقی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے مشاہیر سحر طرازوں کے نام، ان کی خصوصیات شاعری، پھر اس صنف سخن کے تحت تلخیص و تجسس کے بعد شہ پاروں کا انتخاب درج کیا گیا ہے۔

(۲) ہر شعبۂ شاعری میں شعرا اور ان کے کلام میں تقدم و تاخر کے اعتبار سے ترتیب زمانی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۳) عموماً مسلم الثبوت اساتذہ قدیم و جدید کے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے البتہ بعض جدید شعرا میں ذی استعداد اور نغز گو حضرات کی چند نظمیں لی گئی

ہیں جنہیں اُردو شاعری پر معمولی اضافے کا نام دیا جا سکتا ہے ۔

پہلا حصہ انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کی استعداد کو مدِ نظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے ۔ دوسرے حصہ میں بی۔ اے کے طلبہ کے ادبی ذوق کی رعایت رکھی گئی ہے ۔ دونوں حصوں کو پڑھنے کے بعد اُردو شاعری کی ارتقائی حیثیت سامنے آجاتی ہے اور تعمق نظر سے مطالعہ کرنے والے میں ایک صحیح ادبی مذاق اور شاعرانہ ملکہ پیدا ہو سکتا ہے ۔

(۳) روحِ نظم حصہ دوم :- مرتب : مولانا تاجور نجیب آبادی و پنڈت میلا رام وفا ، مطبع مرکنٹائل پریس لاہور
کل صفحات ۱۹۰ ۔ فہرست ندارد ۔

صفحہ ۱ تا ۳۲ مثنویات ، صفحہ ۳۲ تا ۶۳ مراثی ، صفحہ ۶۴ تا ۹۸ قصائد ، صفحہ ۹۹ تا ۱۷۸ نظم جدید ، صفحہ ۱۷۹ تا ۱۷۹ غزلیات ، صفحہ ۱۸۰ تا ۱۹۰ رباعیات ۔

(۴) رزم و بزم :- مؤلفہ : شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی و پروفیسر لاجپت رائے نیر ، ناشر : علمی مرکز لاہور ، مطبع امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور ۔

یہ کتاب بارہ کہانیوں کا مجموعہ ہے ۔ کہانیاں کس کی کہی ہوئی یا لکھی ہیں ، اس کا کوئی پتہ نہیں ۔ دیباچہ میں مرتبین رقمطراز ہیں :

" کہانی اپنی ہو یا پرائی ، دوست کی ہو یا دشمن کی ، میدانِ عشق و محبت کی ہو یا محاذِ جنگ و جدل کی ، کیسی ہی ہو اور کیسی ہو ، بہرحال کہنے اور سننے کی چیز ہے ۔ اب اگر کہانی سنانے والا اپنے اندازِ بیان میں کوئی دلکشی اور اپنی کہانی میں کوئی سبق رکھتا ہے اور ادھر سننے یا پڑھنے والا ، دل کے کانوں سے سنتا ہے اور عقل کی آنکھوں سے پڑھتا ہے تو یہ کہانی خشک وعظ اور بے نمک کتھا یا سرمن سے ہزار درجہ زیادہ اثر انگیز اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے ۔ ہم اس خیال کے پیشِ نظر چند منتخب کہانیاں کا مجموعہ پیش کر رہے ہیں ۔ اس میں مندرجہ کہانیاں زیادہ تر ترجمہ ہیں یا ماخوذ اور کچھ اوریجنل بھی ہیں " (۲۶)

(۵) تصویرِ مناظر جلد اوّل : مرتبہ مولانا تاجور باعانت حضرات اراکین اُردو مرکز لاہور ، ناشر میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز لاہور ۔ صفحات ۱۵۲ + ۸ ۔

اس کتاب کے ابتدا میں بیس صفحات پر مشتمل اُردو مرکز کے متعلق تعارفی نوٹ ہے ۔ بعینہٖ نوٹ پیامِ زندگی جلد اول کے تحت درج کیا گیا ہے ۔ صفحہ ۱ تا ۱۵۲ بذیل شعرا کی وہ نظمیں درج کی گئی ہیں جو مناظرِ قدرت پر ہیں :

(۲۶) تاجور ، احسان اللہ خان ، شمس العلماء مولانا و پروفیسر لاجپت رائے نیر ، رزم و بزم ، ناشر ، علمی مرکز لاہور ، سن ندارد ، دیباچہ ص ل ۔

حالی، آزاد، اسمٰعیل، اکبر، شوق، اقبال، سرور، چکبست، نیاز، نادر کاکوروی، سالک، ظفر علی خان، نیرنگ، شائق، فاخر، خالد، حامد علی، روش، ساغر، راشد صہبائی، عابد، عارف وغیرہ۔

(۶) تصویر مناظر جلد دوم : مرتبہ مولانا تاجور نجیب آبادی پروفیسر ڈی۔ اے۔ وی کالج، ایڈیٹر اتحاد با عانت حضرات اراکین اردو مرکز لاہور ۔ ناشر میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور۔ صفحات ۱۵۲ ۔ آخری صفحہ

یہ کتاب بھی مختلف شعرا کی مختلف نظموں کا مجموعہ ہے جس میں برسات کے عنوان مولانا تاجور کی اپنی ایک نظم بھی شامل ہے ۔ بذیل شعرا کی تصاویر بھی زینت کتاب ہیں ۔

مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی، مولانا وحید الدین سلیم پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن، مولانا صفی لکھنوی، مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی امین حزیں ۔

منتخب افسانے: مولانا نے بہت سی جلدوں میں افسانوں کے مجموعے شائع کیے ۔ دستیاب شدہ جلدوں پر تبصرہ درج کیا جاتا ہے ۔

(۷) منتخب افسانے جلد اول تا ششم باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہو سکے ۔

(۸) منتخب افسانے جلد ہفتم :۔ مرتبہ مولانا تاجور نجیب آبادی، پروفیسر دیال سنگھ کالج، ایڈیٹر اتحاد ۔ باعانت حضرات اراکین اردو مرکز لاہور، ناشر میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور مطبع کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور، صفحات ۱۴۲ ۔

اس مجموعے میں بذیل گیارہ افسانے شامل ہیں:

(۱) ماہ جبیں اندرا، از علامہ راشد الخیری ۔ (۲) صعیفہ اور اس کا بیٹا از میاں تصدق حسین خالد ۔
(۳) دل کا قصور، از فاخر ہریانوی ۔ (۴) شہید نوافل، از عاشق حسین بٹالوی ۔
(۵) جذب دل کی دو تصویریں، از سلطان حیدر جوش ۔ (۶) خورشید و قمر، از حضرت باغبان ۔
(۷) ذکریا کی عروسی، از میر افضل علی ۔ (۸) سزائے اعمال، از بہاری ناتھ سرور شن ۔
(۹) مرزا صغل کی بیٹی، از خواجہ حسن نظامی ۔ (۱۰) جلا وطن، از غلام عباس ۔
(۱۱) گرگٹ، از سید بشیر الدین ۔

صفحہ ۱۴۱ اور ۱۴۲ پر منتخب افسانے، پیام زندگی اور رباعیات رواں پر مختصر اشتہار نما تبصرے ہیں ۔

(۹) منتخب افسانے جلد ہشتم : مرتب و دیگر کوائف ایضاً صفحات ۱۲۲

اس مجموعہ میں بذیل بارہ افسانے ہیں :

(۱) لیلیٰ، از سید عابد علی عابد۔ (۲) ڈاکٹر ہیڈگر کا تجربہ، از مولانا ظفر علی خان (۳) گم شدہ خط، از ع دی حسین مدیر ہزار داستان

(۴) قمار باز از مولانا ابوالکلام آزاد (۵) مسز کاڈل نغمہ، از رائے بہادر رادھا کشن بھارگو۔

(۶) آوازِ غیب، از آفتاب احمد خان۔ (۷) بعد از وقت، از مسٹر کنھیا لال ثاقب (۸) ٹھگی، از حکیم محمد یوسف حسن مدیر نیرنگ خیال

(۹) جزیرۂ مالٹا کے دو پھول، از سید ناصر نذیر فراق دہلوی۔ (۱۰) دیوانہ بزعمِ خویش ہشیار، از شیخ ع دی حسین۔

(۱۱) غم نصیب سپاہی، از مسٹر غلام عباس۔ (۱۲) سفرِ زندگی کا کرایہ، از میاں عبدالرحمٰن جرنلسٹ۔

دو صفحے خالی اور اگلے دو صفحوں پر "پیامِ زندگی"، منتخب افسانے اور رسالہ [illegible] لاہور پر اشتہار کا تبصرہ۔

(۱۰) منتخب افسانے جلد نہم :۔ مرتب و دیگر کوائف ایضاً، صفحات ۱۳۶ + ۲

اس مجموعہ میں بذیل دس افسانے شامل ہیں :

(۱) دھوکا، از شمشیر بہادر صمدی لکھنوی۔ (۲) شاعر کی وصیت، از مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی۔

(۳) گناہِ معاشرت، از مولوی حامد علی خان۔ (۴) خود غرض دیو، از جناب ع روف۔ (۵) لذتِ گناہ، از

مسٹر نورالدین، معاون مدیر نیرنگ خیال۔ (۶) قسمت، از میاں عطاء الرحمٰن۔ (۷) نپولین اور جوزفین [illegible]، از

حافظ امام الدین۔ (۸) جوان مرد، از ابوالفاضل سید راز چاند پوری۔ (۹) حسن کا گلاب، از مولانا نیاز فتح پوری

مدیر نگار۔ (۱۰) ۲۱ اگست ۱۹۰۳ء، از پنڈت بہاری ناتھ سدرشن، جرنلسٹ۔

(۱۱) منتخب افسانے جلد دہم :۔ دستیاب نہ ہو سکی۔

(۱۲) منتخب افسانے جلد یازدہم :۔ مرتبہ و دیگر کوائف ایضاً۔ صفحات ۱۴۴ + ۲ ۔

اس مجموعہ میں بذیل بارہ افسانے ہیں :

(۱) فریب، از سید بادشاہ علی نقش۔ (۲) شہزادہ کی موت، از اختر سبحانی پٹیالہ۔

(۳) نکاحِ ثانی، از سجاد حیدر یلدرم۔ (۴) سچی خوشی، از شیخ ع دی حسین مدیر ہزار داستان۔

(۵) اعجازِ محبت، از ریاض حسین۔ (۶) جائز انتقام، از مولانا نیاز فتح پوری، مدیر نگار۔ (۷) صدائے جگر خراش،

از پنڈت بہاری ناتھ سدرشن۔ (۸) ماسکو کا راگی، از غیر معروف جرنلسٹ۔ (۹) بادشاہ مر گیا، بادشاہ زندہ باد،

از مولوی حامد علی خان ایڈیٹر ہمایوں - (۱۰) لاہور میں الف لیلہ کی ایک رات ، از شیخ فیروز الدین مراد - (۱۱) سال کا دن از جناب ضیاء الدین برنی - (۱۲) موسلے ، از پنڈت برج ناتھ سلارشن -

(۱۲) سلام مدائح و مراثی : مرتبہ مولانا تاجور نجیب آبادی ، پروفیسر ڈی اے وی کالج ، ایڈیٹر اتحاد باعانت حضرات اراکین اردو مرکز لاہور - ناشر ، میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور - صفحات ۱۲۸ -

صفحہ ۱ تا ۲۰ ، اردو مرکز پر دیباچہ نوٹ ہے جو پیام زندگی اور بعض دیگر تالیفات پر ہے - یہ صفحات کتاب کے صفحات سے پہلے ہیں - کتاب کے صفحہ ۱ تا ۱۲۸ پر مختلف شعرا کے مدائح و مراثی ہیں - ذیل شعرا کی تصاویر بھی زیب کتاب ہیں :

مولانا الطاف حسین حالی ، مولانا شبلی نعمانی ، مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی ، سرور جہاں آبادی ، پنڈت برج نرائن چکبست ، ڈاکٹر سر محمد اقبال ، پنڈت تلوک چند محروم ، مولانا ظفر علی خان -

اس مجموعہ میں معروف شخصیات پر لکھے گئے مراثی اور مداحی نظمیں شامل ہیں جن میں خود مولانا تاجور کی تین نظمیں ، غازیٔ اسلام ، جہانگیر اور اس کا مقبرہ اور ملکۂ نور جہاں شامل ہیں - کل ۴۲ نظمیں ہیں -

(۱۳) مہاتما بدھ : مؤلفہ : پروفیسر تاجور نجیب آبادی ، ایڈیٹر پریم و شاہکار ، ناشر ، گوردواس کپور اینڈ سنز ایجوکیشنل پبلشرز انارکلی لاہور - کل صفحات ۹۶ - آخری چار صفحات فرہنگ پر مشتمل ہیں -

یہ کتاب مہاتما بدھ کے حالات زندگی پر مشتمل ہے اور آخر پر مہاتما کی اخلاقی تعلیم کا انتخاب پینتالیس نکات پر مشتمل درج کیا گیا ہے - یہ کتاب اردو میں مہاتما بدھ کی سوانح اور تعلیمات کا عمدہ خلاصہ ہے -

مولانا سید شمس الحق افغانی

حالات زندگی :-

آپ قصبہ ترنگزئی، تحصیل چارسدہ، ضلع پشاور کے ایک علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل عالم، پاکستان کے چوٹی کے صاحب سواد اور استعداد علماء میں سے تھے۔ گیارہ سال تک ریاست ہائے متحدہ بلوچستان، قلات، خاران، مکران اور لسبیلہ کے وزیر معارف شرعیہ (وزیر تعلیم) رہے۔ کئی مدرسوں میں اعلیٰ تدریسی فرائض انجام دیئے۔ (۱)

پیدائش :- مطابق سکول ریکارڈ ۵ ستمبر ۱۹۰۱ء مطابق ۷ رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ۔

نام و نسب :- نام شمس الحق۔ آپ کے والد مولانا غلام حیدر جو مولانا عبدالحکیم لکھنوی کے شاگرد تھے علوم دینیہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ پشتو اور فارسی زبان کے بلند پایہ اور صاحب طرز شاعر تھے۔

تعلیم و تربیت :- ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ ۲۸ جولائی ۱۹۰۹ء کو پرائمری سکول میں داخلہ لیا اور ۱۹۱۳ء میں فارغ ہوئے۔ بعد ازاں سرحد و افغانستان کے مختلف مشاہیر علماء سے تمام علوم کی تکمیل کر کے حدیث کے لیے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری کی خدمت میں پہنچے۔ ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۲۱ء میں سند فراغ حاصل کی۔ حدیث کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں "علم طب" کی بھی تکمیل کی۔ (۲)

زیارت حج اور تبلیغی خدمات :- جون ۱۹۲۲ء میں حج بیت اللہ و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو کر واپس ہندوستان آئے۔ اس وقت ہندوستان میں شدھی کی تحریک زوروں پر تھی۔ دارالعلوم دیوبند نے شردھانند کے فتنہ ارتداد اور شدھی کی تحریک کی روک تھام کے لیے جو پچاس مبلغین راجپوتانہ بھیجے اُن کی قیادت و سرپرستی آپ کو سونپی گئی۔ آپ کی تبلیغ سے راجپوتانہ کے ہزاروں برائے نام مسلمان ارتداد سے بچے اور پختہ مسلمان بنے۔ آپ کی مخلصانہ اور موثر مساعی سے ہزاروں ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ مخالفین کو عام جلسوں میں عبرتناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ پنڈت رام چندر، دلیپ سنگھ اور خود شردھانند میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دارالعلوم واپسی پر جلسہ ہوا جس میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی بھی موجود تھے۔ اور آپ نے تبلیغی حالات و کوائف پر جامع تقریر فرمائی اور پھر کم و بیش ایک سال تک دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں مطالعہ میں معروف رہے۔ (۳)

---

(۱) ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر صفحہ ۴۱۷، ۴۱۸ -
(۲) ایضاً ایضاً صفحہ ۴۱۸ -
(۳) ایضاً ایضاً صفحہ ۴۱۸ -

تدریسی خدمات :۔

آپ کی علمی اور تدریسی زندگی کا مختصر خاکہ بذیل ہے ۔

صدر مدرس مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی ۱۳۲۱ھ ۔ صدر مدرس قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور ۱۳۲۶ھ ۔ صدر مدرس مدرسہ دارشاد جھنڈہ سندھ، وزیر معارف ریاست قلات ۱۹۳۹ء ۔ دوبارہ وزیر معارف ریاست قلات ۱۹۴۷ء ۔ صدر شعبہ تفسیر جامعہ اسلامیہ بہاول پور ۱۹۶۳ء صدر مدرس مدرسہ ارشاد العلوم قصبہ علیخان لاڑکانہ سندھ ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء ۔ صدر مدرس دار الفیوض ہاشمیہ سجاول سندھ ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء مدرس اعلیٰ و شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند ۱۹۳۵ء / ۱۳۵۴ھ ۔ صدر مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۱۹۴۴ء / ۱۳۶۳ھ ۔ شیخ التفسیر والحدیث اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ ۱۹۶۲ء / ۱۳۸۲ھ ۔ (۳)

وزارتِ تعلیم :۔

۱۹۳۹ء میں ریاست ہائے متحدہ بلوچستان و قلات کی پیش کش پر قلم دان وزارت سنبھالا۔ شعبہ قضا میں نمایاں تبدیلیاں ہوئی۔ تنازعات کا فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں کیا جانے لگا ۔ اس منصب پر آپ ۱۹۳۹ء اور بعد از پاکستان ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۵ء تک پورے آٹھ (۴) سال فائز رہے ۔ اس دوران آپ نے قضا اور افتاء کے متعلق فقہ اسلامی سے چیدہ چیدہ اصول منتخب کرکے ایک کتاب " معین القضاۃ والمفتین " عربی زبان میں لکھی ۔ جمعیۃ العلمائے ہند نے اس کارنامے پر مبارک باد کی قرار داد پاس کرکے بھیجی ۔ یہ کتاب افغانستان، ترکی، عراق، لبنان، اور شام والوں نے طلب کی اور بغداد شارع الشیخ میں اس کی ایجنسی قائم ہوئی ۔

وزارت سے استعفیٰ :۔

۱۹۵۵ء میں ون یونٹ بن جانے سے جب کہ مشاہرہ اور منصب بدستور موجود تھا لیکن وزارت کا عہدہ قانوناً ممکن نہ تھا اور شرعی فیصلہ پر ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں اپیل کی گنجائش باقی رہ سکتی تھی ۔ جس کے ارکان شرعی قانون پر پوری واقفیت نہ رکھتے تھے اس لیے آپ نے استعفیٰ دے دیا ۔ (۵)

مؤتمر عالم اسلامی کوالالمپور میں شرکت :۔

مؤتمر عالم اسلامی کوالالمپور ملائیشیاء میں آپ نے بحیثیت پاکستانی وفد کے ایک ممبر کے شرکت کی اور " تعدد ازدواج " کے مسئلہ پر ایسی عالمانہ بحث کی کہ آپ کے علمی دلائل کو عالم اسلامی کے علماء نے تسلیم کیا اور رمضان و عید کے ثبوت کے لیئے رویت پر مدار رکھنا اور حساب پر نہ رکھنے کے بارے

(۴) ایضاً صفحہ ۲۱۸ ۔

(۵) ایضاً ص ۲۱۹ ۔

میں بھی آپ کے دلائل کی روشنی میں فیصلہ ہوا کہ "لا تعدد لشرط عمل" درست ہے۔ صوم و افطار و عیدین کا مدار رویت پر ہے نہ کہ حساب پر۔ مؤتمر عالم اسلامی اسلام آباد میں آپ نے سود، بیمہ، انشورنس کمیٹی کے سامنے جب مضبوط دلائل پیش کیے تو عالم اسلامی کے علماء عش عش کر اٹھے۔ آپ نے دلائل کچھ ایسے انداز میں پیش کیے کہ عالمی علماء نے ان کے حرام ہونے کا فیصلہ آپ کے دلائل کے مطابق دے دیا۔ ان کانفرنسوں میں آپ کی نمائندگی کا عالمی ریکارڈ موجود ہے۔ (۶)

صوفیانہ مسلک :-

سلسلہ قادریہ میں آپ اپنے والد مولانا غلام حیدر مرحوم سے بیعت ہوگئے۔ پھر حضرت مولانا غلام محمد دین پوری سے اس کی تکمیل کی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں مجاز بیعت سرزمین حجاز میں شیخ عثمانی جامع الطریقین النقشبندیہ والقادریہ علاء الدین عراقی بیارہ ضلع سلیمانیہ سے حاصل کی چونکہ یہ صحبت آٹھ ماہ تک رہی اسلئے اجازت بیعت مرشدہ عطا کی۔ سلسلہ چشتیہ صابرہ کی بیعت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے اور اجازت حضرت مفتی محمد حسن سے حاصل ہوئی۔ (۷)

وفات :-

آپ کی وفات مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۸۳ء / ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ بروز منگل، بمقام ترنگ زئی، بحصیل چارسدہ ہوئی، آپ کی وفات پر دارالعلوم دیوبند کے نمائندہ اجلاس نے مورخہ ۲۷، ۲۸ نومبر ۱۹۸۳ء کو بذیل قرارداد تعزیت پاس کی۔

"تجویز تعزیت مولانا شمس الحق افغانی :- یہ نمائندہ اجتماع حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی کے ارتحال پُر ملال پر بھی اپنے دلی رنج و قلق کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت علامہ مرحوم دارالعلوم کے نہایت قابل و فاضل فرزند تھے اور بعد میں کئی سال یہیں رہ کر اپنے اساتذہ کی نگرانی میں تبلیغی و تدریسی خدمات انجام دیں، یہاں سے رخصت ہو کر وہ مختلف مدارس میں بحیثیت صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے تفسیر و حدیث کی تدریس میں بھی مصروف رہے۔ پھر ریاست قلات میں وزیر تعلیم بنا دیئے گئے۔ دو سال تک اس منصب پر فائز رہے۔ اور پوری ریاست میں علوم دینیہ کی نشر و اشاعت اور ان کی تعلیم و تدریس کا بہترین نظم قائم کرایا۔ پھر اس اہم ترین عہدے سے محض جذبہ دینی کی بنیاد پر الگ ہو کر تعلیم و تدریس اور تبلیغ دین میں لگ گئے۔

مولانا مرحوم ایک بہترین مصنف، بلند پایہ محقق اور اعلیٰ درجہ کے مناظر و خطیب تھے۔ ان ظاہری علوم و فضائل کے علاوہ وہ سلوک و تصوف

---

(۶) ایضاً ایضاً ص ۲۲۰م۔

(۷) ایضاً ایضاً ص ۲۲۰، ۲۲۱م۔

اور ارشاد و احسان میں بھی بلند مقام کے مالک تھے۔ اس قحط رجال میں علامہ افغانی مرحوم جیسے جامع صفات عالم کی رحلت سے حلقہ ہائے علمیہ میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے۔ بظاہر اس کے پُر ہونے کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ دُعا ہے کہ اللہ رب العزت مولانا کو اپنے مقرب بندوں میں محسوب فرمائے اور بلند درجات سے نوازے۔ آمین۔" (۸)

تصنیفی خدمات :۔

(۱) معین القضاۃ والمفتین۔ عربی فقہی مسائل پر۔ (۲)۔ شرعی ضابطہ دیوانی۔ اُردو۔ اسلامی فقہ تمام دیوانی قوانین دفعات کی صورت میں مکتبہ مدنیہ ملتان۔ (۳)۔ علوم القرآن۔ اُردو، پشاور یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہے، مہتمم مدرسہ قاسمیہ بہاولپور، دہلی، ترقی اور اسلام: اُردو، بنگالی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ (۵)۔ سوشلزم اور اسلام: اُردو، جامعہ اسلامیہ بہاولپور، (۶) سرمایہ داری اور اشتراکی نظام کا موازنہ اسلام سے: اُردو، جامعہ اسلامیہ بہاولپور، (۷)۔ اسلام دینِ فطرت ہے: اُردو، مجلس تحفظ ختم نبوت احمد نور شرقیہ، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور۔ (۸) اسلام عالمگیر مذہب ہے: اُردو، مجلس تحفظ ختم نبوت احمد نور شرقیہ، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور۔

(۹) عالمی مشکلات اور اس کا قرآنی حل: اُردو، ایضاً۔ (۱۰)۔ مدارس کا معاشرہ پر اثر: اُردو، ایضاً۔ (۱۱)۔ متنازعہ مسائل کا حقیقی حل: اُردو، مولوی حسن جان سدہ۔ (۱۲)۔ عون السرور فی فتوٰی بہاولپور: اُردو، ایضاً۔ (۱۳)۔ آئینہ اُریہ: اُردو، نایاب طبع اوّل ۱۹۲۹ء (۱۴)۔ تصوف اور تعمیر کردار: اُردو، شائع کردہ اوقاف حکومت پاکستان۔ (۱۵)۔ اسلامی جہاد: اُردو۔ (۱۶)۔ [illegible] اسلام: اُردو، بنگالی ترجمہ ہو چکا ہے۔ (۱۷)۔ احکام القرآن: اُردو۔ (۱۸)۔ مفردات القرآن: اُردو۔ (۱۹)۔ مشکلات القرآن: اُردو۔ (۲۰) حقیقت زمان و مکان: اُردو۔ جز ۱۷ تا ۲۰ زیر طبع ہیں۔ (۲۱)۔ تنقیح الشذی علی جامع ترمذی: (۲۲)۔ سائنس اور اسلام: اُردو، جز ۲۱، ۲۲ بھی زیر طبع ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ آپ کے علمی اور تحقیقی مضامین اُردو زبان میں پاکستان کے جرائد و مجلات میں شائع ہوتے رہے۔ زیادہ تر الزار مدینہ اور الحق میں لکھتے رہے۔ (۹)

مجلہ بالا رسائل کے علاوہ مولانا الجمعیت راولپنڈی اور ترجمان اسلام لاہور میں بھی لکھتے رہے۔ جن کی تفصیل اُردو زبان کی خدمات کے عنوان کے تحت دی جائے گی۔ (۱۰)

---

(۸) مکتوب دیوبند از مولانا نصیر احمد بنام مولانا احمد عبدالرحمٰن صدیقی ایم۔ اے مدیر نظارۃ المعارف مسجد سیدنا عثمان، نوشہرہ صدر ضلع پشاور۔

(۹) ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر۔ ص ۱۹۰ء، ۲۰ء۔

(۱۰) راقم کی ذاتی تحقیق جس کا حوالہ آگے آ رہا ہے۔

علامہ شمس الحق افغانی کی خدمات زبان اُردو

علامہ شمس الحق افغانی کی باقاعدہ تصانیف کی تعداد بائیس۲۲ تک پہنچتی ہے۔ جن میں زائد از پندرہ اُردو زبان میں تحریر کی گئی ہیں۔ علامہ نے علوم القرآن اور دیگر دینی امور پر جو کام کیا ہے۔ اُس کی افادیت پہلودار ہے۔ اُنہوں نے اسلام اور اس کے مسائل کی حقانیت کو عقلی اور منطقی دلائل سے ایسے انداز میں پیش کیا ہے جو اس سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا۔ اُردو زبان میں یہ مذہبی سرمایہ مولانا کی فہم و فراست قرآن فہمی، قدیم ادیان، تاریخ، جغرافیہ، علم طب اور سائنس کی دُنیا سے واقفیت کا حیرت انگیز ذخیرہ ہے۔

علامہ کی اُردو زبان کی تصانیف پر مختصر تبصرہ درج ذیل ہے۔

۱۔ علوم القرآن از حضرت مولانا سید شمس الحق افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور، ناشر مکتبۃ الحسن اُردو بازار لاہور سن نامعلوم

مولانا شمس الحق افغانی کم وبیش چالیس سال تک قرآن حکیم کی خدمت میں مصروف رہے اور قرآنی علوم سے متعلق تفاسیر اور دیگر قدیم وجدید تصانیف جن سے قرآن فہمی میں مدد لی جاسکتی تھی، کا بقدر استطاعت مطالعہ کیا اور بقول خود اُن کے جو معارف قلب پر منجانب اللہ وارد ہوئے، اُن سب کو وقتاً فوقتاً درس قرآن کی شکل میں پیش کرتے رہے، جس سے قدیم وجدید دونوں طبقوں کو اُمید سے زائد نفع ہوا۔ احباب کا تقاضا تھا کہ تفسیر لکھیں۔ لیکن اُنہوں نے بجائے تفسیر لکھنے کے مناسب سمجھا کہ قرآنی علوم کے مختلف شعبوں پر مختلف کتابیں لکھ دیں تاکہ ناظرین مختصر وقت میں کم استطاعت کے باوجود مستفید ہو سکیں۔ اس تالیف میں بذیل امور کا خیال رکھا گیا ہے۔

(۱) مطالب قرآن کے تعین میں جادۂ سلف سے انحراف نہ ہو، جو کچھ معارف وحقائق بیان ہوں وہ اپنے اندر مسلک سلف کی تائیدی شان رکھتے ہوں نہ تحریفی۔ (۲)۔ دوسری بات یہ کہ دور حاضر چونکہ دور عقلیت وتفلسف ہے لہٰذا مقاصد شرعیہ نقلیہ کو عقل اور فلسفہ کے رنگ میں بیان کیا جائے تاکہ مغرب زدہ طبقہ کے لیے سامان ہدایت ہو۔ (۳)۔ تیسری بات یہ ہے کہ تعبیرات مقاصد میں اصطلاحی تعبیرات سے کم کام لیا گیا ہے اور زیادہ تر وہی تعبیرات اختیار کی گئی جو مذاق جدید کے مطابق تھیں۔ مولانا نے اپنی مصروفیت کے پیش نظر غیر ضروری بسط وتفصیل سے اجتناب کیا اور مطلب خیز اختصار پر اکتفا کیا جس کی وجہ سے کتاب کی ضخامت مناسب رہی۔ کتاب کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

۱۔ ضرورت قرآن:۔ جس کے ذیل میں نوع انسانی کے لیے وحی الٰہی اور قرآن کی ضرورت پر عقلی وفلسفی دلائل دیئے گئے۔

۲۔ صداقۃ القرآن:۔ اس عنوان کے تحت قرآن کے منجانب اللہ ہونے اور معجز ہونے کے عقلی دلائل اور مستشرقین یورپ کی تردید ہے۔

۳۔ تنزیل القرآن وتدوینہ:۔ اس عنوان سے نزول قرآن وجمع قرآن کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

۴۔ محفوظیۃ القرآن:۔ قرآن کی محفوظیت کے دلائل اور مستشرقین کے شبہات کی تردید کی گئی ہے۔

۵۔ جمال القرآن:۔ قرآن کے اہم مقامات کا حل اور ان کے حکم واسرار اور ازالۂ شبہات کیا گیا ہے۔

مولف نے پیش لفظ میں اپنے منصوبے میں علوم القرآن پر کل سات عنوان بشمول بالا پانچ عنوانات قائم کیے ہیں۔ لیکن کتاب انہی پانچ عنوانات پر مشتمل ہے جبکہ دیگر دو عنوانات: (۲) احکام القرآن اور (۷) تعبیرات القرآن ہیں۔ مولانا نے ان دو عنوانات پر کوئی تالیف کی ہے یا نہیں، اس کا علم نہیں ہو سکا۔ البتہ مولانا کی تین کتب جو علوم القرآن پر ہیں یعنی (۱) احکام القرآن" (۲) مفردات القرآن" (۳) مشکلات القرآن اور حقیقت زمان و مکان زیر طبع بتائی گئی ہیں۔ راقم کو دستیاب نہ ہو سکیں۔

علوم القرآن ہی کے موضوع پر مولانا محمد حنیف ندوی کی تالیف "مطالعہ قرآن" کے نام سے ہے۔ اس کتاب کے پیش لفظ میں جسٹس ایس۔ اے رحمٰن رقمطراز ہیں:-

> "مطالعہ قرآن" مولانا محمد حنیف ندوی کے سالہا سال کے تدبر و تفقہ فی القرآن اور ان کے مدت العمر کے شغف علوم دین کا نتیجہ ہے۔ علوم قرآن کی تمام اصناف کا ایک کتاب میں احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ مولانا نے بھی مطالعہ قرآن کے چند علمی اور عملی پہلو کے لیے منتخب کیے ہیں۔ تاہم ان کے ذیل میں علم و حکمت کے بہت سے مسائل آ گئے ہیں۔ کتاب کے علمی مقام کا کچھ اندازہ ابواب کتاب کے عنوانات پر ایک نظر سے ہو سکتا ہے۔ "قرآن کا تصور وحی و تنزیل، قرآن مجید اور کتب سابقہ، اسفار خمسہ، عہد نامہ جدید اور اناجیل اربعہ، اسماء و صفات، قرآنی سورتوں کی قسمیں اور ترتیب قرآنی سورتوں کی زمانی تقسیم، جمع و کتابت قرآن کے تین مراحل، قرآن حکیم کی لسانی خصوصیات اعجاز قرآن اور اس کی حقیقت، معنویات قرآن، مشکلات قرآن اور قرآن حکیم کے رسم الخط کے بارے میں تلفظِ اختلاف" ان عنوانات میں شامل ہیں۔" (۱)

دونوں کتب کے عنوانات و ابواب سے تقابلی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا شمس الحق افغانی کی تالیف موجودہ عقلی، سائنسی اور فلسفی دور کی ضروریات کی کس قدر متناسب اور جامع ہے۔ مشکلات القرآن کے باب میں ہستی باری تعالیٰ مجدہ کے بارہ میں لکھتے ہیں سائنس دانوں کی اکثریت خدا کی ہستی کی قائل ہے۔

۱۔ ریزک نیوٹن کہتا ہے کائنات کے اجزاء میں باوجود ہزاروں انقلابات زمان و مکان کے جو ترتیب و تناسب ہے وہ ممکن نہیں کہ بغیر کسی ایک ذات کے پایا جا سکے، جو سب سے اول ہے اور صاحب علم و اختیار ہے۔

---

(۱) محمد حنیف، مولانا، ندوی: مطالعہ قرآن: لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، طبع اول ۱۹۷۸ء، "پیش لفظ"

۲۔ اس زمانہ کا سب سے بڑا حکیم و سائنس دان ہربرٹ سپنسر کہتا ہے ، ان تمام اسرار سے جن کی کیفیت ہے کہ جس قدر ہم زیادہ غور کرتے ہیں اُسی قدر وہ اور غامض ہوتے جاتے ہیں ۔ اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اُوپر ایک ازلی و ابدی قوت موجود ہے جس سے تمام اشیاء صادر ہوتی ہیں ۔

۳۔ کیمل فلاماریاں فرانس کا فاضل کہتا ہے ۔ تمام اساتذہ اس بات کو سمجھنے سے عاجز ہیں کہ وجود کیونکر ہوا اور یہ کیونکہ برابر چلا آتا ہے ۔ اس بنا پر ان کو مجبوراً ایسے خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے جس کا موثر ہونا ہمیشہ اور ہر وقت قائم ہے ۔ (۱۲)

۲۔ سرمایہ دارانہ اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ :۔ مولفہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شمس الحق افغانی ۔
ناشر مکتبۃ الحسن ۹۲/۹ لال چوک عبدالکریم روڈ قلعہ گوجر سنگھ لاہور ۔ مطبع نامی پریس لاہور ۔ صفحات ۲۰۴ ، طبع سوم ، سن ندارد ۔
یہ کتاب اُردو زبان میں ہے ۔ صفحہ ۱ و ۲ ٹائٹل ۔ صفحہ ۳ تا ۸ فہرست مضامین ۔ صفحہ ۹ تا ۱۶ تعارف از قلم علی اصغر عباسی خطیب جامع مسجد نیلا گنبد لاہور ۔ حصہ اوّل صفحہ نمبر ۱۷ تا ۴۱ سرمایہ دارانہ نظام کی ہمہ پہلو خامیوں ، بربادیوں اور نقائص پر مفصل بحث کی گئی ہے ۔ حصہ دوم صفحہ ۴۲ تا ۸۹ کمیونزم کے تاریخی پس منظر سے ، کر روسی سلطنت ، منتہی انقلاب ، کمیونزم کی تباہیاں ، سوشلزم ، اشتراکیت میلان الی اللہ کے خلاف جنگ ، غرضیکہ حضرت علامہ نے وسیع مطالعہ کے بعد اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور موضوع کا حق ادا کر دیا ۔ حصہ سوم صفحہ ۹۰ تا ۱۳۲ اسلامی اعتدال نظام پر بحث کی گئی ہے ۔ حصہ چہارم صفحہ ۱۴۳ تا ۲۰۴ چندہ مضامین کے عنوان کے تحت ۵۶ عنوانات کے تحت ، سوشلزم اور اشتراکیت کے دُنیا بھر میں اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے ۔

۳۔ سائنس اور اسلام ، از علامہ سید شمس الحق افغانی : ناشر ، مکتبۃ الحسن ۹۲/۹ چوک عبدالکریم روڈ قلعہ گوجر لاہور ، سن یکم ستمبر ۱۹۸۵ء
سائنس درحقیقت اسلامی فلاسفہ کی جدوجہد موشگافیوں کا نتیجہ ہے ۔ سائنس کے مختلف شعبوں تک اگر مسلمان بار آور نہ ہوتے تو مغربی سائنس کا وجود نہ ہوتا ۔ مولانا افغانی نے سائنس پر جو کچھ لکھا اور مختلف رسائل میں چھپا اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے ۔ سائنس کے اصول و فروع ، جو کچھ ہے وہ اسلامی اور عرب سائنس دانوں کی کاوش کا نتیجہ ہے ۔ جمادات ، نباتات ، معدنیات ، فلکیات کائنات الجو اور ان سب کے خواص اور ایجادات سائنس دانانِ عرب کی کوششوں کا نتیجہ ہے ۔ عرب سائنس دان اُستاد ہیں اور مغرب کے سائنس دان شاگرد ہیں ۔ اگر عرب سائنس دان نہ ہوتے تو سائنس کی نئی دُنیا وجود میں نہ آتی ۔ ان ہی موضوعات پر مشتمل مضامین مُشتے از خروارے کے طور پر جو خود فلاسفہ و سائنس دانانِ یورپ سے منقول ہیں ، مولانا پروفیسر احمد عبدالرحمٰن صدیقی نے بہترین ترتیب

(۱۲) شمس الحق ، مولانا ، افغانی : علوم القرآن ، لاہور ، مکتبۃ الحسن ، اُردو بازار ، سن ندارد ۔ ص ۱۲۵ ۔

وضاحت کے ساتھ کتابی صورت میں "اسلام اور سائنس" کے نام سے مرتب کیے ہیں۔

مولانا احمد عبدالرحمن صدیقی رقمطراز ہیں :۔

"زیر نظر کتاب سائنس اور اسلام دورِ حاضر کے قلوب واذہان کے لیے روحانی آب حیات اور عرفانی تریاق ہے جسے حضرت العلامہ سیدی وسید العلماء شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی جیسی جامع الکمالات ہستی نے اپنی خداداد فہم وبصیرت سے تالیف فرمایا، جن کی علم وتحقیق کے سب علماء حق معترف ہیں جو نہ صرف اکابرین سلف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نمونہ امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے علوم کی امین اور قران وحدیث کے عظیم داعی ومسند ہیں بلکہ روحانیت ومعرفت کے مقام کمال پر بھی فائز ہیں۔" (۱۳)

موجودہ کتاب منتشر مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ جواہرات وانمول خزانہ مختلف جرائد ورسائل میں مختلف اوقات میں شائع ہوتا رہا جسے مرتب نے بڑی تگ ودو سے یکجا کر کے ایک مربوط تصنیف کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ مختلف آیات وعربی عبارات کا ترجمہ کر کے نئے عنوانات قائم کیے اور مضامین کی اہمیت کے لحاظ سے آٹھ ابواب قائم کیے۔ جسے حضرت علامہ افغانی نے پسند فرمایا۔ ابواب کی تفصیل بذیل ہے۔

پہلا باب :۔ صفحہ ۱ تا ۳۹ جس میں سائنس اور فلسفہ، دور جدید میں سائنس کے ذرائع علم۔ مذہب اور سائنس کی دشمنی، یورپ اسلام دشمنی، سائنس اقسام سائنس پر بحث کی گئی ہے۔

دوسرا باب :۔ ص ۴۰ تا ۶۸۔ خدا تعالیٰ کے وجود پر سائنسی تیرہ قسم کے دلائل، حکما اور خدا، توحید وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔

تیسرا باب : ص ۶۹ تا ۱۵۱، اس باب میں ضرورت الوحی کے دلائل۔ گیارہ قسم کے شبہات اور ان کا رد، اعجاز قران، اجتماعی زندگی کے پانچ اصول

چوتھا باب :۔ ص ۱۵۲ تا ۲۰۲، اس باب میں نبوت، خصوصیات نبوت، معجزات، دلائل نبوت، سیرۃ النبی اور مستشرقین، تعداد ازدواج، جہاد اور معراج پر بحث ہے۔ پانچواں باب :۔ ص ۲۴۳ اسلامی عالمگیری اور اس کے چیلنج۔ چھٹا باب :۔ قیامت، معاد جسمانی کے دلائل۔ تفصیلات قیامت، نفخ، حشر، اعمال، پل صراط، جنت دوزخ، آدم کا جنت سے اترنا اور اس کی حکمت وغیرہ۔ ساتواں باب :۔ دور حاضر کے افکار، مادہ لامارک کا نظریہ ارتقاء اور چھ دلائل۔ ڈارون کا نظریہ ارتقاء اور اس کی تردید وغیرہ۔ آٹھواں باب :۔ لوہے اور قوت کی اہمیت اسلام میں۔ پگھلانا۔ آلات حرب، ارکان اسلام اور ان کی اہمیت وفلسفہ اور حکمتیں۔ اسماء الحسنیٰ، مکتوبات۔

یہ کتاب اردو زبان میں دین اور سائنس سے متعلقہ معلومات کا ایک اعلیٰ مرقع ہے۔ ختم شد۔

(۱۳) سائنس اور اسلام از علامہ شمس الحق افغانی، مرتبہ پروفیسر مولانا، احمد عبدالرحمٰن، صدیقی : مدیر نظارۃ المعارف مسجد سیدنا عثمان نوشہرہ صدر، لاہور، مکتبہ الحسن، ۶۹/۲ چوک میو اسپتال روڈ قلعہ گوجر سنگھ لاہور یکم ستمبر ۱۹۸۵ء، ص ۱۲۔

مولانا قاضی شمس الدین

(جامعہ صدیقیہ مجاہد پورہ گوجرانوالہ)

حالات زندگی :۔ والد کا نام میاں شیر محمد، قوم اعوان، سکونت پڑی، ڈاک خانہ ناڑہ تحصیل پنڈی گھیب، موجودہ جنڈ، ضلع کیمبل پور (اٹک)۔

پیدائش :۔ ۱۹۰۱ء میں پڑی میں پیدا ہوئے۔ جوان ہونے تک اپنے والد کے ہمراہ رہے۔ پھر اپنے بڑے بھائی قاضی نور محمد کے ساتھ انہی ضلع گجرات بھیج دیا۔ ابتدائی کتب فارسی اور صرف اپنے بڑے بھائی قاضی نور محمد سے پڑھیں۔ اُس کے بعد مولانا غلام رسول کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ابتدائی ساری کتب اُن سے پڑھیں۔ ان میں فقہ، صرف و نحو، منطق وغیرہ شامل ہیں۔

دیوبند میں داخلہ :۔ مولانا غلام رسول سے تکمیل علوم کے بعد آپ دیوبند چلے گئے۔ وہاں پر ادب کی کتب مولانا اعزاز علی اور دورۂ حدیث علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی سے مکمل کیا۔

دیوبند سے فراغت کے بعد آپ واں بھچراں ضلع میانوالی میں مولانا حسین علی کے پاس چلے گئے اور اُن سے قرآن مجید کی تفسیر، مسلم شریف اور مثنوی مولانا روم پڑھی۔

بیعت :۔ آپ نے بیعت بھی سلسلہ نقشبندیہ میں مولانا حسین علی کے ہاتھ پر کی اور اکتساب فیض کیا۔

۱۹۲۶ء میں پنڈی گھیب والے والی مسجد میں خطیب اور مدرس مقرر ہوئے۔ اٹھارہ سال تک وہاں تدریس، خطابت اور تبلیغ کے فرائض انجام دیئے۔

۱۹۳۲ء میں کچھ عرصہ کے لیے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۴۰ء میں مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد فیصل آباد میں بحیثیت مدرس کام کیا۔ ۱۹۴۶ء میں جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں مدرس مقرر ہوئے۔

۱۹۶۰ء میں مجاہد پورہ گوجرانوالہ میں جامعہ صدیقیہ کے نام سے اپنا مدرسہ قائم کیا جو اب تک جاری ہے۔ آپ جامعہ صدیقیہ میں دورۂ حدیث کی کتب پڑھاتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شرکت :۔ آپ نے دارالعلوم کے صد سالہ اجلاس میں شرکت کی۔ اس اجلاس میں سٹیج پر صرف دو علماء کی دستار بندی ہوئی۔ یہ شرف صرف مولانا شمس الحق افغانی اور قاضی شمس الدین کو حاصل ہوا۔ باقی علما کو دستار ہائے فضیلت پیش کی گئیں۔

وفات :۔ ۱۰ رمضان ۱۴۰۵ھ / ۳۱ مئی ۱۹۸۵ء بروز جمعہ، بوقت افطار داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

تلامذہ :۔ آپ کے تلامذہ پورے برصغیر پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن کے ایک شاگرد اس وقت دارالعلوم دیوبند میں علم حدیث کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

خدمات :- اُن کے لوگوں کے ساتھ زیادہ تر فقہی مسائل پر مناظرے ہوتے رہے۔ ان لوگوں میں اپنے علاقے کے علماء ہی ہوتے۔ ایک مناظرہ ضلع چکوال میں مولوی محمد عمر اچھروی سے امکان کذب کے مسئلہ پر ہوا۔

آپ تحریک احرار کے سرگرم ممبر رہے۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں گرفتار ہوئے اور جیل میں رہے۔ اپنے علاقہ میں شرک و بدعت اور رفض کے خلاف برسرپیکار رہے۔ کئی دفعہ تازیہ کے جلوسوں میں بڑی جرات اور حق گوئی سے کام لیا۔

آپ مطالعہ کے بغیر علوم و فنون پڑھانے کی مہارت تامہ رکھتے تھے۔

تصانیف :- آپ کی بذیل تصانیف ہیں۔

۱۔ تیسیر القرآن فی تعبیر الرحمٰن :- تفسیر قرآن پاک کا یہ مسودہ بزبان اردو چار جلدوں میں مرتب کیا۔ پہلی جلد چھپی، بقیہ تین جلد مسودہ چوری ہو گیا۔

۲۔ انوار البیان :- قرآن پاک کی عربی تفسیر طبع شدہ۔

۳۔ الہام الباری :- صحیح بخاری کے مشکل مقامات کا حل۔ عربی زبان میں، طبع شدہ۔

۴۔ کشف ابوداؤد :- شرح ابوداؤد، عربی زبان میں، طبع شدہ۔

۵۔ الہام المُنعِم :- صحیح مسلم کی شرح عربی زبان میں طبع شدہ۔

۶۔ مشکوٰۃ شریف کی شرح :- عربی زبان میں۔

۷۔ عبدالرسول کی شرح :- فارسی میں طبع شدہ

۸۔ اَلقَوْلُ الجَلِیُّ فی حیاۃ النبی :- اُردو، طبع شدہ۔

۹۔ مسالک العلماء فی حیاۃ الانبیاء :- اُردو، طبع شدہ۔

۱۰۔ امور عامہ (علم الغیب) عربی زبان میں غیر مطبوعہ۔

۱۱۔ بالالہام الباری فی حل المشکلات البخاری :- عربی۔

۱۲۔ مدعیان نفاذ مکمل نظام مصطفےٰ کا کردار۔ یہ رسالہ فارسی نظم، بر مقابل صفحہ پر اُردو ترجمہ۔ (۱)

مولانا قاضی شمس الدین کی خدمات زبان اُردو

(۱) تیسیر القرآن فی تعبیر الرحمٰن :- یہ مولانا کی قرآن پاک کی اُردو زبان میں تفسیر ہے۔ جس کا پہلا حصہ، جلد اوّل سات پاروں پر مشتمل ہے۔ بقول اُن کے

---

(۱)۔ انٹرویو بر ملاقات از مولانا عصمت اللہ ابن قاضی نور محمدؒ۔ راقم مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۸۷ء کو قلعہ دیدار سنگھ پہنچا۔ ۲۷ جولائی ۱۹۸۷ء کو وہاں جامع مسجد میں قیام کیا اور ۲۸ جولائی ۱۹۸۷ء کو واپس ہوا۔

صاحبزادے ثناء اللہ صاحب سنہ ۱۹۶۰ء کے قرب و جوار میں چھپی۔ وہ دستیاب نہ ہو سکی۔ بقیہ مسودہ چوری ہو گیا۔ (۲)

۲۔ مسالک العلما فی حیاۃ الانبیاء :۔ مصنف، قاضی شمس الدین بن شیر محمد۔ ناشر:۔ قاضی شمس الدین مہتمم مدرسہ جامعہ صدیقیہ محلہ مجاہد پورہ گوجرانوالہ۔ حسن طباعت، مجلد، ضخامت ۲۵۰ صفحات۔ سائز ۸" × ۵" ۔ ص ۳ تا ۷ فہرست مضامین۔ ص ۹ تا ۲۱ مستحبانہ گفتگو۔ مختلف عنوانات کے تحت۔ ص ۲۳ تا ۵۰ اسلام کے قواعد مسلمہ مان میں توڑ پھوڑ اور جمہور مسالک سلف صالحین۔ مسلک صدیق اکبرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، محمد بن سیرینؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو سلمہؓ، ابن المنکدرؒ، حضرت علیؓ، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت امام فخر الاسلام بزدویؒ، امام ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ و محمدؒ، امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مسالک بسلسلہ حیوٰۃ النبیؐ بیان کئے گئے ہیں۔ ص ۴۱ تا ۴۹ پر تبصرہ، ص ۵۱ دیوبندیت کا مفہوم و مسلک اکابر دیوبند، ص ۵۳ تا ۸۴ مسئلہ حیات انبیاء کے چھ ادوار اور آئمہ اربعہ کا سکوت، ص ۸۵ تا ۱۸۰ مسالک حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، مقام حیات کی علمی خیانت اور تحریف، امام نسفی، حافظ ابن حزمؒ، حافظ ابن قیمؒ، سید محمود آلوسیؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، مولانا رومؒ، شاہ اسحٰقؒ، محقق کی ان ابحاث کا حاصل، صاحب ہدایہؒ، شیخ اکبرؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، ایک سوال اور اس کا جواب، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ جات درج ہیں۔ ص ۱۸۲ تا اختتام معاصرین حضرات سے چار چیزوں کا استفسار، چند باتیں، صحیح بخاری کی ان روایات کا بھی جواب جائے حضرت علامہ محمد انور شاہؒ کے نزدیک حیات فی القبر کے کئی مراتب ہیں۔ شاہ صاحب اور حدیث بیہقی کے معنی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مسلک اور مولانا مفتی کفایت اللہ کا مسلک، دوسرا طبقہ، صاحب مقام حیات سے اختلاف اور دوستوں اور بزرگوں سے چند گزارشات۔

۳۔ اَلْقَوْلُ الْجَلِیُّ فِیْ حَیَاتِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم :۔ اردو تصنیف، مصنف :۔ قاضی شمس الدین، طبع دوم، سنہ ۱۹۸۳ء، کل صفحات ۱۱۶، مضمون :۔ مصنف اس کتاب کے صفحہ ۳ پر رقمطراز ہیں :۔

"ہمارے شیخ المشائخ اور استاد الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نور اللہ مرقدہ قطب وقت نے ایک خاص ضرورت کے پیش نظر (دفع اعتراض شیعہ از ذات گرامی حضرت صدیق اکبرؓ در منع میراث النبیؐ از تقسیم بین الورثا) اپنی کتاب "آب حیات" لکھی اور برق طبع تو آپ کی ضرب المثل ہے ہی اور آپ کی دیانت و تقوی اور خشیۃ اللہ کی تعریف کرنا بھی سورج کو چراغ دکھانا ہے (آفتاب آمد دلیل آفتاب) مگر آنحضرت نے اس کتاب میں طریق بحث یہ اختیار فرمایا کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیوٰۃ دنیوی الآن کما کان زندہ ہیں اور ایک لمحہ کے لیے بھی موت متعارف بمعنی انفکاک الروح عن الجسد آپ پر طاری

(۲)۔ انٹرویو از ثناء اللہ ابن قاضی شمس الدین محلہ مجاہد پورہ (جامعہ صدیقیہ) گوجرانوالہ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۸۷ء۔

اور میراث تقسیم ہوتی ہے بعد الموت، لہذا یہاں تقسیم میراث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

پھر مصنف اس کتاب کے موضوع کو یوں چھیڑتے ہیں :۔

"یہ ارشاد آنحضرت کامان کے خدام (ہم جیسے لوگوں) کی سمجھ میں نہ آیا۔ لہذا اپنے لیے راہ نجات یہ منتخب کی کہ اسے آنحضرت کے تفرد پر چھوڑ دیا جائے اور اپنے لیے وہی طریقہ جمہور سلف صالحین اور آئمہ دین اور جمہور علمائے اُمت اختیار کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی موت متعارف بمعنی انفکاک الروح عن الجسد طاری ہوئی ہے۔"

سارا کتاب میں اسی اپنے موخرالذکر بیان کی تائید میں بحث کی ہے۔

ابتدائی حصے میں بحث و مناظرہ کے عام اصول زیر بحث لائے گئے ہیں اور ازاں بعد موضوع کے آخری حصہ یعنی اپنے بیان کی تائید میں بزرگان اور سلف صالحین کے حوالے عربی زبان میں دیئے گئے ہیں اور ان کی تعبیر و تشریح اُردو زبان میں کی گئی ہے۔

۴۔ مدعیان نفاذِ مکمل نظام مصطفیٰ کا کردار :۔ یہ فارسی نظم طبع شدہ ہے۔ جس کے دائیں طرف والے صفحہ پر فارسی کا شعر اور بائیں طرف والے صفحہ پر اُردو ترجمہ درج کر دیا گیا ہے۔ نظم بڑی دلچسپ ہے اور اس میں قرون اولیٰ کا نظام سیاست اور پھر پاکستان کا نظام سیاست اور صدر ایوب کے بعض تعمیری کارناموں کی تعریف ہے۔

———— ××× ————

مولانا غلام غوث ہزاروی

xxxx

حالات زندگی :۔ مولانا مرحوم جون ۱۸۹۶ء کو بفہ تحصیل مانسہرہ، ضلع ہزارہ میں حکیم سید گل صاحب کے گھر میں پیدا ہوئے۔ یہ سن ولادت ماہنامہ الحق فروری ۱۹۸۱ء اور ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ۳۲۳ پر درج ہے۔ جب کہ مولانا عزیز الرحمن نے فیض غوث ص ۲۰ پر ۱۸۹۵ء لکھی ہے۔

آپ نے ابتدائی دینی تعلیم گھر پر حاصل کی اور ساتھ ہی مقامی سکول میں داخل کر دیئے گئے۔ مڈل کے امتحان میں پورے سکول میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ انسپکٹر مدارس نے آپ کے والد سے کہا ذہین بچہ ہے۔ اس کو اسکول کی اعلیٰ تعلیم دلائی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ :۔

۱۹۱۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور اس سرچشمۂ علم سے فیضیاب ہوتے رہے۔ ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ مولانا رسول خان ہزاروی، مولانا اعزاز علی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور علامہ ابراہیم بلیاوی جیسے اساطین علم و فضل سے سند حدیث حاصل کی۔ آپ نہایت ذکی اور قوی الاستعداد تھے۔ پورے دورۂ حدیث میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ جبکہ پہلی پوزیشن مولانا محمد اسحق کانپوری نے حاصل کی۔ قاری محمد طیب جیسے ماہرین درس نے ان کے دور طالب علمی کی صلاحیت اور قابلیت کا اعتراف کیا۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ اپنے مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں معاون اُستاد کے طور پر مامور رہے۔ بقول مولانا عزیز الرحمن :۔

> "دوران تعلیم ہی آپ نے جمعیۃ الطلبہ کی بُنیاد رکھی، جس کے صدر آپ کے اُستاد گرامی مولانا شبیر احمد عثمانی اور ناظم اعلیٰ آپ خود تھے۔"

اساتذہ کی خواہش پر جمعیۃ العلمائے ہند کی تنظیم کے سلسلہ میں ہندوستان کا دورہ کیا۔ دو سال تک ایک ہندو ریاست "اسمتان گردال" میں تبلیغ اسلام میں مصروف رہے۔ مسلمانوں میں غیر اسلامی رسم و رواج کے خلاف نبرد آزما رہے۔ (۱)

قاری محمد طیب دیوبند کے ممتاز فضلا میں سے ہیں۔ متعدد کتب میں احقر کے ہم سبق رہے۔ علمی استعداد شروع سے مضبوط تھی۔ صاف گو خطیب ہیں۔ آپ کی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو جمعیۃ العلمائے پاکستان کا ناظم منتخب کیا گیا۔ موصوف کی علمی شہرت کی بنا پر مصر نے آپ کو بطور نمائندہ جمعیۃ العلمائے پاکستان دعوت دی اور آپ نے وہاں کی عالمی موتمر میں علمائے عالم کو خطاب فرمایا۔ آپ کا شمار وہاں کے مشاہیر میں ہے۔ (۲)

حضرت شیخ الہند سے وابستگی اور قریبی تعلق کی وجہ سے مغربی سامراج بالخصوص برطانیہ سے نفرت و عداوت گویا گھٹی میں پڑ گئی تھی۔ تحریک آزادی اور

---

(۱) ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک فروری ۱۹۸۸ء ص ۳۰۲ - فیض غوث از مولانا عزیز الرحمن ص ۱۹، ۲۰ - ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ۳۲۳ - تاریخ دارالعلوم دیوبند از قاری محمد طیب ص ۷۷

(۲) تاریخ دارالعلوم دیوبند از قاری محمد طیب ص ۷۷۔

جہادِ حریت کا دور دورہ تھا۔ آپ نے بھی پورے جوش و خروش سے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا جس کی پاداش میں ۱۹۳۲ء کا پورا سال بنوں اور ایبٹ آباد کی جیلوں میں کاٹنا پڑا۔ برطانیہ کے خود کاشتہ پودے "قادیانیت" پر بھی انہی ایام میں کاری ضرب لگانا شروع کی اور پیہم مقابلے کرتے رہے۔ ۱۹۳۲ء میں پشاور کی مشہور شرلیت کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ انتظام و انصرام میں بھی حصہ لیا۔ مجلس احرار کی تشکیل ہوئی تو اس کے ہراول دستہ اور رکن تاسیسی ثابت ہوئے۔

تحریک خاکسار کا غلغلہ بلند ہوا جو اپنی فکری اور عملی جدت آفرینیوں اور اس کے قائد کی فکری زلیغ اور کجروی اور سب سے بڑھ کر علمائے سلف سے بیزاری، دینی و اسلامی جماعتوں اور محترم اشخاص کی تحقیر و تضحیک کی وجہ سے ملت کے لیے ایک فتنہ ثابت ہو رہا تھا۔ مولانا ہزاروی مرحوم دیگر محاذوں کے ساتھ ساتھ اس محاذ پر بھی ڈٹ گئے۔ اکوڑہ خٹک سے غالباً سب سے پہلا واسطہ مولانا کا اسی سلسلہ میں پڑا۔ "فتنہ مشرقی" کی جڑیں یہاں بھی پھیلنے لگیں اور سرحد کے پڑھے لکھے اور دین سے باخبر ایک دو علماء اس کی لپیٹ میں آگئے۔ فیصلہ مناظرہ پر چھوڑ دیا گیا۔ خاکساروں کی طرف سے دو علماء مروت نامزد ہوئے اور دوسری طرف سے مولانا غلام غوث ہزاروی۔ جا مناظرہ ہوا۔ ثالث نے فیصلہ مولانا کے حق میں دے دیا۔ (۳)

احرار تحریک آزادی کے سلسلہ میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کی تو نتیجہ مولانا کو ۱۹۴۲ء کا سال ڈیرہ اسماعیل خان جیل میں گزارنا پڑا۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلی تو اس میں نمایاں کردار ادا کیا۔ علمائے حق کا شیرازہ مجتمع کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی تو ۱۹۵۶ء میں مولانا احمد علی لاہوری کی سرپرستی و قیادت میں جمعیۃ العلمائے اسلام کو وسیع پیمانے پر از سر نو منظم کیا۔ پہلے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اور مولانا لاہوری پہلے امیر۔ اس تنظیم و ترتیب میں طرح طرح کے مصائب جھیلنا پڑے۔ اس اثنا روکھی سوکھی پر گزارہ کرتے رہے۔ جو قوت لایموت ملی بھی اسے اس دور میں جمعیۃ کے آرگن "ترجمان اسلام" کے زندہ رکھنے میں خرچ کرتے رہے۔ "پرچم سفر بر شام سفر" کے مصداق زندگی تھی۔ بغل میں ایک چھوٹا سا لبتہ، ایک جوڑ کپڑے، حوالے کے لیے دو چار کتابیں، روکھی سوکھی خشک روٹی، تھرڈ کلاس میں سفر۔ نہ صلے کے طالب نہ ستائش کی تمنا اور نہ میزبان کی میزبانیوں سے لطف اندوز ہونے کی فرصت، اگر کسی جگہ داخلہ پر پابندی ہے تو جل دے کر جا دھمکے اور محاذ پر شبخون مار لیا۔

۱۹۵۸ء میں جمعیت پر پابندی لگی تو نظام العلماء کے نام سے جمعیۃ اور اخبار کا کام نہایت کٹھن حالات میں جاری رکھا۔ ۱۹۶۲ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے لیے ہزارہ کے حلقہ سے انتخابات جیت کر ممبر بنے۔ اس دور میں علماء کو تیسرے درجے کا شہری بنا دیا گیا تھا جن کا کام صرف نماز پڑھانا، تجہیز و تکفین اور تدفین کرانا تھا۔

(۳) ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک فروری ۱۹۸۱ء ص ۳۔

مولانا منتخب ہوکر خوانین اور زمینداروں کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔ اسمبلی میں پہنچ کر ملک کا سرکردہ طبقہ اب براہ راست آپ کی زد میں آنے لگا۔ عائلی قوانین کے نفاذ کے خلاف اسمبلی میں قرارداد پیش ہوئی تو مولانا نے ایسی عالمانہ پُر مغز اور برجستہ تقریر کی کہ ایوان کی اکثریت نے اس قرارداد کی تائید کی اور وہ پاس ہوگئی۔ اسمبلی میں موجود تجدد پسند خواتین اُن کے چُبھتے ہوئے ظریفانہ نشتروں سے سٹ پٹا کر رہ جاتیں۔ نشتر زنی اور حاضر جوابی سے مقابل کے وار کو اُسی کی طرف پلٹا دینا مولانا کی پوری اجتماعی اور پارلیمانی زندگی کا ایک دلچسپ باب ہے۔ (۴)

رفتہ رفتہ مولانا کی شہرت ملک سے باہر پہنچی۔ ۱۹۶۴ء و ۱۹۶۵ء میں اُنہوں نے دو دفعہ مصر کے مجمع البحوث الاسلامیہ میں شرکت کی اور عالمی ارباب دانش سے خطاب کیا۔ پہلی بار ۱۹۶۴ء میں قاہرہ سے واپسی پر مدینہ منورہ گئے۔ مولانا بنوری، مولانا مفتی محمود بھی ہمراہ تھے۔

مولانا سمیع الحق اپنے مضمون "آہ! مولانا غلام غوث ہزاروی" میں رقمطراز ہیں :-

"خوش قسمتی سے احقر بھی وہاں موجود تھا۔ حضرت بنوری، حضرت مفتی محمود، حضرت مولانا ہزاروی یہ تینوں اکابر اکٹھے تھے۔ پھر عرفات میں بھی ان اکابر کی ایک گونہ ہمرکابی کا شرف ملا۔ مولانا مرحوم کا حرمین بالخصوص مدینہ طیبہ میں سوز و گداز و انہماک قابل دید تھا۔ پھر تو بارہا سعادت حج و زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ مولانا مرحوم کی عالمی سیاست بالخصوص مشرق وسطیٰ کی سیاست پر گہری نظر تھی۔ وہ برطانوی سامراج سے برسر پیکار رہے۔ اور یہ نفرت و عداوت اُن کے دل و دماغ پر آخر تک جاری رہی۔ ان دنوں مشرق وسطیٰ میں صدر ناصر مرحوم اور اُن کے نظریۂ قومیت کا طوطی بول رہا تھا۔ مصر کے "عدوان ثلاثی" میں فتح کے بعد صدر ناصر لوگوں کے محبوب اور نور نظر بن گئے تھے۔ ہمارے مولانا ہزاروی اور اُن کے ہم خیال اکابر پر صدر ناصر کی عقیدت و محبت بُری طرح غالب ہوگئی تھی۔" (۵)

اسی مضمون میں موصوف آگے چل کر رقمطراز ہیں :-

"صدر ناصر قسم کے سیاسی زعماء سے اتنی عالی عقیدت جو مولانا مرحوم کے سیاسی رجحانات پر مبنی ہوتا تھا کا نتیجہ تھا کہ وہ صدر ناصر کے بارہ میں معمولی سی تنقید بھی برداشت نہ کر سکے۔ جس وقت

---

(۴) ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک فروری ۱۹۸۱ء ص ۱۰۴ -

(۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۰۵ -

اخوان المسلمین کے کئی زعماء و ارکان صدر ناصر کا نشانہ بنے جن میں کئی ایک نامور مصنف ادیب اور عالم بھی تھے اور مصر کے مشہور مصنف سید قطب بھی تھے تو احقر نے اعتدال سے اور نرم الفاظ میں صدر ناصر پر اُن میں تنقید کی اور یہ کہ ناصر مرحوم کو مغرب کے ساتھ اپنے ملک میں مغربیت کے بے لگام فروغ پر بھی نظر رکھنی چاہیئے۔ بس یہ لکھنا تھا کہ مولانا کو جلال آ گیا۔ بے تحاشا برس پڑے۔ تلخی اور غصہ پر مبنی لمبے لمبے خطوط سے نوازا۔ جواباً میں نے ایک مفصل عریضہ لکھا۔ جس کے جواب میں ایک اور طویل مکتوب آیا۔ مگر اب اس میں شدت اور تلخی کی بجائے شفقت، دلیل اور متانت کا عنصر نمایاں تھا۔ سید قطب کی کتابیں کھنگال کر انہوں نے سید قطب مرحوم کی شانِ صحابہ بالخصوص امام مظلوم حضرت عثمان شہید پر سنگدلانہ و جارحانہ کس پر مبنی عبارتیں حوالوں کے ساتھ نقل کر کے بھیج دیں۔ جسے پڑھتے ہی مجھے مولانا مرحوم کے سامنے سپر انداز ہونا پڑا۔" (۶)

اسی مضمون میں مولانا سمیع الحق مولانا کی طبیعت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"مولانا مرحوم جس سے اور جس مسئلہ میں اختلاف کر بیٹھتے، پھر اس کے بارہ میں کسی مصلحت حکمت عملی، مصلحت آمیز انداز بیان کے روادار نہ ہوتے نہ اس معاملے میں ان کا لب و لہجہ نہایت سخت اور درشت ہو جاتا، ان کے خلاف لکھتے یا تقریر کرتے ہوئے عاقلانہ توازن و اعتدال کا دامن اُن کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا اور عدم توازن کا شکار ہو جاتے۔ مولانا کے اسی انداز نے بہت سے مخلص احباب و عام علماء کو اُن سے دور رکھا اور جدید طبقہ کے پڑھے لکھے طبقہ کی ایک بڑی تعداد بھی ان کے قرب سے گریز کرتی رہی۔ اس بارہ میں احقر نے بھی متعدد بار جرات سے کام لے کر مولانا سے گفتگو کی۔ پھر ایک بار تو کھل کر انہوں نے اپنے اس انداز اور دشمن پر اُن کے اس طریقہ واردات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ دیکھیے! جب دشمن پر حملہ بولا جاتا ہے تو ایک جماعت اصل لڑنے والی جماعت سے پہلے

---

(۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۶۔

چیختی چلاتی اور چنگاڑتی ہوئی اور ہل چل اور افراتفری مچاتی ہوئی غنیم پر یلغار کرتی ہے۔ جس کا مقصد مخالف کے دل و دماغ کو پراگندہ اور سراسیمہ کرنا ہوتا ہے کہ اصل کی ہیبت اور دھاک بیٹھ جائے تو میری مثال اس مقدمۃ الجیش کی ہے۔ میں اس طریقہ کار سے دشمن کو پریشان کرتا ہوں۔ بعد میں دلائل سے بات کرنا، حکمت اور مصلحت سے مقابلہ کرنا یہ آپ لوگوں کا کام ہے۔ میں آپ لوگوں کو کب روکتا ہوں، آپ اپنے طور طریقوں سے کام کرتے جائیں۔ میں ساٹھ ستر سال سے جس سانچے میں ڈھل چکا ہوں، اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔" (۷)

مولانا کی زندگی کا تقریباً آخری عشرہ ان کی زندگی کا ناخوشگوار دور تھا۔ اس دور میں انہیں اپنے قریب ترین مخلص رفقا اور ساتھیوں سے بھی الگ تھلگ ہونا پڑا، عزلت و اعتزال کے صدمے بھی سہنے پڑے اور مخالفین کی بے جا سب و شتم اور طعن و تشنیع کا نشانہ بھی بنے۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد سرحد میں نیپ اور جمعیۃ کی مشترکہ حکومت کی تشکیل سے اس ناسازگار دور کا آغاز ہوتا ہے۔ جب کہ بہت سے اہل علمائے اور اصحاب بصیرت کے علی الرغم اولاً مولانا مرحوم خود، اس اتحاد کے داعی اور ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے شدید ترین مخالف جماعت سے رواداری اور عفو و درگزر کے قائل تھے۔

مولانا خود شانِ ابوذری کی جھلک تھے۔ وقتی حکمرانوں نے مولانا کی اس بے نیازی اور نرم خوئی سے استفادہ کرتے ہوئے، نفاذِ اسلام اور غریبوں کے انقلابی منصوبے اور عزائم ان کے سامنے رکھے۔ اپنوں کے بارہ میں بھی مولانا نے کچھ بے اعتدالی، بے نیازی اور قدر مراتب کو ملحوظ نہ رکھنے کا رویہ محسوس کیا۔ جس سے بُعد و گریز کی خلیج اور وسیع کر دی۔ مولانا کی رائے تھی کہ انتخابات میں بالخصوص نوجوان نسل مزدور اور پسماندہ طبقہ نے حکمران پارٹی (پیپلز پارٹی) کا ساتھ دیا تھا۔ ملک کی اتنی بڑی طاقت خاص طور سے نئی نسل کے نوجوانوں سے محاذ آرائی میں اسلام اور علمائے کرام کے لیے قرین مصلحت نہیں۔ انہوں نے اپنے سے متنفر کرنے کی بجائے ان سے مل کر اس قوت و طاقت کو دین کے لیے استعمال کیا۔ یہ مولانا کی اجتہادی رائے تھی۔ حکمرانوں سے اسی تعاون کی بنا پر انہیں اپنی عزیز ترین جماعت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ (۸)

---

(۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۷۔
(۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۷، ۸۔

مولانا سمیع الحق رقمطراز ہیں :-

" حضرت مفتی محمود صاحب نے احقر کو زندگی کی آخری ملاقات میں جو ۳ ستمبر ۱۹۸۰ء کو کراچی میں ہوئی تھی کسی بات کے دوران کہا کہ میرا ایمان ہے کہ مولانا ہزاروی بکے نہیں، نہ کچھ فائدہ اُٹھایا، مگر اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اور دشمن کی عیاری اور شاطرانہ داؤ پیچ میں آکر کٹ گئے۔ یہ مولانا کی مخلصانہ زندگی پر ایک واضح شہادت ہے جو اُن کے عمر بھر کے ساتھی مگر آخری دور کے حریف نے متعدد بار کہی۔" (۹)

مولانا اگرچہ مصالحت آمیز رویہ کی بنا پر حکومت کے ہمنوا تھے مگر آئین سازی کے موقع پر نہایت اہم اسلامی اور جمہوری ترامیم پیش کرتے رہے جو ریکارڈ میں موجود ہیں۔ قادیانی مسئلہ اسمبلی کے سامنے آیا تو پورے حزب اختلاف نے متفقہ طور پر " ملت اسلامیہ کا موقف " کے نام سے بیان مرتب کیا۔ جس کا آدھا حصہ مولانا محمد تقی عثمانی اور آدھا مولانا مولانا سمیع الحق نے قلمبند کیا اور مفتی محمود صاحب نے پڑھ کر سُنایا۔ مولانا ہزاروی نے گو اس پر دستخط نہ کئے مگر انہوں نے سکوت اور لاتعلقی بھی اختیار نہیں کی بلکہ محضرنامہ کے نام سے دو سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک طویل اور محققانہ مقالہ قلمبند کرا کر شائع کیا اور ارکان اسمبلی میں تقسیم کیا اور بقول مولانا سمیع الحق " مرحوم نے اکیلے ہی یہ ہفت خوان سر کیا " سیاست کے ہنگاموں ہنگامے شور و شر، بحث و مناظرہ کی گرماگرمی کے ساتھ ساتھ زہد و ریاضت، اوراد و وظائف، شب بیداری اور اپنے رب سے سوز و گداز کے روابط برقرار رکھنا، مولانا کا نادر معمول تھا۔ بلاشبہ وہ " ما اللیل رھبان وبالنہار فرسان " (رات کو راہب دن کو شہ سوار) جام شریعت کے ساتھ ساتھ سندان عشق بنیا سنانو سُننے تھے۔ مگر خارزار سیاست میں شریعت و طریقت کے ساتھ ساتھ سوز و ساز رومی اور پیچ و تاب رازی کی قبائے افتخار کو تار تار ہونے سے بچا کر چلنا اسی ضیغم اسلام ہی کا کام تھا۔ (۱۰)

مولانا سمیع الحق رقمطراز ہیں :-

" فقر و قناعت، زہد و تقویٰ، جہاد و سیاست، حمیت و شجاعت کا یہ گنج گرانمایہ سپرد خاک کر دینے کے بعد جب ہم لوگ دیار دہلی کی تنگ گلیوں سے گزرتے ہوئے واپس ہو رہے تھے تو ایک نورمتبرین قسم کے بزرگ نے مجھے ایک واقعہ سُنایا۔ " مولانا مرحوم کے جوش و جوانی کا دور تھا۔ اب جب کہ وہ نرینہ اولاد

(۹) ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک - ص ۹ -
(۱۰) ایضاً ایضاً - ص ۹ -

سے محروم ڈیلسے کو چ کر گئے۔ مگر مولانا کو نرینہ اولاد پیدا ہوئی۔ ایسے ایک موقع پر مولانا کا صاجزادہ اکلوتا بیٹا جو بڑھاپے کا سہارا بن سکتا تھا۔ شدید بیمار ہوا۔ بیماری سکرات موت کی حدود میں داخل ہوئی تو اچانک بالاکوٹ سے اطلاع آئی کہ وہاں قادیانی سرپرزے نکال لیتے ہیں اور فوراً پہنچنے کی ضرورت ہے۔ مولانا نے جاں بلب لخت جگر کو اسی حالت میں چھوڑ دیا، تقریر رضا فرہ کی کتابیں بغل میں اٹھائیں اور چل پڑے۔ لوگوں نے بے حد روکا کہ بچے کی حالت مخدوش ہے۔ فرمایا تم لوگ موجود ہو اور وہاں ناموسِ ختم نبوت کی بات ہے، روانہ ہوئے ابھی لبغہ کی خیلی سڑک سے بالاکوٹ جانے والی سڑک پر پہنچے تھے کہ کسی نے نورِ نظر بیٹے کی وفات کی اطلاع دی۔ فرمایا تم لوگ دفن کر دینا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت واپس لے لی۔ مجھے بالاکوٹ پہنچ کر قادیانیوں کا تعاقب کرنا ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کی بات ہر چیز پر مقدم ہے۔" (۱۱)

تصانیف :-

(۱) ریان، اُردو۔ (۲) ۔ کالج میں ایمان، اُردو ۔ (۳) ۔ سیرۃ النبی ﷺ، اُردو ۔ (۴) مجاہدانہ تقریریں، اُردو ۔ (۵) ۔ جواب محضرنامہ (یہ مرزائی قطعی کافر ہیں)، اُردو ۔ (۶) ۔ فیض نوث، اُردو ۔ (۷) ۔ مسلہ اصول جنگ، اُردو ۔ (۷) ۔ مودودی دجل وفریب، اُردو ۔ (۸) جواب مفتی محمود صاحب کی مسلسل غلط بیانیوں کے جوابات، اُردو ۔ (۹) ۔ مکتوبات، اُردو، ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۹۷۳ء وذاتی تحقیق راقم (۸) علاوہ ازیں مولانا دو رسالوں، ترجمان اسلام لاہور اور الجمعیۃ راولپنڈی کے مدیر اعلیٰ بھی رہے۔ ان جریدوں میں وقتاً فوقتاً جو مضامین آپ نے اُردو زبان میں تحریر کیے ہیں۔ اُن کی (دستیاب شدہ) تفصیل بذیل ہے۔

نمبر شمار	عنوان	نام جریدہ	تاریخ	صفحہ
۱۔	مسلمان کون ہے ۔ کفر و ایمان کی تحقیق خط نمبر ۱ ۔	ترجمان اسلام لاہور ۔	۸ر نومبر ۷۸ء	۷
۲۔	اسلام باقی نہ رہا تو پاکستان بھی قائم نہیں رہ سکتا ۔	"	۲۶ر مئی ۶۷ء	۵
۳۔	مکتوبات بنام معاون مدیر ترجمان الاسلام لاہور (ایک وضاحت) ۔	"	۱۲ر فروری ۶۱ء	۴
۴۔	ڈسکہ میں مولانا ہزاروی کا خطاب ۔	"	۷ر جولائی ۶۲ء	۹،۷

(۱۱) ایضاً ص ۱۰ ۔

NEW CHINA STATIONERS, LAHORE

مولانا غلام غوث ہزاروی کی تصنیفی خدمات زبان اُردو

(۱) مسلمہ اصول جنگ، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں۔ مکتبہ جدید پریس لاہور۔ سن۔ ندارد۔ صفحات ۳۳۱۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم باطنی اور معارف لدنی کے سوا شرعی احکام اور اُن کے اسرار کا علم تو حاصل ہی تھا، نظام عالم کے اصول اور ملکی نظم ونسق کے قواعد بھی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بدرجہ اتم عطا فرما دیے تھے۔ چاہے وہ حالت جنگ کے ہوں یا حالت صلح کے۔

اگلے پچھلوں کے سارے علوم اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مرحمت فرما دیے۔ بھلا اصول جنگ ان سے کس طرح مستثنیٰ ہو سکتے تھے۔ آپ علیہ السلام کے جسمانی کمال کا کیا کہنا! صحیح اسمٰعیلی میں روایت ہے اور ابو نعیمؒ نے حلیہ میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو چالیس مردوں کی طاقت دی تھی۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی اعتدال بخشا تھا۔

ایک واقعہ مشہور ہے کہ عرب کا رکانہ نامی ایک مشہور پہلوان تھا جس کا مقابلہ دور دور تک کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ایک بار آپؐ کو چیلنج کیا کہ مجھ سے کشتی لڑیں۔ آپؐ نے فوراً اس کا چیلنج قبول کر لیا۔ آپؐ نے اس کو زمین پر دے مارا۔ اس کی درخواست پر دوبارہ کشتی ہوئی۔ آپؐ نے پھر پچھاڑ دیا۔ تیسری بار بھی اس کی خواہش پر کشتی ہوئی پھر بھی وہی نتیجہ ہوا۔ وہ حیران رہ گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا اور بعض نے فتح مکہ میں اس کا مسلمان ہونا لکھا ہے۔

غزوہ خندق میں ایک چٹان کا کسی کے ہاتھوں نہ ٹوٹنا اور آپؐ کی ضرب سے پاش پاش ہونا۔ جنگ بدر، حنین، خندق اور اُحد میں آپؐ کے حربی کارنامے حربی دُنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ آپؐ کی مُبارک زندگی کے تمام پہلوؤں میں حسن وجمال اور ترتیب وتنظیم نیز بہترین اصول کار کا تمام پہلوؤں میں اجتماع بجائے خود معجزہ تھا۔

آپؐ کے عظیم فاتح ہونے اور عمر بھر کے دشمن اور خون کے پیاسے لوگوں پر غالب آنے کے باوجود دس ہزار جرار وقدوسی لشکر کے ہمراہ مکہ معظمہ میں داخلہ عدل وانصاف، حلم وبردباری، عفو ودرگزر اور تواضع وانکسار کا مظہر ہے، اسکی نظیر ملنی مشکل ہے۔

ملک بھر کی دولت مدینہ منورہ میں سمٹ آنے، دُنیا کے باجبروت بادشاہوں پر رعب قائم ہونے اور سب کچھ آ سکنے پر قادر ہونے کے باوجود آپؐ کے چٹائی پر آرام فرمانے اور چٹائی کے نشانات کا جسم اطہر میں ظاہر ہونے نیز مہینوں صرف کھجور، ستو یا صرف جو کی روٹی پر گزر اوقات کرنے کی مثال ڈھونڈنی لاحاصل ہے۔

عظمت نبویؐ کے ہمہ گیر اوصاف سے متاثر ہو کر مولانا غلام غوث ہزاروی کو سیرت کے اس موضوع پر لکھنے کا خیال کیسے پیدا ہوا۔ خود اُن کی زبانی سنیے:

"مجھے اس موضوع پر لکھنے کا خیال تب پیدا ہوا جب میں نے قاہرہ مصر میں علامہ محمود شیث کی تصنیف "الرسول القائد" کا چند روز مطالعہ کیا۔ اس کتاب میں مصنف نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

حربی پہلو اجاگر کر کے آپؐ کے وہ کمالات بتائے ہیں جو رہتی دنیا تک مسلم ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اُنہوں نے ان باتوں کو آپؐ کے ذاتی اور اعلیٰ شخصیت کی صفات قرار دے کر نبوت و اعجاز نبوت سے ان کو بالکل علیحدہ کیا ہے۔ حالانکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کمالات بلکہ ارشادات بھی مبداء فیاض (جلّ و علا) کے عظیم فیضان کا نتیجہ اور آپؐ کے معجزات تھے۔" ص ۱۰۔

چنانچہ مولانا ہزاروی نے اپنی کتاب مرتب کرتے وقت اس کتاب سے بھی استفادہ کیا۔ بلکہ اکثر حصوں کا اُردو ترجمہ کر دیا ہے۔ نیز اُردو میں ذرا تفصیل سے موضوع کو اجاگر کیا۔ علاوہ ازیں دُنیا کے ماہرین حرب کی آراء و تصانیف سے بھی توثیق و تطبیق کی۔ ان میں ایلفرڈ ایچ برن کی تصنیف "Art of war in land" (جس کا راولپنڈی کے ملٹری ٹریننگ ڈائریکٹوریٹ جنرل سٹاف برانچ جی۔ ایچ کیو نے اُردو ترجمہ فن سپاہگری کے نام سے کیا ہے)۔ جس میں بیسیوں بڑی بڑی لڑائیوں کا مفصل حال بیان کرتے ہوئے نپولین بونا پارٹ، فیلڈ مارشل لارڈ ویول، ولنگٹن، مسٹر چرچل، جنرل رومیل، جنرل منٹگمری، جنرل الگزانڈر، سکندر اعظم، لارڈ کچنر جیسے عظیم فاتحین اور کمانڈروں کی آراء درج ہیں، ان میں تقریباً وہی اصول ہیں جن پر چودہ سو سال قبل سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا اور کرایا۔ مولانا نے علامہ شیت کے بیان کردہ مبادی حرب کو اکٹھا کر کے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تاریخی واقعات کو ان پر منطبق کیا ہے۔

مولانا ہزاروی نے اس کتاب کی ترتیب میں اکبر خان نجیب آبادی کی تاریخ اسلام شائع کردہ نفیس اکیڈمی و مسعود پبلشنگ ہاؤس کراچی، صحاح ستہ، سیرت ابن ہشام، نشر الطیب از مولانا اشرف علی تھانوی۔ غزوات مقدس از مولانا محمد عنایت اللہ سے بھی استفادہ کیا۔

کتاب کے آغاز میں صفحہ ۱۸ تک پانچ ابواب ہیں۔ جن کے مندرجات بذیل ہیں۔

پہلا باب:۔ جنگ اور سربراہی کے لیے معیار، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علمی، جسمانی کمال اور جامع شخصیت۔

دوسرا باب:۔ کتاب کی تصنیف کی وجہ اور ماخذوں کا ذکر۔

تیسرا باب:۔ علامہ محمود شیت کے دس جنگی مبادیات اور اصول۔

چوتھا باب:۔ انتصار کے عنوان سے جنگ میں کامیابی کے چار اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

پانچواں باب:۔ اس میں اسبابِ انتصار کی تفصیل دی گئی ہے۔ جس میں قائد کی قابلیت، فوج کی امتیازی حالت، حرب عادلہ، کل اصول جنگ، مسلمہ اصول جنگ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔

پانچویں باب کے بعد حصہ اول شروع ہوتا ہے جو صفحات ۱۹ تا ۷۱ پر مشتمل ہے۔ اس میں پچاس عنوانات کے تحت جنگ کے اصول و مبادی پر مفصل بحث ہے۔ صفحہ ۷۵ اور ۷۶ خالی چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ صفحہ ۷۷ سے حصہ دوم شروع ہوتا ہے جو مدینہ منورہ میں پہنچنے کے

بعد پیغمبرانہ اقدامات سے شروع ہو کر صفحہ ۳۱۸ پر غزواتؐ تا دیب پر ختم کیا گیا۔ جس میں تاریخ کی تمام جنگوں اور واقعات کا مفصل ذکر اسی نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے۔

صفحہ ۳۲۰ پر کتب حوالہ اور ۳۲۱ تا ۳۳۱ فہرست مضامین درج ہے۔

۲:۔ فیوض غوث :۔ افادات مولانا غلام غوث ہزاروی۔ ناشر قاضی عبدالقیوم بفہ ہزارہ، مکتبہ فیض شیخ، مسجد صدیق اکبر جوڑ، راولپنڈی، مرتبہ، مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی، طبع ستمبر ۱۹۸۰ء، صفحات ۱۲۸۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک رقمطراز ہیں :۔

"مقصد تخلیق انسان عبادت ہے اور عبدیت وعبادت کا خلاصہ تبتل وانابت الی اللہ ہے۔ جس کا مظہر اتم دعا وابتہال ہے، جسے حدیث میں عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔ دعا کی حقیقت واہمیت اور اسی کی قدر ومنزلت مادیت کے اس دور میں عام نگاہوں سے اوجھل ہوتی جارہی ہے۔ ضرورت ہے کہ امت کو دعا اور ابتہال الی اللہ کی طرف پوری توجہ دلائی جائے۔ مجھے بے حد مسرت ہے کہ اس اہم موضوع پر حضرت المحترم لبقیۃ السلف مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی دامت برکاتہم جن کی زندگی دعوت وانابت الی اللہ میں گزری اور جو دعا ومناجات، سوز وگداز روی اور پیچ وتاب رازی میں ایک زندگی گزار چکے ہیں، نے اپنا مجموعہ افادات مرتب فرمایا اور جواب ہمارے نوجوان فاضل قوم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سلمہ الرحمٰن فاضل دارالعلوم حقانیہ کی مساعی جمیلہ سے زیور طبع سے آراستہ ہو رہا ہے، حق تعالیٰ اسکی افادیت عام کرے۔" (ص ۵)

کتاب فیوض غوث کے ابتدائی چار صفحات ٹائٹل اور فہرست مضامین پر مشتمل ہیں۔ صفحہ ۵ تا ۱۸ تقاریظ از مولانا عبدالحق بانی ومہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا حافظ ریاض احمد سنئیر ایگزیکٹو، روزنامہ جنگ راولپنڈی اور مولانا عبیداللہ انور ہیں۔

صفحہ ۱۹ تا ۴۱ مولانا ہزاروی کی سوانح حیات ہے جسے مولانا عزیز الرحمٰن نے مرتب کیا۔ صفحہ ۴۲ تا اختتام، بذیل موضوعات پر مشتمل ہے۔

دعا کا راز، اللہ تعالیٰ کی شان کریمی، دعائیں تین طرح پوری ہوتی ہیں، پر بحث کرکے پھر دعاؤں کو بذیل سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

باب اوّل :۔ اوقات ومقامات جن میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

باب دوم :۔ ان اشخاص کا ذکر جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

باب سوم :۔ حاجات کی دعائیں۔

باب چہارم :۔ اُن دُعاؤں کا بیان جو مختلف حالات و واقعات کے لیے ہیں ۔

باب پنجم :۔ عام ، جامع اور عجیب و غریب دُعائیں ۔

باب ششم :۔ اسم اعظم کا بیان ، اس کی تفصیل اور اسم اعظم پر مشتمل جامع دُعا ۔

باب ہفتم :۔ اسماء حُسنیٰ جن کے طفیل دُعائیں قبول ہوتی ہیں ۔

۳ ۔ لاہوری محضرنامہ کا جواب :۔ برائے مطالعہ خصوصی کمیٹی قومی اسمبلی پاکستان ۔ منجانب ، مولانا غلام غوث ہزاروی ایم ۔ این ۔ اے ۔ مرکزی سربراہ کل پاکستان جمعیت العلماء پاکستان ہزاروی گروپ و مولانا عبدالحق بلوچستانی ایم ۔ این ۔ اے ، مولانا عبدالحکیم ۔ ایم این ۔ اے ۔ یہ پمفلٹ ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت اور مرزا ناصر احمد صاحب کی حرکات مذبوحی ۔

اس محضرنامہ کے صفحہ ۳ تا ۱۱ مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت پر ۳۰ حوالے پیش کیے گئے ہیں ۔ صفحہ ۱۲ پر " لاہوریوں کو دھوکہ اور اُن کی قابلیت کے عنوان سے پھر مرزا کے دعویٰ نبوت کا متعدد حوالوں سے ذکر کیا ہے ۔ کیونکہ لاہوریوں کا یہ کہنا کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی نہیں بلکہ مجدد مانتے ہیں اور یہ کہ مرزا نے دعویٰ نبوت نہیں کیا ۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ صفحہ ۱۲ تا ۲۵ مرزا کے مزید دعویٰ نبوت پیش کیے گئے ہیں ۔ پھر لاہوری مرزائیوں پر واضح کیا گیا ہے کہ وہ دھوکے میں ہیں جب یہ کہتے ہیں کہ مرزا کو نبی نہیں مانتے ۔

۴ ۔ مولانا مفتی محمود کی مسلسل غلط بیانیوں کے جوابات از مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی سربراہ جمعیۃ علماء اسلام ۔ ناشر عزیز الرحمن ہزاروی ۔ ملنے کا پتہ : جامعہ فرقانیہ مومنپورہ ، کوہاٹی بازار راولپنڈی ، سن ندارد ، کل صفحات ۳۲ ۔

مولانا ہزاروی رقمطراز ہیں :۔

> " ہفت روزہ " ترجمان الاسلام " لاہور جو پہلے جمعیۃ علماء اسلام کا اخبار تھا ۔ اب متحدہ جمہوری محاذ کا بیرونی آرگن بن چکا ہے ۔ اس کے ۳۱ اگست ۱۹۷۳ء کے شمارے میں مفتی محمود صاحب نے اپنی صفائی اور بری غلطیوں اور جماعتی خلاف ورزیوں کا جو بیان دیا ہے ۔ وہ غلط بیانیوں اور دھوکوں کا مجموعہ ہے ۔ مفتی صاحب کہتے ہیں کہ ملکی سالمیت کے لیے میری جان بھی حاضر ہے ۔ مفتی صاحب پہلے مودودیوں سے پیچھا چھڑا کر ایمان کی حفاظت کریں اور ملکی سالمیت کے لیے علیحدگی پسند پختونستان کے محرمٹ سے نکلیں کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایمان سے تعلق رکھتی ہیں ۔ " (ص ۳)

سرحد میں نیپ جمعیۃ کے سمجھوتے سے بننے والی وزارت جس کے وزیر اعلیٰ مولانا مفتی محمود تھے کے بننے اور ٹوٹنے کے اسباب و نتائج کی بنا پر مولانا محمد عبداللہ درخواستی امیر جمعیۃ العلماء ، مولانا مفتی محمود جنرل سیکرٹری جمعیۃ العلماء اور مولانا غلام غوث ہزاروی ، مولانا عبیداللہ انور امیر جمعیۃ العلماء

پنجاب اور مولانا ضیاء القاسمی فیصل آبادی جنرل سیکرٹری جمعیۃ العلماء پنجاب کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ چونکہ مولانا مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی جمعیۃ العلماء کی دو نامور اور متعدد شخصیات تھیں۔ اختلاف کو ہوا دینے کے لیے جماعت اسلامی نے ان دونوں حضرات کے ناموں یعنی مفتی گروپ اور ہزاروی گروپ سے تشہیر شروع کر دی۔ جب اختلافات نے بڑھ کر اخبارات میں نزاعی صورت اختیار کر لی تو مولانا غلام غوث ہزاروی نے اپنی بیانات کا جواب اس پمفلٹ کی صورت میں دیا ہے۔ جس میں مختلف نکات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ (غیر مطبوعہ مضمون مولانا ضیاء القاسمی فیصل آبادی مشتمل بر ۲۶ صفحات جس کی عکسی نقل راقم کے پاس موجود ہے)

۵، مودودی دجل و فریب : رشحات قلم مولانا غلام غوث ہزاروی دیوبندی، نقشبندی، ایم۔این۔اے۔ الجمعیہ پبلیکیشنز۔ سکھر، سندھ ضخامت۔ ۴۲ صفحات، سن ندارد۔

زیر نظر کتاب مودودی دجل و فریب۔ مولانا غلام غوث ہزاروی سربراہ کل پاکستان جمعیۃ العلماء اسلام کے مضامین کا مجموعہ ہے جو کہ مولانا مودودی کی کتاب تفہیمات حصہ دوم کی ایک عبارت "شرعی سزاؤں کا جاری کرنا ظلم عظیم ہے" اور ایک سائل کے جواب میں مندرجہ بالا عبارت کی تاویلات کا پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ جس میں عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ مولانا مودودی کا یہ قول قرآن و سنت کے سراسر خلاف ہے۔

یہ مضمون "مودودی دجل و فریب" کے عنوان سے ۱۹۶۳ء میں "ہفت روزہ ترجمان اسلام" لاہور کے پندرہ شماروں میں بالاقساط شائع ہوا۔ مولانا مودودی کی کتاب تفہیمات جلد دوم کی محولہ عبارت پڑھنے کے بعد علماء نے ان کی گرفت کی اور اس عبارت کی روشنی میں مولانا نصیر الدین غورغشتوی نے مولانا مودودی کے بارے میں فتویٰ جاری کر دیا اور ساتھ ہی مسلمانوں کو ان کی جماعت سے اجتناب کا مشورہ دیا۔ نیز انہوں نے اور مولانا خیر محمد جالندھری ہر دو نے مولانا ہزاروی پر اعتماد کا اظہار کیا۔

کتابچے کے صفحہ ۱۱ پر تفہیمات حصہ دوم صفحہ ۲۸۱ کی عبارات نقل کی گئی ہیں اور ان کے حوالے سے زنا کو ہلکا جرم ثابت کرنے کا پہلا جرم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے یعنی یہ اسلامی سزائیں اللہ تعالیٰ نے خلوط سوسائٹی کے لیے مقرر ہی نہیں کی ہیں۔ دوسرا جرم اور شرعی سزاؤں کو بلاشبہ ظلم کہہ کر تیسرے جرم کے ارتکاب کرنے کے الزامات عائد کئے ہیں۔ یہ سوال و جواب مولانا مودودی کے ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۶۲ء میں درج ہیں۔

کتابچے کے صفحہ ۱۵ پر مولانا مودودی سے سوال کیا گیا ہے کہ حال ہی میں ایک ممتاز عالم ممبر قومی اسمبلی نے بیان دیا ہے جو بعض جرائد میں شائع ہوا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں جب ہم جرائم کے انسداد کی غرض سے شرعی سزاؤں کے نفاذ کے لیے کوئی بل پیش کرتے ہیں تو اتحاد پرست ممبروں کی طرف سے ہماری مخالفت میں مولانا مودودی کی ان تحریروں کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ اسی سوال کے جواب میں صفحہ ۱۶، ۱۷ پر مولانا مودودی کی طرف سے جوابات تحریر کیے گئے ہیں جو دراصل وزن کی شان سے عاری ہیں۔

صفحہ ۱۷، ۱۸ پر یہ سوال بھی کیا گیا ہے کہ کیا آپ نے اسی رسالہ میں مضمون کے آخر میں پھر نہیں لکھا کہ اسلام کے احکام تدریجاً جاری کرنے چاہئیں یہ

نہیں کو دو دفعہ قومی اسمبلی میں ملیں اور شرعی سزاؤں کا بل پیش کر دیا ۔

پھر صفحہ ۱۸ ہی پر لکھا ہے کہ " آپ نے اپنی کتاب حقوق الزوجین میں خلع کی بحث میں نہیں لکھا کہ عورت کو خاوند ناپسند ہو تو وہ خُلع لے سکتی ہے اور لاہور پی ایل ڈی ۱۹۵۹ء کے صفحہ ۵۵۶ پر ایک مقدمہ کے سلسلہ اپیل پر یہ فیصلہ ہائی کورٹ کے تین ججوں نے نہیں کیا کہ مودودی کی کتاب حقوق الزوجین کے مطابق عورت خاوند کی بدصورتی میں بھی خلع حاصل کر سکتی ہے ۔

صفحہ ۱۹ پر مودودی صاحب کے دل میں علمائے دین کے خلاف گندی بغض اس کا عنوان قائم کر کے صفحہ ۲۲ تک اسی موضوع پر بحث ہے ۔

صفحہ ۲۲ پر مزید تین سوالات اسلامی قوانین و حدود کے متعلق مولانا مودودی کے لٹریچر کے حوالے سے اُٹھائے گئے ہیں اور صفحہ ۳۷ تک مولانا کے جوابات کی روشنی میں بحث کی گئی ہے ۔ صفحہ ۳۷ تا ۳۹ علمائے اسلام کا چیلنج، صفحہ ۴۰ تا ۴۷ علماء کے دلائل پیش کیے گئے ہیں ۔ صفحہ ۴۸ تا ۶۲ اقتدار کے لیے مودودی صاحب کی حسرت وغیرہ موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں اور صفحہ ۶۲ پر مولانا غلام غوث ہزاروی ، دیوبندی نقشبندی سربراہ کل پاکستان جمعیۃ علماء پاکستان ممبر قومی اسمبلی پاکستان درج ہے ۔

۶: ایک اسلامی رسالہ کا خاکہ :- راقم کو مولانا عزیز الرحمن ہزاروی سے پاکستان قومی اسمبلی کے پیڈ کے ورق پر مولانا کا دستی لکھا ہوا ایک مسودہ ملا ۔ جس کے آغاز میں مولانا بعد از تسمیہ رقمطراز ہیں :-

> " میں نے خیال کیا کہ عام لوگوں کا رجحان دینی تعلیم کی طرف سے ۔ اسلامی علوم مفقود ہوتے جا رہے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بعض پڑھے لکھے لوگ بھی دین کی ضروری باتوں سے بے خبر رہ گئے ہیں ۔ عام لوگ جو معمولی تعلیم کے بعد بڑی اور اونچی تعلیم حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ بھی دین سے ناواقف رہتے ہیں ۔ اس لیے یہ چھوٹا سا رسالہ لکھا تاکہ جن باتوں کا جاننا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے وہ اس میں پڑھ کر جان لیں اور اس طرح تقریباً ہر مسلمان سمجھ اور جاننے والا مسلمان بن سکے ۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ اور پانچ حصے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد ہر مسلمان کو اسلامی تعلیمات پر ضروری عبور حاصل ہو جائے گا " (غلام غوث ہزاروی)

اس عبارت کے بعد تسمیہ اور لفظ مقدمہ کے بعد " اسلام و ایمان " کا عنوان قائم کر کے سوال و جواب کی صورت میں ڈیڑھ صفحہ ہے ۔ بقول مولانا عزیز الرحمن ہزاروی یہ منصوبہ تکمیل پذیر نہ ہو سکا ۔

۷: اسلامی منشور :(کل پاکستان جمعیۃ علماء پاکستان) جو بتاریخ ۱۲ جنوری ۱۹۷۷ء مطابق محرم ۱۳۹۷ھ مولانا غلام غوث ہزاروی امیر مرکزیہ کی زیر صدارت منعقدہ اجلاس میں منظور کیا گیا (ناشر ناظم مرکزی دفتر کل پاکستان جمعیۃ العلماء اسلام جامعہ حنفیہ بوسن روڈ صدر راولپنڈی

صفحہ ۱۵ پر خلاصہ منشور اور پاس کردہ پارلیمانی بورڈ ۔ تاریخ ۱۲ جنوری ۱۹۷۷ء ۔ مولانا غلام غوث ہزاروی ۔

صفحہ ۱۶ پر مولانا غلام غوث ہزاروی کا پیغام آٹھ جملوں میں درج ہے ۔

سارا دستور ۲۱ شقوں اور ۸۹ دفعات پر مشتمل ہے ۔ دفعات کا شمار حروف ابجد سے کیا گیا ہے ۔

(۸) گوشوارہ جائداد جو صوبائی اسمبلی کا ممبر بنتے وقت داخل کیا گیا ۔ مولانا ہزاروی کا اپنے ہاتھ سے اُردو زبان میں پُر کیا ہوا ۔ تاریخ ۲۳ ستمبر ۱۹۷۷ء

(عکسی نقل راقم کے پاس موجود ہے)

(۹) مکتوبات :۔ مولانا کی سرکاری و نجی خط و کتابت عموماً اُردو زبان میں ہوتی تھی ۔ جو یکجا نہیں ۔ راقم کو مولانا کا ایک مکتوب جو بنام مولانا عزیز الرحمن ہزاروی کو مدینہ منورہ سے ۱۸ اگست ۱۹۸۰ء کو تحریر کیا گیا ہے کی عکسی نقل ملی ہے جو اُردو زبان میں ہے ۔

(۱۰) مجاہدانہ تقریریں :۔ اسمبلیوں میں لیلٰی حریت ، مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی ۔ مرتبہ : مولانا عزیز الرحمن ہزاروی صفحات ۲۴ ، صفحہ ۲ تا ۳ پر مولانا کی وہ تقریر جو انہوں نے ۱۵ اپریل ۱۹۷۲ء کو آئین ساز اسمبلی میں عبوری آئین پر کی ۔ اس تقریر میں ذریعہ معاش یعنی بکریاں پالنے سے متعلق پر تنقید ، آرڈیننس میں ترمیم پر بحث ، مسودات میں قومی زبان سے اغماض ۔ وغیرہ ، صفحہ ۱۲ تا اختتام وہ تقریر ہے جو مولانا ہزاروی نے ۳ جولائی کو عائلی قوانین کی تنسیخ کی سفارش والی قرارداد پر اُس وقت کی جب چند عورتوں اور ایک مرد نے قابل اعتراض تقریریں کیں ۔ ان میں مسٹر عبداللطیف کے حوالوں کو مولانا نے تاریخی جھوٹ قرار دیا ۔ اور عائلی قوانین میں ۹۰ دن کی عدت ، طلاق بذریعہ چیرمین ۔ طلاق کا اطلاق لفظ طلاق کہنے کے فوراً ہی ہو جاتا ہے اور عدت شروع ہو جاتی ہے نہ کہ چیرمین صاحب کے اجرا کی تاریخ سے وغیرہ موضوعات پر ہے ۔

x x x



مولانا محمد چراغ (مرحوم)

(سابق) مہتمم
جامعہ عربیہ گوجرانوالہ

تصویر :۔ فراہم کردہ مولانا محمد انور قاسمی مہتمم جامعہ عربیہ گوجرانوالہ
مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۸۹ء

مولانا محمد چراغ

xxx

حالات زندگی :۔ شجرہ نسب :۔

مولانا محمد چراغ بن حافظ کرم الدین بن میاں غلام رسول۔ آپ موضع دھکڑ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں بتاریخ ۱۴ جمادی الاخر ۱۳۱۴ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۸۹۶ء پیدا ہوئے۔ بچپن دھکڑ ہی میں گزرا۔

بسم اللہ کی تقریب :۔ تقریباً سات سال کی عمر کو پہنچے تو حضرت مولانا محمود صاحب گنجوی نے عربی قاعدہ سے بسم اللہ کی۔ قرآن مجید اپنے والد ماجد سے پڑھا۔ آپ کے دو بڑے بھائی مولوی محمد سراج عرف سراج الدین اور مولوی عبدالرسول جو اُس وقت کے منشی فاضل اور مولوی فاضل تھے، لاہور میں مقیم تھے۔ آپ بھی اُن کے پاس لاہور چلے گئے۔

لاہور میں قیام و تعلیم :۔ آپ نے مدرسہ نعمانیہ لاہور میں داخلہ لیا۔ چوتھی جماعت تک اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ لاہور میں آپ کا قیام تقریباً چار پانچ سال تک رہا۔ اسی دوران مولانا محمد عالم آسی (صاحب الکاویہ علی الغاویہ) سے خوشخطی سیکھتے رہے اور اس میں کمال حاصل کیا۔ ساتھ ساتھ انہی سے فارسی کی ابتدائی کتب بھی پڑھیں۔ مولانا محمد عالم آسی گوجرانوالہ شہر کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ آپ نے اس زمانے کے نومولود فتنہ مرزائیت کے خلاف بڑا کام کیا۔ آپ کی کتاب الکاویہ علی الغاویہ اسی سلسلہ کی تصنیف ہے۔ آپ کچھ عرصہ تک مدرسہ نعمانیہ لاہور میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور ازاں بعد امرتسر منتقل ہو گئے۔

لاہور سے واپسی :۔ لاہور میں چار پانچ سال گزارنے کے بعد آپ واپس دھکڑ آ گئے اور اپنے گاؤں کے قریب ہی ایک موضع گنجہ میں اپنی تعلیم جاری رکھی۔ گنجہ میں آپ نے اُستاد زادہ حضرت مولانا سلطان احمد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مولانا سلطان احمد اپنے والد محترم مولانا محمود گنجوی (جن سے مولانا محمد چراغ نے عربی قاعدہ شروع کیا تھا) کے بھی سراپا کے اُستاد تھے اسی لئے مولانا محمود اپنے بیٹے سے کہتے "اُوئے سلطان احمد! میں تینوں کی آکھاں، اناں تو میرا شاگرد ہانا ایں، ناں تو میرا اُستاد"

طریق تدریس :۔ مولانا کی تدریس کا یہ طریقہ تھا کہ طالب علم تھوڑی سی عبارت پڑھتا۔ آپ اُس کا مطلب بیان کرتے۔ اسی طرح طالب علم پھر پڑھتا اور آپ اُس کا مفہوم بیان کرتے اور سلسلہ یونہی جاری رہتا۔

مولانا محمد چراغ ہر جمعرات کو گھر چلے آتے اور ہر جمعہ کی شام کو آپ کے والد ایک دو میل تک آپ کے ساتھ جاتے اور رخصت کرتے۔ مولانا کا کہنا ہے کہ بعض اوقات میں والد صاحب کے واپس ہونے کے بعد ایک آدھ میل مزید چل کر بیٹھ جاتا۔ جب سمجھتا کہ والد صاحب گھر پہنچ چکے ہوں گے تو اُٹھ کر واپس گھر پہنچ جاتا۔ حضرت والد صاحب کے پاس مزید ایک رات گزار کر صبح پھر اپنے مدرسے پہنچ جاتا۔

آپ کے اُستاد مولانا سلطان محمود چونکہ آپ کے والد ماجد کے عزیز بھی تھے، اس لیے آپ کے ساتھ انتہائی شفقت سے پیش آتے۔

آپ نے گنجہ میں تقریباً تین سال تک تعلیم حاصل کی۔ یہاں پر آپ نے صرف ونحو، شرح جامی اور منطق کی کتب پڑھیں۔

گنجہ سے فارغ ہو کر آپ دیوبند چلے گئے، یہاں پر سفینہ، ڈیڑھ ہفتہ قیام کیا لیکن آپ کا دل نہ لگا۔ اِسلیے دیوبند سے سہارنپور چلے گئے۔

مظاہر العلوم میں داخلہ :- مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور جو اُس وقت پرانی عمارت میں تھا، میں آپ نے داخلہ لیا۔ آپ نے یہاں بھی تقریباً ڈیڑھ ہفتہ قیام کیا۔ اسی دوران آپ نے مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ان سے کنز الدقائق کے سات آٹھ سبق پڑھے۔

مظاہر العلوم میں آپ نے مولانا عبدالرحمٰن ؒ کیمبل پوری والے " سے مختصر المعانی کے سات آٹھ سبق پڑھے۔ ان کے علاوہ آپ نے مولانا ثابت علی سے بھی یہیں شرف تلمذ حاصل کیا۔ مولانا خلیل احمد صاحبؒ مصنف " بذل المجہود " کی زیارت کی۔

مظاہر العلوم سہارنپور سے واپسی :- سہارنپور میں تھوڑا عرصہ قیام کرنے کے بعد آپ دوبارہ لاہور آئے اور یہاں ایک پٹھان اُستاد سے تقریباً بیس دنوں میں قطبی اور رستم پڑھیں۔ لاہور میں تقریباً ایک ماہ گزارنے کے بعد آپ پھر واپس اپنے گاؤں میں آگئے۔

مولانا ولی اللہ سے تعلق :- مرحوم حافظ شمس الدین اور مولانا محمد چراغ کے والد حافظ کرم الدین کے آپس میں دوستانہ تعلقات تھے۔ ایک دفعہ موصوف اپنے ننھیال موضع چین جو دھکڑ سے ایک میل سے بھی کم فاصلہ پر ہے آئے تو حافظ کرم الدین صاحب نے اُن سے ذکر کیا کہ " میرا لڑکا محمد چراغ تعلیم کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتا اگر آپ اسے ساتھ لے جائیں تو بہتر ہے۔

یہ ۱۹۱۱ء کا زمانہ تھا۔ اُستاد الاساتذہ ان دنوں دندہ شاہ بلاول میں قیام پذیر تھے۔ چنانچہ مولانا ولی اللہ مولانا محمد چراغ کو ہمراہ لے کر دندہ شاہ بلاول گئے اور بڑے پیار اور شفقت سے اُن کی تعلیم و تربیت کی۔ یہاں پر آپ نے موقوف علیہ تک کتب مولانا ولی اللہ سے پڑھیں اور تین سال تک یہاں قیام پذیر رہے۔

دیوبند میں داخلہ :- دندہ شاہ بلاول سے فراغت کے بعد آپ نے دیوبند جانے کا ارادہ کیا تو مولانا ولی اللہ نے آپ کو رخصت کرتے وقت دس روپے اپنی جیب سے عنایت کیے۔ آپ دیوبند پہنچے تو داخلے کے لیے امتحان مولانا اعزاز علی نے لیا۔ آپ دورۂ حدیث میں داخل ہو گئے۔

دیوبند میں آپ نے بخاری اور ترمذی علامۃ العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری، مسلم شریف حافظ محمد احمد، ابوداؤد میاں اصغر حسین شاہ، نسائی مولانا شبیر احمد عثمانی، ابن ماجہ مولانا غلام رسول خان، موطا امام مالک، موطا امام محمد اور طحاوی مفتی عزیز الرحمٰن (برادر مولانا شبیر احمد عثمانی) سے پڑھیں۔ اسی دوران آپ نے دارالعلوم میں مولانا سراج احمد اور مولانا اعزاز علی سے علم ادب پڑھا۔

علامۃ العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری، مولانا محمد چراغ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ امرتسر کی ایک انجمن نے دارالعلوم دیوبند کو لکھا کہ فلاں فلاں طلبہ کی درخواستیں وظائف کے لیے ہمیں ملی ہیں۔ کیا اُن کے وظائف جاری کر دیئے جائیں۔ جب یہ چٹھی حضرت شاہ صاحب کے پاس پہنچی تو انہوں نے مولانا محمد چراغ کا نام اُس فہرست میں خود درج کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے کوئی درخواست نہ بھیجی تھی۔

بعد میں مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مولانا محمد چراغ کو بتایا کہ اُن کا وظیفہ انجمن کی طرف سے کئی ماہ سے آرہا ہے۔ اس کا کیا کیا جائے تو مولانا نے وہ وظیفہ دارالعلوم میں جمع کرا دیا، کیونکہ اُس دوران آپ میرٹھ میں مدرس لگ چکے تھے۔ (۱)

مولانا جب دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر واپس گھر آگئے تو کچھ عرصہ کے بعد مولانا محمد انور شاہ کشمیری کا اُن کے نام خط آیا جس میں دیوبند آکر شیخ الہند کی تقریر ترمذی لکھنے کا حکم تھا۔ حسب الحکم جب آپ دیوبند پہنچے تو شیخ الہند تحریک خلافت اور تحریک حریت کی وجہ سے دیوبند میں تدریس کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ مولانا محمد چراغ کا بیان ہے:-

"شاہ صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم مدرسہ کے لیے مصنف عبدالرزاق نقل کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ میں کاتب نہیں بننا چاہتا۔"

اس پر شاہ صاحب نے مجھے میرٹھ میں حکیم تبرو علی صاحب ریٹائرڈ سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر (والد گرامی مولانا بدر عالم) کے مدرسہ میں مدرس کی حیثیت سے بھیج دیا جہاں میں دو سال رہا۔ (۲)

میرٹھ میں آپ نے جلالین، ابوداؤد وغیرہ کتب پڑھائیں۔ یہاں پر آپ کا قیام تقریباً ایک سال رہا۔ پھر آپ گھر چلے آئے اور دریالہ ضلع جہلم جہاں مولانا نجم الدین کے والد کا مڈل سکول تھا۔ اُس میں آپ نے ایک سال تک پڑھایا۔ اسی عرصہ میں پیر جماعت علی شاہ صاحب کے لڑکے مولوی محمد حسین نے دیوبند میں مولانا حبیب الرحمٰن کو لکھا کہ اُنہیں ایک مدرس کی ضرورت ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے مولانا محمد چراغ کو لکھا کہ وہ آپ علی پور میں پیر جماعت علی شاہ صاحب کے مدرسہ میں چلے جائیں۔ چنانچہ آپ نے کچھ عرصہ وہاں جاکر پڑھایا۔

علی پور میں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور بطور مدرس چلے گئے۔ یہاں پر آپ نے اڑھائی سال تک تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اس دوران آپ نے دیوان حماسہ کی تدریس کے سلسلہ میں پنجابی ادب کی کتاب ہیر وارث شاہ کا مطالعہ کیا۔ کیونکہ عربی کے دور قدیم کے شعراء کے کلام اور پنجابی میں یکسانیت کی تلاش مطلوب تھی۔

۱۹۲۴ء میں آپ لاہور سے گوجرانوالہ آئے اور مدرسہ انوارالعلوم شیرانوالہ باغ میں تدریس شروع کی۔ تقریباً بارہ سال تک آپ نے اس مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔

---

(۱)۔ سوانحی حالات مرتب کردہ مولانا محمد عارف مدرس مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ بزبانی مولانا محمد چراغ جو راقم نے مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۸۶ء کو بمقام گوجرانوالہ اُن کی نوٹ بک سے لکھے۔

(۲)۔ انٹرویو مولانا محمد چراغ جو راقم نے مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۶ء کو جامعہ عربیہ گوجرانوالہ میں اُن سے لیا۔

یکم جنوری ۱۹۳۶ء کو مسجد ارائیاں والی میں مدرسہ عربیہ کا آغاز کیا۔ مولانا مفتی خلیل احمد نے اور آپ نے باہم مشورہ کر کے مسجد میں درس کا سلسلہ شروع کیا۔ مسجد کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس کو کئی دن تک صاف کرتے رہے۔ شروع میں طلبہ کی تعداد ۲۵ تھی۔ آہستہ آہستہ تعداد بڑھنے لگی حتیٰ کہ ۸۰ تک پہنچ گئی۔ جگہ کی کمی کے باعث طلبہ کو راتیں دوسری مساجد میں گزارنا پڑیں۔

جگہ کی تنگی کے باعث مدرسہ کو موجودہ مقام پر منتقل کیا گیا۔ موجودہ عمارت کا سنگِ بنیاد مولانا ولی اللہ نے ۱۹۶۷ء میں رکھا جو ۱۹ کنال رقبہ پر مشتمل ہے جس میں جامعہ کی شاندار دو منزلہ عمارت، جس میں تدریس کے کمرے، لائبریری اور طلبہ کی رہائش گاہ (جس میں دو صد طلبہ کی رہائش کی گنجائش ہے) کے علاوہ ایک عظیم الشان جامع مسجد زیرِ تکمیل ہے۔

مولانا تاحال (۲۸ جولائی ۱۹۸۶ء جب کہ راقم تیسری مرتبہ جامعہ میں گیا) جامعہ کے مہتمم ہیں اور ان کے صاحبزادے مولانا محمد انور نائب مہتمم ہیں۔

مولانا کی دینی و اصلاحی خدمات :۔

۱:۔ عیسائیت کے خلاف :۔ برصغیر کے انگریزوں کے زیرِ اقتدار آتے ہی انگریز مشنریوں نے ہندوستان میں مذہبی تبلیغ زور و شور سے شروع کر دی۔ یہ مسلمانانِ ہند کے لیے ایک عظیم فتنہ تھا۔ اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے علمائے حق میدانِ عمل میں سرگرمِ عمل ہوئے۔ مولانا محمد چراغ نے ۱۹۲۶ء میں عیسائیت کے خلاف کام کا آغاز کرنے کے لیے مولانا محمد انور شاہ کشمیری سے راہنمائی حاصل کی۔ آپ نے اس سلسلہ میں مطالعہ کے لیے بذیل کتب تجویز کیں۔

(۱)۔ اظہار الحق از مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ (۲)۔ ازالۃ الشکوک مصنف ایضاً۔ (۳)۔ ازالۃ الاوہام مصنف ایضاً۔ (۴)۔ الاستقصا از مولانا آل حسن شیعہ۔ (۵) عہد نامہ قدیم کے منتخب مقامات۔

عیسائیوں کے ساتھ پہلا مناظرہ : تلونڈی سنگھو، ضلع گوجرانوالہ میں مولانا ثناء اللہ امرتسری اور پادری عبدالحق کے درمیان ہوا۔ جس میں مولانا محمد چراغ نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کے معاون کی حیثیت سے شرکت کی۔

دوسرا مناظرہ :۔ گوجرانوالہ میں پادری سلطان پال اور مولانا شمس الحق افغانی کے درمیان ہوا۔ مولانا نے مولانا افغانی کی معاونت کی۔

اس کے علاوہ آپ نے عیسائیت کے خلاف برصغیر کے مختلف اخبارات و رسائل میں متعدد مضامین اردو زبان میں تحریر کیے۔

مرزائیت کے خلاف مہم :۔ مرزائیت کا فتنہ اسلام کی بنیادوں کو ہلا دینے کی سازش تھی۔ جس کے بانی مرزا غلام احمد کو انگریز حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس فتنہ کے سدباب کے لیے حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری بہت بے قرار رہتے تھے۔ اس کارِ خیر رد مرزائیت میں ان کے تین تلامذہ نامور ہوئے۔ مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا محمد چراغ۔

ردِ مرزائیت کے لیے مولانا محمد چراغ نے سب سے پہلے علمی تیاری کی۔ اس سلسلہ میں مرزا غلام احمد کی تمام تصانیف کو پڑھ ڈالا اور مرزا کے تضادات کو جمع کیا۔ چنانچہ اس مطالعہ کے نتیجہ میں ردِ مرزائیت کے نام سے ایک جامع کتاب زیرِ طبع ہے۔

آپ نے ردِ مرزائیت کے سلسلہ میں گوجرانوالہ سے کشمیر تک قریہ قریہ گھوم کر اس فتنے کا رد کیا اور اس طوفان سے آگاہ کرنے کے لیے عوام میں دورے کیے۔ اس کی تصدیق راقم نے اُن کے اُس تحریری روزنامچے سے کی جو اُن کے پاس محفوظ ہے۔

تحریکات اور ابتلاء: ۔ برصغیر کی اجتماعی زندگی میں شیخ الحدیث مولانا محمد چراغ ایک نمایاں اور عظیم شخصیت کی حیثیت سے معروف ہیں۔ اُنہوں نے مختلف مراحل میں مختلف تحریکات میں حصہ لیا۔ جو تحریکیں خصوصیت کے ساتھ اُن کی توجہ کا مرکز رہی ہیں اور جن میں خاص کردار ادا کیا اُن میں تحریک خلافت، جمعیت العلمائے ہند، مجلس احرار، تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی ہیں۔

گرفتاریاں: ۔ مولانا محمد چراغ مختلف مراحل میں دورِ ابتلاء سے گزرے ہیں جن کی تفصیل بذیل ہے:۔

(۱) یکم جون ۱۹۳۰ء کو بسلسلہ تحریک طلبہ میکلیگن کالج ایک سال کے لیے قید ہوئے۔ (۲) ۔ تحریک کشمیر کے سلسلہ میں ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء کو ایک سال کی قید کی سزا ہوئی۔ (۳) ۔ پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت ۵ ستمبر ۱۹۴۸ء کو گرفتار ہوئے اور ایک ماہ تک قلعہ لاہور میں قید رہے۔ (۴)۔ پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت بسلسلہ تحریک ختم نبوت ۲۵ مئی ۱۹۵۳ء کو گرفتار ہوئے اور چھ ماہ کے لیے قید رہے۔ (۳)

مجلس احرار پنجاب کے پانچویں ڈکٹیٹر: ۔ روزنامہ زمیندار لاہور ۱۵ نومبر ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے:۔

> "مجلس احرار پنجاب کے پانچویں ڈکٹیٹر مولانا محمد چراغ صاحب مقرر ہوئے ہیں جو دیوبند کے فاضل اور گوجرانوالہ جامع مسجد کے خطیب اور مدرسہ عربیہ انوار الاسلام کے مدرس اعلیٰ ہیں آپ کی ملکی اور ملی خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ پچھلے سال کانگرس تحریک میں ایک سال قید رہ چکے ہیں۔
>
> آفس سیکرٹری مجلس احرار اسلام پنجاب لاہور، مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء
>
> اسی اشاعت میں مولانا کے ایک جلسے کی صدارت کی خبر اور اُن کے اعلان کی سرخیوں کے تحت خبریں ہیں۔ (۴)

---

(۳) ۔ انٹرویو مولانا محمد چراغ جو راقم نے مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۶ء کو جامعہ عربیہ گوجرانوالہ میں اُن سے لیا۔

(۴) ۔ روزنامہ زمیندار لاہور ۱۵ نومبر ۱۹۳۱ء۔

اقوال حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری بزبانی مولانا محمد چراغ :-

(۱) تقویٰ :- شاہ صاحب نے فرمایا "ہم مولویوں کی نیکی یہ نہیں ہے کہ ہم نماز پڑھ لیں روزہ رکھ لیں۔ کیونکہ یہ نہ کریں تو ہمیں دو چپاتیاں بھی نہ ملیں۔ ہم دوسروں کو حقیر نہ سمجھیں، دوسروں کی تربیت کریں اور مالی امور میں دیانت دار رہیں۔ اصل نیکی یہ ہے"۔

(۲) غالباً ۱۳۳۵ھ کا واقعہ ہے۔ فرمایا "میں نے، بائیس سال ہوئے ہیں، فتح القدیر بائیس دنوں میں دیکھی تھی۔ اب اسی وقت جو نقل کر رہا ہوں، اُسی یادداشت سے نقل کر رہا ہوں۔

(۳) "جامع ازہر میں صرف ایک کتاب نہیں دیکھی۔ باقی سب کتب دیکھی ہیں"۔

(۴) دارالعلوم کے باورچی خانے کے ناظم مولوی گل محمد صاحب نے مجھے کہا کہ حضرت شاہ صاحب سے دریافت کریں کہ یہ عبارت جو کتاب الوافی (جو دارالعلوم کے کتب خانہ میں ہے) وہ حضرت شاہ صاحب سے دریافت کرکے کتب خانہ سے نکالیں تاکہ ہم اس عبارت کی تصحیح کر سکیں۔ دریافت پر حضرت شاہ صاحب نے فرمایا "کتاب الوافی تو کتب خانہ میں نہیں ہے البتہ وہ عبارت مجھے دے دو تو میں اُسے درست کر دیتا ہوں"۔ چنانچہ وہ عبارت حضرت شاہ صاحب کو دی گئی جو اُنہوں نے اپنی یادداشت کی بنا پر درست کر دی۔

(۵) مرزا غلام احمد قادیانی کے بارہ میں حضرت شاہ صاحب کا ارشاد تھا "میں نے کبھی اُس کے نام کے ساتھ صاحب کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ "علیہ ما علیہ" لکھتا تھا تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ایک جھوٹے مدعی نبوت کی توقیر کی جا رہی ہے"۔

(۶) حضرت شاہ صاحب نے فرمایا "دارالعلوم والوں نے میری شادی کرا کر میرے مطالعے میں ہرج کر دیا ہے"۔

(۷) "حضرت شاہ صاحب ہمیشہ اُردو ہی میں درس دیا کرتے تھے۔ انوار الباری (اُردو) مولانا بدر عالم نے لکھی تھی اور چھپوائی مولانا احمد رضا بجنوری نے"۔

(۸) ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب کا سبق پڑھاتے ہوئے اُٹھ کر باہر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "چھوٹی بچی جو باہر ناراض کھڑی ہے کی توقیر کراؤں۔ وہ کہے گی بڑی توقیر نہیں کی گئی"۔ پھر جا کر بچی کو اُٹھایا اور پیار کیا۔

(۹) حضرت شاہ صاحب کے درس میں اُن کے اکثر شاگرد کا پیوں پر اُردو میں نوٹ لکھتے تھے۔

(۱۰) مولانا نے فرمایا "حضرت شاہ صاحب کے چند خطوط جو میرے نام آئے تھے اُردو میں تھے۔ ضائع ہو گئے ہیں"۔

(۱۱) میں نے اور مولوی مظفر جلبی نے دورہ سے فراغت کے بعد حضرت شاہ صاحب سے بیعت کے لیے درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا "حضرت شیخ الہند اسیری سے واپس آئیں گے تو میں اُن سے تمہاری بیعت کراؤں گا"۔ میں نے عرض کیا کہ اُن کی واپسی کی تو جلد توقع ہی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا "وہ انشاء اللہ جلد واپس آئیں گے"۔ چنانچہ وہ کچھ عرصے کے بعد آ گئے۔ لیکن اُن کی سیاسی مصروفیات کی وجہ سے بیعت کی نوبت نہ آ سکی۔

(۱۲) ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب گوجرانوالہ تشریف لائے۔ (مولانا بنوری ساتھ تھے) کشمیر تشریف لے جا رہے تھے۔ بازار سے بیان خریدنا چاہتے تھے لیکن اُن کے پاس اتنے پیسے نہ تھے۔ چنانچہ میں نے اپنی پوری تنخواہ بھی روپے شاہ صاحب کی نذر کیے۔ لیکن شاہ صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "میں غریبوں کے پیسے

نہیں لیتا"۔ جاتے وقت جب ریل میں سوار ہوئے تو میں نے اُن کی جیب میں ڈال دیئے۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ جو کچھ عزت ہمیں ملی ہے وہ شاہ صاحب کی نسبت سے ملی ہے"۔

۱۲۔ مقدمہ بہاولپور سے واپسی پر (جب کہ میں ملتان جیل میں تحریک آزادی وطن کے سلسلہ میں قید تھا) شاہ صاحب مجھے ملنے کے لیے جیل میں تشریف لائے لیکن جیل والوں نے ملاقات کرانے سے انکار کر دیا۔ بعد میں ملاقات ہونے پر شاہ صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ "ملک آزاد ہو کر رہے گا ہم ہوں یا نہ ہوں"۔ (۵)

مولانا چراغ کے ساتھ شاہ صاحب کی کرم فرمائیاں :- مولانا نے فرمایا :-

۱۔ حضرت شاہ صاحب کے درس کا جب آغاز ہوتا تو طلبہ کی نشستیں مختص ہو جاتیں۔ چنانچہ میری اور مولانا محمد مظفر جہلمی مرحوم کی نشست حضرت شاہ صاحب کے بالکل سامنے ہوتی اور ہم دونوں کی زبان عبارت پڑھنے میں تیز تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا "بھئی چراغ تلے ہمیشہ اندھیرا ہوتا ہے۔ اگر تم نماز بھی اسی طرح پڑھتے ہو تو تمہاری نماز بھی درست نہیں ہوتی"! اس کے بعد ہم نے اپنی زبان کی تیزی پر قابو پانے کی بھرپور کوششیں شروع کر دیں!

۲۔ میرے دیوبند کے سال کا آخر تھا۔ میں بخاری کی تقریر لکھ رہا تھا۔ میرے ساتھ شیخ عبدالغفور بوعلی جو کہ ترکستان سے ہجرت کر کے آئے تھے اور دورۂ حدیث میں شریک تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ بخاری کی تقریر کی ایک نقل تحریر کر کے انہیں دوں۔ چنانچہ میں نے شاہ صاحب کی تقریر بخاری کی ایک نقل انہیں لکھ دی۔ انہوں نے وہ نقل حضرت شاہ صاحب کو دکھائی۔ حضرت شاہ صاحب نے اُسے بہت پسند فرمایا اور پوچھا کہ "بھئی یہ کس نے لکھی ہے"؟ انہوں نے عرض کیا کہ شیخ سراج پنجابی نے (عرب چراغ کو سراج کہتے ہیں)۔

شاہ صاحب نے مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا "میں تو نہیں سمجھتا تھا کہ اس زمانے میں بھی ایسے ذی سواد (سمجھ دار) لوگ ہیں"۔

چنانچہ شاہ صاحب نے انہیں ہدایت کی کہ مجھے گھر سے دیوبند آنے کے لیے کہا جائے تاکہ میں ان کی ترمذی شریف کی تقریر لکھوں۔ چنانچہ اندازاً ۱۳۳۲ھ میں حضرت شاہ صاحب کی طلبی پر میں گجرات سے دیوبند گیا اور پھر حضرت شاہ صاحب کی ترمذی کی تقریر درس میں بیٹھ کر لکھنا شروع کی۔ حضرت شاہ صاحب اردو میں یہ تقریر فرماتے اور میں اُسے عربی میں لکھتا جاتا۔ حضرت شاہ صاحب کی اردو بھی عربی کے قریب ہوتی تھی۔

ترمذی کی یہ تقریر "العرف الشذی" کے نام سے مکمل ہوئی۔ یہ کتاب حکیم معشوق علی صاحب (جو کہ شاہ صاحب کے برادر نسبتی تھے) نے دیوبند سے چھپوائی ہے"۔

(۵)۔ انٹرویو مولانا محمد چراغ جو راقم نے مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۶ء کو جامعہ عربیہ گوجرانوالہ میں اُن سے لیا۔

مولانا مودودی سے تعلقات :۔ مولانا مودودی سے مولانا محمد چراغ کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ باوجود اس کے کہ علمائے دیوبند کا مولانا مودودی سے بڑا اختلاف ہے مگر اس کے باوجود مولانا اُن سے بہت متاثر تھے۔ مولانا چراغ نے حافظ محمد ادریس کے اس سوال پر کہ اپنے اساتذہ کے علاوہ بھی آپ کسی سے متاثر ہوئے؟ آپ نے فرمایا:۔

"میں سید مودودی نے مجھے بہت متاثر کیا اس شخص سے مجھے بے پناہ پیار تھا۔ ان دو سیدوں سید انور شاہ اور سید مودودیؒ نے مجھے اپنا گرویدہ ہی بنا لیا تھا۔ ان کا تاثر دل میں بہت پختہ ہے۔" (6)

حافظ محمد ادریس اپنے ایک انٹرویو کے حوالے سے مولانا چراغ کی زبانی رقمطراز ہیں :۔

"ایک مرتبہ سید صاحب سے میں نے عرض کیا مجھے میرے اساتذہ نے بہت کچھ دیا۔ میں نے ان سے علم و فضل حاصل کیا۔ مگر اس کے ساتھ ان سے مجھے بعض بیماریاں بھی حاصل ہوئیں۔ مولانا ولی اللہ صاحب کو بہرہ پن لاحق تھا۔ مجھے بھی ثقل سماعت لاحق ہو گئی ہے۔ حضرت انور شاہ کشمیری کو بواسیر تھی۔ میں بھی اسی مرض میں مبتلا ہوں۔ اب بیخوابی کی شکایت بھی ہونے لگی ہے۔ اس پر سید صاحب نے برجستہ کہا۔ پہلی دو بیماریاں بزرگوں کا تحفہ ہیں تو یہ تیسری خوردوں کا ہدیہ سمجھیے" (سید مودودی کو بھی بیخوابی کی شکایت تھی)۔ (7)

وفات :۔ بالآخر وہ سورج جو ستر (70) سال آسمان علم پر چمکتا اور جگمگاتا رہا، تاریکیوں اور اندھیروں کو اپنی روشنی سے شکست دیتا رہا۔ جس چراغ سے ہزاروں چراغ جلے وہ چراغوں کی ایک کہکشاں کرہ ارض پر چھوڑ کر ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ / ۲۱ اپریل ۱۹۸۹ء بروز جمعہ سرزمین جامعہ عربیہ کی آغوش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھپ گیا۔ یعنی "بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصود ہر پروانہ تھا۔" (8)

اولادیں :۔ مولانا کے چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ (1)۔ مولانا محمد انور قاسمی مہتمم جامعہ عربیہ۔ (2)۔ محمد سعید مقیم انگلستان (3)۔ مولانا حافظ محمد حنیف (ایم۔ اے اردو) (ایم۔ اے اسلامیات)، فاضل عربی اور فاضل درس نظامی مالک مکتبہ چراغ اسلام لاہور۔ (4)۔ محمد منور صاحب فاضل درس نظامی ملازم اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد جو حادثہ میں ۱۰ شوال ۱۴۰۹ھ کو فوت ہوئے۔ (9)

---

(6)۔ ماہنامہ المصباح، مولانا محمد چراغ نمبر، اگست، ستمبر ۱۹۸۹ء، مضمون، قطب دوراں حضرت مولانا محمد چراغؒ از حافظ محمد ادریس، ص ۲۳۔

(7)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۹۔

(8)۔ ایضاً ایضاً ایضاً، بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصود ہر پروانہ تھا از محمد انور قاسمی، ص ۱۵۔

(9)۔ ایضاً ایضاً ایضاً، بقیہ یادرفتگاں از مولانا محمد عارف ص ۵۱۔

مولانا محمد چراغ کی اُردو زبان کی خدمات

×××

مولانا کی تصانیف :۔

۱۔ العرف الشذی :۔ یہ شاہ صاحب کی ترمذی کی اُردو تقریر جو مولانا نے عربی میں ترجمہ کر کے لکھی ہے ۔ چھپ چکی ہوئی ہے ۔

۲۔ ردِ مرزائیت :۔ یہ کتاب زیرِ طباعت ہے اور اُردو زبان میں ہے ۔ (راقم مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۸۶ء کو دوسری مرتبہ جامعہ عربیہ گوجرانوالہ گیا ۔ مولانا کا غیر مطبوعہ ریکارڈ کا مطالعہ کیا جس کی تفصیل بذیل ہے ۔

۱۔ ایک مسودہ کاپی سائز ۸½ × ۶ ۔ کل صفحات ۱۶۰ جن میں سے چند صفحات ۲۸ ، ۳۲ ، ۲۰ ، ۱۵۱ تا ۱۵۷ خالی ہیں ۔ آخر پر ایک صفحہ کا انڈکس ہے جس میں چھبیس عنوانات درج ہیں ۔ اس میں مرزائیت ہی زیرِ بحث ہے ۔ سارا مسودہ اُردو زبان میں ہے ۔

۲۔ ایک مسودہ رجسٹر پر ہے ۔ جس کا سائز ۸½ × ۱۳ ہے ۔ کل صفحات ۸۰ ہیں ۔ کوئی نام تجویز نہیں کیا گیا ہے ۔ اسے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ پہلے حصہ میں مرزائیت ہی زیرِ بحث ہے ۔ دوسرے حصہ میں جو ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے ، صدق و کذب مرزا قادیان بیان کیا گیا ہے ۔ تیسرا حصہ جو ۲۱ صفحات پر مشتمل ہے ، حیات عیسیٰ علیہ السلام بیان کی گئی ہے ۔ آخر پر اقوال بزرگانِ دین دربارہ ختم نبوت درج ہیں ۔

مولانا محمد چراغ ایک عظیم عالم دین ہیں ۔ اُن کی زبان و قلم سے جو کچھ نکلا یا بیان ہوا سارا اُردو زبان کا سرمایہ ہے ۔ جس میں اُن کے وعظ ، لیکچر ، تقریریں ، مضامین و مقالات جو اخبارات و رسائل میں چھپتے رہے ۔ سب اُردو علم و ادب بیش قیمت ذخیرہ ہے ۔ مولانا نے اخبارات و رسائل میں جو کچھ لکھا اور جس کا ریکارڈ ہمیں دستیاب ہوا اُس کی تفصیل بذیل ہے ۔

۱۔ مرزا قادیان کی بد زبانی ، اخبار الہلال ، سن اشاعت ۳ مئی ۱۹۳۱ء ۔ ۲۔ توہین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرزا کی قلم سے ، اخبار الہلال ، سن اشاعت ۲۴ مئی ۱۹۳۱ء ۳۔ توہین صحابہ ، اخبار الہلال ، سن اشاعت ۱۶ مئی ۱۹۳۴ء ۔ ۴۔ مرزا قادیان کی عربی دانی ، اخبار الہلال ، سن اشاعت ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء ۔ ۵۔ مرزا قادیانی کے حرامزادہ کہنے کے حوالے ، اخبار زمیندار ، سن اشاعت ۱۹۳۴ء ۔ ۶۔ مرزا قادیان کی تفسیر و حدیث کی شرح ، اخبار الفرقان بریلی ، سن اشاعت ندارد ۔ ۷۔ مرزا قادیان کی علمی غلطیاں :۔ اخبار الفرقان بریلی ، سن اشاعت ندارد ، جلد ۲ تا ۴ ۔ ۸۔ مرزا کی جھوٹی قسمیں :۔ اخبار المجاہد ، سن اشاعت ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء ۹۔ مرزا کی منصوبہ بازی اپنے قلم سے :۔ اخبار الفرقان ، ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ ۔ ۱۰۔ مرزا کا اپنے دعویٰ مسیحیت میں :۔ الہلال ، ایضاً ۔ ۱۱۔ مولوی محمد علی پادری لاہوری ہے :۔ احسان ، سن اشاعت ندارد ۔ ۱۲۔ مولانا احمد علی لاہوری کے فتوے : اخبار نامعلوم ، سن نامعلوم ۔ ۱۳۔ مرزا بشیر الدین خلیفہ قادیان لٹ گئے : الہلال ، سن اشاعت محرم ۱۳۵۴ھ ۔ ۱۴۔ امت مرزائیہ :۔ اخبار الہلال ، مئی ۱۹۳۵ء ۔ ۱۵۔ حیات مسیح میں خبط مشوا مرزا ، اخبار الہلال ، سن اشاعت جون ۱۹۳۵ء ۔ ۱۶۔ مرزا قادیان کی قابلیت ، اخبار الہلال ، سن اشاعت ندارد ۔ ۱۷۔ مسلم مردم شماری مرزا کے قلم سے ، اخبار المجاہد ، سن اشاعت ۲۲ اگست ۱۹۳۵ء ۔ ۱۸۔ آنحضرتؐ مرزا کی نظر میں :۔ اخبار مجاہد ، سن اشاعت ۹ اکتوبر ۱۹۳۵ء ۔ ۱۹۔ لفظ حرامزادہ :۔ اخبار مجاہد ، سن اشاعت ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

۲۰۔ گنز مرزا بر خود مرزا :۔ اخبار مجاہد، سن اشاعت ۱۰ نومبر ۱۹۳۵ء ۲۱ ۔ ارتداد مرزا اُس کی اپنی زبانی :۔ اخبار مجاہد، سن اشاعت ۹ نومبر ۱۹۳۵ء

۲۲۔ مولانا محمد علی لاہوری کے نام خط :۔ اخبار مجاہد، سن اشاعت ۲۱ اپریل ۱۹۳۵ء ۔ ۲۳ ۔ عمر مسیح میں مرزا کا خبط عشوا، اخبار مجاہد، سن اشاعت ۵ اپریل ۱۹۳۵ء

۲۴۔ قبر مسیح میں مرزا کا خبط عشوا :۔ مجاہد، سن اشاعت ۱۲ اپریل ۱۹۳۵ء ۔ ۲۵ ۔ حیات مسیح اولہ شرعیہ :۔ الفرقان بریلی، سن اشاعت ندارد ۔

۲۶۔ دعوائے مسیحیت اور مرزا :۔ الفرقان بریلی، سن اشاعت ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ ۔ ۲۷ ۔ مرزا قادیان کا دجل :۔ مجاہد، سن اشاعت ۲۱ نومبر ۱۹۳۵ء

۲۸۔ مرزا قادیانی کا دعویٰ خاتم النبین :۔ مجاہد، سن اشاعت ۲۴ یا ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء ۔ ۲۹ ۔ قادیانی کا ظلی نبوت :۔ مجاہد، سن اشاعت ندارد ۔

۳۰۔ مرزا کی انسانیت کا معیار :۔ الارشاد امرتسر، سن اشاعت ندارد ۔ ۳۱ ۔ ختم نبوت از روئے اجماع :۔ الارشاد امرتسر، سن اشاعت جولائی ۱۹۳۶ء

۳۲۔ خاتم النبین کی آیت :۔ ایضاً ، ایضاً اگست ۱۹۳۶ء ۳۳ ۔ ختم نبوت از روئے احادیث :۔ ایضاً ، ایضاً ۱۱ ستمبر ۱۹۳۶ء

۳۴ ۔ مسٹر محمد علی امیر جماعت مرزائیہ لاہور :۔ شمس الاسلام ، سن اشاعت جنوری ۱۹۴۲ء ۔ ۳۵ ۔ مرزا قادیان کے علاقہ کا زمانہ :۔ شمس الاسلام، محرم، صفر، جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ

۳۶ ۔ کیا حضورؐ کے بعد جدید نبی کی ضرورت ہے ؟ :۔ شمس الاسلام، یکم و ۱۶ دسمبر ۱۹۴۰ء

یہ تمام مضامین اُردو زبان میں تحریر کیے گئے ہیں ۔ جن کی تعداد سینکڑوں صفحات پر مشتمل بنتی ہے ۔ علاوہ ازیں خاکسار تحریک کے متعلق بھی مولوی کا

غلط مذہب رسالہ کے جواب میں رسالہ شمس الاسلام میں بہت سے مضامین لکھے ۔

تحریک آزادی کے سلسلہ میں، احرار کے صدر اور ڈکٹیٹر کی حیثیت سے زمیندار اخبار اور دیگر رسائل میں مضامین لکھتے رہے ۔

مولانا کا وہ روزنامچہ جو اُنہوں نے رد مرزائیت کے سلسلہ میں اپنی کارکردگی کی روزمرہ روئیداد کی شکل میں لکھا ہے ، بڑے غلطے کی چیز ہے ۔ اُس میں

جہاں مولانا کی روزمرہ کارکردگی کا اظہار اُن کے قلم گوہر بار سے ہوا ہے ، وہاں اُس زمانہ کے حالات وواقعات کا بھی پتہ چلتا ہے ۔

چراغ ہدایت :۔ حضرت مولانا نے مدعیٔ جھوٹی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کا دقتِ نظر سے تحقیقی مطالعہ کیا ۔ ان کے جھوٹے دعوؤں علمی

مغالطوں اور تضاد بیانیوں کا خوب پوسٹ مارٹم کیا ۔ مختلف عنوانات سے مرزا کا تعاقب کیا ۔ مثلاً اکاذیب مرزا ، (مرزا کا جھوٹ) ، تغلطات مرزا ، اس

کی علمی بددیانتیاں ، اخلاق مرزا وغیرہ جیسے عنوانات قائم کرکے اس کی کتابوں سے ایسے ایسے حوالہ جات تیار کیے کہ ان حوالوں کے سامنے بڑے بڑے قادیانی

بھی مناظرے میں آنے کی جرأت نہ کرتے ۔ حضرت خود فرمایا کرتے کہ میں نے مرزا کی گردن یعنی چوٹی پکڑی ہے ۔

مولانا نے رد قادیانیت پر تین کاپیاں مرتب کی تھیں جن میں ختم نبوت ، حیات مسیح ، اخلاق مرزا پر اپنا مواد جمع کیا کہ جھوٹی نبوت کی بنیاد

پر ضرب کاری کا کام دیتا ہے ۔

۱۹۵۳ء کی ختم نبوت کے نتیجہ میں جب منیر انکوائری شروع ہوئی اور بہت سے علما کو تحقیقاتی عدالت میں بلایا گیا تو مولانا سید ابوالاعلیٰ ۔

مودودی نے تحقیقاتی عدالت میں فتنہ مرزائیت کے رد پر تین بیانات دیئے اور مولانا چراغ کی ان کتابوں کو پڑھا اور حضرت مولانا کے انداز تردید کو

بڑا اسرار۔

حضرت مولانا کے فرزند اکبر مولانا محمد انور قاسمی کا بیان ہے۔

« کہ ان کاپیوں کی مدد سے انہیں (Mauritius) ماریشس میں قادیانیوں کے ساتھ
مناظرہ میں بڑی تقویت ملی۔ کیونکہ ان کاپیوں کو حضرت نے جس انداز سے ترتیب دیا وہ بڑا منطقی
تھا۔ اس لیے قادیانی مناظرہ میں خلاف توقع دلائل سے لاجواب ہو کر شکست کھا جاتے »

حضرت کی انہی کاپیوں کی مدد سے ایک کتاب " چراغ ہدایت " زیر طبع ہے۔ جو انشاء اللہ جلد منظر عام پر آجائے گی۔

مولانا محمد چراغ بنام مولانا مودودی :۔ آپ کو مولانا مودودی سے بے پناہ محبت تھی اور ان کی دینی خدمات کے بڑے مدح تھے۔ ہمیشہ بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے۔

مولانا مودودی کی شاید ہی کوئی تحریر ہو جو آپ کی نظر سے نہ گزری ہو۔ ترجمان القرآن کی تمام فائلیں جمع رکھی تھیں۔ مولانا مودودی بھی جب کوئی کتاب چھپتی آپ کی خدمت میں ہدیتاً بھجوا دیتے۔ پھر آپ بڑی ناقدانہ نظر سے اس کا مطالعہ کرتے۔ جہاں اختلاف محسوس ہوتا۔ فوراً مولانا مرحوم کو اپنی رائے لکھ دیتے۔

مولانا مرحوم بھی آپ کی رائے کی بڑی قدر کرتے۔ کئی مقامات پر مولانا مرحوم نے آپ کی رائے سے اتفاق کر کے عبارت کی تصحیح کروادی تھی۔

مولانا مودودی اور حضرت کے مابین یہ خط و کتابت اب کتابی صورت میں فیصل آباد سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب " مولانا محمد چراغ بنام مولانا مودودی " کو پڑھنے کے بعد ہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ دونوں بزرگوں میں کس قدر دین کے لیے اخلاص اور کشادہ ظرفی تھی۔ اپنی رائے کو بھی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔

تکمیل دلیگا روڈ دارالعلوم بدست خود :۔ حضرت اپنی ذات میں گوناگوں صلاحیتوں کے پیکر تھے۔ تنہا بہت سی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے۔ حالات دشواریوں کے باعث اساتذ جامعہ میں کم ہوتے تو حضرت خود تدریسی بوجھ اٹھا لیتے۔ مسلسل چودہ گھنٹے تعلیم جاری رکھتے۔ جامعہ میں کوئی کلرک نہیں تھا۔ یہ کام بھی خود ہی کرتے۔ آمدن و خرچ کا سارا حساب خود لکھتے۔ خود ہی طلباء کا داخلہ رجسٹر، یومیہ مصارف کا رجسٹر اور کیش بک تیار کرتے۔

مسجد ارائیاں میں سالہا سال تک بلا معاوضہ خطبہ جمعہ و دیگر ذمہ داریاں پوری کرتے رہے۔ جامعہ کی تمام خط و کتابت ڈاک رجسٹر کا کام بھی خود ہی کرتے۔ گویا بیک وقت مہتمم جامعہ، مدرس، خطیب اور منتظم تھے۔

×××

ماہنامہ المصباح، لاہور، مولانا محمد چراغ نمبر، اگست، ستمبر ۱۹۸۹ء، بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصود ہر پروانہ تھا از مولانا محمد انور قاسمی، ص ۱۳ تا ۱۴ –

شیخ القران مولانا غلام اللہ خان

حالات زندگی :۔ نام ابتدا میں غلام خان رکھا گیا ۔ بعد میں شاہ عبد القادر رائے پوری نے غلام اللہ خان رکھا ۔ والد کا نام فیروز خان تھا ۔ جو کہ قبیلہ اعوان سے تعلق رکھتے تھے ۔ آپ موضع دریہ نزد حضرو ضلع اٹک (موجودہ کیمل پور) میں ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے ۔ (۱)

آپ کا شجرہ نسب حضرت علی کے صاحبزادہ محمد بن حنفیہ سے جا ملتا ہے ۔ اس طرح خاندانی اعتبار سے آپ علوی تھے ۔

تعلیم :۔ ناظرہ قران پاک آبائی گاؤں کی مسجد میں پڑھا ۔ بہادر خان سکول میں نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی ۔ آپ کا ذہن ابتداء ہی مذہبی تھا ۔ چنانچہ آپ علاقہ سواں تحصیل و ضلع راولپنڈی میں مولانا احمد دین کے پاس حاضر ہوئے اور اُن سے صرف و نحو کی تکمیل کی ۔ پھر آپ انہی ضلع گجرات گئے ۔ یہاں اس زمانہ میں معروف درس گاہ تھی ۔ وہاں آپ نے مولانا ولی اللہ اور مولانا غلام رسول سے عقلیہ و نقلیہ علوم ، منطق ، فلسفہ ، معانی ، کلام ، فقہ ، اصولِ فقہ کی تکمیل کی ۔ وہاں سے واں بھچراں ضلع میانوالی گئے ۔ (۲)

تلمذِ تفسیر اور بیعت :۔ واں بھچراں ضلع میانوالی میں سلسلہ نقشبندیہ کے مولانا حسین علی سے تفسیر پڑھی ۔ مولانا حسین علی ، کامل صوفی ، جید عالم دین اور قران مجید کی تفسیر اور ربط آیات قرانیہ ہیں ۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے ترجمان مانے جاتے تھے ۔ مولانا غلام اللہ خان نے آپ کی خدمت میں حاضر رہ کر اپنے اُستاد کے خاص اسلوبِ تفسیر کو باقاعدہ حاصل کیا اور اُن کی تقریرات کو محفوظ کیا جو بعد میں "بلغتہ الحیران" کے نام سے شائع بھی کی گئی ۔ آپ نے انہی سے بیعت بھی کی ۔ (۳)

اپنے اُستاد و مرشد مولانا حسین علی سے ایک سفارشی خط لے کر ڈابھیل میں حضرت امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری (جو کہ دارالعلوم ڈابھیل کے پرنسپل تھے) کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اُنہوں نے اپنی علالت و ناتوانی کا ذکر کیا تو دیوبند آ گئے ۔ لیکن جونہی حضرت شاہ صاحب علامہ کے رو بصحت ہونے کی اطلاع ملی تو دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور داخلہ لیا ۔ یہاں پر حدیث شریف شاہ صاحب اور علامہ شبیر احمد عثمانی سے پڑھی ۔ (۴)

تدریس :۔ آپ نے تدریس کا آغاز بھیرہ ، ضلع سرگودھا سے کیا ۔ وہاں کئی سال تک آپ قران و حدیث کے علاوہ تمام علوم و فنون بالخصوص منطق ، فلسفہ اور علمِ ریاضی کا درس دیتے رہے ۔

---

(۱) ۔ ماہنامہ تعلیم القران ، راولپنڈی ، خصوصی شمارہ بیاد شیخ القران مولانا غلام اللہ خان ، مئی / جون ۱۹۸۱ء ، مختصر حالات زندگی از قاری حبیب الرحمن ، ص ۱۱۱ ۔
(۲) ۔ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۱۲ ۔
(۳) ۔ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً شیخ القران مولانا غلام اللہ خان از مولانا حافظ ریاض احمد ، ص ۶۵ ۔
(۴) ۔ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۶۷ ، ۶۸ ۔

راولپنڈی میں آمد :- ۱۹۳۷ء میں راولپنڈی ایک ہائی سکول میں مدرس کی حیثیت سے وارد ہوئے۔ اس دوران جامع مسجد ڈھیری حسن آباد میں امام و خطیب بھی رہے۔ آپ کی خطابت سے متاثر ہو کر انتظامیہ مسجد پرانا قلعہ نے آپ کو خطابت کی پیشکش کی۔ انتظامیہ نے ۱۵۰ روپے مشاہرہ مقرر کیا۔ مگر آپ نے فی سبیل اللہ یہ کام کرنا منظور کر لیا۔

آپ کی قائم کردہ درسگاہیں :- ۱۹۴۰ء میں مسجد پرانا قلعہ ہی میں دارالعلوم تعلیم القرآن کی بنیاد رکھی اور عرصہ تک مختلف علوم کی تدریس ہوتی رہی۔ تقسیم ہند کے بعد یہ دارالعلوم راجہ بازار راولپنڈی کی ایک متروکہ عمارت میں منتقل ہوا جو سادھوں کی تربیت گاہ تھی اور تربیت گاہ کے مہتمم مولانا کو لکھ کر دے گئے تاکہ آپ یہاں دینی مدرسہ قائم کریں۔ اس کے ساتھ ملحقہ خالی زمین پر آپ نے ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے آبائی گاؤں دریہ میں اپنی ذاتی اراضی کے ۵ کنال کے قطعہ میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور دارالعلوم حسینیہ قائم کیا۔ اس عمارت میں گاؤں کا سرکاری پرائمری سکول بھی ہے۔

کیمبل پور شہر میں بھی اپنی جیب خاص سے ۵ کنال اراضی خرید کر ایک جامع مسجد اور مدرسہ جامعہ اشاعت الاسلام کی بنیاد رکھی۔ (۵)

مجاہدانہ کارنامے :- تحریک آزادی میں آپ نے مجلس احرار اور جمعیت العلمائے ہند کے موقف کی تائید کی۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء میں آپ کی حیثیت مرکزی راہنما کی تھی۔ ۱۹۵۳ء میں جو وفد وزیر اعظم سے ملنے کراچی گیا اور گرفتار ہوا۔ اس کے بعد جب سے پہلی گرفتاری آپ کی ہوئی۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء میں آپ کو دس سال قید اور پچیس ہزار روپے جرمانہ ہوا جو بعد میں اپیل پر معاف ہو گیا۔ ۱۹۶۵ء میں آپ اٹھارہ ماہ تک راولپنڈی ضلع بدر ہو کر اپنے آبائی گاؤں دریہ میں نظر بند رہے۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک میں بھی گرفتار ہوئے۔ اور آپ کی رہائش گاہ کے پاس جامعہ مسجد پرانا قلعہ میں دستی بم پھینکا گیا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک قومی اتحاد میں آپ کی خدمات نمایاں رہیں۔ (۶)

تبلیغ اسلام کے لیے سفر :- ۱۹۶۹ء میں آپ انگلینڈ گئے اور تقریباً چالیس مقامات پر خطاب کیا۔ ۱۳۹۹ھ میں حج کے موقع پر سعودی حکومت کی خصوصی دعوت پر پاکستان کی طرف سے حرم شریف میں ایک ماہ تک قرآن کا درس دیا۔ مارچ ۱۹۸۰ء میں علالت کے باوجود دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شرکت کی اور پاکستانی علماء کی قیادت کی۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کا خطاب بھی ہوا۔

سعادت حج :- مولانا کو اپنی زندگی میں سات بار حج شریف کی سعادت نصیب ہوئی۔ (۷)

وفات :- اپریل ۱۹۸۰ء کے آخری ہفتہ میں عمرہ کے لیے گئے۔ واپسی پر بحرین سے ہوتے ہوئے دوبئی پہنچے۔ ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء / ۱۱ رجب ۱۴۰۰ھ کی عشاء کے بعد

---

(۵)- ماہنامہ تعلیم القرآن، دارالعلوم تعلیم القرآن، راجہ بازار راولپنڈی، خصوصی شمارہ بیاد شیخ القرآن، شیخ القرآن نمبر، مئی/جون ۱۹۸۱ء ص ۱۱۲ تا ۱۱۵۔

(۶)- ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۰۱، ۱۰۸، ۲۰۱۔

(۷)- ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۹۶۔

جامع مسجد دھرہ دوبئی میں خطاب تھا۔ عشاء کے بعد جلسہ میں تلاوت ہو رہی تھی۔ سٹیج پر بیٹھے تھے کہ طبیعت ناساز ہو گئی اور تو اپنے رفیق سفر سے کہا کہ چند منٹ بیان کرو۔ جلسہ گاہ سے فوراً ہسپتال پہنچایا گیا، ۲۶، ۲۷ مئی کی درمیانی شب کو پاکستانی وقت کے مطابق ۱۲ بجے خالق حقیقی سے جا ملے۔ وانا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم کی عمر ۷۷ برس تھی۔ دارالعلوم راولپنڈی میں موت کی خبر پہنچی۔ رات ۹ بجے میت دوبئی سے راولپنڈی پہنچی۔ اگلے دن صبح ۸ بجے لیاقت باغ میں آپ کی نماز جنازہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے پڑھائی۔ جنازہ میں صدر جنرل ضیاء الحق اور دیگر وزراء و حکام نے شرکت کی۔ پھر جنازہ اٹک لے جایا گیا۔ جہاں آپ کے بیٹے قاضی احسان الحق نے نماز جنازہ پڑھائی اور جامعہ اشاعت الاسلام کے صحن میں دفن کیا گیا۔ (۸)

مرحوم کی وفات پر بینات کراچی، الحق اکوڑہ خٹک، الرشید ساہیوال، جنگ، نوائے وقت، اعلان، جسارت، حریت، زندگی، خدام الدین اور اخبار جہاں نے تعزیتی نوٹ لکھے۔ ؎ رخت سفر آخرت ہی لبست بیران خاں کہ مفتی محمود و مولانا غلام اللہ خاں۔

تاریخ وفات :- بہ سرو پا می شود خبر درد دل ، بہم مہر و ماہ ؛ مشتری ، ناہید و کیوان ، برج ہائے آسمان = ۱۳۹۸ھ (۹)

مولانا غلام اللہ خان کی قرآنی خدمات بزبان اردو

تفسیر جواہر القرآن :- تفسیر جواہر القرآن جو قرآنی معارف و علوم اور تفسیری فوائد کا بیش بہا خزینہ ہے۔ اسے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان نے مرتب و مدون کیا۔ مولانا موصوف سال ہا سال حضرت حسین علی مدنی متوفی ۱۳۶۳ھ کی خدمت میں رہے اور اُن کے طرز خاص کے مطابق قرآنی علوم و معارف حاصل کیے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ درس قرآن کے دوران اپنے شیخ کے فوائد لکھتے جاتے تھے اور پھر اُن کو محفوظ کر لیتے تھے۔ علماء کی زبان میں اِن ملفوظات کو جو شاگرد دوران درس لکھ لے "امالی" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے اُستاذ کے تفسیری نکات اور ملفوظات کو بعد میں کتابی شکل میں اُردو زبان میں "بلغۃ الحیران" اور "تفسیر بے نظیر" کے نام سے شائع کیا۔

مولانا راولپنڈی دارالعلوم تعلیم القرآن کے مہتمم اور "ماہنامہ تعلیم القرآن" کے نگران بھی تھے اور ساتھ ہی درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کیا تا آنکہ ۱۹۵۸ء میں آپ کے ذہن میں تفسیر لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے "ماہنامہ تعلیم القرآن" کے مدیر سید ابوالحمد سجاد بخاری کو تفسیر جواہر القرآن مرتب کرنے کو کہا، جسے اُنہوں نے خوشی مان لیا اور لکھنے کا کام شروع کر دیا جو مکمل ہو کر تین جلدوں میں شائع ہوئی۔

سجاد بخاری کا کہنا ہے :-

---

(۸) ۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۱۵، ۱۲۰، ۱۲۳۔

(۹) ۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۸۹ ۔

"مولانا نے مجھے تفسیر" بلغۃ الحیران " کا ایک نسخہ اور اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے کچھ تفسیری مسودات دیئے اور اس کے علاوہ ہر روز جن آیات کی تفسیر لکھنا ہوتی مجھے اس کا درس دیتے۔ اس طرح میں نے ان مختلف ذرائع سے اس تفسیر کو مدون و مرتب کیا اور اس تفسیر میں ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کا ہے، فوائد موضح القرآن شاہ عبدالقادر محدث دہلوی صاحب اور مقدمہ مع فوائد فتح الرحمان شاہ ولی اللہ کا لیا ہے۔ اس طرح یہ ایک جامع تفسیر بن گئی ہے۔" (۱)

خصوصیات:۔ رئیس المفسرین مولانا حسین علی تفسیر کے سلسلہ میں جن باتوں کو پیش نظر رکھتے تھے اور بعد میں جن کو مدنظر رکھ کر شیخ القرآن نے تفسیر جواہر القرآن لکھی۔ وہی باتیں اس تفسیر کی خصوصیات میں شامل کی جاسکتی ہیں۔

(۱)۔ ہر سورت کا ایک دعویٰ یعنی اس کا عمود اور مرکز موضوع ہوتا ہے جو اس میں ایک بار یا کئی بار پوری صراحت سے مذکور ہوتا ہے اور اس کی باقی تمام آیات بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کے گرد گھومتی اور کسی نہ کسی طرز سے اس سے متعلق ہوتی ہیں۔ مثلاً بعض آیات میں مرکزی دعویٰ کے دلائل، دلائل عقلیہ یا دلائل نقلیہ مذکور ہوں گے۔ بعض آیات میں مرکزی موضوع پر تنویر ہوگی۔ کہیں اصل دعویٰ کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے اس کا اعادہ ہوگا۔ سورۂ بقرہ میں توحید کا تین بار اعادہ کیا گیا ہے۔ (۱)۔ پہلی جگہ۔ شرک فی الدعا۔ ۲۔ دوسری جگہ شرک فعلی۔ ۳۔ تیسری جگہ شفاعت قہری مقصود ہے۔ بعض آیات میں اصل دعویٰ کو ماننے والوں کے لیے دنیوی اور اُخروی بشارت اور نہ ماننے والوں کے لیے دنیوی اور اُخروی تخویف مقصود ہے۔

(۲)۔ سورتوں کی ترتیب اتفاقی یا اجتہادی نہیں بلکہ توقیفی ہے اور ہر سورت اپنے ماقبل اور مابعد کے ساتھ باقاعدہ مربوط ہے۔ اس طرح ہر سورت کی آیات بھی سلسلہ نظم و ربط میں منسلک ہیں۔

(۳)۔ آیت کا وہی مفہوم راجح ہوگا جو آنحضرتؐ، صحابہ کرام اور تابعین سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہو اور آیت کے ماقبل اور مابعد سے مناسبت رکھتا ہو۔ وہ نہ اسلام کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہو اور نہ قواعد عربیت کے۔

(۴)۔ حتی المقدور آیت کا ایسا مطلب بیان کیا جائے جس میں حذف و تقدیر کی ضرورت ہی پیش نہ آئے یا کم از کم اس کا ارتکاب کرنا پڑے۔ مثلاً "اذ" کا مطلب عام طور پر ہر جگہ "اُذکرو" مقدر مانا جاتا ہے، مگر حضرت شیخ "اذ" کے بعد کسی مناسب فعل مذکور کو اس کا عامل قرار دیتے ہیں، کیونکہ ظروف کا اپنے عوامل پر تقدم جائز ہے۔

(۵)۔ حتی الوسع آیت کا ایسا مفہوم بیان کیا جائے۔ جس پر سرے سے کوئی خارجی اعتراض اور شبہ وارد ہی نہ ہو اور تکلیف جواب کی ضرورت پیش نہ آئے۔ مثلاً

---

(۱)۔ مولانا غلام اللہ خان کی قرآنی خدمات: ارشاد احمد مغل، غیر مطبوعہ مقالہ برائے علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۹، ۱۲۰۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" میں الف لام کو عام طور پر استغراق کے معنوں میں لیا جاتا ہے، پھر اس پر سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جو علماء و طلبہ میں معروف ہے۔ مثلاً ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب تعریفیں اللہ ہی کے ساتھ مختص ہیں تو پھر غیر اللہ کی تعریف کیوں کی جاتی ہے۔ حالانکہ غیر اللہ کی تعریفیں خود قرآن میں مذکور ہیں۔ پھر اس اعتراض کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ غیر اللہ کی تعریف بھی در اصل اللہ ہی کی تعریف ہے، کیونکہ مخلوق کی جو تعریف ہوگی وہ درحقیقت خدا ہی کی تعریف ہوگی۔ لیکن شیخ الف لام کو اس کے حقیقی مفہوم یعنی عہد پر محمول کرتے ہیں اور "حمد" سے خدا کی صفات ربوبیت مراد لیتے ہیں اب "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کا مطلب یہ ہوگا وہ صفات ربوبیت یعنی وہ خوبیاں اور صفات جو کسی ذات کے الٰہ حق اور معبود برحق ہونے کے لیے ضروری ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور اس کے سوا کسی دوسری ہستی میں نہیں پائی جاتیں۔ اس مفہوم پر سوال مذکور اور اس نوع کے دوسرے سوال وارد نہیں ہوتے۔ (۱)

(۲) ۔ بعض مفسرین نے نسخ کا وسیع مفہوم سامنے رکھ کر کئی سو آیات کو منسوخ قرار دے دیا۔ لیکن نسخ کے خاص مفہوم "آیت کی تلاوت باقی رہے اور اُس کا حکم اُٹھ جائے" کے پیش نظر علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے صرف بیس آیات کو منسوخ مانا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بیس میں سے صرف پانچ کو منسوخ قرار دیا ہے اور پندرہ کی ایسی توجیہیں کر دی ہیں کہ وہ منسوخ نہیں رہتیں۔ لیکن حضرت حسین علی کے نزدیک یہ پانچ آیات بھی محکم ہیں منسوخ نہیں اور آپ نے ان آیات کے اپنے موقع پر نہایت عمدہ توجیہ کر دی ہے۔

(۳) ۔ تفسیر جواہر القرآن کی ترتیب میں مذکورہ بالا خصوصیات کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور حتی الوسع مولانا حسین علی کے افادات کو کماحقہ، بیان کرنے کی کوشش کی گی۔ مزید براں بطور تائید عربی تفاسیر سے اصل متن حوالے کے طور پر ساتھ شامل کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت شیخ کے افادات کو تفسیر میں بالتفصیل بیان کرنے کے علاوہ علیحدہ کالم میں اختصار کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے۔

(۴) ۔ ربط سور اور ربط آیات :۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے اس کا تعلق جو پچھلی سورتوں سے ہے۔ وہ بیان کیا جاتا ہے۔ اگر یہ ربط و تعلق سورتوں کے نام کی وجہ سے ہے تو اُسے نامی یا رسمی ربط کہا جاتا ہے اور اگر یہ ربط مضمون کے لحاظ سے ہے تو اسے معنوی ربط قرار دیا گیا ہے۔ الغرض اس تفسیر کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ ہر سورۃ کو اپنی ماقبل اور مابعد کی سورتوں کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ اگر پہلی سورتوں میں کوئی مضمون اجمالی طور پر وارد ہوا تو اگلی سورتوں میں اُس کی تفاصیل بیان کر دی گئی ہیں اور اس کا معنوی لحاظ سے پہلی سورتوں سے ربط بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح ہر ہر آیت کا اپنی ماقبل اور مابعد کی آیات سے ربط و تعلق بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۵) ۔ خلاصہ سورت :۔ سورتوں کی تمام تفاسیر کا خلاصہ اور لُبِّ لباب سورۃ کے شروع ہی میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ جس میں اس سورت کے مضامین اور مفہوم سمجھنے میں کافی حد تک مدد ملتی ہے۔

(۶) ۔ تفسیر جواہر القرآن میں شیخ مولانا حسین علیؒ کے علاوہ مفسر نے اپنے حدیث کے اُستاذ علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحقیقات بھی نقل کی ہیں۔

(۷) ۔ اس تفسیر میں بعض جگہ حضرت شاہ ولی اللہ کی تحقیقات بھی سپرد قلم کی گئی ہیں اور حضرت شیخ الہند کا ترجمہ اور اصل موضح القرآن اور فتح الرحمٰن بھی ساتھ شائع کئے گئے ہیں

(١٢)۔ اس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں روایات ضعیفہ اور اسرائیلیات کا نام و نشان تک نہیں ملتا ۔

(١٣)۔ آپ نے ہر مسئلہ کو نہایت اختصار، مگر جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے اور ہر بات اپنے مقام پر نگینہ معلوم ہوتی ہے ۔

(١٤)۔ تفسیر جواہر القرآن بیان توحید کا بیش بہا خزانہ ہے۔ مولانا موصوف نے ہر ہر آیت سے توحید باری تعالیٰ ثابت کی ہے ۔ اس کے علاوہ شرک کی تمام اقسام کو واضح کرکے اس کی کی کوشش کی گئی ہے ۔

(١٥)۔ اس تفسیر میں اُمت میں پائے جانے والے اختلافات اور اخلاقی مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے ۔ ان مسائل میں مسئلہ الہ، مسئلہ وسیلہ، مسئلہ سماع موتیٰ مسئلہ نذر و نیاز وغیرہ شامل ہیں ۔

(١٦)۔ تفسیر جواہر القرآن محدثانہ گروہ کی ترجمان ہے کیونکہ اس میں نہ تو اسرائیلیات کا تذکرہ ہے اور نہ ہی متکلمانہ موشگافیاں ۔ بلکہ اپنی تحقیقات کو احادیث اقوال صحابہ، تابعین اور اکابر مفسرین کی روشنی میں قلم بند کیا ہے ۔

(١٧)۔ مقدمہ :۔ اس تفسیر کی بڑی خوبی اس کا مقدمہ ہے جس میں آپ نے مختلف الفاظ قرآنی، اصطلاحات قرآنی کی تحقیق کی ہے ۔ غرضیکہ اُردو زبان میں یہ اپنی قسم کی منفرد تفسیر ہے ۔ (١)

مولانا کی دیگر اُردو تصانیف پر تبصرہ

xxx

(١) تفسیر القرآن :۔ جواہر القرآن :۔ مرتبہ شیخ القرآن، مولانا غلام اللہ خان، ناشر کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی، سن ندارد ۔

جلد اوّل :۔ ابتدائی سات صفحات پر ابواحمد سجاد بخاری کا تحریر شدہ تعارف ہے۔ جس کے اختتام پر تاریخ ١٢ محرم الحرام ١٣٦٩ھ درج ہے ۔ صفحہ ٧ تا ١٢ پر مختلف علماء کی تقاریظ ۔ یہ بارہ صفحات خارج از تفسیر ہیں ۔ اگلے صفحہ نمبر ١٣ تا ٥٢ پر اصطلاحات قرآن پاک کی وضاحت بذیل تین حصوں میں کی گئی ہے ۔

حصہ اوّل :۔ در بیان اصطلاحات، حصہ دوم :۔ در بیان فوائد متعلقہ معانی والفاظ قرآن، حصہ سوم :۔ مسئلہ الہٰ ۔ ص ٥٣ تا ٥٦ دیباچہ فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فارسی زبان میں، ص ٥٧ پر دیباچہ موضح القرآن از شاہ عبدالقادر محدث دہلوی، اُردو میں ، ص ٥٨ تا ٦١ فہرست مضامین تفسیر جواہر القرآن، یہ ٦١ صفحات بھی خارج از تفسیر ہیں ۔ یہ تفسیر تین جلدوں پر مشتمل ہے :

جلد اوّل :۔ از سورۂ فاتحہ تا اختتام سورۂ توبہ ہے ، کل صفحات ٦٠٤ ہیں ۔

جلد دوم :۔ از سورۂ یونس تا سورۂ لقمان ، کل صفحات ٣٥٧ ہیں ۔

جلد سوم :۔ تا سورۂ الناس ، کل صفحات ٣٨٣ ہیں ۔ ہر سہ جلدوں کے آخری صفحات پر محمد رمضان پروف ریڈر حکومت مغربی پاکستان کے سرٹیفکیٹ شامل ہیں ۔

---

(١) ۔ مولانا غلام اللہ خاں کی قرآنی خدمات: از ارشاد الحق ، غیر مطبوعہ مقالہ بحکم علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، سن ١٩٨٥ء ، ص ١١٩ تا ١٢٦ ۔

(۲) ۔ جواہر التوحید :۔ یہ افادات شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مرحوم کا مجموعہ ہے ۔ جسے ابو سجاد بخاری نے مرتب کیا ہے ۔ مقام اشاعت :۔ کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راولپنڈی ۔ طبع ۱۹۸۶ء ۔ قسط اول کل صفحات ۴۴۴ ۔ اس قسط کے چار حصے ہیں اور پہلا حصہ چھ ابواب پر مشتمل ہے جن میں علم غیب پر مختلف عنوانات کے تحت بحث کی گئی ہے اور قرآن و حدیث سے حوالے درج کیے گئے ہیں ۔ قرآنی واقعات سے حوالوں کے ساتھ ذاتی اور عطائی علم سے بحث کی گئی ہے ۔

دوسرے حصہ میں علم غیب ماسوائے اللہ کی نفی میں پچاس احادیث پیش کی گئی ہیں ۔ تیسرے حصہ میں علم غیب کی نفی کے بارے میں صحابہ کرام ، تابعین ، اتباع تابعین اور فقہائے امت کے علاوہ علماء دیوبند کے فتاوٰی بھی درج ہیں ۔ چوتھے حصہ میں بریلوی حضرات کے دلائل کا جواب دیا گیا ہے ۔ اس حصے میں دو باب ہیں ۔ پہلے میں قرآنی دلائل کا جواب دیا گیا ہے اور دوسرے میں حدیثی دلائل کا ۔

(۳) ۔ التبیان :۔ از افادات مجدد دوراں مولانا حسین علی ۔ بہ تعلیم شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ۔

ملنے کا پتہ : کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راولپنڈی ۔ طبع دسمبر ۱۹۷۸ء ۔ کل صفحات ۹۶ ۔ دیباچہ کے بعد ص ۳ تا ۸ قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں علم غیب کا بیان عربی زبان میں ہے ۔ ص ۸ تا ۹۴ قرآن پاک کی ۱۱۴ سورتوں کا خلاصہ مضمون ، ہر ایک سورت کا دوسری سورت کے ساتھ رابطہ تحریر کیا گیا ہے ۔ گویا اردو زبان میں قرآن پاک کا یہ ایک نادر خلاصہ ہے ۔ ص ۹۵ پر توحیدی پاکٹ بک اور جواہر القرآن کے اشتہار ہیں ۔ ص ۹۶ پر دارالعلوم کے مختلف شعبوں کی تفصیل ہے ۔

(۴) ۔ توحیدی پاکٹ بک :۔ شیخ القرآن نے موضع کرسیاں میں اپنی نظربندی کے دوران توحید کے موضوع پر ایک توحیدی پاکٹ بک کے نام سے لکھی جو عرصہ دراز ہوا چھپی تھی اب نایاب ہے ۔ اسے بعد میں شیخ القرآن نے جواہر التوحید میں شامل کر دیا ۔ پہلے جواہر التوحید کے ۲۲۲ صفحات تھے ۔ اس کے شامل ہونے کے بعد اس کی ضخامت ۳۸۴ صفحات ہو گئی ۔

(۵) ۔ معجزات :۔

(۶) ۔ رسالہ اظہار حق :۔ یہ کتاب "راہ حق" کے جواب میں لکھی گئی ہے ۔ جس کا مسودہ حیدر آباد کے عبدالمتین قریشی کے پاس موجود ہے ۔

(۷) ۔ خطبات شیخ القرآن :۔ شیخ القرآن کی معروف تبلیغی زندگی کی تقاریر ، بیانات اور خطبات کی تعداد ہزاروں میں ہے جو جماعتی احباب کے پاس کیسٹوں میں محفوظ ہیں ۔ ان کو کتابی صورت میں جمع کرنے کی سعی جاری چلی آرہی ہے ۔ رسالہ تعلیم القرآن کے مدیر سید ابو احمد سجاد بخاری نے تعلیم القرآن کے شیخ القرآن نمبر کے صفحہ ۱۲۵ پر ان تقریروں کو یکجا کرنے کے لیے اشتہار دیا ہے ۔ کتابی شکل میں شائع ہونے پر اردو زبان میں مختلف موضوعات پر یہ ایک نادر مجموعہ ہوگا ۔

(۸) ۔ ماہنامہ تعلیم القرآن :۔ یہ رسالہ شیخ القرآن کی نگرانی میں عرصہ دراز سے علمی خدمات انجام دیتا چلا آرہا ہے ۔ جس میں مولانا کی تفسیری ، تبلیغی اور دیگر تحریریں بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہی ہیں ۔ اس رسالہ میں قرآن و حدیث اور فقہی مسائل پر ہر ماہ نادر قسم کے تحقیقاتی مضامین اور مقالے شائع ہوتے ہیں ۔

(۹) ۔ حضرت عثمان غنیؓ پر مولانا مودودی کے الزامات اور ان کا جواب ۔

(۱۰) شیخ القرآن کی غیر مطبوعہ کتب کے مسودات جو ان کی ذاتی لائبریری میں گھر پر موجود ہیں ان کی تفصیل بذیل ہے ۔

۱۔ تقریر ترمذی ، اُردو ، افادات علامہ محمد انور شاہ کشمیری ۔ مرتبہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان ۔

۲۔ تقریر بخاری ، ایضاً ایضاً ۔ ایضاً

۳۔ تقریر مسلم ، ایضاً افادات علامہ شبیر احمد عثمانی ۔ ایضاً

۴۔ تحریرات حدیث ، مضمون احادیث پر مولانا حسین علی کی اپنی مخصوص تحقیق ۔ ایضاً ۔ تعلیم و ترتیب ۔

مولانا قاضی نور محمدؒ

(مدرسہ محمدیہ جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ)

حالاتِ زندگی :- نام قاضی نور محمدؒ والد کا نام میاں شیر محمدؒ ، قوم اعوان ، موضع پڑی ، ڈاک خانہ ناڑہ تحصیل پنڈی گھیب ، موجودہ تحصیل جنڈ ضلع اٹک (کیمبلپور) سن پیدائش ۱۸۹۳ء ۔

ابتدائی تعلیم :- سن تعلیم تک پہنچے تو ناڑہ ہی میں قرآن پاک حفظ کیا۔ اس کے بعد ونده شاہ بلاول چلے گئے۔ وہاں پر مولانا ولی اللہ سے اور پھر خود منشی تاج مولانا قطب الدین سے بالترتیب ابتدائی کتب فارسی اور صرف کی بعض کتب پڑھیں۔ اس کے بعد انہی ضلع گجرات میں مولانا غلام رسول سے علوم کی تکمیل کی اور کچھ کتب مولانا ولی اللہ سے (جو ونده سے انہی آگئے تھے) بھی پڑھیں۔

پھر واں بھچراں سے مولانا حسین علی سے قرآن پاک کی تفسیر اور مثنوی مولانا روم پڑھی۔

دیوبند میں داخلہ :- ۱۳۳۵ھ میں دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۶ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔ دیوبند کے اساتذہ میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی سے دورۂ حدیث پڑھا۔

دیوبند سے واپسی پر چند سال تک اپنے آبائی گاؤں پڑی میں قیام رہا۔ پھر کنجوانی ضلع فیصل آباد میں چھ ماہ تک بسلسلہ تدریس قیام رہا۔ ۱۹۲۳ء میں قلعہ دیدار سنگھ کی جامع مسجد میں امامت اور خطابت شروع کی۔

۱۹۳۰ء میں اسی جامع مسجد میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی اور بذات خود ہی تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ یہ سلسلہ تقریباً ۱۹۴۰ء تک جاری رہا۔ پھر ادارہ میں تدریس کے لیے مدرس مقرر کر دیا اور خود تبلیغ کے لیے فارغ ہو گئے تا وفات تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۹۵۳ء میں مدرسہ کی تدریس کی ذمہ داری آپ کے صاحبزادے مولانا نعمت اللہ نے سنبھالی اور والد کی وفات کے بعد خطابت بھی انہی کے سپرد ہوئی جو اب تک جاری ہے۔

بیعت :- سلسلہ بیعت چشتی سلسلے کے ایک بزرگ سے تھا۔ ازاں بعد حضرت خواجہ سراج الدین موسیٰ زئی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان سے بیعت کی۔ پھر مولانا حسین علی واں بھچراں سے نقشبندی سلسلہ میں بیعت کی، وہاں سے اجازت بھی حاصل کی اور منازلِ سلوک طے کیں۔

تحریکات :- آپ جمعیت العلمائے ہند کے رکن رہے۔ ۱۹۵۳ء کی ختم نبوت میں حصہ لیا اور گرفتار ہوئے اور تقریباً چار ماہ تک جیل میں رہے۔ واں بھچراں میں توحید پر تبلیغ شروع کی اور شرک و بدعت کے خلاف کام کیا جس کی وجہ سے مخالفت شروع ہو گئی۔ وہاں پر مولانا حسین علی کا ایک شاگرد آپ کے ساتھ رہتا تھا۔

قلعہ دیدار سنگھ میں شیعہ مذہب اور شرک و بدعت کے خلاف کام کیا۔ یہاں سے گوجرانوالہ شہر میں جاکر رمضان میں تبلیغ کرتے۔ نیز معتقدین کے ساتھ جھڑپیں ہوئیں اور مناظرے کیے۔

پہلا مناظرہ قلعہ دیدار سنگھ میں فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین کے مسئلہ پر حافظ محمد گوندلوی سے ہوا۔ دوسرا مناظرہ حافظ آباد میں مسئلہ تقلید پر تیسرا مناظرہ مدن چک میں فاتحہ خلف امام کے مسئلہ پر اور چوتھا کوٹلی ریت والی طلاق بالمال کے مسئلہ پر اور سارے مناظروں کا میاب رہے۔

وفات :۔ ۲۶ جون ۱۹۶۲ء میں اس دارفانی سے کوچ کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ (۱)

مولانا قاضی نور محمد کی خدمات زبان اُردو

تصانیف :۔ اُردو زبان میں۔

(۱)۔ اقامت البرہان :۔ مسئلہ توحید پر سیر حاصل تبصرہ

(۲)۔ حافظۃ الرحمن :۔ دو حصے۔ حصہ اوّل توحید پر اور حصہ دوم اہل تشیع کے مسائل مہمہ کی تردید۔

(۳)۔ ازالۃ الوہن :۔ رفع یدین کے موضوع پر لاجواب کتاب۔

(۴)۔ ازالۃ الستر :۔ صلوٰۃ تراویح و وتر کے عدد رکعات کی تفصیل احادیث کی روشنی میں۔

(۵)۔ ازالۃ الاوہام :۔ دو حصے، حصہ اوّل، عدم فاتحہ خلف امام کے قوی دلائل۔ حصہ دوم، تقلید شخصی کے موضوع پر مفید معلومات۔

(۶)۔ صلوٰۃ الرسولؐ :۔ نماز کے بارے میں فقہی اختلافی مباحث مختصر اور نماز کے صحیح ادا کرنے کا طریقہ از روئے حدیث۔

(۷)۔ احسن المقال۔

(۸)۔ بیس رکعت تراویح کا ثبوت۔

تصانیف پر تبصرہ :۔

(۱) ازالۃ الاوہام عدم فاتحہ خلف الامام :۔ مصنف، قاضی نور محمدؒ، ناشر :۔ انجمن اشاعت التوحید، قلعہ دیدار سنگھ۔ ضلع گوجرانوالہ، طبع دوم، سن اشاعت نامعلوم، ملنے کا پتہ : قاضی عصمت اللہ صاحب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ، ضلع گوجرانوالہ۔

یہ کتابچہ اُردو زبان میں ہے۔ کل صفحات ۴۰، ص ۱ تا ٹائٹل، ص ۲ پر تعارف از عصمت اللہ۔ ص ۳ پر پیش لفظ، ص ۵ تا ۱۰ موضوع زیر بحث پر قرآنی آیات اور بیانات احادیث، ص ۱۰ تا ۱۶ آثار صحابہ سے چند اقوال، ص ۱۶ تا ۲۲ ایک شبہ کا ازالہ کے عنوان سے بحث، ص ۲۳ تا ۳۸ جواب رسالہ دافع الفساد از مولوی محمد صادق، ص نمبر ۳۹ پر اپنا وصیت درج ہے اور ص ۴۰ پر مدرسہ کا اشتہار۔

---

(۱)۔ انٹرویو مولانا عصمت اللہ ابن قاضی نور محمد بمقام قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ مورخہ ۲۶ تا ۲۸ جولائی ۱۹۸۷ء

(۲)۔ صاعقۃ الرحمٰن علی حزب الشیطان :۔ حصہ اوّل ۔ مصنف قاضی نور محمدؒ، ملنے کا پتہ : اسلامی کتب خانہ، چوک نیائیں گوجرانوالہ سن نامعلوم ۔

اُردو زبان میں ہے ۔ کل صفحات ۶۴ ۔ اس کتاب میں شرک کیا ہے، کیا خدا کے سوا بھی علم غیب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کو وغیرہ موضوعات پر بحث کی گئی ہے ۔ کسی اشتہار جو خواجگان سیال شریف ضلع سرگودھا و سبھاگ شریف ضلع مظفر گڑھ سے شائع ہوا کے جواب میں یہ رسالہ تحریر کیا گیا تھا

(۳)۔ اقامت البرھان علی اہل الطغیان :۔ مصنف قاضی نور محمدؒ، تاریخ اشاعت نامعلوم، ملنے کا پتہ : تسنیم کمپنی چوک بیری والا گوجرانوالہ ۔

اُردو زبان میں ہے ۔ کل صفحات ۱۱۶ ۔ مندرجات : پیش لفظ، مقدمہ، عقائد اہل جاہلیت، مزاج اہل جاہلیت، حاصل بحث، اہل جاہلیت کے کفر کی وجوہات ۔

(۴)۔ بیس رکعت تراویح کا ثبوت :۔ یہ بیس صفحات پر مشتمل اُردو زبان میں رسالہ ہے نسخے کے ابتدائی دو صفحات غائب ہیں جس سے اس کی تصنیف وغیرہ کے کوائف کا پتہ چلتا۔ قاضی نور محمد صاحبؒ کے فرزند مولانا عصمت اللہ نے بتلایا کہ یہ اُنہیں کا لکھا ہوا ہے ۔ جس میں احادیث اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شہادت سے تراویح کا بیس رکعت ہونا ثابت کیا گیا ہے ۔

(۵)۔ احسن المقال فی عِدَّۃِ الْمُطَلَّقۃِ بِالْمَالْ :۔ مصنف قاضی نور محمدؒ اشاعت منجانب ناظم انجمن اشاعت توحید و سُنت قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ سن نامعلوم

اُردو زبان میں یہ رسالہ کل بتیس ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس میں خُلع اور طلاق بالمال میں فرق، طلاق اور فسخ میں فرق، عدت خلع میں جمہور اہل اسلام کا مذہب، رسالہ عدتِ خُلع پر تنقید ۔ ثابت بن قیس کی بیوی کا واقعہ، عدت خلع میں تین حیض وغیرہ معاملات پر بحث کی گئی ہے ۔

(۶)۔ ازالۃ الرین عن مسلہ رفع یدین :۔ مصنف قاضی نور محمدؒ، ملنے کا پتہ :۔ قاضی عصمت اللہ خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ، طبع اوّل ۱۹۶۷ء

اُردو زبان میں یہ رسالہ ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے ۔ تقریظ از مولانا محمد سرفراز صفدر، ص ۲ تا ۵ تمہید، ص ۶ تا آخر ایک تکبیر کے ساتھ رفع یدین کی احادیث جن سے استدلال کیا گیا ہے کو زیر بحث لا کر بالآخر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ رفع الیدین احادیث صحیحہ سے حضور سے منسوخ ثابت ہے ۔

زیر تبصرہ مجلد کتب اُردو زبان میں فقہی ادب کی ذیل میں آتی ہیں +

——— ××× ——— ××× ———

باب پنجم

ہندوستان میں مقیم تلامذہ کی خدمات زبان اردو

۱۔ مولانا اعزاز علی۔
۲۔ مولانا بدرِ عالم میرٹھی۔ مہاجر مدنی۔
۳۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔
۴۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔
۵۔ مولانا مناظر احسن گیلانی۔
۶۔ مولانا قاری محمد طیب۔
۷۔ سید محمد میاں۔

مولانا اعزاز علی

xxx

حالات زندگی :- خود لکھتے ہیں :-

"تیرھویں صدی ہجری کا آفتاب عمر کی انتہائی گہرائیوں میں ڈوب چکا تھا اور چودھویں صدی کا سپیدہ سحر تاریکیوں اور اندھیروں سے پھوٹ رہا تھا کہ مجھے عدم سے وجود میں لایا گیا۔" (۱)

مولانا اعزاز علی یکم محرم الحرام ۱۳۰۰ھ مطابق ۲ نومبر ۱۸۸۲ء بروز جمعہ بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن امروہہ ہے۔ والد کا نام محمد مزاج علی تھا جو ملازمت پیشہ تھے۔ آپ ہندوستان کے ایک مشہور قبیلہ کمبوہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے اجداد لشکر شاہی میں بلند مناصب پر فائز رہے۔ (۲)

آپ کے والد محلہ شاہی چبوترہ، امروہہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ ملازمت کے سلسلہ میں ان دنوں بدایوں میں مقیم تھے۔ آپ کے نانا نے محمد اعزاز علی نام رکھا۔

ابتدائی تعلیم :- والد بدایوں سے تبدیل ہو کر شاہ جہان پور آ گئے تو وہاں آپ نے مولوی قطب الدین سے تعلیم کی ابتداء کی اور دو ثلث قرآن پاک پڑھا۔ پھر حافظ شرف الدین خان سے پورا قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر آپ کے والد کا تبادلہ تلہر ضلع شاہجہان پور ہو گیا تو وہاں آپ نے مدرسہ "گلشن فیض" کے صدر مدرس مولانا مقصود علی خان شاہجہان پوری سے شرح جامی تک کی کتابیں پڑھیں۔ (۳)

اردو تعلیم :- تعلیم قرآن مجید کے بعد ہی آپ کو اردو تعلیم پر لگایا گیا لیکن آپ کا اپنا قول ہے "مجھ کو یاد نہیں کہ میں نے اردو کی تعلیم کس سے حاصل کی۔ غالب خیال ہے کہ فارسی کے چند رسائل پڑھنے کے بعد اردو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت خود بخود پیدا ہو گئی"۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی جو کتب پڑھیں ان میں کریما، محمود نامہ وغیرہ۔ یہ تعلیم کیسے ہوئی؟ والد صاحب رات کو اپنے دفتری کاغذات در جسٹرات کھول کر بیٹھ جاتے بیٹا کھڑے کھڑے پڑھتا رہتا۔ والد نے دونوں امور کو جیسے نبھایا یہ ان کا کمال تھا۔

ابھی تلہر ہی میں تھے کہ والد ریٹائر ہو گئے اور شاہجہان پور چلے گئے۔ تلہر سے نقل مکانی کی بنا پر سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا جو آپ پر گراں گزرا۔ شاہجہان پور میں آپ کی تعلیم عم بھائی وہاج علی کی نگرانی میں شروع ہوئی مگر وہ یہ فریضہ صحیح طور پر ادا نہ کر سکے اور آپ کا ایک سال ضائع ہو گیا۔

---

(۱) فیوض الرحمٰن، قاری: مشاہیر علمائے دیوبند، طبع اول ۱۹۷۶ء، لاہور، مکتبۃ العزیزیہ، ص ۹۱

(۲) تذکرۃ الاعزاز، محمد انظر شاہ، سید، کشمیری: طبع اول ۱۹۵۳ء مکتبہ شاہ حنفی، دیوبند، ص ۳۲

(۳) فیوض الرحمٰن، قاری: مشاہیر علمائے دیوبند، طبع اول ۱۹۷۶ء، لاہور، مکتبۃ العزیزیہ، ص ۹۱

مدرسہ عین العلم شاہجہان پور میں داخلہ :۔ اب مولانا نے اپنی جدوجہد سے شاہجہان پور کی درسگاہ "عین العلم" میں داخلہ لیا۔ یہ مدرسہ مولانا عبدالحق قدس سرہٗ کا قائم کردہ تھا۔ اس وقت قاری بشیر احمد مراد آبادی کے علاوہ مفتی کفایت اللہ بھی یہاں مدرس تھے۔ آپ نے درس نظامی کی بیشتر کتب یہیں سے پڑھیں۔ چند فارسی کتب کے علاوہ فقہ کی مشہور کتاب شرح وقایہ مولانا مفتی کفایت اللہ سے پڑھی۔ (۴)

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ :۔ مدرسہ عین العلم سے فراغت پر مفتی کفایت اللہ صاحب نے آپ کو دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے کا مشورہ دیا۔ بقول مولانا :"یہ مفتی صاحب کی خاص توجہ تھی کہ دیوبند مدرسہ میں مجھ کو پہنچا دیا ورنہ خود میرے قلب میں ایسا کوئی داعیہ موجود نہ تھا۔"

آپ بغیر والدین کی اجازت کے اس طرح دیوبند روانہ ہوئے کہ بھائی کی شادی کے سلسلہ میں اپنے خاندان کے ہمراہ جب بریلی سٹیشن پر پہنچے تو وہیں سے دیوبند جانے والی گاڑی پر بیٹھ گئے اور والدہ بے قراری سے چلاتی رہ گئیں۔ علم کا شوق والدہ کی محبت پر غالب آگیا اور آپ دیوبند پہنچ گئے۔ لیکن دو ماہ بعد خبر آئی کہ والدہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ دیوبند پہنچنے پر داخلہ کے لیے امتحان دیا، کامیاب ہو گئے اور داخلہ مل گیا۔ یہاں آپ نے حافظ محمد احمد سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سے "ہدایہ اولین" اور دارالعلوم کے مشہور و معروف منطقی و فلسفی مولانا محمد سہول بھاگلپوری سے غالباً منطق کی مشہور کتاب "میر قطبی" اور اس کے علاوہ دوسرے اساتذہ کے یہاں بعض کتابیں شروع کیں۔ (۵)

میرٹھ کے مدرسہ میں منتقلی :۔ آپ بشیرہ سے ملنے میرٹھ گئے اور وہاں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے اصرار پر کہ "آپ ایک دو سال میرٹھ کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کریں اور اس کے بعد دورۂ حدیث کے لیے دیوبند چلے جائیں" آپ نے اس مشورہ کے مطابق میرٹھ میں داخلہ لے لیا اور اصول و عروض کی بعض کتابیں پڑھنے کے علاوہ صحاح ستہ میں بخاری کو چھوڑ کر باقی کتب پڑھ لیں۔ میرٹھ میں آپ کا قیام چار سال رہا۔ اس دوران مولانا عاشق الٰہی کے مطبع "خیر المطابع" میں تصحیح کتب کا کام بلامعاوضہ کیا۔ ان کتب میں حمائل مترجم و معرا بھی شامل تھیں جو شائع ہوئیں۔

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم :۔ میرٹھ کے قیام کے بعد دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے درس حدیث میں شرکت کی۔ فن کی بعض کتب مولانا غلام رسول ہزاروی سے اور فتویٰ نویسی کا کام مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن سے سیکھا۔ ادب کی کتب کی تعلیم مولانا فخر الدین سے حاصل کی۔ ان علوم کے بعد حدیث شریف محدث عصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری سے پڑھی۔

فراغت تعلیم کے بعد :۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو مولانا محمود الحسن نے مدرسہ نعمانیہ ضلع بھاگلپور (بہار) میں تدریس کے لیے بھیجا۔ وہاں سات سال تک آپ کا قیام رہا۔ پھر اپنے والد کی خواہش پر ان کی خدمت کی غرض سے مدرسہ افضل المدارس شاہجہان پور میں سلسلۂ تدریس قائم کیا۔

---

(۴) تذکرۃ الاعزاز، محمد انظر شاہ، مسعودی کشمیری : طبع اول، سال ۱۹۵۲ء، مکتبہ شاہ منزل دیوبند، ص ۲۹ تا ۳۴ ۔

(۵) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۹ تا ۴۱ ۔ نفحۃ العرب : از مولانا اعزاز علی ص ۹ ۔

یہاں تین سال تک قیام رہا۔ ۱۳۳۰ھ کے اوائل میں دارالعلوم کی منتظمہ کمیٹی نے آپ کا تقرر دیوبند میں کردیا اور پڑھانے کے لیے ابتدائی کتب دیں۔ مولانا جہانگیری کی شبانہ روز کوشش سے آپ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے کامیاب اساتذہ میں ہونے لگا۔ ایک سال تک حیدرآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر پچیس روپے ماہوار شرح پر دارالعلوم دیوبند میں پڑھانا شروع کیا۔ مولانا عزیزالرحمٰنؒ کی معزولی کے بعد آپ کو دارالعلوم کا صدر مفتی چن لیا گیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ :" مجھے اس کی خبر کردی گئی تھی مگر یہ کام میرے لیے بہت بڑا تھا۔ میری بدقسمتی کہ مفتی مولانا عزیزالرحمٰنؒ وفات پا گئے اور ان کا بوجھ مجھ پر پڑ گیا وہ بہت اچھے عالم فاضل تھے "۔ آپ آخری کئی سال ناظم تعلیمات بھی رہے اور حدیث کے اعلیٰ اساتذہ میں بھی شامل ہو گئے تھے۔ (۶)

وفات :- ۱۱، ۱۲ رجب ۱۳۷۴ھ مطابق ۶، ۷ مارچ ۱۹۵۵ء کی درمیانی شب کو دردِ قلب کا عارضہ ہوا، جس کی شدت سے کبھی کبھی غشی طاری ہوتی رہی، آخری وقت تک نمازیں پوری توجہ سے پڑھتے رہے۔ آخر ۱۳ رجب ۱۳۷۴ھ / ۸ مارچ ۱۹۵۵ء بروز منگل صبح صادق اس جہان فانی کو خیرآباد کیا۔ یوں دارالعلوم کی درس و تدریس کی چالیس سالہ مسند خالی ہو گئی۔ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اُولاد :- مولانا کے تین صاحبزادے قاری احمد میاں، مولوی رشید میاں اور مولانا حامد میاں ہیں۔ ایک صاحبزادی ہے۔ (۷)

تصانیف :- مولانا کی ذیل تصانیف و تالیفات و تراجم ہیں :-

۱۔ نفحۃ العرب : مولانا کی یہ تصنیف ادبِ عربی کے ابتدائی اور متوسط درجہ کے لیے حسن انتخاب کا بہترین مجموعہ ہے، جس نے جدید تالیفات میں اپنے لیے ایک خاص مقام پیدا کر لیا ہے۔ ارباب ادب میں اس تالیف کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ فن ادب کی یہ ایک جامع کتاب ہے۔

تعلیقات و تالیفات :- دنیائے علم پر آپ کا گراں قدر احسان یہ بھی ہے کہ آپ نے درس نظامی کی ادق اور اصعب کتابوں کی بڑی کاوش و تحقیق کے بعد حواشی لکھے اور اپنے طویل تدریسی تجربہ کی بنا پر ہر حیثیت سے ان کو سہل اور عام فہم کر دیا جن کی فہرست درج ذیل ہے :-

۲۔ نور الایضاح فارسی زبان میں فقہ پر ہے۔ اس کی تعلیقات عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔

۳۔ حاشیہ نور الایضاح۔ یہ حاشیہ پہلے فارسی میں اور پھر عربی میں لکھا گیا۔

۴۔ حاشیہ دیوان حماسہ، یہ ادب عربی کی کتاب ہے جس کی تعلیقات عربی زبان میں لکھی ہیں۔ یہ فصحائے عرب قدیم اشعار کا مجموعہ ہے۔

۵۔ حاشیہ کنزالدقائق، یہ عربی میں فقہ کی کتاب ہے اور مولانا نے عربی میں حاشیہ لکھا ہے۔

---

(۶) دارالعلوم دیوبند کی دس نامور شخصیات، مطیع الرحمٰن، حافظ : مقالہ برائے ایم۔ اے اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی شعبہ علوم اسلامیہ، ص ۲۷۸۔

(۷) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۷۹۔

۶۔ حاشیہ دیوان متنبی: یہ عربی ادب/شاعری کی کتاب ہے۔ مولانا نے اس پر حل مشکلات و حاشیہ عربی زبان میں لکھا ہے اور اس کا ترجمہ فصیح اور رواں اُردو میں کیا ہے۔

۷۔ حاشیہ شرح نقایہ۔ ۸۔ حاشیہ مفید الطالبین۔ احادیث پر ہے۔ اس کے دو اجزا علٰحدہ علٰحدہ ہیں، مطول اور مختصر یہ حاشیہ بھی عربی زبان میں ہے۔ ۹۔ حاشیہ نفحۃ العرب جو کہ عربی زبان میں ہے۔ ۱۰۔ زواجر کا اُردو ترجمہ۔ ۱۱۔ مختصر القدوری فقہ کی کتاب ہے جس کی تعلیقات عربی میں لکھی گئیں۔ ۱۲۔ مقامات حریری جو کہ عربی ادب، نثر کی کتاب ہے کا حاشیہ عربی میں لکھا۔ ۱۳۔ شرح قصیدہ عربی۔ ۱۴۔ لامیۃ المعجزات۔ (۸)

خدمات زبان اُردو

۱۔ حواشی جدیدہ و حل لغات و ترجمہ اُردو دیوان متنبی: یہ عربی شاعری کا دیوان ابوالطیب احمد بن حسین متوفی (مقتول) ۳۵۴ھ کا ہے۔ پیشِ نظر نسخہ، مرتبہ مولانا اعزاز علی اُستاد دارالعلوم دیوبند، ناشر، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی، ۱۳۲۲ھ کل صفحات ۲۱۰ کا ہے ہر صفحے کے مرکز میں عربی اشعار ہیں جن کے نیچے مولانا اعزاز علی کا اُردو ترجمہ ہے۔ ترجمہ ضرورت شعری کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سادہ اور عام فہم زبان میں کیا گیا ہے، حواشی اور حل لغت عربی زبان میں دیئے گئے ہیں۔ اس دیوان کو درس نظامی میں شامل نصاب ہے اُردو ترجمہ ہونے سے طلبہ کو سمجھنے میں بہت آسانی ہوگئی ہے۔

۲۔ اُردو شرح قصیدہ عربی: پیشِ نظر نسخہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اُردو کراچی کا ہے۔ اس کے ٹائٹل کا صفحہ موجود نہیں۔ صفحات ۳۲۔ ابتدا کے آخر میں تاریخ و مقام امروہہ ضلع مُراد آباد، ۲۶ رجب ۱۳۳۶ھ لکھی ہے جو مطابق ۷ مئی ۱۹۱۸ء بنتی ہے۔

پیشِ نظر قصیدہ عربی زبان میں مولانا حبیب الرحمٰن نائب ناظم دارالعلوم دیوبند نے دورانِ علالت لکھا۔ مولانا کا قلب دورانِ علالت متوجہ الی اللہ ہوا۔ اسی حالت میں یہ اشعار زبان سے نکلے۔ جن میں ابتدا میں مکارم الاخلاق، حسن معاشرت وغیرہ کی ترغیب و تعلیم ہے۔ اس کے بعد ان پر عمل کرنے کے نتائج کا ذکر ہے۔ پھر درگاہ خداوندی میں مناجات، احوال قیامت کا ذکر، اپنے عجز کا اظہار، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت، آپ صلعم کی ذاتِ اطہر سے توسل اور آخر میں دُعائے مغفرت نہایت موثر اور غافل سے غافل قلب کو بھی متاثر کرنے والی ہے۔ مولانا اعزاز علی نے اُن سے اشاعت کی اجازت حاصل کرکے ان تمام اشعار کا ترجمہ اُردو زبان میں کرکے فوائد نادرہ بھی ساتھ لکھ دیئے۔

• زواجر کا اُردو ترجمہ بھی مولانا نے کیا ہے۔ لیکن یہ کتاب راقم کو دستیاب نہ ہوسکی۔

---

(۸) حالات مصنفین درس نظامی مع قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون مع اضافات جدیدہ ، محمد حنیف ، مولانا ، گنگوہی : کراچی دارالاشاعت سن ندارد ص ۳۰۸ و تحقیق راقم

۲۔ البینات : اُردو ترجمہ لامیۃ المعجزات ، ناشر : میر محمد کتب خانہ مرکز علم وادب آرام باغ کراچی ۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے ابتدائیہ میں تاریخ ۲۶ جمادی الاخر ۱۳۲۳ھ لکھی جو مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۲۶ء بنتی ہے ۔ کل صفحات ۹۳ ۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رقمطراز ہیں :۔

"میرے بڑے بھائی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ دیوبندی نے ایک فصیح و بلیغ عربی قصیدہ "لامیۃ المعجزات" لکھا جس میں دُنیا کی بے ثباتی اور بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی عام تاریک حالت اور آپ کی بعثت کے بعد جو انوار ربانی اور برکات روحانی دنیا پر فائز ہوئے، اُن کا اجمالی ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض شمائل اور ایک سو بڑے بڑے معجزات کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے ۔ ضرورت تھی کہ یہ قصیدہ مع شرح و ترجمہ کے شائع ہو ۔ الحمدللہ کہ ہمارے محترم دوست جناب مولانا اعزاز علی صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے نہایت مستعدی، قابلیت اور اپنی مشہور و معروف ادبی مہارت و شغف سے کام لے کر اس ضرورت کو سرانجام دیا ۔"

مولانا اعزاز علی نے خود ص ۲ و ۳ پر اُردو زبان میں مفصل تعارفی نوٹ لکھا ہے : اپنے ذوق علمی اور ان تراجم کا ذکر کرتے ہوئے خود رقمطراز ہیں :۔

"اس ارادہ کی تکمیل کی پہلی کڑی قصیدہ اخلاقیہ مناجاتیہ منظوم (جس کا بیشتر حصہ ۲ پر ذکر آ چکا ہے) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ممدوح العدور کا ترجمہ تھا جو خداوند عالم نے بالکل بے سروسامان ہاتھوں سے انجام کو پہنچایا اور ہزار شکر منعم حقیقی کا کہ اس کو اُمید سے زیادہ ذوق و شوق سے دیکھا گیا ۔

دوسری کڑی قصیدہ جس کے متعلق حضرت ناظم مدظلہ کی سادگی پسندی، نمائش سے متنفر رائے کا اقتضاء یہ ہے کہ اس کا نام لامیۃ المعجزات رکھا جائے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کو مادالتسنیم سے موسوم کیا جائے ۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"اس قصیدہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم (روحی و روحی ابی و امی فداہ) کے سو معجزات بیان کیے گئے ہیں جن کے متعلق مترجم نے (یعنی خود) پورا واقعہ مع حوالہ کے بیان کیا ہے ۔ علم و ادب

کے شائقین کی غرض سے بطور شرح لغات کا حل، الفاظ کا ترکیبی تعلق بھی سلسلہ بیان میں آیا۔
شعروں کا سلیس ترجمہ (اُردو) بھی کیا اور حرف (ح) کے بعد اُس پوری حدیث کا ترجمہ (اُردو)
بھی کیا جس سے واقعہ منظومہ ماخوذ تھا۔ ملزر کی وضاحت سے بعض جگہ کسی ادبی خصوصیت کا ذکر
بھی کیا۔ اشعار کی جانب راست میں معجزات اور جانب چپ میں اشعار کے اعداد کو ظاہر کیا ہے۔" (۹)

مولانا انظر شاہ مسعودی، مولانا اعزاز علی کے حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے تلمذ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"خود حضرت مولانا نے بارہا اظہار فرمایا اور وہ اپنی تحریروں میں بھی اس کا اعتراف کرتے رہے ہیں
کہ میری موجودہ علمی زندگی کی یہ حسین عمارت اور اس کا یہ رنگ و روغن تمام کا تمام حضرت شاہ
صاحب کی دکان علم سے ملا ہوا ہے۔" (۱۰)

شاعری وانشاپردازی:۔ مولانا اعزاز علی کو بچپن ہی میں علمی وادبی ماحول میسر آیا اور ابتدا ہی سے آپ کا طبعی رجحان شعروشاعری
کی طرف ہو گیا۔ آپ خود اپنے گھریلو ماحول کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہمارے گھر میں ابتداء ہی سے اچھا ماحول بن گیا تھا۔ ہم نے اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق
جو دلچسپ مشاغل اختیار کر رکھے تھے، اُن میں ہمارا سب سے محبوب مشغلہ بیت بازی تھا"۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"ایک شرط یہ تھی کہ شعر پیش کرنے والا اس کا مطلب بھی بیان کرے گا اور اگر وہ مطلب بیان
نہ کر سکے تو شعر ساقط الاعتبار ہوگا۔ یہ مجلس مشاعرت ومقابلہ روز ہوتی اور خاندان کے بچوں
کے علاوہ محلہ کے بچے بھی اس میں دلچسپی سے حصہ لیتے، اس طرح بیت بازی سے ہزارہا اشعار یاد ہونے کے
ساتھ ساتھ ہم کو شعروشاعری سے اچھی خاصی مناسبت ہو گئی تھی۔" (۱۱)

(۹) لامیۃ المعجزات مع ترجمہ اُردو موسوم البینات: اعزاز علی، مولانا، مجد: کراچی، آرام باغ، سن، ص ۳۔
(۱۰) تذکرۃ الاعزاز: محمد انظر شاہ، سید، کشمیری: دیوبند، شاہ منزل، سن ۱۹۵۳ء، ص ۷۷۔
(۱۱) دارالعلوم دیوبند کی دس نامور شخصیات، مطیع الرحمن، حافظ: مقالہ برائے ایم۔ اے اسلامیات، لائبریری ادارہ علوم اسلامیہ
جامعہ پنجاب، ص ۲۸۶۔

مولانا کی اُردو شاعری کے متعلق مولانا انظر شاہ کشمیری لکھتے ہیں :-

"گلشن فیض سے علٰحدگی کے بعد مولانا خلیل الرحمٰن سے پڑھنا شروع کیا۔ تو وہاں شعر کہنے اور سُننے کے علاوہ اور کوئی مشغلہ ہی نہیں رہا۔ مولانا خلیل الرحمٰن صاحب جلال لکھنوی کے مایہ ناز شاگرد ہونے کے ساتھ کہنہ مشق اُستاد بھی تھے۔ انہی صاحب کے مسلسل اصرار پر مولانا نے، مشاعروں میں عام طور پر شرکت شروع کردی۔ شعر گوئی مشاعروں کی شرکت اس قدر آگے بڑھی کہ مولانا کا علمی شغل تقریباً ختم ہوگیا۔ مولانا کے بڑے بھائی مولوی وہاج علی اس صورت حال سے سخت پریشان تھے۔ لیکن کوئی ایسی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی کہ جس کے ذریعے مولانا کے اس بڑھتے ہوئے مذاق کو روک سکیں۔ لیکن مبدا فیاض کی فیض رسانیاں مولانا کو کسی اور ہی مسند پر لے جاکر بٹھانے والی تھیں۔ اس لیے جب مولوی وہاج علی صاحب مجبور ہوکر بیٹھ رہے تو قدرت کی صنعت کرشمہ کاری اس طرح سے شروع ہوئی کہ مولانا نے اسی دوران ایک مشاعرہ میں شرکت کی۔ ہزاروں حاضرین کے علاوہ بہت سے مشہور شعراء بھی اس مجلس میں موجود تھے، مولانا نے ایک مرصع غزل پڑھ کر سنائی اس غزل کا مقطع تھا:

تیری نشیلی آنکھوں نے بے خود بنادیا ٭ اعزاز ورنہ صاحب عقل و شعور تھا

شعر پڑھا گیا ہر طرف سے تحسین کی آوازیں بلند ہونے لگیں" (۱۲)

مولانا انظر شاہ کشمیری نے مولانا کے اُردو کلام کا انتخاب "تذکرۃ الاعزاز" میں صفحہ ۸۷ تا ۸۹ درج کیا ہے۔ مصنف "حالات مصنفین درس نظامی" نے بھی صفحہ ۳۰۶ تا ۳۰۷ مولانا کی اُردو شاعری کا انتخاب پیش کیا ہے۔ ایک مطلع ہے :

تیرے ہجر میں ہوں نوحہ زن ، میں ہوں اور یہ شب تار ہے۔

جو انیس ہے تیری یاد ہے ، جو رفیق ہے دل زار ہے۔

——— ××× ———

۱۲- تذکرۃ الاعزاز : محمد انظر شاہ ، سید ، کشمیری : دیوبند ، شاہ منزل ، سن ۱۹۵۳ء ، ص ۸۵ ، ۸۶ -

مولانا محمد بدر عالمؒ میرٹھی ۔ (مہاجر مدنی)

حالاتِ زندگی :۔

آپ کا نام بدر عالم ، والد ماجد کا نام حاجی سید ظہور علی شاہؒ محکمہ پولیس میں انسپکٹر تھے ۔ موصوف نہایت شریف ، دیندار صوم و صلوٰۃ کے پابند تہجد گزار اور عارف کامل تھے ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری سے عقیدت تھی ۔ مولانا سید آفتاب احمد مدنیؒ صاحبزادہ مولانا بدر عالمؒ اپنے دادا کے متعلق کہتے ہیں :۔

"میرے دادا صاحبؒ مرحوم پولیس آفیسر تھے ۔ سب ہی صادق القول والوعد تھے ۔ ان کی عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ سولہ سال کی عمر سے سفر و حضر میں کبھی تہجد کا ناغہ نہیں ہوا ۔ چشتیہ سلسلہ میں داخل تھے ۔ آخر عمر میں تلاوتِ قرآن اور دیگر وظائف کے علاوہ ذکر اللہ اسی اسی ہزار مرتبہ پورا کرتے تھے ۔ سات حج کیے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا جو اس لحاظ سے صحیح القول معلوم ہوتا ہے ۔

وفات کے وقت حضرت والد صاحبؒ سے فرمایا کہ ہم نے تم لوگوں کے لیے روپیہ نہیں چھوڑا ۔ لیکن تمہارے جسم میں حرام کا ایک پیسہ نہیں لگایا ہے ۔ تمام عمر کبھی ایک پیسہ رشوت کا نہیں لیا ۔"

ولادت :۔

آپ کی ولادت شہر بدایوں میں جہاں آپ کے والد ماجدؒ تعینات تھے ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ہوئی ۔ آپ کا وطن میرٹھ تھا ۔(۱)

تعلیم و تربیت :۔

حسبِ دستور پہلے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی ۔ پھر انگریزی تعلیم کے لیے اسکول میں داخل ہوئے ۔ تقریباً میٹرک تک پڑھا تھا کہ ... مشیت ایزدی نے آپ کی تعلیم کا رُخ بدل دیا ۔ آپ کے والد ماجد جمعہ کی نماز کے لیے الہ آباد صوبہ یو پی کی ایک مسجد میں گئے ۔ وہاں مولانا ۔ اشرف علی تھانویؒ کا وعظ تھا ، مولانا بدر عالمؒ بھی والد کے ہمراہ تھے ۔ اس وقت اُن کی عمر گیارہ سال تھی ۔ وعظ دینی تعلیم پر تھا ۔ مولاناؒ کو وعظ نے اس قدر متاثر کیا کہ انہوں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ دینی تعلیم حاصل کریں گے ۔ گھر واپس آ کر اپنے والد ماجد سے عرض کی کہ میں تو دینی تعلیم حاصل کروں گا ۔ والد صاحب نے کافی تادیب سے کام لیا ۔ پھر مجھ کو دریافت کیا کہ اب تمہاری کیا رائے ہے ؟ جواب تھا کہ میں عربی پڑھوں گا ۔

---

(۱) محمد اکبر شاہ ، حافظ ، بخاری ؛ اسوۂ سیرت بدر عالمؒ ، ایچ ۔ ایم سعید کمپنی ، ادب منزل ، پاکستان چوک کراچی ، سن ستمبر ۱۹۸۵ء ، ص ۱۲ ، ۱۳ ۔

تمام سختیاں بے اثر دیکھ کر مولاناؒ کے والد ماجد نے مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری کی خدمت میں خط ارسال کیا اور ساری صورتِ حال واضح کردی۔ اُنہوں نے جواب لکھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور خوشی کے ساتھ بیٹے کو اجازت دینی چاہیے۔ چنانچہ مولاناؒ مظاہر العلوم سہارنپور گئے اور مولانا خلیل احمدؒ کی زیرِ تربیت اُنہی کی مسجد کے حجرے میں قیام پذیر ہوئے اور آٹھ سال تک یہاں تعلیم کی تکمیل کی اور اُنیس سال کی عمر میں اُردو، فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کرکے اسی مدرسہ میں مدرس ہوگئے۔ (۲)

مظاہر العلوم میں مولانا نے صغریٰ کبریٰ، فصول اکبری، مرقات، نفحۃ الیمن، وراثت الادب، مفید الطالبین کافیہ وغیرہ پڑھیں۔ مظاہر العلوم میں ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء کو داخل ہوئے اور ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء کو فراغت حاصل کی۔ درسِ نظامی کی کتب، مولانا وکیل احمدؒ سہارنپوریؒ، مولانا عبدالوحیدؒ سنبھلی، مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے پڑھیں، دورۂ حدیث شریف مولانا خلیل احمدؒ سے پڑھا اور دستارِ فضیلت حاصل کی۔ (۳)

دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث :-

دارالعلوم دیوبند کے علمی ماحول جو قابلِ رشک تھا آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں آپ مظاہر العلوم میں معین المدرس مقرر ہوئے، مگر جلد ہی مدرسہ چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے اور یہاں ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں صحیح بخاری حضرت علامہ محمد انور شاہؒ کشمیری سے پڑھی پھر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ اوائل ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء اُنہیں معین المدرس متعین کیا گیا۔ وسط ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے۔ یہاں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ پورے پانچ سال تک شاہ صاحب کے درسِ بخاری میں پورے التزام کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔ ۱۷ سال تک جامعہ ڈابھیل میں علمِ حدیث کی تدریسی خدمات انجام دیں۔ آخر میں آپ کو جامعہ کا صدر مدرس مقرر کیا گیا۔ مگر خرابیِ صحت کی بنا پر ڈابھیل سے بہاولپور چلے گئے۔

۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں موصوف ندوۃ المصنفین دہلی سے وابستہ ہوگئے، جہاں آپ کو ترجمان السنہ کے نام سے اُردو میں حدیث کی جامع کتاب کی ترتیب کا کام سپرد ہوا۔ (۴)

ترجمان السنہ جلد اول چھپ گئی، دوسری جلد چھپنے کا وقت آیا تو ہندوستان تقسیم ہوگیا اور آپ ہجرت کرکے کراچی آگئے اور باوجود

---

(۲) بدرِ عالم، مولانا، ترجمان السنہ، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، سن ۱۹۶۷ء، ج ۱، ص ۲، "مؤلف کی حیات"

(۳) محمد اکبر شاہ، حافظ، بخاری: سیرت بدرِ عالم، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ادب منزل پاکستان چوک، ستمبر ۱۹۸۵ء، ص ۱۶۰

(۴) محبوب رضوی، سید، مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب کراچی، سن ۱۹۸۳ء، ج ۲، ص ۱۴۱، ۱۴۲۔

دفتر کے "ترجمان السنہ" کی تالیف کے سلسلہ کو جاری رکھا۔

پاکستان میں دینی مدرسہ کا اجراء :-

پاکستان پہنچے تو یہاں کوئی دینی درسگاہ نہ تھی۔ چند رفقاء کی مدد سے ٹنڈو الہ یار کے مقام پر جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی، علماء کو جمع کرنا، قواعد کی تدوین، مدرسہ کا نظم و نسق سب آپ کے ذمہ تھا۔ جبکہ مولانا شبیر احمد عثمانی ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اس دارالعلوم کے لیے حاجی محمد سومار نے ۲۶ ایکڑ اراضی دی تھی۔

سلسلہ بیعت :-

پہلے آپ نے مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰنؒ عثمانی نقشبندی سے بیعت کی، اُن کی وفات کے بعد اُنہیں کے خلیفہ قاری محمد اسحق کی خدمت میں حاضر ہوکر تجدید بیعت کی اور خلافت خاص سے بھی سرفراز ہوئے۔

ہجرتِ مدینہ :-

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کشش و محبت آپ کو مدینہ منورہ کھینچ کر لے گئی۔ ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء قیام حجاز کے دوران ۱۹۵۲ء میں حج سے مدینہ واپسی پر آپ کار کے حادثہ میں مجروح ہوئے۔ خون بہت زیادہ بہہ گیا، علاج سے رو بصحت ہوئے لیکن نقاہت تھی۔ آپ کی اہلیہ فوت ہوئے پچیس برس گزر چکے تھے۔ مگر آپ نے دوسری شادی نہ کی۔ آخر عمر میں تفسیر پڑھنے کا خیال تھا لیکن اس خیال سے کہ تفسیر بندہ اور خدا کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ اسلیے صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے تھے۔ آپ مسجد نبویؐ میں درسِ حدیث بھی دیتے رہے اور بیشتر حصہ (وقت) مسجد نبویؐ میں گزارتے۔

وفات :-

۱۵ رجب المرجب ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء شبِ جمعہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ جمعہ کی نماز کے بعد نماز جنازہ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ادا ہوئی اور جنت البقیع میں اُمہات المومنین کے قدموں میں آخری آرام گاہ ہے۔

ناصر علی وجدی نے قطعہ لکھا ہے۔

باغ جہاں سے ہوکے خلد بریں گئے وہ ✶ خلق خدا کے حق تھے رحمت خداجو

تاریخ رحلت اُن کی پوچھے جو کوئی تم سے ✶ وجدی تم ارتحال قدس صفات کہہ دو ۱۳۸۵ھ (۵)

(۵) بدر عالم، مولانا: ترجمان السنہ، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ج ۴، "مولف کی حیات" ص ۷، سن ۱۹۶۷ء۔

قیام پاکستان کے بعد دستور کی ترتیب و تدوین بڑا مسئلہ تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے جس مہم کا آغاز کیا اور اس مہم میں جو علماء شامل تھے اُن میں مولانا بدرِ عالمؒ بھی شامل تھے۔ قراردادِ مقاصد کی تدوین و ترتیب کے لیے متعینہ کمیٹی میں آپ بھی شامل تھے۔ ۱۹۵۱ء میں علماء نے دستورِ اسلامی کا خاکہ ۲۲ نکات ترتیب کیے تو ان علماء میں آپ بھی شامل تھے۔ جب ۱۹۵۳ء میں دوبارہ ان نکات پر غور و خوض کا مسئلہ آیا تو آپ مدینہ منورہ ہجرت کر چکے تھے۔ (۶)

مولانا بدرِ عالمؒ کی علمی خدمات :-

حافظ محمد اکبر شاہ بحوالہ علامہ خالد محمود رقمطراز ہیں :-

"عصری تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اُردو زبان میں کتاب و سُنت، سیرت و تاریخِ اسلام کی وسیع اشاعت کے لیے فضلائے دارالعلوم مولانا سید بدرِ عالمؒ مہاجر مدنی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے ندوۃ المصنفین دہلی کی بنیاد ڈالی، چاروں حضرات حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ہونہار تلامذہ، دارالعلوم دیوبند کے قابلِ فخر فرزند ہیں۔ اُن کی مساعی سے ندوۃ المصنفین دہلی نے اُردو زبان میں جو عظیم دینی لٹریچر شائع کیا، اس لٹریچر کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اکابرِ دیوبند نے اُردو اور عربی میں کتاب و سُنت اور فقہ کی اشاعت و تبلیغ میں جو گراں قدر خدمات انجام دیں، ان کے مقابلہ میں کسی دوسری ایک جماعت یا سب جماعتوں کے دینی لٹریچر کو ملا کر بھی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔" (۷)

مولانا بدرِ عالمؒ کے علمی، دینی، تبلیغی، تدریسی اور تصنیفی فیوض و برکات مختلف الانواع ہیں۔ آپ جید ترین عالم، محدث، مفسر، عارف و فقیہ اور ایک ادیب و شاعر تھے۔ آپ نے قرآن و حدیث کے اسرار و نکات بیان کیے۔ جلسوں اور مجلسوں میں علم و معرفت کے موتی بکھیرے تصنیف و تالیف کے ذریعے ہزاروں بندگانِ خدا کو فیض پہنچایا۔ برس ہا برس مسندِ وعظ و ارشاد کو زینت بخشی اور لوگوں کی فکری، ذہنی اور روحانی ہدایت کا سامان فراہم کیا۔

آپ کی تدریسی و علمی زندگی کا عرصہ نصف صدی کے قریب پھیلا ہوا ہے اور آخر عمر تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ نے

---

(۶) محمد اکبر شاہ، حافظ، بخاری: سیرت بدرِ عالمؒ، ایچ۔ایم سعید کمپنی، کراچی، س ن، ۱۹۶۷ء، ص ۴۰، ۴۱ تا ۴۳۔

(۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۲، ۳۳۔

مختلف دینی موضوعات پر کتابیں و رسائل لکھے) ۔ آپ کی تصانیف پورے عالم اسلام کے طول و عرض میں پھیلیں ، جو مسلمانوں کے لیے صلاح و فلاح کا ذریعہ بنیں ۔ آپ کی تصانیف کا تمام ترحصہ خالصتاً دینی اور اصلاحی موضوعات سے متعلق ہے ۔ زیادہ تر کتب علم حدیث ، علم قرآن ، علم کلام و عقائد ، اصلاح و تربیت اور رد مذاہبِ باطلہ سے متعلق ہیں ۔

علم حدیث کی جو خدمت آپ نے انجام دی وہ رہتی دنیا تک یاد رہے گی ، خدمتِ حدیث کے سلسلے میں "فیض الباری شرح بخاری (عربی مطبوعہ مصر) اور "ترجمان السنۃ" اردو ترجمے کے ساتھ ، آپ کے علمی کارنامے ہیں ۔ (۸)

تصانیف پر تبصرہ :-

۱۔ حکایاتِ عزیمت :- ناشر محمد زمان راہی ، طابع گلستان پبلیکیشنز لاہور ، فروری ۱۹۷۵ء صفحات ۲۰ + ۹۴ ۔

اس کتاب کے بارہ میں فروغ احمد ، شعبہ اردو قائداعظم کالج ڈھاکہ رقمطراز ہیں :-

"جناب بدرعالم صاحب ڈھاکہ کے ایک علمی و ادبی اور ثقافتی حلقے میں بہت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں ۔ یہ ایک سائنس دان بھی ہیں اور ادیب و فن کار بھی ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مذاقِ سلیم اور ذوقِ سلیم سے نوازا ہے ۔ مطالعہ بھی ان کا خاصا وسیع ہے ۔ قرآن و حدیث اور اسلامی ادبیات سے لے کر انگریزی اردو اور بنگلہ کے شاہکاروں کے دلدادہ ہیں ۔ تاریخ اور حکایات سے انہیں بطور خاص دلچسپی ہے ۔ خود ایک اچھے افسانہ نگار ہیں اور ان کی تخلیقات بعض اعلیٰ درجے کے رسائل میں جگہ پا چکی ہیں ۔ زیرِ نظر تالیف دراصل ان کے حسنِ انتخاب کا ایک نہایت پرلطف اور پسندِ عام مجموعہ ہے ۔ جس میں انہوں نے بڑے سلیقے کا ثبوت دیا ہے ۔" (۹)

اس کتاب میں ۹۰ عنوانات ہیں ۔ جن میں ان شخصیتوں کا کسی نہ کسی طور اس حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل رہا ہو ۔ جو انتساب کے لیے منتخب کی ہے یعنی وہ ان ہستیوں کے نام جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر عمل پیرا ہیں " ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا سب سے بڑا جہاد ہے " ۔ اس مجموعے کی ایک خوبی یہ ہے کہ حکایات میں ترتیب زمانی کا خیال رکھا گیا ہے اور ماخذوں کی فہرست بھی ہمراہ دی گئی ہے تاکہ ضرورت مند اصحاب کو مراجعت میں دقت نہ ہو ۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت مطالعاتی انداز ہے ، جو قارئین کے لیے موثر ہے ۔

---

(۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۹۰ ۔

(۹) بدرعالم ، مولانا ، حکایاتِ عزیمت ، گلستان پبلیکیشنز ، لاہور ، فروری ۱۹۷۷ء ۔ ص ۸ ۔

۲ :۔ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام :۔ ناشر سردار الحاج محمد عالم خان لغاری ، ادارہ نشریاتِ اسلام رحیم یار خان ، تاریخ اشاعت ندارد ، تاریخ دیباچہ پیش لفظ از مصنف ، رجب ۱۳۳۶ھ مطابق اپریل ۱۹۱۹ء کل صفحات ۱۹۶ ۔ پیش لفظ میں مؤلف (مولانا بدر عالم ؒ) کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے رقمطراز ہیں ۔

"ہمارا یہ پیش کردہ مضمون کتاب "ترجمان السنہ" جلد سوم کا ایک اہم باب ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر لے جانے اور قیامت کے قرب میں پھر آسمان سے تشریف لانے کے سلسلہ پر حدیثی و عقلی ، ہر حیثیت سے تشفی بخش بحث کی گئی ہے ۔ اس عظیم الشان پیشگوئی کا تعلق نہ کسی خاص فرقہ کے ساتھ ہے نہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ ، بلکہ جب بھی کسی شخص نے مسیحیت کا دعویٰ کیا تو ہمیشہ امت نے اس کو ان ہی حدیثوں کی روشنی میں پرکھا ہے اور یہی طریقہ مقبول بھی ہے ۔" (۱)

چند گزارشات کے عنوان سے رفع و نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نکات :۔

۱ :۔ جس طرح پیدائش عام اصول سے ہٹ کر ہے ، اسی طرح رفع و نزول میں بھی یہی اصول کارفرما ہے ۔ ان کا نزول تخریب عالم کی علامت ہے نہ کہ تعمیر عالم کی ۔

۲ :۔ عام انسانوں کی موت کا عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ۔ اس کے برعکس اولوالعزم رسول کی موت و حیات کا مسئلہ ہے ۔ اس سے مذہبی عقیدہ کا تعلق ہے ۔ کتاب و سنت کی تصریحات کی موجودگی میں قیاس کی کوئی حیثیت نہیں ۔

۳ :۔ بہت سے رسول گزرے ، بہت کو یہودی ملعونوں نے قتل کیا ، اس میں کسی کو اختلاف نہیں ، موتِ عیسیٰ علیہ السلام میں اختلاف کی وجہ اس کی دلیل ہے کہ یہ دوسروں سے مختلف ہے ۔

۴ :۔ لغتِ عرب میں مرنے کے لیے لفظ "موت" ہے ۔ لیکن قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا ۔

۵ :۔ عیسیٰ علیہ السلام کی قبر آج تک لاپتہ ہے ۔ اگر ہوتی تو نصاریٰ کب پتہ لگانے سے رہتے تھے ۔

۶ :۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سولی دیا جانا ، مگر نہ مرنا اور کشمیر جا کر مرنا ، ایسا قطعی کوئی ثبوت نہیں ۔

۷ :۔ اگر سلف صالحین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل تھے تو پھر تاریخ سے بھی ثبوت ملنا چاہیے تھا ۔

۸ :۔ قرآنی آیات کی اس معاملے کی تفسیر الفاظ کی روشنی میں نہیں بلکہ بیانات و روئیداد کی روشنی میں ہونی چاہیے ۔

(۱) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۰ ۔

۹:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رفع کا لفظ بھی اسکی دلالت کرتا ہے کہ وہ اُٹھائے گئے۔

۱۰:۔ یہودی قتل کے مدعی اور نصاریٰ رفع کے قائل، یہ جسم کے متعلق ہے، روح زیرِ بحث نہیں۔

۱۱:۔ انبیاء کا مقتول ہونا قرآن سے ثابت ہے۔

غرضیکہ اسی طرح کے کل اُنیس دلائل مولانا نے ابتداء میں دیئے پھر قرآن و حدیث کی روشنی میں معاملہ پر بحث کی ہے۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۲:۔ حُجیتِ حدیث :۔ ناشران سید محمد اشرف مدنی و سید محمد اجمل مدنی، المطبعۃ الاسلامیۃ السعودیۃ بلاہور پاکستان ۱۹۶۹ء، صفحات ۱۲۸۔

اس کتاب کے ابتدائیہ میں حافظ محمد سعد صدیقیؒ لکھتے ہیں :۔

"ہمارے ملک میں منکرین حدیث نے بھی حُجیتِ حدیث کا انکار کر کے اِسلام اور دین کی بُنیادوں کو ڈھانا چاہا۔ اس فتنہ کے ازالہ کے لیے اِس دور کے اکابر عُلماء نے بلند پایہ کتابیں اور مقالے تحریر فرمائے۔ لیکن پیشِ نظر کتاب "ترجمان السنہ" کے مولفؒ قطب العارفین حضرت العلامہ مولانا سید محمد بدر عالمؒ کی معروف و عظیم المرتبت کتاب ہے، جو اس موضوع پر نہایت ہی بلند پایہ اسلوب، ٹھوس دلائل اور متعدد شواہد پر مبنی ہے۔" (۱)

ایمان کی حقیقت توحید و رسالت کو تسلیم کرنے اور ہر دو پر ایمان لانے میں ہے۔ شریعتِ حقہ کی بُنیاد کتاب اللہ اور سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "ہم نے ہی ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کریں گے۔" یہ وعدہ الٰہی اس امر کو ثابت کر رہا ہے کہ قرآن کی طرح "قرآن عملی" کا عمل یعنی اسوۂ حسنہ بھی محفوظ رہے گا، اسی موضوع کو مولاناؒ نے اس کتاب میں مضبوط دلائل و براہین سے قرآن و حدیث مجتہدین کی تحقیق اور اجماع امت کے حوالوں سے ثابت کیا ہے۔

۳:۔ ترجمان السُّنہ :۔ ندوۃ المصنفین دہلی سے تعلق کے دوران آپ کی اس عظیم الشان تالیف "ترجمان السُّنہ" کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسکے بارہ میں علامہ خالد محمود لکھتے ہیں :۔

"عمدۃ المحدثین حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنی نے "ترجمان السُّنہ" کے نام سے ایک گرانقدر علمی ذخیرہ چار جلدوں میں مرتب فرمایا، جسے ندوۃ المصنفین دہلی نے اپنے روائتی انداز میں شائع کیا۔ ترجمان السُّنہ کے نام سے اُنہوں نے جو کام کیا وہ اگرچہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

(۱) ایضاً   ایضاً   ایضاً   ایضاً   ص، ابتدائیہ۔

کیونکہ اُن کا ارادہ آٹھ دس جلدیں لکھنے کا تھا، مگر زندگی نے مہلت ہی اتنی دی کہ چار جلدیں پوری کر سکے۔ تاہم یہ ایک ایسا عمدہ علمی ذخیرہ ہے کہ اس کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ اپنے دور کی حدیث کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ حضرت مولانا مرحومؒ کا انداز تحریر ایسا ہے کہ متوسط درجہ اور اونچے طبقہ کے لوگ اس سے زیادہ مستفید ہو سکتے ہیں۔"(١٢)

مقصدِ تالیف :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث موجود ہیں جو مسندوں، مجموعوں اور دوسری غیر متداول ضخیم کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کو اس طرح جمع کرنے کی ضرورت تھی کہ وہ "بلوغ المرام" یا "آثار السنن" کی طرح صرف شوافع اور احناف کی حدیثوں کا مجموعہ بن کر نہ رہ جائیں بلکہ صحیح معنی میں احادیث نبویہ کا مجموعہ کہلائیں۔ ان میں ہر حسن یا صحیح حدیث لے لی جائے۔ خواہ وہ فقہی مسلک کے لحاظ سے کسی مسلک یا کسی فرقہ سے متعلق ہو۔ گویا اصل مقصد جمع و ترتیب احادیث ہو اور فقہی مسلک کی خدمت درجہ ثانی پر۔

اُردو زبان میں ترجمہ :۔ عام مسلمانوں اور جدید تعلیم یافتہ احباب کی ضرورت کے لیے حدیثوں کا اُردو ترجمہ بھی ضروری تھا جو نہ اتنا بامحاورہ اور تشریحی ہو کر مستقل تصنیف بن جائے اور نہ ایسا تحت اللفظ کہ مطلب خیز نہ رہے۔

تشریحی نوٹ :۔ احادیث کی تشریح اور عنوانات کی پوری تفصیل کے علاوہ، دیگر امور متعلقہ کے لیے بسط و شرح کے لیے ایسے تشریحی نوٹ دیئے گئے ہیں جو نہ تو حدیث میں اتنے ڈوبے ہوئے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کے اصل مرکز ہی سے ہٹ گئے ہوں اور نہ ہی ان میں قدامت پرستی کا ایسا گہرا رنگ ہے جو جدید ارباب نظر دیکھنا بھی گوارا نہ کریں۔ مجادلہ اور مناقشہ کے رنگ سے پرہیز کیا گیا ہے۔ کسی کی ایذا دہی۔ دل آزاری، افہام و اسکات مقصود نہیں ہے۔ صرف احقاقِ حق اور اصلاح خلق مطمع نظر ہے۔

مجموعہ الفاظ حدیث میں تو بہ تو سلف کا نقش قدم پیش نظر ہے لیکن ترتیب و عنوانات میں جدت۔

ماخذ :۔ احادیث کی جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے، اُن میں جیسے کہ جدید تصنیف التاج سے ابتداء کی گئی لیکن اس میں احادیث کم اور عنوانات ناکافی تھے۔ مسند احمد امام کی جدید تبویب جس میں سات سو صحابہ کی ۳۰/۴۰ ہزار احادیث موجود ہیں، جسے احادیث کا انسائیکلوپیڈیا کہنا بے جا نہ ہوگا، صحابہ کی ترتیب پر تالیف کی گئی ہے۔ کنزالاعمال کی آٹھ جلدوں میں جسے شیخ علی متقی ہندی نے مکرر احادیث حذف کر کے جدید ترتیب دے کر مرتب کیا ہے۔

ترتیب :۔ جلد اوّل : ناشر ندوۃ المصنفین دہلی، بار دوم، ۱۹۵۸ء، صفحات ۵۹۱، اس جلد میں ۲۵۰ احادیث ہیں۔

(١٢) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۵، ۳۶۔

جلد دوم :۔ ناشر، ندوۃ المصنفین دہلی، طبع دوم ۱۹۵۳ء، کل صفحات ۴۹۶ + ۱۲۔ دوسری جلد ۴۸-۱۹۴۷ء کے تاریخی ہنگاموں کے دوران تالیف ہوئی۔ اس میں بھی ۲۵۰ احادیث ہیں۔

جلد سوم :۔ طابع، الجمعیت پریس دہلی، اگست ۱۹۵۹ء، صفحات ۶۱۵، اس حصہ میں ۵۱۲ احادیث ہیں۔

جلد چہارم :۔ ناشر، ندوۃ المصنفین دہلی، سن ندارد، البتہ مولانا عتیق الرحمٰن نے ابتدائیہ لکھنے کی تاریخ ۷ فروری ۱۹۷۸ء ڈالی ہے۔ کل صفحات ۵۱۴۔ جلد چہارم جب زیور طباعت سے آراستہ ہوئی تو مولف اس دار فانی سے رحلت کر چکے تھے۔

مولانا سید آفتاب احمد (فرزند مولانا بدر عالم) لکھتے ہیں :۔

"جلد چہارم میں والد صاحب نے معجزات پر ایسی محققانہ و عالمانہ سیر حاصل بحث فرمائی ہے جس کو پڑھ کر ایک عام فہم انسان سمجھ لے گا کہ معجزہ کی حقیقت کیا ہے اور جب اس کا غور سے مطالعہ کرے گا ان شاء اللہ اسکے دل سے تمام شکوک و شبہات اسی طرح صاف ہو جائیں گے جیسے آئینہ ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت اقدس کو اس جلد کے طبع ہونے کا بے چینی سے انتظار لگا ہوا تھا اور بہت مسرور تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت اہم کام لے لیا ہے۔ ان کی مسرت کا اندازہ انہی کے ان اشعار سے فرمائیں :۔

ایک جلد معجزات کی لایا ہوں نذر کو * اس کے سوا تو حوصلہ کیا ہے غلام کو
کرلیں اگر قبول تو کیسا شرف ملے * پشتوں کو اس حقیر کی اور اس غلام کو
ہو جائے یہ لعیب تو رہ جائے یادگار * بخشش کی اک کریم کی اپنے غلام کو " (۱۳)

۴۔ جواہر الحکم :۔ حصہ اول و دوم و سوم ۔ ناشر ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل پاکستان چوک کراچی، ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء اس کتاب کا مجموعی مضمون، موجودہ دور کے اجتماعی مسائل اور قانون شریف کے نفاذ میں درپیش مسائل کا حل احادیث نبوی کی روشنی میں۔ ہر حصہ چالیس احادیث پر مشتمل ہے۔ مولانا کو ۱۹۵۳ء میں حج سے واپسی پر جو حادثہ پیش آیا، اسکی وجہ سے بہت ضعف ہو گیا تھا۔ نماز بھی لیٹ کر اشاروں سے پڑھتے تھے۔ لیکن امت کو فائدہ پہنچانے کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اسی بیماری کے عالم میں جواہر الحکم املا کروائی۔ جس کے مضامین بہت اہم ہیں اور بہت سہل انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ تیسرا حصہ موجودہ دور کی مشکلات کا حل ہے۔ کمال یہ ہے کہ

(۱۳) ایضاً   ایضاً   ایضاً، ص ۳۴، ۳۵۔

سب کچھ حدیث ہی سے اخذ کیا گیا ہے ۔ یعنی عنوان قائم کیا گیا اور حدیث نکالی گئی ۔

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسولؐ ہیں۔ اس پہ وہ قیامت تک کی ضروریات اور مشکلات ، اُن سے بچنے کی صورتیں ، سب کچھ بیان فرما گئے ہیں ، یہ ہماری کوتاہ عقلی اور کم فہمی ہے کہ ہم نہ ہی تو ان کی جستجو کرتے ہیں اور نہ ہی سمجھتے ہیں ۔ اس کتاب کا گجراتی اور فرانسیسی میں ترجمہ ہو چکا ہے ۔

۵:۔ زبدۃ المناسک :۔ مسائل حج پر ایک مختصر و جامع رسالہ ہے ، جو عام فہم زبان میں ہے اور اس میں سب ضروری مسائل موجود ہیں ۔ اس کا انگریزی اور گجراتی میں ترجمہ ہو چکا ہے ۔ انگریزی کا تیسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے ۔

۶:۔ الحزب الاعظم :۔ کا اُردو ترجمہ اس قدر عمدہ کیا ہے کہ پڑھنے والے کے قلب میں اثر کرتا ہے ۔ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے ۔

۷:۔ آوازِ حق :۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ کا رسالہ ہے ۔ جو قیام ڈابھیل کے زمانہ میں تالیف کیا ہے ۔ (۱۴)

۸ :۔ فیض الباری :۔ شرح بخاری شریف ، عربی مطبوعہ مصر ،

۹:۔ ستر زاد الحقر ، ۱۰ ۔ شانِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۱۱ ۔ قسمت کا ستارا ، ۱۲ ۔ فریادِ مظلوم ، ۱۳ ۔ محجوب الارث

۱۴ :۔ عزیزوں کے نام ایک مکتوب ، ۱۵ ۔ اُردو لغت

خُتم شُد

---

(۱۴) بدرِ عالم ، مولانا :۔ ترجمان السنۃ ، مدینہ پبلشنگ کمپنی ، کراچی ۔ ج ، ۴ ، سن ، ۱۹۶۷ء ، مؤلف کی حیات ،،

(۱۵) قیوم الرحمٰن ، حافظ ، قاری ؛ مشاہیر علمائے دیوبند ، بار اوّل ۱۹۷۶ء ، المکتبۃ العزیزیہ ، لاہور ، ص ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ۔

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی

حالاتِ زندگی :-

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، محلہ سیوہارہ ضلع بجنور محلہ مولویان میں ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصلی نام معزالدین حفظ الرحمٰن (جبکہ رحمان کے لفظ کو الف کے ساتھ لکھا جائے) تاریخی نام تھا۔ والد کا نام شمس الدین صدیقی تھا جو بھوپال اور بیکانیر کی ریاستوں میں اسسٹنٹ انجینیر رہے۔ آپ کا تعلق سیوہارہ ضلع بجنور کے معززین اور علماءِ دین کے خاندان سے تھا۔ آپ کے چار بیٹے، مولوی ڈپٹی فخرالدین، مولوی بدرالدین وکیل، حکیم صلاح الدین اور مولوی حفظ الرحمٰن تھے۔ دو بیٹیاں بتول فاطمہ اور عظمت النساء، بڑی بیٹی کی شادی مولوی انوارالحسن نائب صوبیدار ریاست گوالیار سے اور دوسری کی شادی حافظ محمد ابراہیم وزیرِ آب پاشی و برقیات سے ہوئی۔

تعلیم :-

ابتدائی تعلیم گھر سے پائی، پھر مدرسہ فیضِ عام سیوہارہ اور مدرسہ شاہی جامعہ قاسمیہ مراد آباد سے کسبِ فیض کرنے کے بعد ۱۳۲۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ حضرت مولانا انور شاہ اور دیگر اساتذہ سے درسِ حدیث سے ۱۳۲۲ھ میں فراغت حاصل کی۔ حضرت شاہ صاحب کی شاگردی پر آپ کو ہمیشہ ناز رہا۔ ۱۹۳۶ء میں سیٹھ یعقوب کی درخواست پر دارالعلوم کی جانب سے آپ کو بسلسلہ تبلیغ مدراس بھیجا گیا۔ جہاں ایک سال تدریسی و تعلیمی کاموں میں گزارا۔ اسی دوران آپ کی تصنیفی زندگی کا آغاز ہوا اور دو کتابچے "حفظ الرحمٰن المذہب النعمان" و "مالابار میں اسلام" لکھے۔ اسی دوران زیارت حج سے مشرف ہوئے۔ حجاز سے واپسی پر معین المدرسین بن کر دیوبند واپس آئے اور ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

جب علامہ انور شاہ کشمیری جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے تو آپ بھی اُن کی رفاقت میں وہاں چلے گئے، تقریباً پانچ سال تک وہاں تدریس وغیرہ میں مشغول رہے۔ آپ کی تصنیف

"نورالبصر فی سیرۃ خیرالبشر" میں "مصنف کا تعارف" میں یہ عرصہ تین سال لکھا ہے ۔ ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء میں انجمن تبلیغ الاسلام کلکتہ (جس کے سرپرست مولانا ابوالکلام آزاد تھے) کی دعوت پر کلکتہ چلے گئے ۔ وہاں پانچ سال تک درسِ قرآن کی خدمت انجام دی، جس سے کلکتے میں بہت جلد اُن کی عظمت قائم ہوگئی ۔

شاکر جلیل صدیقی شبیر کوٹی نے اپنے مضمون "مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن" میں کلکتہ جانے کا سن ۱۹۳۴ء اور کلکتہ میں قیام دو سال لکھا ہے ۔ اس دوراں تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا جسے بڑی مقبولیت ہوئی ۔ تین سال تک آپ نے امروہہ میں درسِ قرآن انجام دیئے ۔ (۱)

ندوۃ العلماء کا قیام :۔

شاکر جلیل صدیقی رقمطراز ہیں :۔

"ایک مستقل ادارے کے قیام کی بات لوگوں کے مشورے سے سامنے آئی ۔ مرحوم نے فیصلہ کیا کہ یہ ادارہ دہلی میں قائم کیا جائے ۔ چنانچہ امروہہ میں تین سال درس وتدریس میں گزارنے کے بعد سیاسی مشغولیتوں کے ساتھ ۱۹۳۸ء میں دہلی چلے آئے ۔ ندوۃ المصنفین کی بُنیاد ڈالی جو آج تک قائم ہے، جس کے نگران حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ہیں اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی وغیرہ کی رفاقت میں بڑی شان سے چل رہا ہے ۔ ایک ادبی رسالہ "برہان" بھی اسی ادارے سے شائع ہو رہا ہے ۔" (۲)

ندوۃ العلماء کے قیام کے بارہ میں حافظ حفظ الرحمٰن ابنؔ بھی اپنے مقالہ میں اظہارِ خیال کیا ہے ۔ وہ اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں :۔

"مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن ایک ایسے ادارے کے قیام کے خواہاں تھے جس میں اسلام اور اسلامی تعلیمات پر بالخصوص، تصنیفی کام کیا جائے ۔ بقول مولانا عبدالرشید ارشد مفتی عتیق الرحمٰن کو کلکتہ کے ایک

(۱) محبوب رضوی، سید : مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، کراچی، مرکز علم وادب، سن ندارد ۱۹۸۳ء، ج ۲، ص ۱۴۷ و ۱۴۸

(۲) روزنامہ الجمعیۃ دہلی، مجاہد ملت نمبر : شاکر جلیل صدیقی، مضمون "مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن"، ص ۲۵۴

صنعت کار نے (جس نے کسی مشکل کے لیے مفتی صاحب سے تعویذ لیا تھا
اور وہ مشکل حل ہو گئی) ایک معقول رقم بطور عطیہ پیش کی۔ چنانچہ
اسی رقم سے ندوۃ العلماء کے اجراء کا منصوبہ بنایا گیا اور مقام دہلی
طے پایا جہاں ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی
و مولانا بدر عالم میرٹھی کو شریکِ ادارت کر لیا گیا۔ چنانچہ اس ادارہ کی
خدمات دنیا بھر میں اظہر من الشمس ہیں" (۳)

جمعیۃ العلمائے ہند سے وابستگی :۔

جمعیۃ العلماء کی وابستگی اور مولانا کی خدمات و خلوص سے متاثر ہو کر اکابرین نے مولانا کو ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء میں جمعیۃ العلماء کا ناظم مقرر کیا۔ یہ سلسلہ تادم واپسیں قائم رہا۔ اُن کی قیادت میں اخبار الجمعیۃ کا دوبارہ اجراء ہوا۔ الجمعیۃ بکڈپو کا قیام عمل میں آیا، الجمعیۃ پریس دہلی ایک ممتاز پریس کی حیثیت سے سامنے آیا اور ایک لائبریری کا قیام عمل میں آیا۔

مولانا کو علمی شغف کے ساتھ ساتھ خار زار سیاست سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ اُن کی عمر کا بیشتر حصہ ملک و ملت کی خدمت اور تحریک آزادی کی جدوجہد میں بسر ہوا اور اس سلسلے میں متعدد بار قید و بند کے مرحلوں سے بھی گزرنا پڑا۔ مولانا نے اپنی مرضی کے خلاف ڈاکٹر ذاکر حسین نائب صدر (اُس وقت) ہند کے اصرار پر "سُنی مجلس اوقاف" صوبہ دہلی کی صدارت قبول کی اور اس سے متعلق تمام اداروں : مدرسہ عالیہ فتحپوری، مسلم ہائر سیکنڈری سکول فتحپوری، دہلی کالج اجمیری گیٹ، فتحپوری پبلک لائبریری، انجمن ترقی اُردو، حج کمیٹی بمبئی، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ وغیرہ کی ذمہ داریاں انجام دیں۔

شاکر جلیل صدیقی لکھتے ہیں :۔

" چنانچہ حکومت اور کانگرس دونوں سے مسلمانوں کے لیے دشمن
کی طرح لڑتے، ہندو، سکھ حضرات کے کیس بھی اگر کے کھڑے

(۳) حفظ الرحمٰن، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی دینی و علمی خدمات : غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔اے، علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۴۸ تا ۵۲۔ (حوالہ میں مفہوم درج کیا گیا ہے)

ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً۔

ہوتے تو اُن کا رویہ وہی ہوتا جو مسلمانوں کے لیے ہوتا تھا، کوئی
تفریق نہ ہوتی تھی، یہی وجہ تھی کہ جب بھی انتخابات میں حصہ لیا،
بھاری تعداد میں ہندو ووٹوں سے کامیاب ہوتے، مسلمان ووٹ تو
اُنہیں نوے فی صدی ملتے تھے۔"

مولانا عبدالقادر رائے پوری کا قول ہے:۔

"مولانا حفظ الرحمٰن کی ۱۹۴۷ء کے خونی دور کے ایک دن کی خدمت ہم
خانقاہی لوگوں کی تمام عمر کی عبادت سے زیادہ ہے" (۴)

مولانا حفظ الرحمٰن کی انہی خدمات سے متاثر ہو کر ملت کی بارگاہ سے اُنہیں "مجاہد ملت" کے لقب سے نوازا گیا۔
۱۹۴۷ء کے بعد جن گراں بار ذمہ داریوں سے اُنہیں دو چار ہونا پڑا، اُس نے اُن کی صحت کو خراب کر دیا۔ مرض بڑھتا
گیا۔ تشخیص پر پتہ چلا کینسر ہے، علاج کے لیے بمبئی اور پھر امریکہ لے جایا گیا مگر وقت موعود آ چکا تھا۔ یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ
(۲ اگست ۱۹۶۲ء) کو ملتِ اسلامیہ کا جانباز خالقِ حقیقی کے حضور حاضر ہو گیا۔ نئی دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ کے
قبرستان "مہندیوں" میں اُن کی آخری آرام گاہ ہے۔ (۵)

پسماندگان میں ایک لڑکا اور پانچ لڑکیاں ہیں، لڑکے کا نام لطف الرحمان عرف اسلم پرویز ہے۔ (۶)

خدمات زبان اُردو

دارالعلوم دیوبند کی قرار دادِ تعزیت:

"مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کی وفات حسرت آیات پر اپنے گہرے تاثرات اور دلی
رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور قوم سے ایسی یگانۂ روزگار شخصیت کے اُٹھ جانے کو ایک عظیم قومی حادثہ اور زبردست نقصان تصور کرتا ہے۔
حضرت مرحوم نہ صرف ایک جید عالم، فاضل مصنف اور بے نظیر خطیب تھے۔ بلکہ صحیح معنی میں مجاہد ملت بھی تھے" (۷)

(۴) حافظ حفظ الرحمٰن: مولانا حفظ الرحمٰن کی دینی و علمی خدمات: غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔ اے، علوم اسلامیہ،
پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۲۰۲، ۲۰۳۔

(۵) محبوب رضوی، سید: مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، مرکز علم و ادب، کراچی، سن مطبوعہ ۱۹۸۳ء، ج ۲، ص ۱۵۰۔

(۶) شاکر جلیل صدیقی: "حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن"، روزنامہ الجمعیۃ دہلی، دہلی، مجاہد ملت نمبر، ص ۲۰۳۔

(۷) محبوب رضوی، سید: مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، مرکز علم و ادب، کراچی، سن ۱۹۸۳ء، ج ۲، ص ۳۲۳۔

سید محبوب رضوی رقمطراز ہیں :-

"ندوۃ العلماء میں انہوں نے بڑی گراں قدر تصنیفی خدمات انجام دیں،
"اسلام کا اقتصادی نظام" اخلاق اور فلسفہ اخلاق" اور "قصص القرآن"
جیسی بلند پایہ اور محققانہ کتابیں لکھیں - ندوۃ المصنفین کے قیام
سے پہلے وہ سیرت نبوی میں "رسول کریم" اور ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں دہلی
کے ڈسٹرکٹ جیل میں "بلاغ مبین" لکھ چکے تھے"۔ (۸)

- دینی مدارس کی سرپرستی :-

مولانا خود دینی مدارس کے تربیت یافتہ تھے۔ فراغت کے بعد بھی آپ نے زندگی کا آغاز بحیثیت معلم ہی کیا - ابتداً دارالعلوم دیوبند میں، پھر پرائیویٹ مدارس، اُس کے بعد ڈابھیل امروہہ، مدرسہ امینیہ دہلی، مدرسہ عالیہ فتحپوری، مدرسہ حسین بخش، مدرسہ مولانا عبدالرب میں تدریس کے علاوہ گرد و نواح کے ویران شدہ مسلم مدارس کا احیاء، مدرسہ معینیہ اجمیر کی نشاط ثانیہ، مدرسہ عالیہ کلکتہ کا دوبارہ اجرا کرایا - پہلے مولانا سعید احمد اس کے پرنسپل تھے۔ علاوہ ازیں جامعہ قاسمیہ مراد آباد، قدوت ٹی سکول سیوہارہ، مسلم انٹر کالج اوناوہ اور دوسری کئی درس گاہوں کو مولانا سے فیض پہنچا مسلم یونیورسٹی کے معاملات و مسائل کے حل کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں - آپ دارالعلوم کے فارغ التحصیل بھی تھے۔ پھر اُس کی مجلس شوریٰ کے رُکن بھی رہے، دارالعلوم کی فلاح و بہبود اُن کے فکر و عمل کا نمایاں عنوان رہی - (۹)

تصنیفی مرتبہ اور علمی مقام :-

مولانا محمد قاسم نانوتوی کے تفسیری سلسلہ میں دیوبند کی خاک سے جو اصحاب علم و قلم اُٹھے، اُن میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کا نام سرعنوان ہے - مولانا مرحوم میں اپنے بزرگوں کے تمام رنگ موجود تھے - اُن کو قدرت نے جس طرح علم و فضل کی دولت سے نوازا تھا - اُسی طرح علمی بصیرت، فکر رسا، تعمق نظر، ادبی ذوق، فصاحت و بلاغت اور خطابت کی بے نظیر قدرت عطا فرمائی تھی جو مومنِ کامل کی شان ہے - مولانا کا تصنیفی مرتبہ اُن کی تربیت کا رہین منت تھا - اسی تربیت میں فوقیت عصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی خصوصی توجہ کا ہاتھ تھا - چنانچہ جب علامہ انور شاہ کشمیری دیوبند سے ڈابھیل گئے تو اُن کے ہمراہ

(۸) محبوب رضوی، سید : مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، مرکز علم و ادب کراچی، سن ۱۹۸۳ء، ج ۲، ص ۱۲۹ -

(۹) حفظ الرحمٰن، حافظ : مولانا حفظ الرحمٰن کی دینی و علمی خدمات، غیر مطبوعہ مقالہ، علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور، سن ـ، ص ۳۲ تا ۳۷ -

مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی بھی تھے۔ یہ علامہ کے خاص تلامذہ اُس وقت مدرسین کے زمرہ میں شامل تھے، ڈابھیل کے قیام کے دوران مولانا سیوہاروی نے سیرت پر، جو آپ کا محبوب موضوع تھا ایک مختصر مگر جامع کتاب حضرت اُستاد کی تحریک پرہی مرتب کی۔ مدراس سے ایک مدرس کی ضرورت کی فرمائش پر آپکو مدراس بھیجا گیا۔ یہاں سے آپ کی تصنیفی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اِس قیام کے دوران دو مختصر کُتب "حِفظ الرحمٰن المذہب النعمان" اور "مالا بار میں اسلام" تالیف کیں۔ یہ رسالے اَب نایاب ہیں۔

دیوبند ایک علمی تحریک تھی۔ اِسکے بانیوں کی نظر میں انگریزوں کی ڈپلومیسی اور ہندوستان کی غلامی کے حالات تھے۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ انگریزوں کے مقابلہ کے ساتھ ساتھ اسلام کے بُنیادی عقائد وعلوم وفنون کی حفاظت کی جائے، مغربی افکار اور نظریات کے تجزیہ تنقید کی ابتدا بھی اُنیسویں صدی عیسوی میں پڑی لیکن دیوبند نے اس کی جانب اصل توجہ علامہ محمد انور شاہ کے زمانہ میں کی چنانچہ ان کے تلامذہ میں ہم کو یہ رجحان قوی نظر آتا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن کے کردار کی تشکیل بھی اسی دور میں ہوئی۔

بیسویں صدی کے برصغیر کے مُسلم مفکرین کے ساتھ یہ المیہ ہوا کہ وہ زمانہ امن کی طرح تعلیم وتمدن کو اپنے افکار ونظریات سے حصّہ نہ دے سکے بلکہ زندگی کی سخت ترین جدوجہد نے ان کو اپنی صلاحتیں دو طرف استعمال کرنے پر مجبور کر دیا۔ مولانا آزاد، مولانا محمد علی، علامہ اقبال اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ساتھ بھی ہوا کہ سیاست کے وقتی ہنگاموں نے ان کو علمی وتحقیقی زندگی کے پُرسکون ماحول سے چھین لیا۔ خاص طور پر مولانا مرحوم تو اپنی صلاحیتوں کے اعتبار اپنے وقت کے امام تسلیم کیے جاتے۔ ان کی تالیفات اور علمی تحقیقات کے نفسیاتی تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سیاسی زندگی کا ذرہ بھر پرتو نہیں۔ اس کے برعکس مولانا آزاد کی تصنیفات میں ان کی سیاسی زندگی کی گرما گرمی اور جذبات آرائی ملتی ہے۔ علامہ اقبال نے شاعری کے ذریعے اپنی اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں اور بلندی فکر کی تسکین کا راستہ ڈھونڈ نکالا۔ لیکن مولانا سیوہاروی صلاحیتوں کے مطابق اپنے علمی رجحان کی تسکین کا کوئی ذریعہ نہ بنا سکے۔ (۱۵)

مولانا حفظ الرحمٰن کی تالیفات کا ایک جائزہ :-

مولانا کی کُتب پر تبصرہ سے قبل ان کا ایک جائزہ لینا ضروری ہے۔ اُن کی سب سے اہم اور قابلِ فخر کتاب..... "قصص القرآن" ہے، اسکے بعد "اخلاق اور فلسفۂ اخلاق" اور پھر "اسلام کا اقتصادی نظام" قصص القرآن

(۱۵) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۲ تا ۵۵۔

نہ صرف موضوع کی اعتبار سے بلکہ فنی اور علمی عظمت کے اعتبار سے مولانا کو علامہ شبلی ، مولانا آزاد اور سید سلیمان ندوی کی صف میں لاکھڑا کرتی ہے ۔ مستقبل کا مؤرخ مولانا کو اُردو کے طبقۂ علیا کے مصنفین میں شمار کرے گا ۔ تفسیر قرآن آسان کام نہیں ، ہر لمحہ اُس کی رفعت وعظمت اور سلفِ صالحین کے مسلک کو مدِنظر رکھنے کے ساتھ ساتھ زمانہ جدید کے ارتقا وتحقیقاتی اسلوب کو مدِنظر رکھنا ہوتا ہے ۔ اِس راہ میں قلم کی ذرا سی لغزش ہمیشہ کے لیے پایۂ اعتبار سے ساقط کردیتی ہے ۔

"اخلاق اور فلسفہ اخلاق" سے اُردو میں ایک نئے دور اور ایک نئے فن کا آغاز ہوتا ہے ۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہم کو مولانا کی علمی بصیرت کی داد دینا پڑتی ہے ۔

"اسلام کا اقتصادی نظام" بھی اپنے موضوع پر اوّلیں کوشش تو نہیں لیکن منفرد اور ممتاز ضرور ہے ۔ اگرچہ اس موضوع پر اُردو میں اب کافی مواد جمع ہو گیا ہے تاہم اسکے اپنے انداز کے پیشِ نظر اس کی قدر وقیمت برقرار رہے گی ۔

"بلاغ مبین" اور "رسول کریم" دونوں عام اُردو داں طبقہ کے لیے لکھی گئی ہیں ۔ چنانچہ ان میں زبان سلیس اور اسلوب عام فہم اختیار کیا گیا ہے ۔ اِس میں مولانا کی ہمہ جہت دینی صلاحیت اور انشاپردازی کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

طرزِ تحقیق :-

مولانا ایک صاحبِ طرزِ محقق تھے ۔ ان کا اپنا جداگانہ تحقیقی اسلوب تھا ۔ ان کی تالیفات میں ہم کو ان کا یہ منفرد اسلوب تحقیق نمایاں نظر آتا ہے ۔ موجودہ دور میں اسی اسلوب کو مقبولیت کی سند حاصل ہوتی ہے جو اپنے فن اور شخصیت اور زمانے سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہو ۔ (۱)

طرزِ تحریر :-

جس طرح مولانا ایک صاحبِ طرز محقق تھے اسی طرح وہ ایک صاحبِ طرز ادیب بھی تھے ۔ چنانچہ وہ ایک خاص اسلوبِ تحریر کے حامل تھے ۔ ان کے اسلوبِ تحریر میں نہ مشہور عام تکلفات ہے اور نہ ہی مبتذل قسم کی کوئی چیز ، موقع ومحل کے اعتبار سے ان کا قلم اسلوب بناتا جاتا ہے ۔ تحقیق کے مواقعوں پر وہ انشاپردازی یا لفاظی سے کام نہیں لیتے ۔ اسی لیے اگر ایک جانب اُن کی سنجیدہ تالیفات میں عالمانہ اور مقالاتی زبان کی سنجیدگی اور متانت ہے تو دوسری جانب عام اُردو داں طبقہ کے لیے لکھی گئی کتابوں میں وہ انتہائی سلیس رواں اور عام فہم زبان استعمال کرتے ہیں ۔ فہم مخاطب کے اعتبار سے اُن کا اندازِ بیان تبدیل ہو جاتا ہے اور یہی بلاغت کا معیار ہے۔ (۲)

(۱) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۷، ۵۸ ۔

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۷ تا ۶۲ ۔

۱۔ قصص القرآن :۔

کلام اللہ میں عبرت و بصیرت کے لیے بہت سے انبیاء و رسل علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں، مگر ان کا مقصد تاریخ و سوانح نگاری نہیں بلکہ سبق آموزی اور عبرت پذیری ہے۔ اِسلیے اِن میں تاریخی ترتیب و تسلسل نہیں ہے بلکہ صرف عبرت اور بصیرت کے پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اور موقع محل کے لحاظ سے جہاں جن پیغمبروں اور اُن کی اُمتوں کے جس قدر حالات کی ضرورت تھی، اُن کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اس لیے کلام مجید میں تاریخ و سوانح کی طرح اِن کے مرتب و مفصل حالات نہیں ملتے اور جس قدر ہیں، یک جا نہیں ملتے۔ مختلف سورتوں اور مختلف آیات میں بکھرے ہوئے ہیں۔

اِن حالات کا دوسرا ماخذ احادیثِ نبوی، تفسیری آیات، عہد عتیق کے صحیفے، قدیم تاریخی کتب، تاریخی آثار اور اسرائیلی روایات ہیں۔ جن کی مدد سے انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کے حالات مرتب کیے جا سکتے ہیں۔ مگر عہد عتیق کے صحیفے محرف ہیں، اِن میں اور کلام مجید کے بیانات میں بعض اختلافات ہیں۔ اسرائیلیات میں خرافات کا حصہ بھی شامل ہے، اِسلیے اِن سے اخذ و استفادہ میں بڑی احتیاط اور تحقیق و تنقید کی ضرورت ہے۔ عربی میں اِس نقطۂ نظر سے قصص القرآن پر متعدد کتابیں لکھی گئیں۔

مصر میں رشید رضا مصری نے تفسیر "المنار" میں اور ہندوستان میں مولانا ابوالکلام آزاد نے "ترجمان القرآن" میں اِن گوشوں پر قلم اُٹھایا ہے اور بعض مقامات پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ مگر بدقسمتی سے یہ دونوں تفسیریں نصف قرآن سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ ضرورت تھی کہ قصص القرآن کے موضوع پر قرآن کریم کے تمام قصص و واقعات پر تحقیق و تنقید کی نظر ڈالی جائے۔ جس میں معترضین کے اعتراضات کا جواب بھی ہو۔ اس موضوع پر سب سے پہلے عبدالوہاب النجار مصری نے قلم اٹھایا اور قصص الانبیاء کے نام سے ایک متوسط درجہ کی کتاب مرتب کی۔ یہ دراصل اُن کے لیکچروں کی کتابی صورت تھی جو اُنہوں نے ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲ء میں جامعہ ازہر کے قسم تخصص کے طلبہ کو دیئے تھے۔ مصر میں ایک اور کتاب مولا بک جاد کے قلم سے قصص القرآن کے نام سے بھی شائع ہوئی ہے، مگر یہ کتاب صرف ادبی حیثیت رکھتی ہے علمی و تحقیقی قطعاً نہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن نے اِس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھا اور قصص القرآن کے نام سے اسے باغ و بہار بنا دیا۔ یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی۔ اُردو میں اپنے موضوع کے حوالے سے یہ منفرد کتاب ہے۔ قصص الانبیاء جیسی غیر معتبر اور افسانوی کتابوں کے علاوہ اُردو میں اِس موضوع پر کوئی کتاب نہیں، مولانا نے اِس کمی کو پورا کر دیا۔ کلام مجید اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کے حالات لکھے ہیں اور جا بجا دوسرے مآخذوں سے بھی مدد لی ہے، اور

جہاں ان کے کلامِ مجید کے بیان میں اختلاف ہے ، وہاں دلائل سے کلام مجید کے بیانات کی صحت و صداقت ثابت کی ہے اور مستشرقین کے اعتراضات کے تحقیقی جواب بھی دیئے ہیں ، کلام مجید کے اصل مقصد ، عبرت و بصیرت کے پہلوؤں کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے ۔

اُردو زبان میں وجہ تصنیف :۔

مولانا حفظ الرحمٰن نے قصص القرآن کی اُردو میں وجہ تصنیف کے بارے میں لکھا ہے :

" اپنی اور اپنی اس قوم کی حالت کو دیکھتے ہوئے جی چاہا کہ اس سرمایہ عبرت و بصیرت کو اُردو میں منتقل کیا جائے تاکہ نقل سے محفوظ ہونے کے بعد خود بخود اصل کی جانب رغبت پیدا ہو اور اس طرح سعادت دارین کا سراغ ملے " (۱۳)

ترتیب : قصص القرآن چار حصوں پر مشتمل ہے ۔

جلد اوّل :

اس جلد میں حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت موسٰیؑ و ہارونؑ کے عبور قلزم تک کے قصص و واقعات ہیں ، جن میں خاص طور پر حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یوسفؑ کے واقعات بیان ہوئے ہیں یہ ۵۷۲ صفحات پر مشتمل ہے ، اس کی طبع اول ۲۲ رجب المرجب ۱۳۶۰ھ کو ہوئی ۔

جلد دوم :۔

اس میں حضرت موسٰیؑ و بنی اسرائیل کے واقعات ، حضرت یحیٰیؑ کے حالات تک بیان کیے گئے ہیں ، یہ ۲۷۹ صفحات پر مشتمل ہے اور شعبان ۱۳۶۱ھ کو پہلی دفعہ چھپی ۔

جلد سوم :۔

اس جلد میں اصحاب کہف ، اصحاب رقیم ، سیل عرم ، اصحابِ فیل اور ذوالقرنین وغیرہ کی بحث کی گئی ہے ۔ اس میں دلچسپ تحقیق ذوالقرنین اور سدِ سکندری ہے ۔ یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ قرآن میں مذکورہ ذوالقرنین سکندر یونانی نہیں ہے

(۱۳) سیوہاروی ، محمد حفظ الرحمٰن ، مولانا : قصص القرآن ، کراچی ، ۱۹۷۲ء ، ج ۱ ، ص ۸۰

بلکہ یہ ذوالقرنین پہلے زمانہ میں ایک مردِ مومن اور عادل بادشاہ گزرا ہے، جس کے دور میں خضر علیہ السلام تھے۔ اس نے وہ دیوار بنائی تھی جو یاجوج ماجوج قوم کو روکنے کے لیے تعمیر کی گئی تھی۔ واثق باللہ کے عہد میں ایک وفد دیوار کی تحقیق کے لیے گیا تھا جس نے اس دیوار کی تعیین کردی تھی۔ مولانا نے تین چار دیواروں کا ذکر کرکے واثق باللہ کے وفد کی تحقیق پر بحث ختم کردیئے ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ دیوار آج بھی موجود ہے یا نہیں۔ اگرچہ اس کی نشاندہی نہیں ملتی تاہم بحث تسلی بخش ہے۔ یہ جلد ۴۱۱ صفحات پر مشتمل ہے اور تکمیل کی تاریخ شعبان ۱۳۶۳ھ ہے۔

جلد چہارم :

اس میں عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کے واقعات کا تذکرہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے مباحث رفع سماء، پیدائش، حیات اور قادیانی دعووں کی تکذیب اسی جلد کے خاص اور معرکۃ الآرا مسائل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک گونہ سیرت بھی اس میں شامل ہے۔ خاص مباحث واقعہ معراج اور غزوات نبوی ہیں۔ یہ جلد ۵۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ تاریخ طباعت ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ ہے۔

۲۔ اخلاق اور فلسفہ اخلاق :

یہ مولانا حفظ الرحمٰن کی دوسری تصنیف ہے۔ اخلاقیات اسلام کے جامع نظامِ زندگی کا ایک اہم باب ہے۔ اردو زبان میں اس کتاب کی تالیف کا مقصد بقول مولانا:

> "میں نے " علم اخلاق سے متعلق اردو لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا اور مشاہیر و متوسط اہل قلم کی جس قدر علمی و معلومہ کتابوں تک دسترس ہوسکی، ان کو پڑھا، مگر " چھوٹا منہ اور بڑی بات" اس تمام ذخیرہ میں میری نگاہ جس چیز کی متلاشی رہی، اس کو نہ پاسکی، اگرچہ ان بیش بہا جواہر میں گوہر شب چراغ بھی تھے اور دُرِ شہوار بھی۔ لیکن جس موتی کی جستجو مجھے تھی وہ نہ ملا"(۱)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اخلاق اور فلسفہ اخلاق کی تصنیف کرنے کا مقصد ایک اور جگہ یوں بیان کرتے ہیں :

> " اردو میں اس سلسلہ کی جتنی تالیفات موجود ہیں وہ جُدا جُدا نظریوں کے

(۱) حفظ الرحمٰن، سیوہاروی، مولانا : اخلاق اور فلسفہ اخلاق، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۰ء ص ۱۱۔

ماحقت تالیف کی گئی ہیں ۔ جن حضرات کو مذہبی ذوق ہے ، اُنہوں نے جدید نظریہ ہائے اخلاق سے جُدا ہو کر اپنی مولفات کو ایک ہی طرز پر ادا کیا ہے ۔ اور جن ارباب علم کو جدید علمی نظریوں سے شغف ہے اُنہوں نے صرف اپنے نظریوں کی تحقیق و تفتیش اور شرح و بسط کو اپنا منتہائے مقصد بنایا ہے ۔ لیکن وقت کا تقاضا یہ تھا کہ اس سلسلہ میں ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں ایک جانب جدید اکتشافات علمی کا مفید ذخیرہ محفوظ ہو اور مذہب پرستی کے تعصب اور ہٹ دھرمی سے اس کے ساتھ معاندانہ روش اختیار نہ کی جائے اور دوسری جانب اسلامی اور اخلاقی تعلیم کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ صرف حسنِ ظن کی بنا پر نہیں بلکہ علمی دلائل و براہین کی روشنی میں اسلام کے نظریہ اخلاق اور اسلامی تعلیم کی برتری واضح ہو جائے " (۱۵)

ترتیب : اخلاق اور فلسفۂ اخلاق کی ترتیب چار حصوں پر مشتمل ہے !

۱۔ پہلے حصہ میں علم النفس اور نفسیاتی مباحث ، ملکہ ، وجدان اور ارادہ وغیرہ سے بحث کی گئی ہے ۔

۲۔ دوسرے حصہ میں اخلاق کے معیاری نظریات اور ان کے متعلقات ، نیز علم الاخلاق کی تاریخ بیان کی گئی ہے ۔

۳۔ تیسرے حصہ میں اخلاق کے عملی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

۴۔ چوتھے حصہ میں اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی اسی طرح وضاحت کی گئی ہے کہ علمی و عملی دونوں اعتبار سے دلائل و براہین کی روشنی میں ان کا کمال و تفوق ظاہر ہو جاتا ہے ۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک نادر کتاب ہے ۔ اس سے مولانا سیوہاروی کی تحقیق اور عالمانہ وجاہت کا اظہار ہوتا ہے ۔ اس کے بارے میں حافظ غفران اللہ پروفیسر اینگلو اورنٹیل کالج دہلی لکھتے ہیں :

" مولانا کی یہ کتاب اخلاقیات کے موضوع پر ایک نادر کتاب ہے
اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اس موضوع پر اُردو میں یہ پہلی

(۱۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۱ ۔

جامع ترین کتاب ہے۔ کچھ کتابیں ضرور موجود ہیں لیکن قطعی نامکمل" (۱۶)

اس کتاب کے ماخذوں کے بارہ میں مولانا سیوہاروی خود رقمطراز ہیں :-

" اس سلسلہ میں میری عالم، شیخ محمد امین کی "کتاب الاخلاق" نظر سے گزری اس کے حسن ترتیب اور مختصر مگر جامع اسلوب نے مہمیز کا کام دیا، اور اس میں بھی اگرچہ جدید نظریات کو اساس بنایا گیا ہے، تاہم اسکی غیر معمولی خوبیوں کی وجہ سے میں نے اپنے تالیفی عطر کے لیے اس کو زمین بنایا۔ اس کتاب کے لیے کس قدر ذخیرہ کتب کا مطالعہ کیا گیا، اس کا اظہار غیر ضروری ہے اور میری استطاعت سے باہر بھی۔ اسلیے جو کچھ ہے سال ہا سال کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ جس میں عربی، فارسی، اردو تالیفات اور انگریزی تراجم کا ذخیرہ بھی شامل ہے۔ البتہ قرآن مجید اور کتب احادیث کے علاوہ زبیدی کی "اتحاف" "السعادۃ المتقین" "شرح احیاء العلوم" ابن قیم کی "مدارج السالکین" شاہ ولی اللہ کی "حجۃ اللہ البالغہ" امام راغب کی "الذریعہ الی مکارم الشریعہ" شیخ ابوالقاسم کا رسالہ "قشیریہ" ابن مسکویہ کی "السعادہ" ارسطو کی "علم الاخلاق" ماوردی کی "ادب الدنیا والدین" محمد لطفی کی "تاریخ فلسفۃ الاسلام" اور دیگر کتب " (۱۷)

۳۔ اسلام کا اقتصادی نظام :-

اس تالیف میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اسلام کے اقتصادی نظام کو مدون شکل میں پیش کیا ہے اور ان اصولوں کی نشاندہی کی ہے جن پر اسلام کے اقتصادی ڈھانچہ کی جدید اور ٹھوس عمارت اٹھائی جاسکتی ہے۔ اور ساتھ ہی اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام سے موازنہ کیا گیا ہے۔ دنیا کے مختلف مذاہب کے پیش کردہ نظام ہائے معیشت پر بھی نظر ڈالی گئی ہے۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب جامع ہے اور اس میں اعلیٰ درجے کا مواد ہے۔ اسکے بعد اسلامی اقتصادیات پر جو بھی کام ہوا اس کا سہرا بھی

(۱۶) پروفیسر غفران احمد، حافظ : مولانا حفظ الرحمٰن اور ان کا علمی مقام، ماہنامہ الجمعیۃ دہلی، دہلی، جامعہ ملت نمبر۔ سن۔ ص۔ ۳۶

(۱۷) حفظ الرحمٰن، سیوہاروی، مولانا، اخلاق اور فلسفۂ اخلاق۔ خالد مقبول پبلشرز اردو بازار لاہور۔ سن ۱۹۷۶۔ ص۔ ۱۳

کا مرتبہ مولانا ہی کو حاصل رہے گا۔ اگرچہ اُردو میں اس فنی نقطۂ نگاہ سے کچھ اور بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن وہ اپنے اندر اتنی جامع اور گہری فنی معلومات نہیں رکھتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ "اسلام کا اقتصادی نظام" کو اُردو میں اپنے موضوع پر اوّلین قدم کا مقام دیا جاتا ہے اور یہ جدید نظامہائے اقتصاد پر اسلام کی فوقیت ثابت کرنے کا تحقیقی اور علمی کارنامہ ہے۔ جس دور میں یہ کتاب لکھی گئی ہے، اس کا سب سے بڑا مسئلہ اقتصادیات اور مختلف طبقوں میں دولت کی تقسیم کا ہے۔ (۱۸)

مولانا حفظ الرحمٰن لکھتے ہیں:۔

"موجودہ زمانہ مادی ترقی کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں روحانی اور مذہبی جذبات سرد پڑ رہے ہیں اور لادینی خیالات آہستہ آہستہ اُن کی جگہ لیتے رہتے ہیں۔ ایسے زمانہ میں مذہب کے نام سے کسی چیز کا پیش کرنا، خصوصاً کسی اقتصادی نظام کی ہمہ گیری کا دعویٰ کرنا اور اس کو محنت و سرمایہ کی موجودہ کشاکش کا بہترین حل بنانا بڑی جرات اور حیرت انگیز جسارت ہوگا۔ مگر قدرت نے جنہیں چشم بصیرت عطا فرمائی ہے اور جن کو مشکوٰۃ نبوت کے فیضان سے وافر حصہ ملا ہے وہ بحمداللہ آج بھی مادی ترقی کے مسموم اثرات یعنی مذہب سے بے اعتنائی برتنے، اس کی تعلیمات سے تمسخر کرنے اور اس کو ایک نظر دیکھنے کو ذہنی غلامی اور جاہلی پستی یقین کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ دُنیا کے موجودہ انقلابی ہنگاموں میں بھی صحیح راہ وہی ہے جو اسلام کی اس دعوت انقلاب نے ہم کو بتائی ہے، اور امن عالم کے لیے آج بھی وہ نسخہ کیمیا ہے"۔(۱۹)

اسلام اور اشتراکیت کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:۔

"گزشتہ صفحات میں جو اشارات اس سلسلہ میں سپرد قلم کئے گئے ہیں۔

(۱۸) حفظ الرحمٰن، حافظ: حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی دینی و علمی خدمات، غیر مطبوعہ مقالہ، علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۸۹، ۹۰۔

(۱۹) حفظ الرحمٰن، سیوہاروی، مولانا: اسلام کا اقتصادی نظام۔ اُدارہ اسلامیات انارکلی لاہور۔ طبع دوم سن ۱۹۸۲ء ص ۷۱۔

اُن سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام جس مکمل قانون کا نام ہے۔ اسکے ساتھ اشتراکیت اور کمیونزم کا بھی رابطہ اتحاد ناممکن ہے" اِس لئے کہ کارل۔ مارکس اور دوسرے اشتراکی رہنماؤں نے جس فلسفہ پر مارکس ازم کی بنیاد قائم کی ہے، اس میں خدا سے انکار اور الٰہیات کی نفی صف اوّل میں جگہ پاتے ہیں، لہذا اس کے فلسفۂ لادینیت کے ساتھ اسلام کا کوئی رابطہ اور تعلق قائم نہیں ہو سکتا" (۲۰)

ترتیب :-

اسلام کا اقتصادی نظام مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور ۳۵۴ صفحات پر مشتمل ہے، طبع اول ۱۸ رجب ۱۳۵۹ھ اسکی ترتیب بذیل مباحث کے اعتبار سے ہے۔

۱۔ اقتصاد وعلم الاقتصاد۔ ۲۔ معاشیات کے جدید نظریے۔ ۳۔ اصول معاشیات قرآن عزیز کی روشنی میں۔
۴۔ انفرادی معیشت۔ ۵۔ اجتماعی معیشت۔ ۶۔ بیت المال اور اسکے مصارف۔
۷۔ ربوٰ اور اسکی اقسام۔ ۸۔ بینک، کوآپریٹو سوسائیٹیاں۔ ۹۔ اسلامی نظام کا دیگر اقتصادی نظاموں سے موازنہ۔
۱۰۔ ہندوستان میں معاشی مسئلہ کا حل۔

عُلمائے کرام سے گزارش :-

" اسلام کا اقتصادی نظام" چونکہ اُردو زبان میں اپنے موضوع پر لکھی گئی پہلی جامع کتاب تھی، اس لیے مولانا نے عُلمائے کرام سے مخلصانہ انداز میں گزارش کی کہ وہ اس کتاب پر اپنی آراء کا اظہار کریں تاکہ اس کی خامیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔ اس سے مولانا کی نیک نیتی اور خلوص کا اظہار ہوتا ہے۔ (۲۱)

اسلام کا اقتصادی نظام' پر تبصرے :-

اس کتاب میں اسلام کے اقتصادی نظریوں کو پسندیدہ ترتیب کے ساتھ پیش کرکے دُنیا کو، خاص طور پر

(۲۰) حفیظ الرحمٰن، سیوہاروی، مولانا: اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور، طبع دوم۔ سن ۱۹۸۳ء ص ۳۸۵۔

(۲۱) حفیظ الرحمٰن، حافظ، حفیظ الرحمٰن سیوہاروی کی دینی وعلمی خدمات، غیر مطبوعہ مقالہ، علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۱۷۲

دُنیائے اسلام کو، اُن کی طرف دعوتِ پیش رفت دی گئی ہے۔ آج جبکہ اشتراکیت کا اقتصادی حُسن ہماری نئی نسل کی توجہ کو غیر مشروط طور پر جذب کر رہا ہے، اس قسم کی کتاب کا لوگوں کے ہاتھ آنا مصنف کے اعلیٰ اسلامی احساس اور صادق مذہبی جذبہ کا ایک ایسا مظاہرہ ہے، جس پر باتفاق آراء اظہار تحسین کیا جائے گا۔ لامذہبیت کے اس دور میں، مذہب کی مشعل روشن کرنا، آزادی فکر کے اس ماحول میں فکر و نظر کے لیے اسلام کی پابندیوں کو قبول کر کے قلم کو جُنبش دینا، گمراہی کی اس بڑی اور پھیلی ہوئی دُنیا میں مادہ پرستوں کے اقتصادی قلعوں کے مقابلہ میں اسلام کے قلعے کی دیواروں کو بلند کرنا بڑی دلیری کا کام ہے، اور اس کام پر کتاب کے مصنف مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب نہ صرف برصغیر بلکہ اسلامی دُنیا کے شکریہ کے مستحق ہیں۔" (٢٢)

ڈاکٹر ذاکر حسین:۔

"میں نے اس کتاب کا دو مرتبہ مطالعہ کیا ہے اور میری قطعی رائے ہے کہ یہ کتاب اسلامی معاشیات کے سلسلہ میں ایک کامیاب کوشش ہے۔" (٢٣)

مولانا عبدالماجد دریا آبادی:۔

"یہ کتاب خاص تلاش و تفحص کے بعد لکھی گئی ہے اور ایک سنجیدہ عنوان سے متعلق ایک سنجیدہ کوشش ہے" (٢٤)

مولانا مودودی کی رائے:۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس کتاب میں اسلام کے معاشی احکامات و قوانین کے ایک نظام کی شکل میں مدون کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ بتانا چاہا ہے کہ یہ نظام کس طرح دُنیا کے موجودہ معاشی مسائل کا ایک صحیح و متوازن حل پیش کرتا ہے اور کن وجوہ سے دوسرے نظاماتِ معیشت کے مقابلے میں لائق ترجیح ہے۔ ان کی یہ کوشش اس لحاظ سے

(٢٢) ایضاً ایضاً ایضاً ص ٩٧۔

(٢٣) سعید احمد اکبرآبادی، مولانا: ماہنامہ بُرہان دہلی: جلد ٦ شمارہ ٤، سن ١٩٦٠، اپریل ١٩٦١ء ص ٢٨٦۔

(٢٤) حفظ الرحمٰن، حافظ، حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی دینی و علمی خدمات، غیر مطبوعہ مقالہ، علوم اسلامیہ، لائبریری پنجاب یونیورسٹی لاہور، ص ١٠١

ضرور قابلِ قدر ہے، کہ اُنہوں نے معاشی معاملات کے متعلق قرآن و حدیث اور
فقہی کتابوں میں کافی مواد جمع کر دیا ہے جو بجائے خود مفید ہے "(۲۵)

مولانا مودودی کی تنقید :-

کتاب کا مطالعہ کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک علمی بحث نہیں ہے بلکہ اشتراکیوں کو راضی کرنے کی ایک تبلیغی کوشش ہے۔ پھر انہوں نے جہاں دوسرے معاشی نظاموں سے، اسلامی نظام کا تقابل کیا ہے وہاں ترمان کی ناواقفیت بُری طرح ظاہر ہوتی ہے۔ فاشزم اور مارکسزم دونوں کے متعلق ان کی معلومات نہایت کم بلکہ ناقص ہیں اور غلط ہیں اور اسی ناقص علم کی وجہ سے اُنہوں نے بے تکلف یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فاشزم کی نسبت مارکسزم اسلام سے زیادہ قریب ہے۔ حالانکہ دونوں اسلام سے یکساں دور ہیں۔

مولانا آگے چل کے لکھتے ہیں :-

مولانا کا تعلق علمائے کرام کے ایسے گروہ سے ہے جن میں خود اپنے بل بوتے پر
کوئی اسلامی تحریک اٹھانے کی ہمت اور صلاحیت نہیں ہے۔ اسلئے کچھ اشتراکیت کے دامن
میں پناہ لیتے ہیں کچھ دوسرے سہارے کے پا مردی سے بہشت میں پہنچنا چاہتے ہیں "(۲۶)

مولانا سیوہاروی کا ردِ عمل :-

مولانا سیوہاروی اس کتاب کے طبع ثانی میں رقمطراز ہیں :-

"مصنف ساتھ ہی ان بعض اہلِ علم کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے، جنہوں نے اصول تنقید سے
گریز کرتے ہوئے کتاب کی جگہ مصنف کے سیاسی مسلک کو ہدفِ طعن بنایا اور اس کی
سیاسی جماعت کو غیر مہذب یاد کرنا ضروری سمجھا اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ حاسدانہ
حسد اور بغض و عناد ادعائے امامت و قیادت اور ادعائے تقویٰ و طہارت کے باوجود
پستی اخلاق کے کسی عمیق غار میں سے جا کر گرا دیتا ہے۔ مگر مصنف اسلئے شکرگزار

(۲۵) مولانا مودودی، رائے، سیفت روزہ آئین، لاہور، جلد نمبر ۳۶، شمارہ ۲۱۰، سن ۱۵ ستمبر ۱۹۸۷، ص ، ۲۱ -

(۲۶) حفظ الرحمٰن، حافظ :- حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی دینی و علمی خدمات، غیر مطبوعہ مقالہ، علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص، ۱۶۰ -

ہے کہ ان کی اس طرز سنجیدہ روش نے کتاب کو ملک میں بہت زیادہ مقبول بنا دیا۔

اور ارباب ذوق نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔" (۱۷)

مولانا سیوہاروی نے مولانا مودودی کی تنقید کا برہان دہلی کے شمارہ اپریل ۱۹۴۱ء میں مفصل جواب دیا اور تنقید شدہ مضمون کی وضاحت کی :

۴۔ بلاغ مبین :۔

اُردو زبان میں آج تک کوئی ایسی تصنیف نہیں کی گئی، جس کا موضوع واحد صرف ان فرامین مقدسہ کی جمع و ترتیب اور ان سے متعلق بیش قیمت تاریخی حوالجات و اسانید کا پوری محنت و جانکاہی کے ساتھ بہم پہنچایا ہو، جو خالص تبلیغ اسلام کی غرض سے لکھے گئے ہیں اور اس سلسلے میں جو اہم حدیثی و تاریخی اشکالات پیدا ہو جاتے ہیں، اُن کو ایسے پسندیدہ اسلوب اور وسیع النظری کے ساتھ رفع کیا گیا ہو کہ تاریخی بیانات و آثار و روایات میں کوئی تناقض باقی نہ رہتا ہو۔ اس کتاب میں موضوع کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو تشنۂ تحقیق رہ گیا ہو۔

ترتیب : کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے ۔

پہلا حصہ : اس حصہ کا نام اصول تبلیغ ہے ۔ آپ نے اس میں بتایا ہے کہ دین کی نشر و اشاعت اور کلمۂ حق کے اعلاء حق کا طریقہ کیا ہے اور اسلام نے اس کے کیا اُصول وضع کئے ہیں نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عہد حاضر میں مناظرہ کا جو طریقہ مروج ہے اور جس کو بالعموم مذہب کی ایک بڑی خدمت سمجھا جاتا ہے وہ کس حد تک اسلام کے مقرر کئے ہوئے اُصول تبلیغ کی روشنی میں شرعی اور درست سمجھا جا سکتا ہے ۔ مصنف نے موجودہ طریق اطلاق تبلیغ کے تحلیل کرنے کے بعد بتایا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر غیر مسلم جماعتوں کی اختراع ذہنی کا نتیجہ ہیں ۔

دوسرا حصہ : فرامین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے معنون ہے ۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن فرامین مقدسہ کو جمع کیا گیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کے مختلف بادشاہوں کے نام روانہ فرمائے تھے اور اُن فرامین کے ساتھ اُن سے متعلق تاریخی و حدیثی حالات کو بیان کیا گیا ہے ۔ کتاب کا یہ حصہ بہت مہتم بالشان ہے ۔ یہ حصہ اوّل سے آخر تک مصنف کی وسیع النظری، دقیقہ رسی اور مہارت علمی کا بین ثبوت ہے ۔

---

(۱۷) حفظ الرحمٰن، سیوہاروی، مولانا : اسلام کا اقتصادی نظام، اُدارہ اسلامیات انارکلی لاہور، طبع دوم، سن ۱۹۸۲ء ص، ۱۴ ۔

تیسرا حصہ :۔ اس حصے کو نتائج دعوت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔ اس میں وہ تمام معرکۃ الآرا مباحث ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام اور سلاطینِ عالم جن کے نام پر فرامین ارسال کیے گئے ہیں ، اُن کے اس دعوتِ نبوت کو قبول یا انکار کرنے سے پیدا ہو گئے ہیں ۔ تبلیغ کا مفہوم ، جہاد کی حقیقت ، اس کے اصول و اسباب ، قتلِ مرتد ، تکفیر اہل کعبہ ، جزیہ کی حقیقت ، اس کے اصول و اسباب ، اسلام اور اس کا نظام ، اسلام کا دوسرے مذاہب پر تفوق و امتیاز ، سب قابلِ قدر اور مشکل بحثیں ہیں جو عقلی و نقلی دلائل سے پوری شرح و بسط کے ساتھ کتاب میں محققانہ رنگ میں پیش کی گئی ہیں ۔

مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی نے اس کتاب کے بارہ میں لکھا ہے :

"اس کتاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خطوط و پیغامات کو جمع کر دیا گیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد کے سلاطین و امرائے عالم کے نام لکھے ۔ ان کا پس منظر اور ضروری تشریحات بھی اس انداز سے پیش کر دی گئی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ تبلیغ دعوت وضاحت کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آ جائے اور ہمارے علماء و مبلغین اس کو نمونہ اُسوہ بنا سکیں ۔" (۲۸)

۵۔ نور البصر فی سیرت خیر البشر :۔

اس کا دوسرا نام " رسول کریم " ہے ۔ یہ ۳۵۰ صفحات پر مشتمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر اور جامع سیرت مبارکہ ہے ۔ یہ کتاب قیام ڈابھیل کے زمانہ میں سکولوں اور کالجوں کے طلباء کی نصابی ضروریات پورا کرنے کے لیے تحریر کی ۔ ترتیب دلچسپ اور اندازِ بیان موثر ہے ۔ یہ کتاب امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری جو آپ کے استادِ عالی مقام تھے کے ایماء پر لکھی ۔ ہر عنوان کے ساتھ قرآنی آیات درج کی گئیں ۔

کتاب کی خصوصیات ۱۔ عنوانات کے حسبِ حال قرآنی آیات و احادیثِ نبویؐ نقل کی گئی ہیں ۔ جس سے کتاب موثر اور کیفیات کی حامل ہو گئی ہے ۔

۲۔ ہر مضمون کی تفصیلات کے بعد خلاصہ اور آخر پر سوالات درج کیے گئے ہیں ۔

۳۔ سیرۃ کے متعلق معرکۃ الآرا مسائل میں قدرے تفصیل سے کام لیا گیا ہے تاکہ مسلمان سیرت سے متعلق دوسروں کے اعتراضات دور کرنے پر قادر ہوں ۔

(۲۸) روزنامہ الجمعیۃ دہلی ، مجاہد ملت نمبر ۔ سن ۔ ص ۱۲۷

۴۔ شروع میں مختصر مقدمہ تاریخ ہے جو مطالعہ تاریخ کا ذوق پیدا کرنے کے علاوہ اس سلسلے میں معاون بھی ہے ۔

۵۔ عام کتب سیرت کا اس مجموعہ سیرت میں یہ لحاظ نہیں رکھا گیا کہ تمام واقعات سن وار ترتیب سے بیان کیے جائیں ۔

۶۔ اس کتاب کی تقریظ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری ؒ نے یکم جمادی الاول ۱۳۵۱ھ کو تحریر فرمائی ۔

آپ رقمطراز ہیں :۔

"نور البصر فی سیرت خیر البشر" مولانا حفظ الرحمٰن نے اس احقر کے اصرار پر تالیف کی ہے ، احقر کا خیال تھا کہ کوئی متوسط سیرت ایسی تالیف ہو کہ مدارس عربیہ اور مدارس قومیہ کے طلباء اس سے بسہولت مستفید ہو سکیں ۔ اور حدیث شریف کے مشتغلین کو اجمال بصیرت نصیب ہو اور کتب معتبرہ سے ماخوذ ہو اور اہل حق اور سلف کے طریقہ کے خلاف نہ ہو ۔ بحمد اللہ یہ مختصر کتاب ایسی ہی واقع ہوئی ہے ، حق تعالیٰ مؤلف کو جزاء خیر نصیب کرے اور ان کی یہ خدمت بارگاہِ خداوندی اور بارگاہ نبوت میں قبول ہو "(۲۹)

علاوہ ازیں مولانا حسین احمد مدنی ؒ نے بھی اس کتاب پر تقریظ لکھی ہے ۔

۷۔ حفظ الرحمٰن المذہب النعمان :۔

مولانا کی یہ کتاب نایاب ہے ، اسکے بارہ میں حافظ غفران احمد لکھتے ہیں :۔

"مدراس کے ایک گاؤں پلارم میٹ میں مقلدین و غیر مقلدین میں اختلاف ہوا اور نزاعی مسائل میں بحث کا دروازہ کھل گیا ۔ اور چند اہل حدیث علماء کی شدت کی وجہ سے ہوا ۔ مقامی لوگوں نے آپ کو دعوت دی ، چنانچہ آپ تشریف لے گئے ۔ لیکن مناظرہ یا مباحثہ کا موقع نہ آیا ۔ چنانچہ وہاں نزاعی مسائل کا حل یا جواب ایک کتاب کی صورت میں یکجا کر دیا گیا جو احناف پر اعتراض کے طور پر کئے جاتے ہیں ، مثلاً قرأتِ خلف امام ، رفع یدین وغیرہ ۔" (۳۰)

(۲۹) حفظ الرحمٰن سیوہاروی ، مولانا : نور البصر فی سیرت خیر البشر ، شنی پبلیکیشنز ، لاہور ۔ سن ۔ ص ، ۳۵ ۔

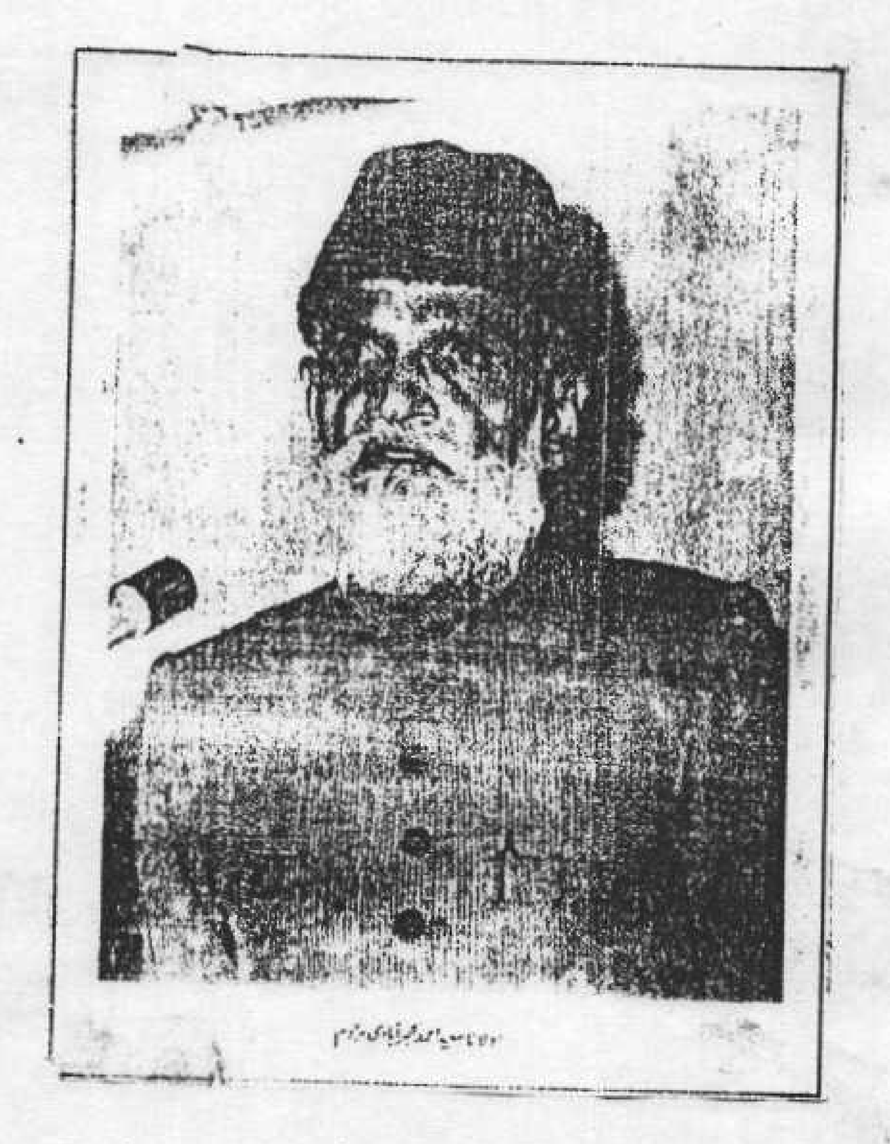
(۳۰) حفظ الرحمٰن ، حافظ : مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی دینی و علمی خدمات ، مقالہ غیر مطبوعہ ، ایم ۔ اے علوم اسلامیہ ، پنجاب یونیورسٹی لاہور ، ص ، ۱۱۱ ۔

۷. مالابار میں اسلام :-

مولانا کی یہ کتاب بھی نایاب ہے ۔ اس کتاب میں مالابار مدراس میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ ، راجہ چیرامن کا قبول اسلام ، معجزہ شق القمر کی تاریخی بحث ، مسلم سپاہیوں اور تاجروں کے ذریعے تبلیغ اسلام کا ذکر ہے اور اس سلسلہ کی بہترین مختصر کتاب ہے ۔

ان کتب کے علاوہ مولانا نے ایک کتاب بشارات النبی کے نام سے لکھی جو اب نایاب ہے ۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی



مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم

تصویر گیسرد پوشی " مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم " (سیرت و شخصیت اور علمی اور عملی کارنامے)

مؤلف مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔

ناشر: ادارہ مولانا سعید احمد اکیڈمی پاکستان، اتاری فرنیل مزار شریف پاکستان چوک کراچی، طبع دسمبر ۱۹۸۶ء

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

×××

حالاتِ زندگی :-

مولانا سعید احمد کے والد کا نام ڈاکٹر محمد ابرار حسین تھا جو اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے۔ بقول مولانا سعید احمد وہ آگرہ کے نامی گرامی ڈاکٹر تھے۔ سرکاری تنخواہ کے علاوہ اوسطاً آٹھ نو سو روپیہ ماہوار پریکٹس رکھتے تھے اور بڑی خوشحال زندگی بسر کرتے تھے۔ مولانا کا تعلق بچھرایوں ضلع مراد آباد سے ہے جو گجرولہ کے نزدیک رؤسا اور شرفاء کی مشہور بستی ہے۔ ڈاکٹر ابرار حسین بڑے مذہبی انسان تھے۔ عقائد کے لحاظ سے دیوبندی اور قاضی عبدالغنی منگلوری کے مریدِ خاص تھے۔ مولانا سعید احمد کی والدہ کا نام شمس النساء تھا جو ڈپٹی محمد ابراہیم کی دختر تھیں جو سیوہارہ کے رہنے والے تھے۔ مولانا سعید احمد کے والد کا انتقال ۱۹۵۳ء میں ہوا اور مراد آباد میں دفن ہوئے جبکہ والدہ کا انتقال ۱۹۴۴ء میں ہوا اور دہلی میں دفن ہوئیں۔ (۱)

ولادت :-

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ چونکہ آپ اپنے والد کی واحد اولادِ نرینہ تھے اسلئے والد آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم عربی، فارسی اور انگریزی وغیرہ ایک ہندو اتالیق کے ذریعے گھر پر حاصل کی۔ ۱۹۲۰ء میں آپ دیوبند بھیج دیئے گئے۔ جہاں چھ برس میں آپ نے تکمیلِ علوم کی۔ (۲)

مولانا محمد انور شاہ کشمیری کی شاگردی :-

جیسا کہ آزاد رقمطراز ہیں :-

> " جب مولانا اکبر آبادی دارالعلوم میں داخل ہوئے تو اس زمانے میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری کے درسِ حدیث کا شہرہ برِ اعظم سے نکل کر مصر و شام تک پہنچ چکا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی شارحِ مسلم شریف دینی حلقوں سے اپنی علمیت کا سکہ منوا چکے تھے۔ علامہ ابراہیم بلیاوی منطق و فلسفہ میں اُستادِ کامل مانے جاتے تھے۔ مولانا اعزاز علی دیوبندی

(۱) جیسا آزاد : مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور اُنکی ادبی خدمات، غیر مطبوعہ مقالہ، شعبہ اُردو، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۲ تا ۸۔

ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۸ تا ۱۲۔

عربی ادب پر آخری سند تسلیم کیے جاتے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے مدح و
تقویٰ کے لیے ضرب المثل تھے۔ حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ پیدائشی ولی مانے جاتے
تھے۔ اسی زمانے میں مولانا رسول خان مرحوم، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی مرحوم، مفتی
محمد شفیع دیوبندی اور مولانا ادریس کاندھلوی بھی دارالعلوم میں معروف مدرس تھے۔
مولانا اکبر آبادی نے یہاں تمام حضرات سے استفادہ کیا۔ وہ خصوصاً مولانا محمد انور شاہ
سے بہت متاثر تھے۔" (۳)

آپ نے ۱۹۲۶ء میں والدہ کے ساتھ حج کیا۔ سفر حج میں مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا محمد سبحان
بھاگلپوریؒ، مفتی محمد کفایت اللہؒ اور شفیع داؤدیؒ جیسے بزرگ رفیق سفر تھے۔ اس کے بعد دیوبند میں مزید ایک برس قیام کر کے فلسفہ
منطق اور ہیئت کی آخری کتابیں پڑھیں۔

شادی :-

مئی ۱۹۲۸ء میں مولانا کی شادی اختری بیگم کے ساتھ اعتماد پور میں ہوئی۔ اختری بیگم آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں جو
بعد کو حسن پسند بیوی بنیں۔ اکابرین دیوبند علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سراج احمد رشیدیؒ، مولانا بدر عالم
میرٹھیؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰنؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا محمد ادریس سکھروڈویؒ نے بارات میں شرکت کی اور حضرت
شاہ صاحبؒ نے نکاح پڑھایا۔ دیوبند سے فراغت کے بعد انہوں نے کچھ عرصہ ڈابھیل میں بھی گزارا۔ یہاں دنوں مولانا انور شاہ کشمیریؒ
مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی وہیں تھے۔ مولانا اکبر آبادیؒ بھی عملۂ تدریس
میں شامل ہو گئے۔ فقہ، ادب اور منطق کا درس دیتے رہے۔ اسی دوران آپ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے مولوی فاضل، منشی فاضل
اور ادیب فاضل کے امتحانات پرائیوٹ طور پر پاس کیے۔ ۱۹۳۱ء میں مدرسہ عالیہ فتحپور دہلی میں چلے آئے۔ (۴)

جہاں آراء رقمطراز ہیں کہ :-

"ڈاکٹر اسرار احمد کے اس سوال کے جواب میں کہ "ایم۔ اے آپ نے کس سن اور کس مضمون

(۳) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۲ و ۱۳۔
(۴) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۳۔

میں پاس کیا ؟" مولانا نے بتایا کہ " میں نے ۱۹۳۶ء میں عربی میں ایم۔اے کیا تھا
اور یونیورسٹی میں TOP کیا تھا" اُس کے بعد غالباً ۱۹۴۱ء کے لگ بھگ انگریزی میں ایم۔اے
کیا، جس کے بعد سینٹ سٹیفن کالج نے اُنہیں مدعو کیا، سابق صدر پاکستان جنرل
محمد ضیاء الحق اُن دنوں وہاں طالب علم تھے۔ آپ ۱۹۴۹ء تک وہیں رہے۔ (۵)

مفتی عتیق الرحمان عثمانی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مولانا کے ہمعصر تھے۔ مولانا اکبر آبادی نے ان کے ساتھ مل کر ۱۹۳۸ء میں "ندوۃ المصنفین" کی بنیاد رکھی اور اسی سال اسی ادارہ سے "ماہنامہ برہان" نکلنا شروع ہوا۔ مولانا اکبر آبادی ۴۷ سال تک اس کے مدیر رہے اور زبان اُردو کی گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے۔ مولانا نے اپنی پہلی کتاب "الرق فی الاسلام" یعنی اسلام میں غلامی کی حقیقت ۱۹۳۸ء میں لکھی۔ ۱۹۴۷ء میں آپ دہلی یونیورسٹی میں شعبہ عربی، فارسی اور اُردو کے صدر بھی رہے۔ (۶)

۱۹۴۷ء کے فسادات میں مولانا اکبر آبادی بھی گھر بار سے محروم ہوئے اور اہل و عیال مراد آباد منتقل ہو گئے۔ جب امن وامان قائم ہوا تو ابوالکلام آزاد نے (جو اس دور آں ہندوستان کے وزیر تعلیم تھے) آپ کو مدرسہ عالیہ کلکتہ (جس کے طلباء و اساتذہ ہجرت کر کے مشرقی پاکستان چلے گئے تھے) کا پرنسپل مقرر کر کے اُسے دوبارہ جاری کرنے کو بھیجا۔ آپ پہلے ہندوستانی عالم تھے جو اس منصب پر فائز ہوئے۔ ورنہ اس سے قبل پونے دو سو سال دور میں یہ منصب انگریزوں ہی کے پاس رہا۔ آپ ۱۹۵۹ء تک اس منصبِ جلیلہ پر فائز رہے۔ اسی سال آپ علی گڑھ چلے آئے اور یہاں آپ کو سُنی دینیات کے شعبے کا صدر اور فیکلٹی آف تھیالوجی کا ڈین مقرر کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو فل پروفیسر بنایا گیا۔ ۱۹۶۲-۶۳ء کے دوران بحیثیت A visiting Professor کینیڈا کی Mc-Gill یونیورسٹی کے انسٹیٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز میں کام کیا اور اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر امریکہ، انگلینڈ اور بعض اسلامی ممالک کی سیر کی۔ علیگڑھ میں دینیات کے شعبہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کا اجراء آپ ہی کے دور میں ہوا۔ (۷)

علیگڑھ یونیورسٹی سے ریٹائرمنٹ کے بعد مولانا اکبر آبادی تغلق آباد دہلی میں ہمدرد کے ایک تحقیقی ادارے سے منسلک ہو گئے پہلے تقریباً چار سال تک رہے۔ بو علی سینا کی کتاب "القانون" کو مرتب کیا۔ ہمدرد سے فارغ ہونے کے بعد کالی کٹ یونیورسٹی میں ——

(۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۵۔
(۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۵، ۱۶۔
(۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۶، ۱۷۔

مکمل تاریخ دارالعلوم

مقرر ہوئے۔ یہاں ایک سال رہنے کے بعد علیگڑھ چلے آئے تو علیگڑھ یونیورسٹی نے بھی آپ کو A-visiting Professor اسی منصب پر فائز کر دیا۔ یہ مدت پوری ہوگئی تو دیوبند کے دارالعلوم میں اُن کے لیے شیخ الہند اکیڈمی قائم کی گئی۔ آپ اس کے ڈائریکٹر رہے۔ یہاں قیام کے دوران حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیتے رہے۔ اسی اثنا میں ان کا علمی سفر کینیڈا، نیویارک، برنسٹن، لندن، مصر، سعودی عرب اور جنوبی افریقہ کا بھی ہوتا رہا۔ پاکستان میں بھی کئی بار کانفرنسوں میں بلائے گئے۔ مولانا اکبر آبادی اپنے سیاسی ذوق کی بنا پر آل انڈیا مسلم کنونشن کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ ان کو صدر ہند کی طرف سے عربی میں سندِ اعزاز بھی ملی۔ کلکتہ کی ایک ادبی انجمن کی طرف سے دو ہزار روپے کا انعام بھی پیش ہوا۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (مدیر معارف اعظم گڑھ) رقمطراز ہیں :۔

"پاکستان میں ان کی مقبولیت راقم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ ۱۹۸۰ء میں پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر اسلام آباد میں ایک بہت بڑی بین الاقوامی کانفرنس تھی۔ وہ وہاں گئے تھے۔ یہ خاکسار بھی مدعوین میں تھا۔ اس کا افتتاح جنرل محمد ضیاء الحق نے کیا۔ جس کے بعد چائے کا دفعہ ہوا تو جنرل ضیاء الحق کی نظر مولانا پر پڑی، بہت بے تکلفانہ انداز میں ان سے مخاطب ہو کر بولے، حضرت آپ کا ایک شاگرد آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کو سینٹ سٹیفن کالج میں آپ کی شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ دونوں نے بڑی گرمجوشی سے معانقہ کیا۔ مجمع اس قران السعدین سے محظوظ ہو رہا تھا۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے رخصت ہوتے وقت ان سے وعدہ لیا کہ وہ ان کے یہاں آ کر کچھ دنوں مہمان رہیں گے۔

مارچ ۱۹۸۱ء میں سندھ کے سیمینار میں بھی جنرل محمد ضیاء الحق کی نظر مولانا پر پڑی تو بڑی محبت سے ان کو ڈائس پر بلا کر اور بٹھایا اور پھر اپنی تقریر میں ان کی تعلیم و تربیت کا ذکر کیا۔" (۸)

متاہل زندگی :۔

مولانا کی اہلیہ اختری بیگم کے والد کا انتقال اس وقت ہوا، جب اختری بیگم کی عمر تین سال تھی۔ اس لیے اختری بیگم کی تربیت ڈاکٹر

دیکھئے تاریخ دارالعلوم دیوبند از قاری محمد طیب، مطبوعہ آرام باغ کراچی، ج۔۲، ص ۱۵۳۔ دوسوشی؟ انعام کی رقم مدیر معارف اعظم گڑھ سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے دس ہزار لکھی ہے۔ (الفرقان لکھنؤ، جون، جولائی ۱۹۸۵ء، ص ۶۲)

۸۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، مدیر معارف اعظم گڑھ، "مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی یاد میں" ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، جون جولائی ۱۹۸۵ء، ص ۶۳

ابرار حسین نے کی۔ بقول پروفیسر محمد اسلم (داماد اختری بیگم) اختری بیگم بڑی نیک خاتون تھیں۔ وہ روزانہ تلاوت کرتی تھیں۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی اُن کے بارہ میں لکھتے ہیں وہ مرحومہ کو حسن وجمال ظاہری کی طرح حسن وجمال معنوی سے بھی بہرہ وافر ملا تھا۔ نماز روزہ اور تلاوت کلام مجید کی بڑی پابند تھیں۔ مطالعہ ان کا نہایت محبوب مشغلہ تھا۔ ناول اور افسانے کم، مذہبی اور تاریخی کتابوں کا مطالعہ بڑے انہماک اور توجہ سے کرتی تھیں"۔

مولانا کی اہلیہ کی بیماری اور وفات :۔

مئی ۱۹۸۰ء کی ایک صبح کو ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے میڈیکل کالج میں داخل کروایا گیا۔ علاج سے قدرے افاقہ ہوا۔ لیکن آخر جولائی ۱۹۸۰ء کو یکم رمضان عصر اور مغرب کے درمیان اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ علیگڑھ یونیورسٹی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (۹)

مولانا اکبر آبادی کی بیماری اور وفات :۔

مئی ۱۹۸۰ء میں مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کا انتقال ہوا تو اس سانحہ کا ان کی صحت پر بڑا اثر پڑا۔ اس کے دو ماہ بعد ان کے بیٹے عزیز سعید کا اچانک انتقال ہو گیا۔ وہ گولیاں کھا کر سونے کا عادی تھا۔ مولانا نے اُسے کسی وجہ سے اُس روز سخت سست کہا۔ مولانا کے خیال کے مطابق اُس نے معمول سے زیادہ گولیاں کھائیں جو اُس کے انتقال کا سبب ہوئیں اور یوں مولانا خود کو قصوروار سمجھنے لگے۔ اس حادثہ کے ایک ماہ بعد مولانا صبح کی چہل قدمی کو نکلے تو ایک کتے نے کاٹ لیا۔ پیٹ میں انجکشن لگے۔ بے احتیاطی کی وجہ سے انجکشن والی جگہ پر ورم ہو گیا اور پیپ پڑ گئی ساتھ ہی بخار آنے لگا۔ علیگڑھ یونیورسٹی ہسپتال والوں نے ملیریا سمجھ کر کونین کی گولیاں مقدار سے زیادہ کھلا دیں جس کی وجہ سے جگر کا فعل ماؤف ہو گیا اور یرقان لاحق ہو گیا۔ یونانی علاج کروایا گیا۔ لیکن کمزوری بڑھتی گئی۔ پھر ہسپتال داخل کروائے گئے۔ مولانا کی علالت کی خبر پاکستان پہنچی۔ اُن کی بیٹی مسعودہ سعید کراچی سے علیگڑھ گئیں اور انہیں ہمراہ لیکر ۱۸ جنوری ۱۹۸۵ء کو کراچی لے آئیں۔ یہاں پر اطباء کے ایک بورڈ نے اُن کا معائنہ کیا۔ سرطان کا خدشہ ظاہر کیا گیا۔ مثانے میں پتھری تھی۔ مولانا اپریشن کے متحمل نہ تھے۔ تکلیف کے باوجود مولانا اپنے داماد کے ہمراہ باہر نکلتے، پہلے نماز مسجد میں ادا کرتے۔ دو ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حکیم سعید صاحب کو بلایا گیا۔ انہوں نے سابقہ طبی رپورٹوں کا معائنہ کرکے صاف کہہ دیا کہ سرطان لاحق ہے۔ اب آپ نے مایوس ہو کر باہر جانا ترک کر دیا۔ ۲۲ اپریل ۱۹۸۵ء کو ڈاکٹر اسرار احمد مولانا کی عیادت کو گئے اور انکے ساتھ طویل گفتگو کی

(۹) جہاں آراء، مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور اُن کی ادبی خدمات، غیر مطبوعہ مقالہ، شعبۂ اردو، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۲۳ تا ۳۰۔

جو انہوں نے چھاپ بھی دی۔ مولانا سے آخری ملاقات کرنے والے ڈاکٹر مختار الدین احمد اور اُن کی بیگم تھے۔

۲۲ مئی ۱۹۸۵ء یعنی رمضان المبارک (۱۴۰۵ھ) افطاری سے چند منٹ پہلے مولانا وضو کرنے غسل خانہ میں گئے۔ وہاں سے اپنے داماد کو زور سے پکارا۔ سعید صاحب نے فوراً اپنے اہلِ خانہ کو آواز دی اور انہیں اُٹھا کر بستر پر لٹایا۔ دو یا تین سانس لینے کے بعد روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

إنَّا لِلّٰهِ وإنَّا إليهِ رَاجِعُون ٥

۲۵ مئی ۱۹۸۵ء کو نمازِ جنازہ ہوئی۔ دارالعلوم کورنگی (کراچی) میں مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کے ذاتی احاطۂ قبور میں سپردِ خاک کیا گیا۔ گورنر سندھ کے اے۔ ڈی۔ سی نے گورنر کی طرف سے پھولوں کی چادر چڑھائی۔ (۱۰)

اُولادیں :-

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کثیر العیال تھے۔ اُن کے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہوئیں۔ (۱)۔ مرغوب احمد۔ (۲)۔ محمودہ بیگم۔ (۳)۔ مسعودہ بیگم (۴)۔ ریحانہ بیگم۔ (۵)۔ سلطانہ بیگم۔ (۶)۔ ظفر مسعود۔ (۷)۔ خورشید احمد۔ (۸)۔ حسنین احمد۔ (۹)۔ جنید احمد۔ (۱۰)۔ فرحانہ۔

(۱) بڑا بیٹا مرغوب احمد بچپن میں فوت ہو گیا۔

(۲) محمودہ بیگم بی۔ اے۔ بی ایڈ معلم، محبوب دُرانی مراد آباد سے بیاہی گئیں۔

(۳) مسعودہ بیگم کے شوہر انوار المحمود سعید کلکتہ کے رہنے والے ہیں اور سوئٹزرلینڈ کی مشہور فرم سیبا گائیگی کے مینیجر ہیں۔

(۴) ریحانہ نے علیگڑھ سے ایم۔ اے فارسی کیا۔ اُن کی شادی ۱۱ مارچ ۱۹۷۶ء کو پروفیسر محمد اسلم شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی سے ہوئی۔

(۵) ریحانہ سے چھوٹی بیٹی سلطانہ بچپن میں فوت ہو گئیں۔

(۶) ظفر مسعود ۱۹۸۳ء میں فوت ہو گئے۔

(۷) خورشید احمد نے انجینیرنگ میں ڈپلوما کیا، دیلو بنر میں ملازم ہیں۔

(۸) حسنین احمد کو دماغی عارضہ لاحق ہے اور علیگڑھ میں ہیں۔

(۹) جنید احمد نے بی۔ اے کیا ہے، نیشنل فائنس کارپوریشن میں کام کرتے ہیں۔

(۱۰) فرحانہ سب سے چھوٹی بیٹی نے علیگڑھ سے بی۔ اے کیا۔ کاندھلہ کے ایک وکیل فرید الحق سے اُن کی شادی ہو چکی ہے۔ (۱۱)

---

(۱۰) جمال آزاد : مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور اُن کی ادبی خدمات، سہ غیر مطبوعہ مقالہ، شعبہ اُردو، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۳۳ تا ۳۴۔

(۱۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۰ تا ۳۲۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی خدمات زبان اُردو

مولانا کو بچپن ہی سے مضمون نگاری کا بڑا شوق تھا۔ غیر منقسم ہندوستان میں مختلف رسائل و جرائد میں۔ مذہبی، اصلاحی، ادبی مضامین، افسانے، نظمیں اور غزلیں لکھتے رہے۔ ۱۹۳۸ء میں ندوۃ العلماء قائم ہوا تو اُسکے مستقل ممبر بن گئے اور ندوہ کے ماہنامہ مجلہ "برہان" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ۴۰ سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ اس میں اُنہوں نے سینکڑوں مقالات لکھے۔

ماہنامہ "برہان" کی طویل ادارت کے علاوہ انہوں نے دینی، تاریخی، ادبی، تنقیدی، سیاسی اور صحافتی موضوعات پر تقریباً اٹھارہ کتابیں اور اڑھائی سو مقالات اُردو زبان میں تحریر کئے۔ اُن کی اُردو زبان میں تصانیف کا جائزہ بذیل درج کیا جاتا ہے۔

(۱) :- الرق فی الاسلام :- یعنی اسلام میں غلامی کی حقیقت - ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا دیباچہ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نے لکھا ہے۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۳۸ء میں اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۰ء میں فائن آرٹ پریس لال قلعہ دہلی سے شائع ہوا۔ اس میں غلامی کے اخلاقی، نفسیاتی اور اقتصادی پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ اُردو زبان میں ہے۔ (۱۲)

(۲) غلامانِ اسلام :- اُردو زبان میں ہے، ۴۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی دفعہ ۱۹۴۰ء میں اور زیر نظر کتاب تیسری دفعہ اگست ۱۹۶۳ء میں ندوۃ المصنفین کے زیر اہتمام الجمعیۃ پریس دہلی سے چھپی۔ اس کے پانچ عنوانات ہیں۔ (۱) صحابہ کرام۔ (۲) تابعین۔ (۳) اتباع تابعین وغیرہم۔ (۴) اربابِ کشف و کرامات، اولیاء اللہ۔ (۵) علماءِ شعر و ادب۔

(۳) وحی الٰہی :- یہ بھی مولانا کی معروف اُردو تصنیف ہے جو ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی دفعہ ۱۹۴۱ء میں اور دوسری دفعہ ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔ بذیل دس ابواب پر مشتمل ہے۔ (۱) وحی کی ضرورت (۲) وحی کے لغوی و اصطلاحی معنی۔ (۳) وحی کی مختلف صورتیں۔ (۴) قرآن اور وحی۔ (۵) خدا کی صفات ذاتیہ پر ایک بحث۔ (۶) ملکۂ نبوت اور وحیِ حکمت۔ (۷) وحی اور محققین یورپ۔ (۸) تسلسل وحی اور نزولِ جبرئیل۔ (۹) قرآن مجید وحی الٰہی کیوں ہے؟۔ (۱۰) قرآن مجید کا اسلوب بیان اور بعض عیسائی محققین۔ (۱۳)

(۴) فہم القرآن :- یہ مولانا سعید احمد کی نہایت اہم تصنیف ہے۔ اسکے ۲۰۰ صفحات ہیں۔ پہلی مرتبہ ۱۹۴۹ء میں اور زیر نظر کتاب اکتوبر ۱۹۶۱ء میں یونین پرنٹنگ پریس دہلی سے شائع ہوئی۔ بذیل دس ابواب پر مشتمل ہے۔ (۱) مسلمانوں میں مرکزیت کا فقدان

---

(۱۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۸، ۱۹، ۱۷

(۱۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۰

(۱)۔ کیا قرآن مجید بغیر سنت کے صحیح معنی میں سمجھ میں آسکتا ہے۔ (۲)۔ تدوینِ حدیث۔ (۳)۔ وضعِ احادیث کا فتنہ اور اس کا انسداد (۵)۔ حضرت ابو ہریرہؓ۔ (۶)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ (۷)۔ تابعین کا دور۔ (۸)۔ امام بخاریؒ۔ (۹)۔ اصولِ درایت۔ (۱۰) محدثین کی بے لوث خدمات شامل ہیں۔

علاوہ ازیں مولانا نے کتاب کے آخر میں مولانا عبدالمالک آروی کا ایک خط اور اس کا جواب شامل کیا ہے۔ (۱۴)

(۵) مسلمانوں کا عروج وزوال :۔ یہ اُردو زبان میں مولانا کی ایک محققانہ تصنیف ہے جو کہ ۳۵۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ۱۹۳۰ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔ تیسری مرتبہ ۱۹۶۰ء میں اعلیٰ پرنٹنگ پریس دہلی سے شائع ہوئی۔ جس میں دیباچہ طبع دوم وسوم از عتیق الرحمٰن عثمانی شامل کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے مسلمانوں کے عروج وزوال میں خلافت راشدہ سے لے کر خلفوں کے دور تک مسلمانوں کی سیاسی حکمت عملیوں اور مختلف ادوار میں اُن کے تمام اجتماعی، معاشرتی اور تمدنی احوال وواقعات پر تبصرہ کر کے اِن اسباب ووجوہات کا تجزیہ کیا ہے جن کے باعث مسلمانوں کو غیر معمولی عروج اور عبرتناک انحطاط نصیب ہوا۔ (۱۵)

(۶) مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور اُن کے ناقد :۔ یہ بھی اُردو زبان میں مولاناؒ کی اہم تصنیف ہے۔ جو ۲۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۴۷ء میں چمبرلین روڈ لاہور سے شائع ہوئی۔ کتاب کے آخر پر ۲ صفحات کی فہرست شامل کی گئی ہے۔ بذیل بیس ابواب پر مشتمل ہے۔ (۱) زندگی اور شخصیت۔ (۲) ہندوستانی قومیت۔ (۳)۔ وحدتِ انسانیت، وحدتِ ادیان اور وحدتِ اسلام۔ (۴) قرآنی حکومت۔ (۵) رسوم مذاہب۔ (۶)۔ دین اسلام اور عالمگیریت۔ (۷) وحدت الوجود۔ (۸) اسلام اور قومی رجحانات۔ (۹)۔ عربوں کی قومیت۔ (۱۰)۔ کیا اسلام قومیت کا منکر ہے۔ (۱۱)۔ تحویل قبلہ کی مثال۔ (۱۲) تشریح احکام اور بین الاقوامی خصوصیات۔ (۱۳)۔ عمومی قانون۔ (۱۴)۔ فقہ حنفی۔ (۱۵) فقہ حنفی کی خصوصیات۔ (۱۶)۔ سُنت۔ (۱۷)۔ احکام قرآن کی اہمیت۔ (۱۸) مسئلہ خلق القرآن۔ (۱۹)۔ اکابر کا دین الٰہی۔ (۲۰)۔ اشتراکیت۔ (۱۶)

(۷) صدیق اکبرؓ :۔ مولانا کی عظیم بالشان اور معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ جو اُردو زبان میں ہے۔ اس کے ۴۹۴ صفحات ہیں۔ پہلی مرتبہ ۱۹۵۷ء میں اور دوسری مرتبہ ستمبر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ پر یہ بڑی مفصل اور مبسوط

---

(۱۴) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۵۱۔
(۱۵) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۲۰۔
(۱۶) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۲۲۔

کتاب ہے۔ اس میں اُن کے حالات، سوانح، کارنامے، سیاسی خدمات، اخلاق و عادات بڑی محنت سے ترتیب دیئے ہیں۔ (۱۷)

(۸) چار علمی مقالات:- یہ بھی اُردو زبان میں مولانا کی ایک اہم علمی تصنیف ہے۔ پہلی مرتبہ ستمبر ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی، جس کے حقوق بحق مسلم یونیورسٹی علیگڑھ محفوظ ہیں۔ دوسری مرتبہ ۱۹۷۶ء میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی۔ کل ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔

پہلے دو مقالے قرآن مجید کے دو لفظوں "الصابئون" اور "الاُمیون" کی تحقیق پر مشتمل ہیں۔ یہ دونوں مقالے سہ ماہی "فکر و نظر" علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بالترتیب جولائی ۱۹۶۳ء اور اکتوبر ۱۹۶۳ء کے شماروں میں شائع ہوئے۔ تیسرا مقالہ آٹھویں صدی ہجری کے اندلسی شعراء کا ایک تذکرہ ہے جو ارمغان علمی میں شائع ہوا تھا۔ ارمغان وہ یادگار کتاب ہے جو پروفیسر محمد شفیع سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور کی خدمت میں اُن کے مداحوں نے ۱۹۵۵ء میں پیش کی تھی۔

چوتھا مقالہ مالک بن نویرہ کا واقعہ ہے جسے عہد صدیقی میں خالد بن ولید نے قتل کروایا تھا۔ اس قتل میں مختلف آراء ہیں۔

(۹) نفثۃ المصدور اور ہندوستان کی شرعی حیثیت:- یہ بھی مولانا کی اُردو تصنیف ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۵ فروری ۱۹۶۸ء میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے پریس سے شائع ہوئی۔ اس کا پیش لفظ خود مولانا نے ۱۵ فروری ۱۹۶۸ء کو لکھا۔ یہ کتاب مولانا کے دو مقالات کا مجموعہ ہے۔ پہلا مقالہ ۱۹۶۸ء میں مولانا امتیاز علی خان عرشی کی خدمت میں بطور نذر پیش کرنے کے لیے جو کتاب "نذر عرشی" کے نام سے شائع ہوئی اس میں شائع ہوا۔ دوسرا مقالہ ۱۹۶۷ء میں قسطوار مجلہ "برہان" دہلی میں چار ماہ تک شائع ہوتا رہا۔ یہ کتاب ۱۰۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب میں تعارف کے عنوان سے مولانا نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ نفثۃ المصدور امام فخرالدین رازیؒ کی ایک تحریر کا مخطوطہ ہے جو مولانا اکبرآبادیؒ کو مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے ملا۔

(۱۰) خطبات اقبالؒ پر ایک نظر:- یہ مولانا کی مختصر مگر معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی بار مارچ ۱۹۷۲ء میں اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سرینگر سے برقی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج دلی سے شائع ہوئی۔ پیش لفظ پروفیسر آل احمد سرور نے لکھا۔ کتاب اُردو زبان میں چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب خطبات علامہ اقبالؒ اسلامی نقطۂ نظر سے، دوسرا باب اعتراضات اور اُن کا جائزہ، تیسرا باب اجتہاد کے متعلق اقبال کا نقطۂ نظر، چوتھا باب خاتمہ کلام۔

(۱۱) ماہنامہ برہان میں شائع شدہ مضامین:- ۱۹۳۸ء میں مولانا عتیق الرحمٰنؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے ندوۃ المصنفین کی بنیاد رکھی تو مولانا اکبرآبادی بھی اس میں شامل ہو گئے اور ندوۃ المصنفین کے ماہنامہ مجلہ "برہان" کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے۔

---

(۱۷) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۸۹۔

مولانا اکبر آبادیؒ کے سفرنامے :۔

مولانا اکبر آبادیؒ نے جنوبی افریقہ، جاپان، کینیڈا، سعودی عرب، روس، ایران، انگلستان اور پاکستان کے دورے کیے۔ وہ اپنے منصبی امور کے علاوہ ان ممالک کا سیر و تفریحی مطالعہ بھی کرتے رہے۔ اس مطالعہ کو سفرناموں کی صورت میں "برہان" میں لکھتے رہے۔

پروفیسر محمد اسلم شعبہ تاریخ جامعہ پنجاب جو ان کے داماد ہیں کوڈربن سے ایک خط میں لکھتے ہیں "

" برہان میں پرانے بعض سفرنامے اور مضامین بہت مقبول ہوئے ہیں۔ ما تنے طویل ہیں کہ ان سے پانچ چھ کتابیں بن سکتی ہیں۔ آپ ان کو بھی چھاپ سکتے ہیں۔ میں بہت دنوں سے آپ سے یہ بات کہنا چاہتا تھا۔ مگر موقع نہیں مل رہا تھا۔ اب میں لکھ رہا ہوں "

سفرنامۂ پاکستان ۱۴ قسطوں پر مشتمل ایک طویل سفرنامہ ہے۔ جو برہان کی مختلف اشاعتوں میں شائع ہوا۔ اس میں طلباء و طالبات کے وفود سے ملاقات، پروفیسر اُردی، پروفیسر حمید الدین، مولانا عبدالعزیز ہارم، محمد عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر عبادت بریلوی، پروفیسر عبدالرشید، جسٹس ایس۔ اے رحمٰن، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا احتشام الحقؒ، مولانا کوثر نیازی سے ملاقاتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اسلام آباد یونیورسٹی، داتا گنج بخش اور مزارِ اقبال پر بھی تاثرات قلمبند کیے ہیں۔

چند روز جاپان میں :۔ چھ قسطوں پر مشتمل برہان میں چھپا۔

ایران کی یونیورسٹی نے اپنے شعبۂ اسلامیات کے تحت مارچ ۱۹۷۰ء میں شیخ محمد بن الحسن بن علی بن الحسن طوسی (۳۸۵تا ۴۶۰ھ) کا ہزار سالہ جشن منایا جس میں مولانا اکبر آبادیؒ کو دعوت دی گئی۔ وہ ۱۵ مارچ ۱۹۷۰ء کو جاپان گئے۔ " ایران میں چند روز" کے عنوان سے چار قسطوں پر مشتمل سفرنامہ برہان میں چھپا۔

پاکستان کی کانفرنس جس کا افتتاح صدر ضیاء الحق نے کیا تھا۔ صدر ضیاء سے ہونے والی گفتگو پر روشنی ڈالی ہے۔

" دیارِ غیر کے مشاہدات و تاثرات " کے عنوان سے مغربی ممالک سے متعلق مشاہدات و تاثرات ۱۱ قسطوں میں برہان میں چھپے (۱۹)

" باب التقریظ والانتقاد "

اس عنوان سے وہ مختلف کتابوں پر " برہان " میں تبصرے لکھتے رہے۔ جن میں تنقید کا صحیح حق ادا کیا گیا ہے۔

---

(۱۹) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۵۴، ۲۶۱۔

۱۹۳۸ء سے ۱۹۸۵ء تک یعنی ساری زندگی یہ گرانقدر علمی وادبی خدمات انجام دیں۔

اس عرصہ میں مولانا اکبر آبادی کی خدمت کے بارہ میں جہاں آراد رقمطراز ہیں:۔

"مولانا نے اس رسالے کی اُدارت کے فرائض جس شان سے انجام دیئے وہ اُردو زبان کی تاریخ میں جلی حروف سے لکھے جائینگے۔ ان کا کوئی معاون نہیں رہا، اور کسی مہینہ اس کی اشاعت نہیں رُکی، جو ان کا زبردست علمی کارنامہ ہے۔ اس رسالے میں "نظرات" کے عنوان سے اُداراتی تحریریں ہوتیں جن میں ملک کے ہر قسم کے مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کرکے، اپنے قلم کے علم وجوہر دکھاتے رہے۔" (۱۸)

راقم نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں برہان کی فائلیں ملاحظہ کیں۔ معلوم ہوا کہ نومبر ۱۹۳۸ء سے دسمبر ۱۹۴۲ء تک برہان کی ادارت کے فرائض مولانا محمد شتیق عثمانی نے انجام دیے۔ (تحقیق راقم)

ماہنامہ "برہان" میں شائع شدہ مضامین) مولانا اکبر آبادی کے مضامین اور مقالات کی جھلک:۔

۱۔ جولائی ۱۹۵۶ء۔ مالک بن نویرہؓ کا واقعہ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت خالدؓ کی برات۔

۲:۔ اپریل ۱۹۶۹ء۔ الانسان فی القرآن۔

۳۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء خطبہ صدارت کل ہند ملی کنونشن۔

بین الاقوامی اجتماعات میں مضامین ومقالے:۔

(۱) ۶ مارچ ۱۹۶۴ء کو قاہرہ میں جامعہ ازہر کے تحت پہلی عالمی موتمر منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی رپورٹ اپریل ۱۹۶۴ء کے برہان میں "قاہرہ میں پہلی اسلامی کانفرنس" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ یہ کانفرنس ۶ مارچ سے ۲۳ مارچ ۱۹۶۴ء تک جاری رہی۔ اس میں ۳۹ ممالک کے فضلاء نے شرکت کی۔

(۲) اپریل ۱۹۶۵ء کے برہان میں مولانا اکبر آبادی نے "انڈونیشیا کی افرو ایشیائی کانفرنس" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا۔ یہ کانفرنس ۶ مارچ سے ۱۴ مارچ ۱۹۶۵ء تک جاری رہی ۳۷ ممالک نے شرکت کی۔ مولانا اکبر آبادی نے ہندوستان سے مفتی عتیق الرحمٰنؒ اور مولانا عبدالوہابؒ بخاری کے ساتھ شرکت کی۔

(۳) اگست ۱۹۶۵ء کے برہان میں جامعہ ازہر کے اُدارہ تحقیقات اسلامیہ کی دوسری سالانہ کانفرنس جو ۱۳ مئی سے ۲۲ مئی ۱۹۶۵ء تک جاری رہی کی تفصیلی رپورٹ شائع کی۔

---

(۱۸) ایضاً　　ایضاً　　ایضاً　　ایضاً۔ ص ۲۳۶، ۲۳۷۔

مولانا اکبر آبادیؒ نے برہان میں "وفات" کے عنوان سے مختلف اہم شخصیتوں کے بارہ میں تاثرات کو قلمبند کیا ہے۔

بحیثیت نقاد :-

مولانا اکبر آبادیؒ بحیثیت نقاد کے بھی اُردو ادب میں خاص مقام رکھتے تھے۔ وہ برہان میں باب التقریظ والانتقاد کے عنوان سے اکثر لکھتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب The Muslim Community of Indo - Pakistan پر مولاناؒ کا تبصرہ اُن کی وسعت مطالعہ، بالغ النظری اور عمق علم پر شاہد ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔ زیر تبصرہ کتاب اسی کتاب کا اُردو ترجمہ ہے جسے ہلال احمد زبیری نے کراچی یونیورسٹی کی طرف سے شائع کیا۔ اس کتاب پر مولاناؒ کے تبصرہ کا خلاصہ یہ ہے۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی برصغیر پاک و ہند کے نامور مورخوں میں سے ہیں۔ تیس سال قبل تاریخ و ادب کے میدان میں اُترے۔ سلطنت دہلی کے نظم مملکت پر آپ کی کاوش نے نہ صرف برصغیر بلکہ امریکہ اور یورپ تک اس عہد کی سند سمجھی جانے لگی۔ تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جسے قائد اعظم نے خود سراہا۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے صدر تھے، پھر لیاقت علیخان مرحوم نے اپنی کابینہ میں لے لیا۔ ڈاکٹر صاحب ادیب، مورخ ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر تعلیم اور مفکر کی حیثیت سے ممتاز تھے۔ زیر تبصرہ کتاب برس ہا برس کے غور و فکر کا نتیجہ ہے جس کا مطالعہ طلبہ کے لیے ناگزیر ہے۔ اس کا نصف آخر نصف اول سے بہتر ہے۔

تاہم اس کتاب میں کچھ خامیاں رہ گئی ہیں۔ بعض کی ذمہ داری مصنف اور بعض کی مترجم پر ہے۔ مترجم نے ایک ہی صفحہ میں ناموں کے مختلف ہجے لکھے ہیں جس سے عام قاری یہ تاثر لیتا ہے کہ مترجم کو خود معلوم نہیں کہ ان لفظوں کے اصلی ہجے کیا ہیں۔ مولانا نے سب ناموں کے اصل اور غلط ہجے تبصرہ میں درج کیے ہیں۔

پھر ٹائپ کی غلطیوں، محاورات کی غلطیوں اور نادرست ترجمہ کی بھی نشاندہی کی ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ فاضل مصنف بھی معصوم عن الخطاء نہیں ہیں۔ ان سے بھی کئی قابل گرفت لغزشیں ہوئی ہیں۔ مولاناؒ نے برہان نومبر ۱۹۶۹ء کا صفحہ ۳۵۲ تا ۳۵۴ پر ان کی نشاندہی کی ہے جو کہ معمولی نہیں ہیں۔ (۲۰)

متفرقات

۱:- ابوالکلام آزاد سیرت و شخصیت : ماہنامہ حکمت قرآن لاہور۔ اگست ۱۹۸۸ء

۲:- ڈاکٹر اسرار احمد اور اُن کی دینی خدمات مولانا سعید اکبر آبادیؒ کی نگاہ میں :- یہ گفتگو ماہنامہ میثاق کے کارکن جمیل الرحمان نے ۱۹ مارچ ۱۹۸۵ء

---

(۲۰) مولانا سعید احمد اکبر آبادی : باب التقریظ والانتقاد "برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ" ماہنامہ برہان دہلی، نومبر ۱۹۶۹ء ص ۳۵۰ تا ۳۵۴۔

کو کراچی میں ریکارڈ کی اور مئی ۱۹۸۵ء کے میثاق میں شائع کی۔

۳۔ کراچی میں طاہر محمود نے مولانا اکبرآبادیؒ کا انٹرویو جو صلاح الدین صاحب کے متعدد سوالات کے جوابات: بھارت میں برہمنوں کا قبول اسلام، مولانا مودودی کی خدمات، علماء کی ذمہ داریاں، مسلم لیگ کی زبوں حالی، بھارتی مسلمانوں کا مستقبل وغیرہ، ۳۰ ستمبر ۱۹۸۱ء کے "روزنامہ جسارت" میں شائع ہوا۔

۴۔ مولانا اکبرآبادیؒ نے "الہلال" اور "البلاغ" میں اپنی تحریروں کے ذریعے مسلمانان ہند کو ایک نئی راہ دکھائی۔

۵۔ مولاناؒ کے خطوط جو اُن کے دوستوں اور رشتہ داروں کے نام لکھے گئے اردو خطوط نگاری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔ میں جہاں آرا اپنے مقالے میں مولانا اکبرآبادیؒ کے اپنے داماد پروفیسر محمد اسلم اُن کی بیگم ریحانہ اور کرنل خواجہ عبدالرشید کے نام چند خطوط کے نمونے دیئے ہیں۔ نیز اُن کے ذوقِ شاعری کا بھی ذکر کیا ہے۔ ۲۰ جولائی ۱۹۷۵ء کے بھارتیہ سسکرتیہ سالانہ مشاعرے جس کی صدارت مولانا اکبرآبادیؒ نے کی تھی کا مقطع اور اپنے داماد پروفیسر محمد اسلم کو بھیجی ہوئی ایک غزل بھی درج کی ہے۔ (۳۱)

ڈاکٹر علامہ اقبالؒ، علامہ محمد انور شاہؒ اور مولانا اکبرآبادیؒ

مولانا سعید احمد اکبرآبادی کا بیان ہے:

> "دارالعلوم دیوبند میں اختلاف کے باعث جب حضرت الاستاذ نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تو یہ خبر اخبارات میں چھپی۔ اس کے چند روز بعد ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمانے لگے کہ "شاہ صاحب کے استعفیٰ کی خبر پڑھ کر بہت خوش ہوا ہوں، وجہ یہ ہے کہ جو کام میں شاہ صاحب سے لینا چاہتا ہوں، اس کو سوائے شاہ صاحب کے کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔" (۳۲)

ابوظفر احسان احمد نے اُن کے دورۂ پاکستان ۲۷ مئی ۱۹۶۹ء تا ۱۳ جولائی ۱۹۶۹ء کی تمام روئیداد جو علمی، ادبی اور تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں اُن کی دعوتوں، تقریروں، لیکچروں اور ملاقاتوں کا مفصل حال اُن کی ڈائری سے نقل کرکے، پاکستان میں "مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی آمد اور مصروفیات" کے عنوان سے الفرقان لکھنؤ میں لکھا ہے۔ (۳۳)

---

(۳۱) جہاں آرا: مولانا سعید احمد اکبرآبادی اور اُن کی ادبی خدمات، غیر مطبوعہ مقالہ، شعبۂ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ص ۲۶۷ تا ۲۷۴۔

(۳۲) عبدالرشید ارشد: بیس بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ ۳۴۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور، ص ۳۷۶۔

(۳۳) ابوظفر احسان الرحمٰن، الریسرچ سکالر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ: پاکستان میں مولانا سعید احمد کی مصروفیات، لیکچر تقریریں اور تقاریب استقبالیہ، ماہنامہ برہان دہلی، ستمبر ۱۹۶۹ء، ص ۱۸۷ تا ۲۰۲۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی اکیڈمی پاکستان :-

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایک عظیم شخصیت تھے ۔ اُن کی یاد میں پاکستان میں محولہ بالا نام سے ایک اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے ۔
ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کے متعلق رقمطراز ہیں :-

"مولانا سعید احمد اکبر آبادی اکیڈمی کا قیام ادب و تہذیب کی روایات اور علم و تعلیم اور تصنیف و تحقیق کی تحریکات کے احیاء کے لیے عمل میں آیا ہے ۔ اکیڈمی کے پیش نظر بذیل منصوبے ہیں ۔
(۱) ۔ اُردو اور عربی ، فارسی زبان و ادب سے متعلق مقالات کے مجموعے ، (ب) ۔ مذہبی و دینی مباحث پر مولانا مرحوم نے بہت لکھا ہے ، ان کے مسائل و افکار کی مناسبت سے تین چار یا اس سے زیادہ مجموعے ، (ج) ۔ رسالہ برہان کے اجرا کے وقت سے مولانا نے سینکڑوں شخصیات کی وفات پر جو مقالات قلمبند فرمائے ہیں ، ان تمام کی ایک یا دو جلدیں (مرتب کرنا) (د) ۔ نظرات کے عنوان سے برہان میں ملک کے علمی ادبی اور تعلیمی ، معاشرتی احوال اور سیاسی تحریکوں ، اداروں اور شخصیات وغیرہ کی ترتیب و اشاعت بھی اکیڈمی کے پیش نظر ہے ۔
(ح) ۔ گزشتہ نصف صدی میں کتابوں پر تبصرے جو مولانا کے قلم سے نکلتے رہے اُنہیں بھی ایک یا دو جلدوں میں شائع کرنا ۔ (و) ۔ مولانا نے ملک اور بیرون ملک دُنیا کے کئی ممالک کے علمی و تعلیمی سفر کیے ، جو برہان میں شائع کرتے رہے ۔ اکیڈمی اُنہیں مرتب کر کے شائع کرے گی ۔" (۲۰)

اس اکیڈمی کی پہلی کتاب جو پیش کی جا رہی ہے پر تبصرہ بذیل ہے ۔

مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم سیرت و شخصیت اور علمی و عملی کارنامے :- مصنف ، مولانا سعید احمد اکبر آبادی ، مرتب ، ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری
ناشر ، سعید احمد اکبر آبادی اکیڈمی پاکستان ، قاری منزل مزار سٹریٹ پاکستان چوک کراچی ، طبع اوّل ، دسمبر ۱۹۸۶ء ، صفحات ۱۲۸ ۔

اس کتاب میں مولانا کا وہ مقالہ بھی ہے جو آج کل دہلی کے آزاد نمبر میں شائع ہوا تھا ۔ اور وہ مراسلہ بھی ہے جو صدق جدید لکھنؤ میں چھپا تھا ۔ مولانا کے فکر انگیز نظرات کے نمونے اور تبصرے بھی ۔ ایک خطبہ جو مولانا آزاد کے متعلق مولانا نے لاہور کے ایک سیمینار میں دیا تھا اور "حکمت قرآن" لاہور میں چھپا تھا بھی ہے ۔ ص ۹ تا ۱۰ مصنف کی مختصر سوانح ، مرتب نے ترتیب دی ہے ، ص ۱۷ تا ۲۹ مولانا ابو الکلام آزاد پر محولہ بالا مقالہ درج کیا گیا ہے جس پر تاریخ ۳۰ جولائی ۱۹۸۶ء ہے ۔ ص ۱۰۷ تا ۱۱۴ مولانا آزاد کے ترجمان القرآن ج ۲، ۱ غبار خاطر ، کاروان خیال تذکرہ ، خطبات آزاد اور مرا عقیدہ پر مولانا سعید احمد کے تبصرے درج ہیں ۔ ص ۱۱۵ تا ۱۱۷ حصہ ب ہے جس میں دو

مقالات، افادات آزاد از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری و قرآن کے بنیادی تصورات از ڈاکٹر سید عبداللطیف شامل ہیں۔

حصہ ج ص ۱۱۸ تا ۱۲۳ پر مشتمل ہے۔ اس میں بذیل کتب پر تبصرے ہیں جو بعد ان میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے۔ نمبر(۱) "ابوالکلام آزاد"، رسالہ آج کل کا آزاد نمبر تھا جو ہاتھوں ہاتھ بک گیا اور پھر اسے کتابی شکل دے دی گئی۔ (۲)۔ "انوار ابوالکلام" مرتبہ علی جواد زیدی، (۳)۔ "ذکر آزاد" از مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی۔ (۴)۔ "امام الہند"، از ابوسلمان الہندی، (۵)۔ "مولانا ابوالکلام آزاد" از عابد رضا عابد بیدار، (۶)۔ "ابوالکلام آزاد" "نظم" از جگن ناتھ آزاد۔ (۷)۔ "مولانا آزاد اور ان کے ناقد" از ایم۔ کے شاہد۔

حصہ د ص ۱۲۴ تا ۱۲۸ پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں بذیل دو کتب ہیں۔

(۱)۔ ملفوظات و بیانات اکابر از حافظ عبدالرشید ارشد۔ (۲)۔ ترجمہ قرآن انگریزی از ڈاکٹر سید عبداللطیف پر تبصرے درج ہیں حیات سلیمان از سید احمد اکبرآبادی، مطبوعہ پنجاب بک سنٹر الوہاب مارکیٹ ۳۸ اردو بازار لاہور۔

——— ٭×× ———

(۲۴)۔ سید احمد، اکبرآبادی، مولانا: مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سیرت و شخصیت اور علمی و عملی کارنامے، مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری، ناشر سید احمد اکبرآبادی اکیڈمی پاکستان، کراچی، قاری منزل مارسٹن روڈ پاکستان چوک، طبع اول، دسمبر ۱۹۸۷ء۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

سادات کا ایک کنبہ آج سے تقریباً دو صدی پیشتر عرب سے نکل کر ایران اور ایران سے گزر کر ہندوستان پہنچا اور صوبہ بہار کی زمین کو ان قدوم نے پُر بہار کر دیا۔ (۱)

گیلانی :۔ اسی قبیلہ کی ایک شاخ نے ضلع پٹنہ میں ایک مختصر سی بستی گیلانی کے نام بسائی، یہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کے اجداد تھے۔ (۲)

آباؤ اجداد :۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کے والد کا نام ابوالخیر، دادا کا نام احسن گیلانی اور پردادا کا نام میر شجاعت علی تھا۔

مولانا کے دادا سید محمد احسن اپنے زمانے کے جید عالم تھے۔ یہ معلوم کر کے اور تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے شادی اور صاحب اولاد ہونے کے بعد تعلیم شروع کی تھی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی اس واقعہ کا یوں ذکر کرتے ہیں :۔

" مولانا احسن کے والد میر شجاعت علی مرحوم انگریزی پولیس میں سرکل انسپکٹر کے عہدے پر فائز تھے۔ میر شجاعت کی بڑی آرزو تھی کہ ان کے بچوں میں کوئی لڑکا عالم ہوتا۔ مگر خدا کی شان جب تک وہ زندہ رہے یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ مولانا محمد احسن کی شادی ہو چکی تھی۔ بلکہ ایک لڑکا بھی پیدا ہو گیا تھا، کسی نے ان پڑھ ہونے پر طنز کیا۔ بیوی بچے گھر بار سب کو ایک دفعہ سلام کر کے گیلان سے روانہ ہوئے اور کامل چودہ برس کی یہ مدت روپوشی میں گزری ؟ نہیں گھر والوں نے خط و کتابت جاری رکھی۔

مختلف علوم کے اہل کمال جس جس شہر میں تھے اُن کی خدمت میں پہنچے۔ علوم رسمیہ کی کتابیں، زیادہ تر بنارس کے ایک عالم مولانا واحد علی صدر اعلیٰ سرکار انگریزی سے پڑھیں، ریاضی، ہیئت مولانا نعمت اللہ فرنگی محل سے اور حدیث کی سند حضرت مولانا عالم علی نگینوی و تلمیذ شاہ اسحٰق دہلوی سے حاصل کی۔ اسی زمانے میں درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ مختلف مسائل پر رسائل تصنیف کئے۔ شرح مسلم، بحر العلوم پر حرکۃ اللہ کا حاشیہ لکھا۔ اقلیدس کا مقالہ اولیٰ عربی جو عام مدارس کے نصاب میں شریک ہے۔ پہلی دفعہ تصحیح اشکال اور تختیہ کے ساتھ آپ ہی نے لکھنؤ سے شائع کرایا اور بیسیوں کام اسی عرصہ میں کرتے رہے۔ جب کامل اطمینان ہو گیا تب گھر لوٹے اور بجائے علم فروشی کے علم پاشی اور معارف بخشی میں ساری عمر اُسی برگد کے درخت کے نیچے گزار دی۔ (۳)

مولانا محمد احسن کی اولاد :۔ مولانا محمد احسن کے دو صاحبزادے تھے۔ مولانا حاجی ابوالخیر اور مولانا حافظ ابوالخیر جو مولانا مناظر احسن گیلانی کے والد تھے

(۱) تذکرہ احسن، غلام محمد، مقالات احسانی از مناظر احسن گیلانی، مجلس علمی کراچی ۱۹۵۹ء ص ۱۔

(۲) ہندوستان میں مسلمان کا نظام تعلیم و تربیت : مناظر احسن، گیلانی، جلد دوم ۱۹۴۴ء، مطبع انتظامی حیدر آباد، ص ۲۹۔

(۳) ایضاً ص ۳۰ و مولانا مناظر احسن گیلانی اور اُن کی خدمات، شازیہ رانا، غیر مطبوعہ مقالہ شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔ ص ۱۰۹۔

مولانا ابوالخیر اپنے علم وفضل اور شعروشاعری کے ذوق کی وجہ سے اپنے ہم چشموں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ انھوں نے بھی رام پور اور لکھنؤ میں تعلیم پائی تھی ۔ مولانا مناظر احسن نے انہی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں ۔ اُن کے والد ابوالخیر زیادہ تر زمینداری اور کاشتکاری کے کاموں میں لگے رہتے ۔ ان کو آموں کے باغ لگانے کا بڑا شوق تھا اور اُن کے آم کے باغ سب دور دور تک مشہور تھے ۔ بڑے مخیر اور فیاض تھے ۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا مناظر احسن ایسے گھرانے کے چشم و چراغ تھے ، جہاں علم وفضل کے علاوہ خوشحالی اور فارغ البالی بھی تھی ۔ (۴)

تاریخ پیدائش :۔ سوانح قاسمی میں مولانا نے اپنی تاریخ پیدائش ۱۲ صفر ۱۳۱۰ھ مطابق ۳ جولائی ۱۸۹۲ء بیان کی ہے ۔ (۵) جبکہ تذکرہ شاہ ولی اللہ جو کہ مولانا کی کتاب ہے اُس کے آغاز میں درج آپ کے حالات میں آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸۹۴ء مطابق ۱۳۱۲ھ لکھی ہے ۔ (۶) (بہرحال مولانا کا بیان ہی قابل ترجیح ہے)

وطن مالوف :۔ مولانا مناظر احسن گیلانی "گیلانی" میں پیدا ہوئے ۔ وہ گیلانی جو برس ہا برس گمنام رہا ۔ آج بھی وہاں ڈاکخانہ نہیں ۔ مولانا کا مولد و مدفن بن کر شہرت و تاریخی حیثیت حاصل کر گیا ہے ۔ مولانا نے اپنے نام کے ساتھ اس وطنی نسبت کا اظہار فرماتے رہے ، جس بہ یک سوں کو نسبت باطنی (یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے نسبت) کے اظہار کا گمان ہو تا رہا جو صحیح نہ تھا ۔

گیلانی لکھنے کی وجہ مولانا فرماتے ہیں :۔

"گیلانی کی نسبت مجھ کو گیلانوی لکھنا چاہیے تھا ۔ لیکن امام شافعی کے ساتھ نسبت ہے ۔ شافعی اپنے آپ کو شافعوی نہیں لکھتے ۔ پھر اگر میں گیلانی لکھتا ہوں تو اس میں کیا حرج ہے ۔" (۷)

ابتدائی ماحول :۔ مولانا نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اس میں فارغ البالی اور علم پروری ہم آغوش تھی ۔ آپ کے والد ماجد ابوالخیر صاحب تو زمینداری میں مشغول رہے ۔ مگر ابوالخیر جو حقیقی چچا تھے ، علم وفضل اور شعروسخن میں ایک مقام رکھتے تھے اور جد امجد سید محمد احسن تو اس طرف کے چیدہ عالم مشہور رہے ۔

(۴) معارف اعظم گڑھ ، صباح الدین ، سید : مولانا مناظر احسن کے بارے میں نقوش و تاثرات ، جلد ۲۹ ، ص ۱۶۶ ، مارچ ۱۹۵۶ء ۔

(۵) مناظر احسن گیلانی ، مولانا : سوانح قاسمی ، مطبوعہ دارالعلوم دیوبند ، سن ندارد ۔ ص ۱۱ ۔

(۶) مناظر احسن گیلانی ، مولانا : تذکرہ شاہ ولی اللہ ، حالات زندگی از غلام محمد طبع پنجم ، کراچی قرآن محل ۔ ص ۱۱ ۔

(۷) ایضاً ص ۱۸ غیر مطبوعہ مقالہ ، مولانا مناظر احسن گیلانی اور اُن کی خدمات ۔ شازیہ رانا ، شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۱۱ ، ۱۲ ۔

ابتدائی تعلیم :۔ ابتدائی مکتبی تعلیم موضع گیلان میں اپنے چچا مولانا حکیم حافظ حاجی سید ابو النصر گیلانی سے حاصل کی ۔

اعلیٰ تعلیم :۔ ۱۳۲۴ھ میں مولانا ٹونک تشریف لے گئے۔ وہاں ابو البرکات احمد صاحب ٹونکی کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا ۔ ان سے درس نظامی کی کتابیں پڑھیں اور جلد ہی اُستاد کی نظر میں امتیازی مقام حاصل کر لیا ۔ (۸)

اس کے کچھ عرصہ اجمیر میں حکیم صاحب موصوف ہی کے شاگرد خاص مولانا معین الدین اجمیری سے بھی مذاکراتی استفادہ فرمایا اور اُن کے کمال کے اس قدر معترف ہوئے کہ ان کو بھی اپنا اُستاد سمجھتے رہے ۔

۱۳۳۰ھ میں دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ منقولات کی تکمیل میں دو سال میں سند فراغت حاصل کی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے بخاری اور ترمذی پڑھی۔ صحیح مسلم الامام حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری سے پڑھی۔ ابو داؤد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی سے و مولانا سید اصغر حسین صاحب سے پڑھیں ۔ حضرت مولانا سید حسن سے نسائی اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث کی باقی کتب پڑھیں (۹)

۱۳۳۲ھ میں دورۂ حدیث کا امتیازی نمبروں سے پاس کیا ، غرض دیوبند کے قیام کے دوراں آپ کو وقت کے جید علما و محققین سے علمی فوائد حاصل کرنے کا بہترین موقع ملا ۔

ایک طرف یہ نامی گرامی اساتذہ تھے جن کی بارگاہ سے ہر وقت علم و فضل کے نادر ذخیرے اور بہترین سرمائے مستحق احباب کو بڑی سخاوت کے ساتھ اور سیر چشمی کے ساتھ تقسیم ہو رہے تھے اور دوسری طرف مولانا مناظر احسن گیلانی جیسا شاگرد جن پر حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت ربانیہ نے علم کے دروازے کھول دیئے ۔

سید محمد ازہر شاہ قیصر لکھتے ہیں :۔

"کیمیا کا اگر دنیا میں کوئی وجود ہے تو وہ وجود چند ضروری اجزا کے باہم ملانے اور اُنہیں آنچ آ جانے مجرد کئی سے پہلے وجودی شکل اختیار نہیں کر سکتا ۔ یہ اجزا ہاتھ لگ جائیں اور کیمیا ساز کو اُنہیں آنچ پہنچانے کا سلیقہ بھی آتا ہو تو پھر سونے کے توڑے اور روپوں اشرفیوں کا ڈھیر کیمیا گر کی اپنی قسمت کا حصہ بن سکتا ہے ۔ دار العلوم کے سرآمد روز گار اور مولانا مناظر احسن گیلانی کا باہم اجتماع کیمیائے علم و فن کا ایک مجرب اور بار بار آزمودہ نسخہ تھا ۔ نسخہ کے سارے اجزا مہیا ہو گئے اور

(۸) مولانا مناظر احسن گیلانی اور اُن کی خدمات ، شازیہ رانا : غیر مطبوعہ مقالہ شعبہ علوم اسلامیہ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ، ص ۱۱ ، ۱۲ ۔

(۹) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۲ ۔

اُنہیں صحیح طریقہ پر ترتیب دی گئی تو اس کے نتیجہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی، اُن کے علوم و نظریات، اُن کی قوت تحریر و تقریر، اُن کی وسیع علمی معلومات اور علوم قرآن و حدیث سے فائدہ دینے والی کیمیا اپنی قدر و قیمت میں سونے چاندی اور لعل و جواہر سے بھی بدرجہا بہتر اور لازوال دولت پیدا ہوئی۔(۱۰)

مولانا حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے متاثر تھے :۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کو اپنے تمام اساتذہ دیوبند کے علمی احسانات کا اعتراف ہے۔ خصوصاً حضرت علامۃ العصر محمد انور شاہ کشمیریؒ کے فیضان علمی کے جذبہ ممنونیت سے ان کا قلب لبریز تھا۔ ان کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں :۔

"میں کیا عرض کروں! اگر خارِ گر گل است، من ہمہ آوردہ ئسست" زندگی میں یہی چند لمحات تو لمحات حیات تھے جو حضرت شاہ قدس سرہ کی صحبت طیبہ میں گزرے۔ یوں تو فقیر نے بہتوں سے پڑھا اور استفادہ کا شرف حاصل کیا۔ لیکن اپنی پڑھی ہوئی چیزوں سے کام لینے کا ڈھنگ "آستانۂ انوری" میں آیا۔ جن دنوں "القاسم"، "الرشید" میں ابتدائی مشقِ مضمون نگاری کر رہا تھا تو ایک نہیں متعدد مضامین میں حضرت شاہ صاحب کو سنانے اور اصلاح لینے کے بعد پریس میں دیا تھا اور اصلاحیں کیا ہوتی تھیں۔ زمین آسمان بنتی تھی اور آسمان عرش کا پایہ حاصل کرتا تھا۔(۱۱)

ادارت :۔

دیوبند میں درس نظامی کی تکمیل کے فوراً بعد ہی حضرت المخدوم مولانا حبیب الرحمٰن العثمانی سابق صدر مہتمم دارالعلوم کی جوہر شناس اور قدر دانی نے اُنہیں دارالعلوم کے دو پرچوں "القاسم"، "الرشید" کی ترتیب و تحریر پر مامور کر دیا۔ دونوں پرچے اپنے اپنے وقت میں ملک کے ممتاز علمی رسالوں میں شمار کیے جاتے تھے اور دیوبندی جماعت کے تمام فضلا اور محققین اپنی تازہ بتازہ علمی تحقیقات انہی رسائل کے صفحات پر پیش کرتے تھے۔ "الرشید"، "القاسم" کے مضمون نگاروں میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

(۱۰) ایضاً — ایضاً — ایضاً ص ۱۲، ۱۳ -

(۱۱) معارف اعظم گڑھ، مکتوبات گیلانی حیدرآباد مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۴۲ء، و — ایضاً ص ۱۳، ۱۴ -

حضرت مولانا محمد طیب ، مولانا محمد شفیع ، مولانا میرک شاہ کشمیری ، مولانا احسان اللہ خان ، مولانا شائق احمد عثمانی بھاگلپوری ، مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی جماعت دیوبند کے ان نوخیز فضلا کے ابتدائی مضامین بھی انہی رسائل میں شائع ہوتے تھے ۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں پرچوں کا معیار علمی کیا تھا اور ان کی ترتیب اور ترتیب کی ذمہ داریاں کیا تھیں ۔

مولانا نے " القاسم " اور " الرشید " کی ادارت کے مختصر دور میں اپنے تحقیقی اور علمی ندرت بیان اور والہانہ اسلوب نگارش سے یہ ثابت کر دیا کہ علم وفضل کے نیلگوں آسمان پر ایک نئے سیارے کی ضیا باری اور ضو فشانی کا اہتمام ہے ۔ بزم ماہ وانجم ایک نئی شان سے دوبالا ہے اور ستاروں کی ساری دنیا آج اپنے ایک نئے ساتھی کی آمد کی منتظر ہے اور دارالعلوم دیوبند کے کسی چھوٹے موٹے کمرے میں ایک ایسی شخصیت زیر تربیت ہے جو اپنے علم وفضل کے زمانہ شباب میں حافظ ابن تیمیہ ، ابن خلدون ، حافظ ابن قیم ، امام رازی وفارابی ، ابن جوزی وشاہ ولی اللہ کی وسعت معلومات اور تبحر علمی کی یاد تازہ کرے گی اور اسی دور میں جو مضامین آپ نے لکھے وہ خود بتا رہے تھے کہ یہ ستارا ایک دن آفتاب بننے والا ہے ۔

جب ان کے مضامین " القاسم " میں شائع ہوئے تو اکبر الہ آبادی نے ان کو حوصلہ افزا خطوط لکھے ۔

تبلیغ اسلام اور عشق رسول ؐ :-

مولانا کچھ عرصے کے لیے مونگیر چلے گئے ۔ مونگیر میں مولانا محمد علی مونگیری نے ان کو تبلیغی کاموں میں لگایا ۔ آپ چونکہ شروع ہی سے اچھے مقرر اور واعظ تھے ۔ اسلئے اس کام کو اچھی طرح انجام دیا ۔

اس کے بعد دوبارہ دیوبند چلے گئے اور پچاس روپے ماہانہ پر " القاسم " کی ادارت پر مامور ہوئے ۔ اسی زمانہ میں کلکتہ کے ایک انگریزی اخبار " انڈین ڈیلی نیوز " نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں ایک گستاخانہ تحریر شائع کی تو علماء کی ایک جماعت کلکتہ پہنچی جس میں مولانا مناظر احسن گیلانی شامل تھے ۔ ان کی دینی حمیت اور ایمانی غیرت اس قدر جوش میں آئی کہ شاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسکے ہم مذہبوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا ۔ کلکتہ کے ایک اخبار " STATES MEN " نے ایک افتتاحیہ لکھ کر حکومت کو ان کے خلاف ابھارا اور گرفتاریاں شروع ہو گئیں ۔

مولانا کے دوستوں اور ہم وطنوں نے ان کو کلکتہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور زبردستی بمبئی اور مدراس کے راستے سے دیوبند روانہ کر دیئے گئے ۔ مگر راستے میں عید کا چاند دیکھ کر حیدر آباد اتر پڑے وہاں حمید الدین فراہی سے ملاقات ہوئی ۔ (۱۲)

(۱۲) مولانا مناظر احسن گیلانی اور ان کی خدمات ، شازیہ رانا : غیر مطبوعہ مقالہ شعبہ علوم اسلامیہ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ۔ ص ۱۴ ، ۱۵ ۔

جامعہ عثمانیہ سے تعلق :۔

دیوبند میں دو برس رہنے پائے تھے کہ جامعہ عثمانیہ نے ان کو اپنی طرف کھینچا۔ یہاں پہنچ کر مولانا کے امتیازی جوہر خوب کھلے۔ مولانا حمید الدین نے ان کو یونیورسٹی میں درخواست دینے کا مشورہ دیا۔ مولانا اس پر آمادہ نہ ہوئے، کیونکہ وہ دیوبند چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن خود دیوبند والوں نے ان کو یہ رائے دی کہ "دکن میں دیوبند کے ایک عالم کا قیام دینی حیثیت سے مفید ہوگا۔"

ان کا تقرر ایک سال تک یونیورسٹی میں نہ ہو سکا۔ اس دوران آپ مولانا حمید الدین فراہی سے درس لیتے رہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی اس زمانے میں حیدر آباد کے صدر الصدور تھے اور دکن کی دینی اور علمی سرگرمیوں کا مرکز تھے۔ اسلیے مولانا فراہی مولانا گیلانی کو ان کے پاس لے گئے اور یہ کہا "ان کو بطور امانت آپ کے سپرد کرتا ہوں"

شیروانی صاحب نے فرمایا "یہ امانت میرے پاس محفوظ رہے گی" (۱۳)

مولانا فرماتے ہیں :۔

"اُن کے لطف و کرم کا سلسلہ اس کے بعد شروع ہوا اور زندگی کے آخری دنوں تک جاری رہا۔ امانت کا پورا پورا حق ادا کرنے والے نے ادا کر دیا۔" (۱۴)

۱۹۲۵ء میں بحیثیت لیکچرر دینیات جامعہ عثمانیہ سے متعلق ہو گئے۔ پھر ریڈر بنے، پروفیسر ہوئے اور بالآخر اس شعبہ کی صدارت کو کئی سال تک زینت دے کر ۱۹۴۹ء میں ریٹائر ہوئے اور پانچ سو روپے پنشن ملی۔ لیکن اس گرانقدر تنخواہ اور پنشن کے باوجود آپ نے سادگی کو نہ چھوڑا۔

وہ شعبہ دینیات کی جان تھے اور شعبہ دینیات ان کا جسم اور جان۔ مولانا کی وسعت فکر و نظر، علوم دینی میں ان کا تبحر اور مسائل حاضرہ پر اُن کی دسترس، اُن کی علمی دیانتداری اور مجتہدانہ جرأت، ان کے بے لوث خدمت اور جامعہ سے ان کی شیفتگی نے ان کی شخصیت کو ہر دور کے طلبہ اور ہر شعبے کے اساتذہ میں عظمت و محبوبیت عطا کر دی تھی جو اُن سے پہلے یا بعد کسی کو نہ مل سکی۔

عثمانیہ یونیورسٹی میں آپ کی تدریسی خدمت اپنا ایک خاص مقام و معیار رکھتی ہیں۔ آپ کے حلقۂ درس سے بہترین علماء اور اہل قلم حضرات نے تربیت پائی اور وہ اپنے ذوق اور حضرت مولانا کی بزرگانہ توجہات سے بڑے بڑے علمی منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے قابل

(۱۳) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۶ ۔

(۱۴) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۶ ۔

بن گئے۔ حیدر آباد میں مولانا کی درسی خدمات گزشتہ حیدر آباد کی علمی زندگی کی ایک شاندار علامت تھی۔ جس طرح بغداد اور غرناطہ قرطبہ و قاہرہ میں اسلامی خلافتوں اور حکومتوں کے زریں عہد میں دُنیا کے بڑے بڑے عُلمائے دین کھنچ کھنچ کر وہاں پہنچ گئے تھے اور اُن کی درسگاہوں سے علم و فن کے چشمے اُبل رہے تھے۔ اسی طرح حیدر آباد کو اپنے وقت کا بغداد سمجھیے اور مولانا مناظر احسن گیلانی کو اسی گہوارہ علمی کا امام الحرمین یا امام غزالی۔ (۱۵)

برہان کے مدیر سعید احمد لکھتے ہیں :-

"قیام حیدر آباد کا یہ عہد ہی مولانا کی زندگی کا دور زریں تھا۔ جبکہ علم و فضل کے آسمان کا یہ ماہ یک شبہ بدر کامل بنا اور اس کی ضیاباریوں سے علم و تحقیق کا گوشہ گوشہ جگمگا اُٹھا۔ یوں تو مولانا کیا نہیں تھے، ایک نامور محقق اور مبصر اسلامیات، بلند پایہ مصنف، شعلہ بیاں خطیب اور صاحب وجد و حال صوفی سبھی کچھ تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا سب سے بڑا کارنامہ جس میں کوئی دوسرا شخص ان کا حریف نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے کہ "انھوں نے اپنے فیضان تعلیم و تربیت سے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ ایک دو نہیں، کثرت سے ایسے افراد پیدا کر دیئے جو خود علوم و فنون کی بڑی قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور جنکی اسلامی تحقیقات کی گونج یورپ اور امریکہ تک کے علمی حلقوں میں ہے۔

جو کام خالص علماء کے کرنے کا تھا وہ یہ حضرات کر رہے اور اس خوبی و عمدگی کے ساتھ کہ علماء کے طبقہ میں اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ پھر ان کی زندگیاں بھی اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ مولانا گیلانی ہرگز یہ عظیم الشان کارنامہ نہیں انجام دے سکتے تھے۔ اگر انھوں نے اسلام کا مطالعہ علمی اور سائنٹفک طریقے پر نہ کیا ہوتا اور اس بنا پر وہ مغربی علوم و فنون کے طلبہ کو علمی طور پر اسلام سے متاثر نہ کر سکتے۔ (۱۶)

(۱۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۷، ۱۸۔

(۱۶) برہان : مدیر اعلیٰ سعید احمد، جلد نمبر ۳۷ شمارہ نمبر ۱ جولائی ۱۹۵۶ء ماہنامہ دہلی، ص ۳۔

مولانا خود لکھتے ہیں :۔

"مقدر نے آخر میرا آخری ٹھکانہ مشرق کی اس جامعہ کو بنایا جس نے پہلی مرتبہ مغربی علوم وفنون طور طریقے، رنگ ڈھنگ میں مشرقیت کے اجزاء و عناصر شریک کئے ہیں۔ بیس سال سے زیادہ مدت گزری جب سے اس جامعہ میں معلم الصبیانی کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔ خالص شرقی مدارس کے بعد مغربی طرز کی اس جامع کے ہر شعبے میں میرے علمی اشتراک نے خیالات کا ایک سلسلہ تعلیم کے متعلق پیدا کر دیا ہے۔ (۱۷)

ریٹائرمنٹ اور مراجعت وطن :۔

۱۹۴۹ء میں اسی شعبہ کے صدر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے لیکن مولانا کی وقعت یونیورسٹی سینٹ کی نظروں میں ایسی تھی کہ وہ ضابطہ کی میعاد ختم کرنے کے بعد بھی اپنی خدمات سے سبکدوش نہ ہو سکے تھے اور خود مولانا بھی جامعہ اور حیدرآباد سے گوناگوں وجوہ کی بنا پر حیدرآباد سے مفارقت کا ارادہ نہ رکھتے تھے۔ لیکن سقوط حیدرآباد نے دنیا ہی بدل ڈالی۔ نیا اقتدار اپنی اندھی عصبیت میں شعبہ دینیات کو برداشت نہ کر سکا۔ اس شعبہ کو فوراً ختم کر دیا گیا اور دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لیے غیر دینی نصاب کے ساتھ ایک شعبہ اسلامیات قائم کیا گیا۔ اس صورت حال سے مولانا کے دل پر جو گزری ہوگی، اس کا اندازہ کسی غیر کو کیا ہو سکتا ہے۔ لاچار ملازمت کے دن پورے ہوتے ہی افسردہ و شکستہ اپنے مولد گیلانی لوٹ گئے۔ مگر جو زخم دل پر کھایا تھا وہ ناسور بنتا چلا گیا۔ اس کا اندازہ مولانا کے ان گرامی ناموں سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے شاگردوں اور عقیدت مند لوگوں کو لکھے ہیں۔

مثلاً غلام محمد لکھتے ہیں کہ مجھ کو مولانا نے کس درد انگیز پیرایہ میں زمانہ سابق کی یاد دلائی ہے۔ لفظ لفظ سے مولانا کا قلبی لگاؤ جامعہ حیدرآباد سے جدائی کا سازنگ عیاں ہے۔

.. حیدرآباد! حیدرآباد!! اس سرزمین میں پلے، بوسے گئے، کھائے گئے، پڑھائے گئے، اور یہ تو نصیب حیدرآباد میں پیدا تو نہیں ہوا لیکن میرے جسم میں جو کچھ ہے حیدرآباد ہی کا ہے - اب بھی حیدرآباد ہی میں میرے سد رمق کا ذریعہ ہے۔ پھر اپنی محبوب تعلیم گاہ ہوں۔ ہماری جامعہ عثمانیہ جس میں میرے دماغ نے، دل نے آنکھیں کھولیں - اسکے ماحول میں میری پرورش بھی ہوئی اور آپ کی بھی۔" (۱۸)

---

(۱۸) - مقالات احسانی از مناظر احسن گیلانی، تذکرہ احسن، غلام محمد: مجلس علمی کراچی ۱۹۵۹ء، ص ۳۔

پاکستان کی پیش کش :-

جامعہ پنجاب میں ان کو ڈیڑھ ہزار ماہانہ کی جگہ پیش کش کی گئی۔ کراچی یونیورسٹی نے اصرار کے ساتھ بلایا۔ (۱۹)

گیلانی نہ چھوڑنے کی وجہ :-

مولانا سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ گیلانی کیوں نہیں چھوڑتے تو جواب میں آپ نے مولانا تاج الدین کا ایک خط دیا جو سید سلیمان ندوی نے اُن کو آخر ۱۹۴۷ء میں بھوپال سے حیدر آباد دکن میں تحریر فرمایا تھا :

" محب اعز واعز - حفظا بکلاتکم -

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - میں لوگوں کی اس حرکت کو پسند نہیں کرتا کہ ہمارے متوطن وشیدا کا ایسا نقشہ کھینچیں کہ باقی ماندوں پر خوف و ہراس چھا جائے۔ ورنہ ایک دن پورا ہندوستان خالی کرنا پڑے گا۔ آپ اب بھی گیلانی میں ہیں اور آئندہ بھی یہیں رہینگے "۔

مولانا فرماتے ہیں : -

" حضرت سید صاحب نے میرے لیے پیشگوئی کی تھی بلکہ ان کا حکم تھا، اسی لیے میں یہاں پڑا ہوں "۔ (۲۰)

سفر آخرت :-

وطن کی غیر قصباتی اور غیر علمی زندگی مولانا کے لیے سوہان روح تھی۔ اس کا بارہا اور جگہ جگہ اظہار کیا ہے -

" آج کل ایک گاؤں اور وہ بھی ایسے گاؤں میں آکر مقیم ہو گیا ہوں جہاں شریف مسلمانوں کے صرف دو خاندان باقی رہ گئے ہیں - اس کے سوا تمام ہندو اور عام طبقہ کے کچھ مسلمان ہیں - ان سے کسی قسم کی ایمانی گفتگو کا موقع ہی نہیں ملتا اور نہ سننے کا اور نہ سنانے کا "۔ (۲۱)

غرض دل کا سکون یونہی رخصت تھا کہ ایسے میں ایک روز گھر بھی لُٹ گیا۔ ادھر مولانا کے اکلوتے فرزند پاکستان میں مقیم تھے۔ اور ان کی طرف سے بھی اطمینان حاصل نہ تھا۔ غرض ضعیفی میں طرح طرح کے مصائب جھیلنے پڑے اور اُنہیں اس یقین سے جھیل گئے کہ یہ اُخروی راحتوں اور دائمی مسرتوں کا پیش خیمہ ہیں۔ مگر ہمیرے گھونٹ کی تلخی کا طبعی اثر بہر حال ہو کر رہا۔

---

(۱۹) - معارف اعظم گڑھ جلد ۳۰ اپریل ۱۹۵۶ء ، ص ۲۶۳ -

(۲۰) - مولانا مناظر احسن گیلانی حیات اور علمی کارنامے ، شازیہ رانا ، غیر مطبوعہ مقالہ شعبہ علوم اسلامیہ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ، ص ۲۰ -

(۲۱) - تذکرہ احسن ، غلام محمد : مجلس علمی کراچی ، ۱۹۵۹ء ، ص ۴ -

۱۹۵۳ء کے آخر سے قلبی دورے پڑنے شروع ہوگئے۔ مارچ ۱۹۵۴ء میں ان پر ایسا سخت حملہ ہوا کہ اُمید زلیست جاتی رہی۔ لیکن اُن کے جاں نثار بھائی مکارم احسن نے علاج میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ان کو گیلانی پٹنہ ہسپتال میں لے آئے۔ علاج معالجے میں روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔ (۲۲)

ان کو لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔ مکارم صاحب کی نگرانی میں کام کرنے لگے۔ لیکن وہ حریفانہ نظروں سے اپنی کتابوں کی الماریوں کو دیکھتے تھے۔ شیخ ابن حجر عربی پر لکھنے کے لیے دارالمصنفین سے بہت سی کتب منگوائی تھیں۔ ان کو بھی اُلٹ پلٹ کر دیکھ لیتے لیکن مکارم صاحب کی تیکھی نظروں کی بنا پر بند کرنا پڑتیں۔ بہر حال مولانا اس سخت امتحان میں پورے نہ اُتر سکے۔ جتنا کچھ موقع مل گیا اور طاقت وہمت ساتھ دے گئی۔ اُس میں ایک طویل تصنیف "سوانح قاسمی" مرتب کی۔ کچھ مضامین تصوف کے مختلف موضوعات پر تحریر کیے۔

تقریباً تین سال علالت کے بعد ۵ جون ۱۹۵۶ء والی شب کو ہشاش بشاش بستر خواب پر لیٹے۔ ان کے بھائی مکارم احسن کا بیان ہے:

> "گزشتہ رات کو ہم اور بھی زیادہ خوش تھے۔ رات کے گیارہ بجے تک قوالی کی دھن میں کچھ غزلیں پڑھوا کر سُنتے اور ہر شخص سے لطف ومحبت کی باتیں کرتے رہے۔ بارہ بجے ان کو آرام کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ رات نیند نہ آئی۔ صبح سویرے اُٹھے وضو کیا۔ کھڑے ہو کر نماز فجر ادا کی۔ وظیفہ پڑھا۔ ملازم سے کہا، رات کو نیند کم آئی ہے، اِسلیے چادر اُوڑھا دو۔ سوؤں گا۔ سوئے تو ابدی نیند سو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۰ (۲۳)

تصانیف:۔

(۱)۔ تدوین قرآن: تفسیر سورۂ کہف، غیر مطبوعہ اُردو زبان میں۔ (۲)۔ حدیث: تدوین حدیث۔ اُردو زبان میں۔ (۳)۔ فقہ: مقدمہ تدوین فقہ۔ ◻ تدوین فقہ، اُردو زبان میں۔ (۴)۔ النبی الخاتم: اُردو زبان میں۔ (۵)۔ سوانح عمریاں: ◻ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔ ◻ ابوذر غفاری ◻ تذکرہ شاہ ولی اللہ ◻ سوانح قاسمی اُردو زبان میں ہیں۔ (۶)۔ معاشیات: اسلامی معاشیات و اسلامی اشتراکیت اُردو (۷) جغرافیہ: ہزار سال پہلے، اُردو زبان میں۔ (۸)۔ علم الکلام: الدین القیم، اُردو زبان میں، (۹)۔ تصوف:۔ ◻ مقالات روحانی ◻ کائنات روحانی، اُردو زبان میں، (۱۰) متفرق:۔ ◻ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ، ◻ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت۔ اُردو میں۔

---

(۲۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۰۔

(۲۳) معارف اعظم گڑھ شمارہ نمبر ۳، جلد ۲۹، مارچ ۱۹۵۷ء، ص ۲۴۸۔

۱۴۔ تراجم (۷) اسماعیل شہید شاہ۔ (۸) اسفار اربعہ (صدر دین شیرازی۔ اُردو زبان میں۔ (۱۲)۔ مضامین، مقالات، مکتوبات اُردو زبان میں۔ (۱۳)۔ کائنات روحانی۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کی تصنیفی خدمات زبان اُردو

منظفر گیلانی رقمطراز ہیں :۔

"دیوبند مدرسہ وہاں کے اساتذہ خصوصاً حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند کی وجہ سے تمام دُنیائے اِسلام میں مشہور تھا۔ مولانا گیلانی ان دونوں بزرگوں کے درس حدیث میں شامل ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد ان کے اساتذہ نے محسوس کیا کہ ان کا یہ شاگرد غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ مضمون نگار اور اِنشا پرداز ہونے کے علاوہ اچھا مقرر اور شاعر بھی ہے۔ اس لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ ان سے کوئی کام بھی لینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ شیخ الہند نے پہلے تو مولانا گیلانی کو مرید کیا اور دو رسالے "القاسم" اور "الرشید" جو اس وقت دیوبند سے نکلتے تھے ان کی ادارت سپرد کی۔ اس لیے مبلغ تیس روپے ماہوار (30/=) تنخواہ بھی مقرر کردی۔ ایک سال تک مولانا گیلانی دونوں رسالوں کی ادارت سنبھالے رہے۔ اسی زمانہ میں انہوں نے اپنی پہلی کتاب "ابوذر غفاریؓ" تصنیف کی۔ جس کو دیکھ کر مولانا اشرف علی تھانوی نے پیشگوئی کی تھی کہ اس کتاب کا مصنف آگے چل کر محقق ہو گا۔ اس کے مولانا نے اپنی دوسری تصنیف "کائنات روحانی" لکھی"۔ (۲۴)

مولانا کی ذات بہت سے کمالات کی جامع تھی، مگر ان سارے کمالات کے ساتھ طبیعت پر جذب کا اثر کچھ اس درجہ غالب تھا کہ مولانا کی کوئی تحریر کامل طور پر مرتب و مربوط نہیں ملتی۔ علوم کا ورود اس قدر زیادہ ہوتا تھا کہ متعلق و غیر متعلق کا اِنتخاب ان کے لیے محال ہو جاتا تھا۔ وہ تیزی سے قلم رانی فرماتے، فقروں کی تقسیم اور عنوانات کے قیام کا ان کو مطلق شعور نہ رہتا تھا اور قلم روکنے سے پہلے ان کو خود اندازہ نہ ہوتا تھا کہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ مضمون ہوگا یا کتاب بن جائے گی اور اس سبب کے باوجود وہ اپنے مسودات پر دوبارہ نظر کرنے کی زحمت بھی گوارہ نہ فرماتے تھے۔ ان مسودوں کی ترتیب و تدوین اُن کے معتمد علیہ شاگردوں اور عقیدت مندوں کے سپرد ہوتی تھی تا شروع

(۲۴) الفرقان لکھنؤ : مضمون، مولانا مناظر احسن گیلانی، حیات اور شخصیت : از منظفر گیلانی۔ آئی۔ اے۔ ایس ریٹائرڈ، ستمبر ۱۹۸۶ء، ص ۳۲۔

کے رحم و کرم پر منحصر ہوتی۔ "النبی الخاتم" اور "الدین القیم" کو مولانا کے شاگرد ڈاکٹر غلام دستگیر، پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن نے مرتب کیا۔ جبکہ سورۂ کہف، تدوین حدیث اور مقالات احسانی کی ترتیب غلام محمد نے کی۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی اور بعض کتابوں کی تنظیم ناشر کتب نے اپنے طور پر کرائی۔ مولانا کے کئی ہزار صفحات کے مسودوں کی تبییض ان کے ایک عزیز اور خاص شاگرد مخدوم محی الدین بی۔ اے عثمانیہ کیا کرتے تھے۔ مولانا خود فرماتے تھے کہ ان کی کوئی تصنیف باضابطہ "تصنیفی پروگرام" کے ماتحت انجام نہیں پائی بلکہ کسی نے کسی مضمون کی فرمائش کی۔ مولانا لکھنے بیٹھ گئے جب وہ لکھ چکے تو وہ مضمون، مضمون نہ رہا بلکہ کتاب تیار ہو گئی۔ چنانچہ "نظام تعلیم و تربیت" اور خود "النبی الخاتم" وغیرہ اسی قبیل کی تصنیفات ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری صورت یہ ہوتی رہی کہ کالج کے لیکچرز کی تیاری یا ایم۔ اے اور پی۔ ایچ ڈی کے طلبا کی رہبری کے سلسلہ میں مختلف موضوعات پر جو معلومات فراہم کرنا پڑیں وہ اتنی زیادہ اور قیمتی تھیں کہ ہر موضوع کی ایک مستقل کتاب خود بخود تیار ہو گئی۔ الدین القیم، اسلامی معاشیات، تدوین حدیث و قرآن وغیرہ اسی نوعیت کی تالیفات ہیں۔

مذکورہ صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مولانا کی تصنیفات جدید طرز تصنیفات کے معیار حسن کو نہیں پہنچتیں مگر بقول عبدالحافظ کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ان تصانیف کو اسلوب نگارش اور ربط تحریر کے لحاظ سے نہیں بلکہ نقطۂ نظر کے لحاظ سے دیکھنا چاہیے کہ ان میں علوم و حقائق اور استناد و استخراج مسائل کا کس قدر گراں بہا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔

مولانا کی تحریروں میں جہاں ربط و ترتیب کی کمی ہے وہاں بعض ایسی خوبیاں بھی ہیں جو اس کمی کی تلافی کر جاتی ہیں، مثلاً ہر تحریر میں بے ساختگی، زور استدلال اور سوز و گداز کچھ ایسا موجود ہے کہ اسی کی وجہ سے ربط کلام ٹوٹنے پر بھی کتاب چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ (۲۵)

مولانا کی کتابوں کے علاوہ ان کے بیسیوں مضامین ہیں، جو اہمیت و افادیت کے اعتبار سے ان کتابوں سے کسی طرح کم نہیں۔ مثلاً الفرقان لکھنؤ کے مجدد الف ثانی نمبر اور شاہ ولی اللہ نمبر میں جو مضامین آگئے ہیں وہ مولانا کی جامعیت علمی اور ذہانت و فطانت کی ان مٹ یادگاریں ہیں۔

مولانا کی تصانیف کا شمار آسان نہیں۔ ہر تصنیف بلند پایہ علمی اور تحقیقی معیار کی ہے اور عجیب و غریب ادبی چاشنی لیے ہوئے۔ جن میں النبی الخاتم، ابوذر غفاری، الدین القیم، تدوین قرآن، تدوین حدیث، مقالات احسانی، اسلامی معاشیات، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، نظام تعلیم و تربیت (دو جلد) سوانح قاسمی (۳ جلد)، تفسیر سورۂ کہف، ظہور نور کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ مولانا کی بہت سی کتابیں ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔

---

(۲۵)۔ مقالات احسانی، گیلانی، مناظر احسن: ۱۹۵۹ء، کراچی مجلس علمی، ص ۸۰۷۔

مظفر گیلانی رقمطراز ہیں :-

" مولانا کی ایک ڈائری میرے پاس محفوظ ہے ۔ اس ڈائری میں مولانا کے بہت سے اُردو فارسی اور عربی کے علمی اور ادبی شہ پارے بھرے پڑے ہیں جو اب تک غیر مطبوعہ ہیں ، جیسے ، (۱) حقوق العباد ، (۲) نور اور روح ۔ (۳) ذو قرانی الفاظ ، (۴) ہجرت (۵) ڈاکٹر اقبال مرحوم کیا تھے اور ان کا پیغام کیا تھا ، (۶) ترانۂ حمد (نظم) ، (۷) مولانا سید سلیمان ندوی (نظم) ، (۸) مسئلہ قتل المرتد ، (۹) حیرانی مشکل کے دیوتا ، (۱۰) تالیف و تصنیف کی صرفیانہ توجیہ ، (۱۱) جمہوریت اور اشتراکیت کی حقیقت ، (۱۲) اُولاد قابیل ، (۱۳) مکاشفۂ یوحنا باب ۱۹ ، ۱۴ ۔ سورۂ جن کے متعلق بعض خطرات (۱۵) نسل آشوب نظم وغیرہ ۔"[۲۶]

مولانا کی شائع شدہ کتابوں میں مولانا نے اپنی جن غیر مطبوعہ کتابوں کا ذکر کیا ہے ، اُن کے چند نام حسبِ ذیل ہیں ۔ (۱) الکتاب ۔ (۲) المرشد الجیاد ، (۳) مائیون ، (۴) ازواج مطہرات ۔ (۵) ۔ اسلام اور سلاطین اسلام ۔ (۶) ۔ اسلام اور علمائے اسلام ۔ (۷) جغرافیۂ اسلام وغیرہ ۔ (۲۶)

مولانا کی تصانیف پر تبصرہ :-

(۱) حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی ، مولانا مناظر احسن گیلانی ، طبع پنجم ۱۹۸۳ء ، کراچی ۔ نفیس اکیڈمی ۔ صفحات ۵۵۶ ۔

" امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی " مولانا مناظر احسن گیلانی کی پچیس سالہ محنت کا نتیجہ ہے ۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ صرف سب سے بڑے فقیہ ہی نہ تھے بلکہ وہ ایک بلند مرتبہ سیاسی راہنما بھی تھے ۔ اُن کی یہ حیثیت اس کتاب کا موضوع ہے ۔

فاضل مصنف نے ضمناً اس وقت کی سیاست اور اجتماعی زندگی پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے کہ آخری اُموی اور اولیں عباسی دور میں جماعتی زندگی کیا تھی ، مسند نشینیاں علم و ادب اور جرأت آزمایاں میدانِ قتل سے لے کر معمولی شہری زندگی تک کے حالات بڑی خوبی اور تفصیل کے ساتھ اس میں دیئے گئے ہیں ، عدالتی کارروائیاں ، انصاف رسانی اور مختلف سیاسی گروہوں کی جدوجہد کا ایک مکمل نقشہ اس میں نظر آتا ہے ۔ اسلامی دستورِ حکومت عامۃ المسلمین کے حقوق انتخاب کا حق ، اصول آزادی کا نصب العین ، جابر اور سخت گیر کے مقابلہ میں حق و صداقت کی صف آرائی ، استقلال ، جبر اور رضا کے وہ گراں بہا نمونے دکھائی دیتے ہیں جن پر عالم انسانیت قیامت تک فخر کرتی رہے گی ۔

مولانا مرحومؒ نے اس کتاب میں بنی اُمیہ کی سیاسی غلطیوں کا بالتفصیل جائزہ لیا ہے اور اُن اسباب و حرکات پر روشنی ڈالی ہے ، جو اُن کے زوال

---

(۲۶) الفرقان لکھنؤ ، نومبر دسمبر ۱۹۸۶ء ، مضمون ، مناظر احسن گیلانی ، مولانا ، حیات اور شخصیت ، از مظفر گیلانی ، ایم ایس ریٹائرڈ ، ص ۷۳ ۔
(نوٹ) ۔ ان تصانیف کے علاوہ مولانا نے عربی میں بہت کچھ ڈائری میں لکھا ہے ۔

اور بنی عباس کے عروج کا موجب بنیں ۔ لیکن اسلامی دنیا نے بنی عباس سے جو اُمیدیں اور آرزوئیں وابستہ کر رکھی تھیں وہ بے بنیاد نکلیں اور لوگوں کو جلد معلوم ہو گیا کہ تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بنی عباس کے فرمانرواؤں کا عام طور سے وہی رویہ تھا جو اُن کے پیش روؤں نے اختیار کیا ۔ حضرت امام حنیفہؒ کی سیاسی زندگی بنی اُمیہ کے زوال اور بنی عباس کے عروج کے اس پس منظر میں بیان کی گئی ہے اور فاضل مصنف نے امام صاحب کے سیاسی عقیدتمندوں اور سرگرمیوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ۔

ان لوگوں کے لیے جو اپنے آپ کو امام ابوحنیفہؒ کا پیرو اور مقلد کہتے ہیں اس کتاب میں تقویتِ ایمان کا پورا سامان موجود ہے ۔ یہ کتاب ۵۵۶ صفحات پر مشتمل ہے ، جس کے بڑے بڑے عنوانات بذیل ہیں ۔ امام صاحب کے عہد کی سیاسی تاریخ ، امام کا سیاسی مسلک ۔ امام کے فطری میلانات کی ابتداء ۔ حکومت بنی اُمیہ اور امام ابوحنیفہ کے تعلقات کی داستان ، ابومسلم خراسانی ، حکومت عباسیہ سے امام کے تعلقات کی ابتدا ۔ خلافت مہدی ، امام ابویوسف ، خلافت ہارون الرشید ، معتصم ، متوکل اور واثق کا زمانہ ۔

۲۔ الدین القیم :۔ اُردو زبان میں ، مطبوعہ جاوید پریس میکلوڈ روڈ کراچی ۔ طبع چہارم ۱۹۷۸ء ۔ کل صفحات ۲۵۶ ۔

جامعہ عثمانیہ کے قیام اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے قریبی ربط اور ان کے شکوک و شبہات سے راست واقفیت نے مولانا کی خدا داد صلاحیت کو بہتر سے بہتر ظہور کا موقع فراہم کر دیا ۔ اسی لیے ان کی زبان و قلم سے جو جوابات دیئے گئے اُن میں ندرت ، جاذبیت اور تسکین نفسی کے سامان موجود تھے ، چنانچہ وہ بے حد مقبول و موثر ثابت ہوئے ۔

دینیات لازم کے سلسلہ میں حضرت مولانا کے جو لکچرز کلامی مسائل پر ہوتے رہے وہ بالآخر قلمبند ہو گئے اور ایک مختصر کتاب دریا بکوزہ کے مصداق "الدین القیم" کے نام سے منظرِ عام پر آگئی ۔

اس کتاب میں ربط خلق و خالق ، مسئلہ خیر و شر ، فلسفہ جبر و قدر اور تقدیر و تدبیر کی وضاحت اس شگفتگی اور سلاست سے آگئی ہے کہ یہ ناقابل حل مسائل بالکل عام فہم ہو گئے ہیں اور عقلی دلائل کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی حفاظت جس بے تکلف انداز سے آگئی ہے وہ جامع العلوم حضرت گیلانی کا خاص حصہ ہے ۔

مولانا عبدالماجد دریاآبادی رقمطراز ہیں :۔

"داد دینے کو دل مصنف کو نہیں چاہتا ، وہ بحمداللہ اس منزل سے کہیں آگے نکل چکے ہیں ۔ مبارکباد پیش کرنے کو جی اُن حضرات کی خدمت میں چاہتا ہے جو اس کتاب کی طبع کا ذریعہ اور اشاعت کا باعث ہو رہے ہیں اور جو اسے پڑھیں گے ، اس کے مضامین سے مستفید ہوں گے ، اس کی روشنی میں اپنے دین کو ، ایمان کو عقائد کو سنبھالیں گے ، سدھاریں گے ، سنواریں گے ۔

مولانا کو اس کتاب پر مفصل نظرِ ثانی کا، مزید تشریح و توضیح کا اگر کہیں اور موقع مل گیا ہوتا، جب تو یہ کتاب خدا معلوم کیا سے کیا ہو جاتی، اب بھی جس صورت و ہیئت میں ہے۔ انشاء اللہ بہتوں کے لیے شمعِ ہدایت کا کام دے گی اور خدا معلوم کتنے گم گشتہ ہو رووں کو سنبھالے گی۔ مسئلہ قومیت پر جو کچھ لکھا ہے، وہ تازگی فکر و ندرت کے عنوان کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔"[۲۷] (الدین القیم، ص ۱۰۔

۲:۔ النبی الخاتم :۔ کارخانہ اسلامی کتب ۱۱۵۱/۹ دستگیر کالونی کراچی۔ طبع اول، سن ندارد، صفحات۔

مولانا کی یہ سیرت پر مختصر کتاب " دریا کوزے میں بند" کی مثل کے عین مطابق ہے۔ اس کے متعلق اہلِ علم کی آراء سے اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً :۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں "مناظر احسن کے بارے مناظر احسن ہیں"۔ علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں " النبی الخاتم" کے مطالعہ سے سیرت نبوی کے کئی نئے پہلو سامنے آئے"۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا قول ہے " اس اعجاز و اختصار کے ساتھ سیرت پر اتنی جامع اور عمدہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری"۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری فرماتے ہیں " النبی الخاتم" کے ساڑھے چار سو عنوانات میں سے ہر عنوان پر ہفتہ تک تقریر کر سکتا ہوں"۔ سید سلیمان ندوی کا قول ہے " مناظرِ اسلام، متکلمِ ملت، سلطان القلم کی روانی اسلام کی محافظت میں تیغ رواں کا کام دیتی ہے"۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں۔ " میں نے اپنی ساری عمر میں سیرت نبوی میں " رحمۃ للعالمین" اور " النبی الخاتم" سے زیادہ موثر کتاب نہیں پڑھی"۔ بقول مولانا محمد منظور نعمانی " دریا بکوزہ کی مثال دنیا کی کسی کتاب پر اس سے بہتر طور پر صادق نہیں آتی"

۴:۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت :۔ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی، طبع اول ۱۹۴۴ء، کل صفحات ۳۸۲، زبان اردو

اس کتاب میں مؤلف نے قطب الدین ایبک کے زمانے سے کر زمانۂ تالیف تک راس انور پر بحث کی ہے کہ اس دور ان مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت کیسا رہا۔ کتاب کا تعارف عتیق الرحمٰن عثمانی کا لکھا ہوا ہے، دیباچہ صفحہ ۳ تا ۸ خود مصنف کا لکھا ہوا ہے۔ کتاب کے لکھنے کی وجہ کے متعلق دیباچہ میں رقمطراز ہیں :۔

" عجب اتفاق ہے، دار العلوم دیوبند کے مجلہ " دار العلوم" کے مدیر کا عنایت نامہ آیا کہ مضمون لکھ کر بھیج دو۔ دار العلوم ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ اسی مناسبت کا خیال کر کے چار پانچ صفحوں کے مختصر مضمون کا ارادہ کر کے میں نے مولانا غلام علی بلگرامی مرحوم کی کتاب " ماثر الکرام" کو الٹنا پلٹنا شروع کیا اب میں نہیں جانتا کہ پھر کیا ہوا، قلم رواں ہوا، چلا، چلتا گیا، بات میں بات کا خیال آتا جاتا تھا۔

۲۷۔ مناظر احسن، مولانا، گیلانی : الدین القیم، مطبوعہ جاوید پریس میکلوڈ کراچی۔ طبع چہارم ۱۹۶۸ء، ص ۱۰

اور میں لکھا جاتا تھا۔ پانچ مضمون کے لکھنے کے لیے بیٹھا تھا، اس وقت ۵۰۰ صفحہ کی شکل میں

آپ کے سامنے موجود ہے"۔

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ ہندوستان میں قطب الدین ایبک کے وقت سے آج تک مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت کیا رہا۔ اس سلسلہ میں جگہ جگہ اہم، دلچسپ اور حد درجہ مفید بحثیں کی گئی ہیں۔ بیان کا تسلسل کچھ اس انداز سے ہے کہ کوشش کے باوجود عنوانات کی فہرست مرتب نہیں کی جا سکتی۔ بہرحال ہندوستان کے قدیم نظام تعلیم کا خاکہ، فراہمی کتب، تعلیمی مضامین، معقولات کا الزام، درجہ فضل کی کتب درس حدیث کی کتب، درس حدیث کی اصلاح، ابتدائی تعلیم کا اجمالی نقشہ اس کتاب کے خاص عنوانات ہیں۔

۵۔ دربار نبوت کی حاضری :۔ مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد مینشن کراچی، طبع ۱۹۸۱ء، صفحات ۸۰۔

یہ مولانا کا اُردو زبان میں حج کا سفرنامہ ہے۔ تقریب مولانا محمد منظور نعمانی اور پیش لفظ سید ابوالحسن علی ندوی کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں کچھ منظوم کلام بھی شامل ہے۔

۶۔ مقدمہ تدوین فقہ :۔ ناشر مکتبہ رشیدیہ لاہور۔ بار اول اکتوبر ۱۹۶۷ء۔ صفحات ۲۵۶۔

اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقہ کی تدوین و کیفیت کی تفصیلات ہیں اور ثابت کیا ہے کہ تفقہ انسانی کی فطری خصوصیت ہے۔ اردو زبان میں ہے۔

۷۔ مقالات احسانی :۔ ناشر ادارہ مجلس علمی نزد پری میڈ اور کراچی۔ سن ۱۹۵۹ء، صفحات ۲۹۴، زبان اُردو۔

صفحہ ۱ تا ۱۲ تذکرۂ احسن کے عنوان سے سوانحی حالات۔ یہ تصوف کے موضوع پر چھ مقالات ہیں۔

۸۔ اسلامی معاشیات :۔ ناشر شوکت علی اینڈ سنز بندر روڈ کراچی۔ طبع دوم ۱۹۶۳ء۔ صفحات ۵۵۶۔ زبان اُردو۔

اس کتاب میں "اسلام میں معاشیات" پر مفصل بحث ہے۔ معاشیات پر اسلام کے نظریات، قرون اولیٰ میں معاشیات کے عنوانات ہیں۔ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے۔

۹۔ حضرت ابوذر غفاریؓ :۔ ناشر انجمن پریس لارنس روڈ کراچی۔ طبع چارم اپریل ۱۹۶۲ء۔ صفحات ۳۰۲۔ زبان اُردو۔

اس کتاب میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے نظریہ معاشی مساوات اور ان کے پُر کیف حالات زندگی، جرات کے لیے سراپا سبق ہیں، بیان کیے گئے ہیں۔

۱۰۔ سوانح ابوذر غفاریؓ :۔ ناشر ادارہ تاج المعارف دیوبند، ستمبر ۱۹۵۶ء، صفحات ۱۸۳، زبان اُردو۔

یہ کتاب حضرت ابوذر غفاریؓ کی مکمل سوانح عمری ہے۔

۱۱۔ تدوین حدیث :۔ ناشر مکتبہ اسحاقیہ، جونا مارکیٹ کراچی نمبر ۲، جون ۱۹۵۶ء، صفحات ۴۸۰ ۔ زبان اُردو ۔

اس کتاب میں حدیث کی شرعی حقیقت، حدیث کی دینی اہمیت و ضرورت، اس کی تدوین و حفاظت اور اس کے معیار رد و قبول کے متعلق جملہ مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

۱۲۔ تدوین قرآن :۔ ناشر مکتبہ اسحاقیہ، جونا مارکیٹ کراچی نمبر ۲، اشاعت اوّل ۱۹۷۶ء، صفحات ۱۱۲ ۔ زبان اُردو ۔

قرآن اور آسمانی کتب، تدوین قرآن، عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں تدوین قرآن پر تبصرہ ہے ۔

۱۳۔ تذکیر سورۂ کہف :۔ ناشر مکتبہ رشیدیہ، آسیاآباد، تمپ، مکران ڈویژن، بلوچستان، جولائی ۱۹۷۹ء ۔ صفحات ۳۵۲ ۔ زبان اُردو ۔

اس میں دجالی فتنہ کے نمایاں خدوخال و نظریات، قصۂ اصحاب کہف، احکام ماخوذہ سورۂ کہف ۔ قصہ موسیٰ و خضر و ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج وغیرہ کی تفصیل ہے ۔

۱۴۔ الدین القیم :۔ ناشر نفیس اکیڈمی، بلاسس سٹریٹ کراچی طبع چہارم ۱۹۷۸ء، صفحات ۲۵۶ ۔ زبان اُردو ۔

صفحہ ۷، ۸ نگاہ اولیں از محمد اقبال سلیم گاھندری ۔ صفحہ ۹ تا ۱۱ " دو حرف " از مولانا عبدالماجد دریا آبادی ۔ صفحہ ۱۲ تا ۱۶ مصنف کا دیباچہ، کتاب بذیل بڑے بڑے عنوانات پر مشتمل ہے ۔

فطرت انسانی کے مطالبات از صفحہ ۱۷ تا ۳۴ ۔ فلسفہ کے چار سکول، صفحہ ۳۵ تا ۷۱، وجود باری تعالیٰ از صفحہ ۷۲ تا ۷۶ اثبات خدا کے متعلق مذہب کی راہ از صفحہ ۷۷ تا ۸۳، توحید صفحہ ۸۴ تا ۹۱ ۔ مسئلہ صفات ۹۲ تا ۱۰۳ ۔ خدا نے عالم کو کس طرح پیدا کیا صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۵، مسئلہ وحدت الوجود کی حقیقت صفحہ ۱۰۶ تا اختتام ۔

۱۵۔ سوانح قاسمی جلد اوّل ۔ صفحات ۶۱۲ ۔ زبان اُردو ۔

اس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سوانح حیات ہے جسے مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایما پر مرتب کیا گیا ہے ۔ تقریب کے عنوان سے تعارفی کلمات مولانا حسین احمد مدنی نے تحریر کیے ہیں، جن میں کتاب کی افادیت اور حقوق ملکیت بحق دارالعلوم کا تذکرہ ہے ۔ مقدمہ قاری محمد طیب کا لکھا ہوا ہے جو بائیس صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کے بڑے بڑے عنوانات ہیں ۔ تمہید ۔ قصہ نانوتہ، وجہ تسمیہ، شاہجہانی عہد میں مولوی محمد ہاشم، نانوتہ میں قیام، تیرھویں صدی کے مجدد کا ظہور اور نانوتہ میں میں ان کی تشریف آوری، نسب نامہ، تاریخ ولادت، حلیہ مبارک، شہرے خیر کی پیدائش، دیوبند سے سہارنپور، تعلیم کے لیے نانوتہ سے دوسری روانگی، مولانا کی تعلیم کی نوعیت، دلی میں تعلیمی حرکت ۔ دہلی میں تعلیمی زندگی کے سوانح و واقعات، متاہل زندگی وغیرہ ۔

۱۶۔ سوانح قاسمی جلد دوم، ناشر دارالعلوم دیوبند، طبع ربیع الاوّل ۱۳۷۵ھ / مطابق اکتوبر ۱۹۵۵ء، صفحات ۵۱۶، زبان اُردو

اس کے مندرجات صفحہ ۱ تا ۷۷ داخلی اصلاحات مثلاً، اجارہ وعقد بیوگان، لڑکیوں کے حق وراثت کا احیاء، بدعت، سماع موتیٰ، ترک بدعات پر اہل دیوبند سے عہد وغیرہ۔ دفاعی اقدامات از صفحہ ۷۹ تا ۲۰۲ : انگریز اور انگریزیت سے نفرت، انقلاب ۱۸۵۷ء کا پس منظر مارک پور کی سات پلٹنوں کی موقوفی، میرٹھ چھاونی، لال قلعہ دہلی پر ہندوستانیوں کا قبضہ، جنگِ آزادی میں مولانا نانوتوی کی شرکت، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا امیر جہاد منتخب ہونا اور سب کی بیعتِ جہاد، بادشاہ ظفر کو ترغیب جہاد، انگریزی فوج کے سپاہی اور مولانا نانوتوی میں مقابلہ اور مولانا کی فتح، تھانہ بھون سے پہلا حملہ، شاملی کی گڑھی کا محاصرہ، تھانہ بھون کی جنگ کا خاتمہ، دلی کے آخری بادشاہ کی گرفتاری، خدمات جلیلہ کا شاہکار صفحہ ۲۰۹ تا ۲۸۵۔ دارالعلوم دیوبند کی تاسیس، سب سے پہلے معلم ومتعلم، دارالعلوم کے قیام کی وجہ، ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی، ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام، مسجد چھتہ، ابتدائی ارکان شوریٰ، دارالعلوم کا نصاب: صفحہ ۲۸۷ تا اختتام۔ مولانا نانوتوی کا نصب العین اور اس کے تلخ نتائج، منشی نول کشور ایڈیٹر اخبار اودھ کی کتب برائے دیوبند، غیر مسلم اخبارات کی دعائیں اور غیر مسلموں کے چندے، عمارت کا سنگِ بنیاد، علم طب کا اجرا، غیر مسلم طلبہ کا داخلہ، پادری تارا چند سے نفرت نانوتوی کا مناظرہ وغیرہ۔

۱۷۔ سوانح قاسمی جلد سوم : ناشر دارالعلوم دیوبند، سن ندارد، صفحات ۱۹۲، زبان اردو

مندرجات، آخری سفر، دوسرے سفر حج کی تفصیل، آخری و دامی حج، منجانب اللہ سفر کا انتظام، ایک کشف، دوران سفر خلق اللہ کا رجوع راستے میں کرامتوں کا ظہور، جہاز کی علمی مجالس، جہاز کا انگریز کپتان نماز وجماعت سے متاثر، جدہ سے مکہ کو روانگی، مکہ میں قیام، بابرحمۃ مدفن اقدس پر حاضری، مدینہ منورہ سے واپسی، مکہ مکرمہ سے واپسی اور علالت: بمبئی میں ورود، پنڈت دیانند سرسوتی سے مناظرہ اور رڑکی اور میرٹھ کا سفر، علاج کی مختلف صورتیں، خواب، خدام کے خواب، عمر کے آخری لمحات، وفات تجہیز وتکفین۔ مراثی و قصائد وغیرہ۔

۱۸۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ : بہ باہتمام: ہیبر۔ ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی، طبع ۱۹۵۲ء

اردو زبان میں یہ رسالہ سلسلہ ندوۃ المصنفین کا جز ۵۲ ہے۔ بذیل عنوانات کے تحت مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ فرقہ تراشی کے لیے فرقہ بندی کا ماتم، ستر کروڑ مسلمانوں میں صرف دو تین مذہبی فرقے پائے جاتے ہیں۔ فرقہ بندیوں کی کثرت ابتداء اسلام میں کیوں ہوئی۔ سیاست جس سے فتنہ پیدا ہوا۔ اسلام کی روح ہے، نجات جاوید کا نظریہ، فرقہ بندیوں کی بنیادیں، اسلام کا پیغام یگانہ تھا۔ قرآنی رشتہ یا سیرو دلنوازی، مسلمان چوکنا رہیں، اسلامی تمدن، مذہب کا تقابلی مطالعہ، معتزلہ کی ایرانیوں کے ہاتھوں ہلاکت، خواجہ حسن بصریؒ کا قول، فرقہ جبریہ کا بانی، جہم ہندوستان کے فلسفہ سے متاثر ہوا۔ انا الحق، اہل سنت والجماعت، متکلم برادری کے لیے جھگڑوں کی پیدائش۔

۱۹۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ : مصنف مولانا مناظر احسن گیلانی، دستیاب نہ ہو سکا۔

۲۰۔ اویس قرنی:۔

———xxx———

مولانا قاری محمد طیبؒ

حالاتِ زندگی :-

مولانا کی پیدائش محرم ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء بمقام دیوبند ہوئی ۔ آپ کے والد کا نام مولانا محمد احمد قاسمیؒ تھا جو کہ دیوبند کے نامور عالم دین اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے ۔ آپ کا نام محمد طیبؒ تجویز کیا گیا اور تاریخی نام "مظفرالدین" رکھا گیا ۔ ۸ سال تک والدین کی آغوش میں پرورش پاتے رہے ۔

تعلیم :-

۱۳۲۲ھ بمطابق ۱۹۰۴ء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں داخل کیا گیا ۔ مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ اور آپ کے والد محترم نے بسم اللہ شروع کرائی ۔ مولانا فضل الرحمنؒ عثمانیؒ نے اس مجلس کی تاریخ ذیل قطعہ سے نکالی ۔

حبذا مکتبِ طیب کی مبارک تقریب ٭ کہ نئی طرح کا جلسہ تھا نئی طرح کی سیر

ربِ یسر جو کہا اس نے تو بڑھ کے ابا ٭ فضل تاریخ میں بول اٹھا تمم بالخیر
۱۳۲۲ھ

دو سال کی مدت میں آپ نے پورا قرآن مجید قرأت و تجوید کے ساتھ ختم کیا ۔ اس کے بعد درجہ فارسی میں داخل کیا گیا ۔ یہ نصاب پانچ سال کی مدت میں ختم کر کے سندِ فراغت حاصل کی ۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے شعبہ عربی میں داخلہ لیا ۔ آپ بچپن ہی سے بے حد ذکی اور ذہین تھے ، قوتِ حافظہ بھی تیز تھی ۔ آٹھ سال کی مدت میں دارالعلوم دیوبند کی تمام نصابی تعلیم سے ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں فراغت پا کر سندِ فضیلت حاصل کی ۔ حدیث میں آپ کو خصوصی تلمذ امام العصر محدثِ اعظم حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے رہا ۔

خصوصی سنداتِ فضیلت :-

مولانا شاہ خلیل احمد سہارنپوریؒ ، مولانا عبداللہ انصاریؒ اور اپنے والدِ ماجد مولانا محمد احمدؒ نے آپ کو خصوصی سنداتِ حدیث عطا کیں ۔

دوسرے اساتذہ و مشائخ :-

آپ کے دوسرے اساتذہ و مشائخ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ ، مولانا اشرف علی تھانویؒ ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ، مولانا حبیب الرحمٰنؒ عثمانی ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ، مولانا سید اصغر حسینؒ ، مولانا اعزاز علی امروہیؒ ، مولانا ابراہیم بلیاویؒ ، اور مولانا غلام رسول خانؒ جیسے مشاہیر شامل ہیں ۔ رفقائے درس :- مولانا مفتی محمد شفیعؒ مفتی اعظم پاکستان ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ، مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ ، مولانا میرک شاہ اندرابی کشمیریؒ آپ کے ساتھی تھے جو اپنے دور میں علم و فضل میں بے نظیر گزرے ۔ (۱)

---

(۱) محمد اکبر شاہ ، حافظ بخاری :- ذکر طیب ، ۲۴ جون ۱۹۸۴ء ، لاہور ، ادارہ اسلامیات ، ص ۶۸ تا ۷۳ ۔

مسند درس و تدریس :-

تکمیلِ تعلیم کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ذاتی علم و فضل، ذہانت و ذکاوت، اور آبائی نسبت و وجاہت کے باعث بہت جلد طلبہ کے حلقے میں مقبول ہو گئے۔ اوائل ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں آپ کا تقرر بطور نائب مہتمم بنایا گیا۔ اس دور میں اپنے والد ماجد اور مولانا حبیب الرحمنؒ کی زیرِ نگرانی انتظامی معاملات میں حصہ لیتے رہے۔ وسط ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں مولانا حبیب الرحمنؒ کے انتقال پر آپ کو دارالعلوم کا مہتمم بنا دیا گیا۔ آپ کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم نے نمایاں ترقی کی۔ شعبوں کی تعداد آٹھ سے چوبیس ہو گئی۔ اساتذہ کی تعداد اٹھارہ سے اُنسٹھ، طلباء کی تعداد ۵۰۰ سے بڑھ کر ڈیڑھ ہزار سے متجاوز، عملۂ اہتمام ۴۵ سے پونے دو سو اور سالانہ بجٹ پچاس ہزار سے بڑھ کر چھبیس لاکھ تک جا پہنچا۔ اسی طرح تعمیرات میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا۔ (۲)

عرصۂ اہتمام :-

حُسنِ اتفاق ہے کہ مولانا قاسم نانوتویؒ نے ۲۳ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ ۲۳ سال ہی کی عمر میں قاری محمد طیبؒ کے والد مولانا محمد احمدؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مقرر ہوئے اور قاری محمد طیبؒ بھی ۲۳ سال ہی کی عمر میں دارالعلوم کے مہتمم کی حیثیت سے فرائض سنبھالے۔ آپ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء سے ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء تک اپنے والد ماجد مولانا محمد احمد قاسمیؒ اور مولانا حبیب الرحمنؒ کے زمانۂ اہتمام میں نائب مہتمم رہے اور ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء سے آخر دم تک دارالعلوم کے مہتمم اعلیٰ رہے۔ یہ مدت قریباً ساٹھ سال ہے۔

آپ کا دورِ اہتمام دارالعلوم کی مسلسل ترقی اور ارتقاء کا دور تھا۔ چنانچہ متعدد بار دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ و منتظمہ نے آپ کی اس کارگزاری اور خدمات کے سلسلہ میں بطورِ تشکر و امتنان ریزولیشن پاس کیے اور اعترافِ خدمات کیا۔ اسی دور میں آپ کا سفرِ افغانستان خدمات و عظمت کی ایک مستقل تاریخ ہے۔ افغانستان کے ساتھ علمی و عرفانی رابطہ پیدا کرنے کے لیے آپ نے یہ سفر ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں کیا۔ وہاں کے علمی حلقوں، انجمن ادبی، اعلیٰ سرکاری سوسائٹی، مجلسِ قانون، جمعیت علماء، کابل یونیورسٹی اور دوسرے تعلیمی اداروں نے آپ کو دعوت دے کر آپ کے علمی و عرفانی فیض سے استفادہ کیا، حکومتِ افغانستان نے سرکاری طور پر آپ کا خیر مقدم کر کے شاہ افغانستان نے ایک گرانقدر رقم دارالعلوم کے لیے عنایت فرمائی۔ انہی ایام میں دارالعلوم کے لیے برما کا سفر ایک تاریخی عنوان ہے۔ (۳)

دورِ اہتمام کا مختصر جائزہ :- ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء میں سب سے پہلی انتظامی تجویز جو آپ کے قلم سے لکھی مسجد کی بالائی منزل کی تعمیر کے متعلق

(۲) محبوب رضوی، سید، مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، کراچی، میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب، سن ۱۹۸۳ء، ج ۲، ص ۱۳۴۔

(۳) محمد اکبر شاہ، حافظ، بخاری: ذکرِ طیب، ۲۴ جون ۱۹۸۴ء، لاہور، ادارہ اسلامیات، ص ۸۸ تا ۹۰۔

تھی۔ جس کے مصارف سید زین العابدین حیدرآبادی نے برداشت کئے۔

سنہ ۱۳۵۰-۵۱ھ/سنہ ۱۹۳۱-۳۲ء میں دورۂ تفسیر کا اجراء ہوا۔ تجوید کو لازمی قرار دیا گیا

سنہ ۱۳۵۲ھ/سنہ ۱۹۳۴ء میں دورۂ حدیث کے لیے نودرے پر دار الحدیث فوقانی کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ جو مکمل ہو چکا ہے، اسی سال آپ حج بیت اللہ کو گئے۔

سنہ ۱۳۵۴ھ/سنہ ۱۹۳۵ء میں تین شعبوں تنظیم و ترقی، حافظ خانہ، شعبہ ورزش کا اجراء ہوا۔

سنہ ۱۳۵۶ھ/سنہ ۱۹۳۶ء میں چند مزید عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ پہلی عمارت درجہ فارسی کی تھی جسے "یادگار سعدی" کا نام دیا گیا۔

سنہ ۱۳۵۹ھ/سنہ ۱۹۴۰ء میں "باب الظاہر" کی تعمیر افغانی چندے سے ہوئی۔ اسی سال آپ نے ریاست قلات کا دورہ برائے تدوین نصاب اسلامیات کیا۔ اسی سال علیگڑھ یونیورسٹی گئے اور "اسلام اور سائنس" کے موضوع پر تقریر کی جو کتابی شکل میں شائع ہوئی۔

سنہ ۱۳۶۰ھ/سنہ ۱۹۴۱ء میں مدراس کلکتہ گئے، اسی سال آپ نے "ماہنامہ دار العلوم" کا اجراء کرایا جس کے ایڈیٹر مولانا سید اظہر شاہ قیصر تھے۔

سنہ ۱۳۶۱ھ/سنہ ۱۹۴۲ء میں مولانا مدنی گرفتار ہوئے تو آپ نے احتجاجی جلسہ میں حکومت کو متنبہ کیا جس کے نتیجے میں مولانا مدنی جلدی رہا ہوگئے۔

سنہ ۱۳۶۲ھ/سنہ ۱۹۴۳ء میں تحریک پاکستان اور ملکی سیاست کا دار العلوم پر اثر پڑا، صدر مہتمم مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ابراہیم، مولانا ظہور احمد اختلاف سیاسی کی بنا پر معہ ساٹھ طلباء کے دار العلوم سے علیحدہ ہوگئے۔

سنہ ۱۳۶۳ھ/سنہ ۱۹۴۴ء میں مولانا مدنی رہا ہوئے اور مہتمم صاحب نے ایک عظیم الشان جلسہ میں فارسی قصیدہ پیش کیا۔

سنہ ۱۳۶۴ھ/سنہ ۱۹۴۵ء میں شعبہ خوشخطی کا اجراء ہوا۔

سنہ ۱۳۶۵ھ/سنہ ۱۹۴۶ء میں دار الصنائع کا قیام عمل میں آیا۔

سنہ ۱۳۶۶ھ/سنہ ۱۹۴۷ء بہار اور گڑھ مکتیسر کے فساد زدہ مسلمانوں کی امداد کی گئی۔

سنہ ۱۳۶۷ھ/سنہ ۱۹۴۸ء میں دار الافتاء کی جدید عمارت کی بنیاد رکھی گئی۔

سنہ ۱۳۶۸ھ/سنہ ۱۹۴۹ء میں مسلم یونیورسٹی کورٹ کی رکنیت کے لیے آپ کو منتخب کیا گیا۔

سنہ ۱۳۶۹ھ/سنہ ۱۹۵۰ء میں مہتمم صاحب کی درخواست پر حکومت ہند نے پاکستانی طلباء کے دار العلوم میں داخلے پر پابندی ہٹالی۔

سنہ ۱۳۷۲ھ/سنہ ۱۹۵۳ء میں شعبہ طب اور دار الشفاء کا قیام عمل میں آیا۔

سنہ ۱۳۷۶ھ/سنہ ۱۹۵۷ء میں مہتمم صاحب نے برما کا سفر کیا اور دو لاکھ چندہ ملا، جس سے کتب خانہ کے لیے ہال تعمیر کرایا گیا، جس میں ایک لاکھ سے زائد کتب موجود ہیں۔ اس سفر کا سفرنامہ بھی آپ نے لکھا جو چھپ چکا ہے۔

سنہ ۱۳۷۸ھ/سنہ ۱۹۵۹ء میں دار العلوم میں آپ کی تجویز سے شعبہ تنظیم فضلاء کا قیام عمل میں آیا۔

۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء میں افریقہ کا سفر اختیار کیا۔ اسی سال مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے ہندوستان کا دورہ کیا اور آپ نے اُس سے دہلی میں جاکر ملاقات کی، اسی سال آپ نے دیگر علماء کے ساتھ حج بھی کیا۔

۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء میں جامع طیبہ کا اجراء کیا گیا۔ اسی سال لندن یونیورسٹی شعبہ تعلیم اسلام کے پروفیسر ڈاکٹر جی۔ ایم ڈی اپنی تاریخی تحقیق کے سلسلہ میں دیوبند آئے اور مہتمم صاحب سے طویل گفتگو ہوئی۔

۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء میں حکومت مصر نے چالیس ریکارڈوں کا سیٹ جن میں پورے قرآن مجید کی قراءت تھی مہتمم صاحب کو تحفۃً ارسال کیا۔

۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۳ء میں دارالعلوم کے سو (۱۰۰) سال پورے ہوئے۔

۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء میں مہتمم صاحب نے جنوبی افریقہ اور پھر مصر کا سفر کیا۔

۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء ۱۹ شوال کو عالمی مؤتمر اسلامی قاہرہ کی دعوت پر عالمی کانفرنس میں شرکت کی۔ آپ نے ہندوستانی وفد کی قیادت کی۔ وہاں آپ نے ایک مقالہ پڑھا۔

۱۳۸۴، ۸۵ھ / ۱۹۶۴، ۶۵ء میں آپ کی نگرانی میں عربی رسالہ "دعوۃ الحق" دارالعلوم کی طرف سے جاری کیا گیا۔

۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء میں آپ نے یورپ، انگلستان، فرانس اور مغربی جرمنی کا سفر اختیار کیا۔ ان ممالک کی سیر کے بعد آپ مکہ آئے اور پھر مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر پر حاضری دی، اس سارے دورہ کی روئیداد ماہنامہ دارالعلوم میں شائع ہوئی۔

۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء میں آپ کو مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس طرح آپ ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام کے اسکالر تھے۔

۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء میں آپ نے افریقہ، حجاز اور یورپ کا سفر کیا۔ دوران عمرہ ادا کیا اور بہت سی تقاریب سے خطاب کیا۔ اس کے بعد پریس اور مسلمانانِ انگلستان کی دعوت پر لندن گئے۔

۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء میں پاکستان میں بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں شرکت کی اور سیرت کے موضوع پر تقریر کی، پھر کراچی، لاہور اور راولپنڈی کے علاوہ دوسرے شہروں میں اجتماعات سے خطاب کیا۔

۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء میں آپ پھر پاکستان آئے اور کراچی میں مفتی محمد شفیع صاحب کی وفات پر تعزیت کی۔ کراچی میں خطاب بھی کیا۔ جامعہ اشرفیہ آئے اور پھر خیر المدارس ملتان کے رئیس مولانا خیر محمد کی تعزیت پر مفصل خطاب کیا، دارالعلوم راولپنڈی، جامعہ رشیدیہ ساہیوال، دارالعلوم اکوڑہ خٹک اور دوسرے شہروں میں خطاب کیا۔

۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء میں کئی ممالک کا دورہ کیا۔

۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم کا صد سالہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں پوری دنیا کے علماء، زعماء، صوفی، سفیروں کے علاوہ دیگر زعماء

نے شرکت کی۔ ۲۵ لاکھ مسلمانوں کے اس اجلاس میں مہتمم صاحب نے افتتاحی خطاب (خطبہ استقبالیہ) کیا اور دارالعلوم کی ۱۱۷ سالہ تاریخ پر روشنی ڈالی، اس اجلاس کی مفصل رپورٹیں اخبارات میں شائع ہوئیں۔

۱۴۰۱-۰۲ھ مطابق ۱۹۸۱-۸۲ء آپ کے دورِ اہتمام کے آخری سال ہیں۔ (۴)

علالت و رحلت :-

دارالعلوم کا منصبِ اہتمام کوئی معمولی ذمہ داری نہ تھی۔ جسے تقریباً ساٹھ سال تک آپ نے نبھایا۔ دارالعلوم کے صد سالہ اجلاس کے چند ماہ بعد آپ کی صحت گرتی چلی گئی اور سال سے زائد عرصہ صاحبِ فراش رہے۔ اپنی علالت کے بارہ میں مولانا محمد منظور نعمانی رح سے ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں :-

> "دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ آج کے لادینی دور میں دین کے ہر شعبہ میں اُمت کی راہنمائی اور عوام اُمت کی خدمت اس کا نصب العین رہا ہے۔ آج اس کا کیا حال ہے اور ہم اللہ کے سامنے مسؤل ہیں۔ یہ ہے وہ سوز جس سے میرا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے۔ میں دہلی میں پنت ہسپتال رہا۔ اب دیوبند میں ہوں۔ میرا کھانا پینا صرف دوا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی مرض نہیں اور حال یہ ہے کہ دوسروں کے ہاتھوں میں ہوں۔ نہ اپنی ذات کا غم ہے نہ اپنے عزیزوں کا بلکہ غم دارالعلوم کا ہے"

اس خط کے بعد حالت تشویشناک ہوگئی۔ دہلی ہسپتال میں داخل کیئے گئے مگر حالت خراب ہوتی گئی۔ بالآخر ۶ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار بعمر ۸۸ سال عالم فنا سے بقا کا راستہ اختیار کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ آل انڈیا ریڈیو کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا قاری محمد سالم قاسمی نے پڑھائی۔ اپنے جد امجد مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ (۵)

اُولادیں :-

تین صاحبزادے، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا محمد اسلم قاسمی، مولانا محمد اعظم قاسمی جید علماء ہیں۔ تین صاحبزادیاں ہیں۔

---

(۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۹۶ تا ۱۱۶۔

(۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۸۹ تا ۱۹۱۔

بیعت :-

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ آپ سے سب شفقت فرماتے۔ شیخ الہند کی قیدی سے واپسی پر قاری صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب اُن سے بیعت ہوئے۔ لیکن اسیری سے رہائی کے ڈیڑھ سال بعد شیخ الہند ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء فوت ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت کی۔ اُنھوں نے تھانہ بھون خانقاہ میں بلاکر نمازیوں کی جوتیاں سنبھالنے کا فریضہ سونپا۔ بالآخر ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء کو اپنا مجاز قرار دے کر خلافت سے مشرف کیا اور حکیم الاسلام کا لقب بھی عطا کیا۔ (۶)

مولانا قاری محمد طیبؒ کی خدمات زبان اُردو

درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد کے علاوہ حکیم الاسلام کی علمی و تصنیفی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ دارالعلوم کے اہتمام اور تبلیغی و تدریسی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ کی مضمون نگاری اور انشا پردازی کی ابتدا زمانہ طالب علمی سے "القاسم" کے صفحات سے شروع ہوئی۔ جب ہی سے آپ کے تحقیقی مقالے علمی حلقوں میں بنظر استحسان دیکھے جاتے تھے۔ انشا پردازی میں آپ انفرادی حیثیت کے مالک تھے۔ ہندو پاکستان کے طبقۂ علماء کی صفِ اول کے اہل قلم اور مقالہ نگار تھے۔ ملک بھر کے موقر جریدے اور رسالے آپ کے مضامین کی اشاعت باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ اِس فن میں آپ کو خاص ملکہ تھا اور ادق سے ادق عنوانات پر طویل مقالے اور مضامین ایک ہی نشست میں لکھ دیتے۔ آپ کی تصانیف و تالیف اور مقالہ نگاری کا اکثر حصہ دوران سفر انجام پاتا تھا۔

آپ کی تصانیف ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے زائد ہیں جن میں التشبہ فی الاسلام، فطری حکومت، اسلام اور فرقہ واریت، اسلام اور سائنس، مشاہیر اُمت، شان رسالت، فلسفۂ نماز، شرعی پردہ، ڈاڑھی کی شرعی حیثیت، مسئلہ تقدیر، اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام، علم غیب، خاتم النبیینؐ، اسلام اور مغربی تہذیب، تعلیمات اسلامی اور مسیحی اقوام، اصول دعوتِ اسلام، عالمی مذاہب، نظریہ دو قران پر ایک نظر، کلمہ طیبہ کی حقیقت، مسئلہ زبان اور ہندوستان، دین و سیاست، اسباب عروج و زوال اقوام، الاجتہاد والتقلید، اسلامی مساوات، کلمات طیبات، تفسیر سورۂ فیل، آفتابِ نبوت، سفرنامہ افغانستان، عرفان عارفانہ مجموعہ کلام، مقالاتِ طیبات، تاریخ دارالعلوم دیوبند، خطبہ طیبہ، مقالات الاکابر دیوبند، روایات الطیب، اور خطبات حکیم الاسلام وغیرہ مشہور ہیں۔ جو سب کی سب اُردو زبان میں ہیں۔ (۷)

(۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۱۸ تا ۱۲۳۔

(۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۴۱ تا ۱۴۳۔

معروف کُتب پر تبصرہ :۔

۱:۔ شانِ رسالتؐ :۔ ناشر کتب خانہ صدیقیہ بیرون بوہڑ بازار مُلتان شہر۔ صفحات ۱۵۲۔

کتاب کے ابتداء میں شان کی تعریف کی گئی ہے۔ حضرت صدیقہؓ نے شب برات میں حضورؐ کو بستر پر نہ پایا، شک ہوا، تلاش کو نکلیں، جنت البقیع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محوِ اشک ریزی پایا، ندامت ہوئی اور عرض کیا "اَنَّكَ لَفِیْ شَانٍ وَاَنَا لَفِیْ شَانٍ"۔ آپ اپنے حال میں ہیں اور ہم اپنے حال میں۔ اس حدیث کی روشنی میں حال بدلتی کیفیت ہے، اس میں پائیداری نہیں، حال کے حسبِ حال اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ ترکِ عمل میں انسان کرب محسوس کرتا ہے۔ مُنہ پر تعریف کرنے کی ممانعت ہے کہ اس سے تعلّی اور خوشامد پسندی اور ممدوح میں غرور و تکبر آتا ہے جو دونوں کے لیے مضرت رساں ہے۔ علم الٰہی لامحدود ہے۔ شان رسالت اور شان الٰہیہ کی اقسام، شان الٰہیہ سے شان رسالت کا تعلق "اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ" کی وضاحت، قربتِ الٰہی کی انتہا، مقامِ محمود، آئینۂ حق نما، دو قیمتی قطرے، خون کا قطرہ جو راہِ حق میں بہایا جائے اور آنسو کا قطرہ جو خشیتِ الٰہی سے بہ نکلے۔ دو اثر، اثرِ جہاد اور اثرِ عمل اللہ کو پسند ہیں۔ دو نعمتیں، دین و سلطنت۔ صدیق اکبرؓ کا مقام، خلافتِ عثمانی، مقامِ اصلی اِس کتاب کے اہم موضوعات ہیں۔

۲:۔ معجزہ کیا ہے :۔ ناشر کتب خانہ قاسمی دیوبند، سن ندارد۔

یہ قاری محمد طیبؒ کی اُن حرکۃ الآراء کتب میں سے ہے جو اپنی اہمیت وافادیت کے لحاظ سے عوام وخواص دونوں طبقوں کے لیے انفرادی خصوصیات کی حامل ہے۔ زیرِ نظر کتاب انتہائی مربوط اور دلچسپ انداز میں معجزوں کی حقیقت اور انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ان کے ظہور کے وجوہ پر جامع اور مدلل بحث کی گئی ہے۔ "پیغمبرانِ حق گو۔ ان گم کردہ راہ قوموں کی راہبری اور راہنمائی کے لیے عالم میں تشریف لائے جو مسببِ اسباب اور اس کی حیثیتوں سے انحراف کرکے صرف اسباب وعوارض کے جویا بن کے رہ گئے۔

ظاہر ہے ایسے تیرہ و تار ذہنوں کو علم وحقانیت سے منور کرنے کے لیے محض علمی دلائل کافی نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ ان کے ساتھ کچھ ایسے معاون وبراہین نہ ہوں جن کا تعلق مشاہدہ سے ہوتا ہے اور ان مشاہداتی دلائل کی فوقیت وبرتری دنیوی خوارق اور شعبدوں پر ثابت اور مسلّم ہو کہ ان کا من اللہ ہونا اور اُن کی ناقابلِ انکار صداقت ہر منکر ذہن کو خیرہ سر ہونے پر مجبور کرکے اس کے لیے باب توفیق وا کر سکے۔

۳:۔ علم الغیب :۔ ادارہ تاج المعارف دیوبند، مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی، ستمبر ۱۹۵۸ء (سہ ماہی پروگرام کی چوبیسویں کتاب) صفحات ۶۴۔

امام راغبؒ کا قول ہے :۔

"غیب کے معنی یہ ہیں کہ نہ اس کا ادراک بصر (خانہ نگاہ) سے کر سکیں نہ بصیرت (کسی اندرونی حاسہ) سے کر سکیں۔"

پھر امام راغبؒ خود ہی لکھتے ہیں :۔

" اور غیب اللہ تعالیٰ کے قول " یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ " وہ ہے جو نہ حواس کی گرفت میں آ سکے نہ عقلی تقاضوں سے دریافت ہو سکے بلکہ صرف انبیاء کی خبر سے جانا جائے "

علاوہ ازیں شاہ عبدالعزیزؒ کا قول بھی نقل کر کے لکھتے ہیں :۔

" حاصل کلام یہ نکلا کہ علم غیب کا ذریعہ مخلوق کے لیے صرف وحی ہے جو پیغمبر پر براہ راست ہوتی ہے اور اُمتی کو اس کی نقل بواسطہ پیغمبر پہنچتی ہے اور اس طرح نبی اور اُمتی صرف خُدا کی اطلاع ہی سے غیب پر مطلع ہو سکتے ہیں، خود اپنی کسی ادراکی طاقت، عقل و نظر یا حس وجدان سے مطلع نہیں ہو سکتے " پُوری کتاب میں اسی موضوع پر مفصل بحث ہے ۔ (۸)

۴۔ اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام قُرآن و سُنت کی روشنی میں :۔ ناشر، ادارہ تاج المعارف دیوبند (سہ ماہی سلسلہ کی پچیسویں کتاب) مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی، ستمبر ۱۹۵۸ء، صفحات، ۱۱۲ ۔

یہ مولانا کا خطبہ صدارت اجلاس جمعیتہ العلمائے صوبہ بمبئی منعقدہ ۱۹۴۵ء کا ہے۔ زیر نظر خطبہ مولانا کی درسی کتابوں کی طرح ایک قیمتی علمی خزانہ ہے جس میں غلامی سے متعلق سارے پہلوؤں پر مکمل بحث ہے۔ ایک غلام انسان پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اور آزادی کی کیا قیمت ہے۔ قرآن و سُنت میں اچھی تلی بحث کی گئی ہے ۔

اخلاق احمد صدیقی مینیجر ادارہ تاج المعارف دیوبند رقمطراز ہیں :۔

" گو یہ خطبہ آج سے چودہ برس پہلے آپ نے تحریر فرمایا تھا اور اس کے کئی ایڈیشن بھی نکل چکے ہیں، مگر اس کی مانگ مُلک میں ہنوز روز اول کی طرح ہے اور سچ پوچھیے تو تقاضے ہی سے مجبور ہو کر اسے " سہ ماہی پروگرام " میں شامل کرنا پڑا ہے۔ خطبہ کے متعلق خاکسار کا کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے " (۹)

یہ ایڈیشن تقسیم ہند کے بعد پیش کیا گیا جو کہ علمی اور تاریخی دونوں حیثیتوں سے ایک تاریخی دستاویز ہے ۔

---

(۸) محمد طیب، قاری، مولانا، علم الغیب، ستمبر ۱۹۵۱ء، دہلی، کوہ نور پریس، ناشر، تاج المعارف دیوبند، ص ۴ و ۵ ۔

(۹) ایضاً اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام قرآن و سُنت کی روشنی میں ایضاً ستمبر ۱۹۵۸ء ص ۳ و ۴ ۔

اس بحث میں فرعون کی مثال دی گئی ہے جس نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا، جس طرح انگریزوں نے آج کل قوموں کو غلام بنا رکھا ہے۔ غلامی میں علمی، مالی، خارجی تعلقات کی تباہی ہوتی ہے۔ اس کا انطباق مسلمانانِ ہند پر کیا ہے۔ آخر پر جمعیۃ العلمائے ہند کے اصولوں اور خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔

۵- آفتابِ نبوت :۔ لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۰ء، صفحات ۲۲۰ -

کتاب کے بارہ میں کلمۂ آغاز کے تحت مصنف رقمطراز ہیں :۔

"سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض پہلوؤں کی یہ ایک طالب علمانہ یادداشت ہے۔ جسے سیرت نگاری کا نام دینا مشکل ہے البتہ شوق سیرت نگاری کے جذبات کی تسکین کا نام اس پر رکھا جاسکتا ہے۔ جسے آیۂ کریمہ "داعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً" کی روشنی میں قلم برداشتہ لکھا گیا ہے۔" (۱)

اس آیۂ کریمہ میں سیرت پر جو تمثیلی انداز بیان رب العزت نے اختیار فرمایا، مولانا نے اس کی علمی وضاحت کی کہ آفتاب کی کیا کیا خصوصیات ہیں جن کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ نبوت کو سراجِ منیر سے استعارہ کیا گیا۔ آفتاب کی عظمت و رفعت، آفتاب کی جامعیت، آفتاب کے قرآنی لقب، تمثیل آفتاب و چراغ، کرن، روحانی آفتاب کی ضرورت، صحابہ کی نجوم سے مشابہت، نجوم کی خصوصیات اور اُن کی بلندی، صحابیت بالاتر از تنقید، طبقات مابعد و آئمہ و راسخین فی العلم، سیرت پر قرآنی آیات سے استنباط کرتے ہوئے مولانا نے عقیدہ اور زبان و بیان کے اعتبار سے سیرت کے اُردو سرمائے میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ یہ کتاب جزویات نگاری، استعارات و تشبیہات کے استعمال کا عمدہ مرقع ہے۔

۶- دارالعلوم کی صد سالہ زندگی :۔ ۱۹۶۵ء، دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند، صفحات ۱۲۸ -

اس کتاب میں ابتداء سے کر ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۳ء تک کی دارالعلوم کی پوری تاریخ، اساسی اصول ہشتگانہ سے کر دارالعلوم کا مسلک، انتظامی ڈھانچہ، تدریسی ڈھانچہ، نصاب تعلیم اور اس کی بتدریج ترقیوں، تبدیلیوں، تصنیفی خدمات، مدرسین و مہتممین اور مشاہیر وغیرہ کا مفصل ذکر ہے۔

۷- اسرائیل کتاب و سنت کی روشنی میں :۔ ۱۹۷۸ء، لاہور، ادارہ اسلامیات، صفحات ۷۶ -

---

(۱) ایضاً : آفتاب نبوت، ۱۹۸۰ء، لاہور، ادارہ اسلامیات، ص ۷ -

یہود کا مغضوب و ملعون ہونا دو ہزار سال کا مشاہدہ ہے اور تاریخ ہر زمانے میں اُن کی ملعونیت اور مغضوبیت پر مہر تصدیق ثبت کرتی رہی۔ یہود کو سزا دینا اور ان پر متواتر غضب ہونا صرف بعد از اسلام کی بات نہیں بلکہ دو ہزار برس قبل از اسلام متواتر چلا آرہا ہے۔ اس کتاب میں اس موضوع پر مولانا قاری محمد طیبؒ نے حقائق کو واشگاف کیا ہے۔ یہود کے بارے میں قرآنی اعلانات، ذلت و مسکنت نبیوں کا تسلسل، دینی حجت اور براہین ہیں۔ ان کی دوامی مغلوبیت اور علم الٰہی اور ہدایت ربانی سے محرومیت، ذلت باطنی اللہ کی نظر میں ذلت ظاہری دُنیا کی نظر میں، بخت نصر کی یلغار، طِطس رومی کا ان پر مسلط ہونا، عہد اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بد عہدیاں حضور کے قتل کی سازش، زہر خورانی اور پھر باذنِ خداوندی جان سے مارے گئے۔ جلا وطن ہوئے، املاک ختم ہوئیں اور اس طرح ذلت موعود کا شکار ہوئے۔ اسی ذلت کا مظاہرہ، فلسطین، بابل اور روم میں ہوا۔ اُمتوں نے اُنہیں دُنیا کا خُون چوسنے والی قوم کا حقارت آمیز خطاب دیا۔ یکے بعد دیگرے ملک بدر کر دیا۔ ہٹلر نے ذلیل کر کے دیس نکالا دیا۔ عیسائی بھی اُنہیں ذلیل جانتے تھے۔

یورپ نے اسرائیل کے ساتھ جو اظہار ہمدردی کیا وہ بھی فریب تھا۔ مثلاً مسٹر بالفورڈ وزیر اعظم برطانیہ نے اسرائیل کی داغ بیل ڈالتے ہوئے کہا:۔

"آخر اس بے بس قوم (یہود) کے لیے بھی دُنیا میں کوئی وطن چاہیے (ص ۱۹۰) جو خود اُن کی ذلت کا اعتراف اور اعلان ہے اور ساتھ ہی پورے یورپ سے نکال کر جزیرۃ العرب میں دھکیل دیا۔ اس طرح ایک پنتھ اور دو کاج کے مصداق یورپ سے اُن کا اخراج اور ادھر مسلم آزاری کا مستقل سامان کر دیا۔" (۱)

۸۔ اسلام کا اخلاقی نظام :۔ ۱۹۷۸ء، لاہور، ادارہ اسلامیات، صفحات ۱۹۲۔

رُڑکی ضلع سہارنپور کے پادری ڈاکٹر اودے سنگھ نے مولانا قاری محمد طیب کو ایک خط لکھا جس میں اسلام کے نظامِ اخلاق پر اعتراضات کیے گئے تھے کہ اسلام نے کوئی نظامِ اخلاق پیش نہیں کیا ہے اور اس کے مقابل میں انجیل کے نظام اخلاق کی تعریف کی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں دس منقح باتیں، چوری، زنا، قتل وغیرہ پیش کر دیں۔ قاری صاحب نے مذکور کو جواب لکھا کہ اُس کے شبہات اسلام کی تعلیمات اور اُس کے اصول و فروع سے لاعلمی اور ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ اسلام نے دس پانچ نہیں بلکہ اخلاق کے ننانوے[۹۹] ایسے اصول پیش کیے ہیں جن سے کوئی چھوٹا بڑا خُلق باہر نہیں۔ پادری نے دوبارہ خط لکھ کر سابقہ دعوے کو دہرایا اور مطالبہ کیا کہ وہ ننانوے اخلاق کون سے

(۱) محمد طیب، قاری، مولانا :۔ اسرائیل کتاب وسنت کی روشنی میں، ۱۹۷۸ء، لاہور، ادارہ اسلامیات، ص ۱۹۔

آیت سے ثابت ہیں اور ساتھ ہی پھر اعتراضات بھی کئے۔ پھر قاری صاحب نے اسلام کے اخلاقی نظام پر محققانہ بحث کرکے پادری کے ہفوات کا جواب تحریر کیا جو اس کتاب کا نفس مضمون ہے۔

۹۔اسلامی تہذیب وتمدن :۔ ۱۹۸۵ء، لاہور، ادارہ اسلامیات، صفحات ۳۲۰۔

اس کتاب پر مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حبیب الرحمٰنؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا مرتضیٰ حسینؒ، مولانا اعزاز علیؒ اور مولانا اصغر حسین نے تقاریظ لکھی ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :۔

"تشبہ کا مسئلہ ایسا مکمل و مفصل و مدلل لکھا ہوا میں نے نہیں دیکھا۔ جن لطائف تک ذہن جانے کا احتمال تک نہ تھا وہ منصۂ شہود پر آگئے بعید سے بعید شبہات تک کا قلع قمع کردیا۔" (۱۲)

یہ تصنیف اپنے مضمون اور نوعیت کے اعتبار سے اردو زبان میں ایک نادر کتاب ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن جس کی بنیاد، زہد و قناعت، تدین و خدا پرستی اور سنن نبوۃ پر قائم تھی۔ جبکہ ہماری سیہ کاریوں کی بدولت شوکت وقوت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو شوکت پرست طبیعتوں نے بھی اس سے منہ موڑ لیا۔ بالمقابل انگریزی تمدن جس کا منشا یقیناً کوئی طریق نبوت اور خلق ربانی نہیں بلکہ اس کی بنیاد تلذذ و تعیش، نفس پروری اور تن آسانی پر قائم کی گئی ہے۔ اس نے سرزمین ہند کے نونہالوں میں سے کس قدر اپنے ایسے ایسے عاشق پیدا کرلئے جو اس پر جان و ایمان نثار کر دینے میں کوئی دریغ نہیں رکھتے۔

قوت وضعف کے اس ادل بدل نے صرف برصغیر ہی کو نہیں بلکہ مشرق و مغرب کو ایک دوسرے سے ٹکرا دیا اور تہذیب یورپ اور تہذیب ایشیاء کی اس ہولناک کشتی کا انجام یہ نکلا کہ بجائے مشرق کی روشنی کے مغرب کی تاریکی چھانے لگی۔ پھر اتباع شعائر اقوام یا منہ تشبہ کی رنگینیاں صرف عمل ہی تک محدود نہ رہیں بلکہ بدعملی کی مشق نے علم کو بھی ماؤف کر دیا۔ اسی جذبہ نے مصنف کو اس موضوع پر بسط مطالعہ کے بعد قلم برداشتہ دو تصانیف مرتب کرنے کی تحریک کی۔ پہلی جلد جو تشبہ کے اصولی اور کلی مباحث پر مشتمل ہے، دوسری جلد فقہی ابواب کی ترتیب سے تشبہ کے فروعی ذخیرہ کی جامع ہے۔

زیر تبصرہ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے۔ ابواب سے پہلے تقاریظ، وجہ تصنیف، ضروری گزارشیں، اعتذار، اسلامی قوم کا انقلاب، قوم کے مرض کی تشخیص اور تجویز علاج ہے۔ باب اول تشبہ کا منشاء اور مآخذ، تشبہ کی حقیقت عقلی اور حسی حیثیت سے، دنیا کی مختلف قومیں اور ان کے بقاء وتحفظ کا راز، تشبہ کا روایتی اور نقلی نقشہ، ترک مجالست کہ اس سے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، رشتہ اور اختلاط سے منع، ترک تشبہ یعنی مشابہت اختیار کرنے سے منع مثلاً شکل وصورت لباس وغیرہ۔

۱۲۔ محمد طیب، قاری، مولانا : اسلامی تہذیب وتمدن، ۱۹۸۵ء، لاہور، ادارہ اسلامیات، ص ۷۔

تشبہ اور احادیث نبوی :- I - "خبردار ہو جاؤ کہ جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئی"۔ حجۃ الوداع - II - "سب سے زیادہ مبغوض خدا کے نزدیک تین قسم کے لوگ ہیں ، ایک وہ جو حرم میں زندقہ اور الحاد کا کام کرتے ہیں ۔ دوسرے جو اسلام میں جاہلیت کے طریقے تلاش کرے اور تیسرے وہ جو کسی شخص کا ناحق خون بہائے"۔ III - ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ " فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے کسی قوم کے ساتھ (صورتاً بھی) مشابہت اختیار کی وہ (انجام کار) اسی قوم سے (حقیقتاً بھی) ہو جائے گا"۔

تشبہ اور قرون سلف :- فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منع تشبہ میں نہایت قوت سے کام لیا اور اس اصول کے ذریعے اسلامی خصائص کی پوری حفاظت فرمائی وغیرہ ۔

باب دوم میں سرسید کے اعتراضات اور اُن کے جواب ، صحابہ و مشرکین کے لباس ، انبیاء علیہم السلام کے لباس حدیث " لا رہبانیۃ فی الاسلام " کی وضاحت ۔ منکرین کے اعتراضات کے جواب وغیرہ ، مباحث ہیں ۔

۱۰ - سائنس اور اسلام :- مترجم مولانا سید محمد اسحٰق علی ، ۱۹۸۶ء ، لاہور ، ادارۂ اسلامیات ، صفحات ۶۴۸ ۔

یہ کتاب جدید علم کلام کی مشہور عربی درسی کتاب " الرسالۃ الحمیدیہ " جس کے مصنف طرابلس کے مشہور عالم حسین آفندی ہیں ، کا ترجمہ ہے ۔ اس کتاب کو جلد ہی عرب و بیرون عرب ممالک میں قبول عام حاصل ہو گیا ۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر پاک و ہند کے ممتاز مدارس میں داخل نصاب ہے ۔ نفع عام کے پیش نظر مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کا اُردو ترجمہ اپنے شاگرد رشید مولانا سید محمد اسحٰق علی مدرس جامع العلوم کانپور سے کرایا ۔ اُنہوں نے نہ صرف محنت شاقہ سے ترجمہ کیا بلکہ مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا ۔

یہ کتاب کافی عرصہ سے ناپید تھی ۔ ادارۂ اسلامیات لاہور نے اسے جدید پیرایہ میں شائع کروایا اور مولانا قاری محمد طیب کا معروف رسالہ جو اسی نام سے طبع ہو چکا ہے ۔ اس کتاب کے آخر میں شامل کیا ہے جو صفحہ ۵۶۶ تا ۶۴۵ کل ۷۹ صفحات پر مشتمل ہے ۔

کتاب کا یہ حصہ جسے سائنس اور اسلام کے نام سے شامل کتاب کیا گیا ہے ، قاری محمد طیب صاحب کی وہ تقریر ہے جو اُنہوں نے علیگڑھ یونیورسٹی میں کی تھی ۔ اس میں عناصر اربعہ ، اُس کے متعلقات اور اُس پر انسان کے تصرفات ، روح انسانی کی معنوی لطافت و طاقت ، قوائے روح کے غلط استعمال کا نتیجہ ، روحانی طاقتوں کے محیر العقول کارنامے مثلاً حضرت عمرؓ کا منبر نبوی سے حضرت ساریہ کو ہدایت دینا ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان حج کی ندا کرنا ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانی دروازے کے کھلنے کا تذکرہ زمین پر بیٹھے بیٹھے سننا ، حضورؐ کا حارث بن ابی ضرار کے فدیہ کے اُونٹ اور لونڈیاں مع تعداد اُن کے بتلانے سے پہلے بتا دینا ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ کا نقشہ مسجد نبوی کے منبر ہی پر سے معائنہ فرما کر بتا دیا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ حرم میں بیٹھ کر مسجد اقصیٰ کی محرابیں اور طاق تک گن دیئے ۔ حالانکہ اُس زمانے تک دوربین بھی نہیں ایجاد ہوئی تھی ۔ صلوٰۃ خوف میں اپنی عرب کی وادیوں میں آپؐ نے جنت و نار کا مشاہدہ فرمایا ۔ عرفات کے میدان میں شیطان کو ذلیل و خوار

کرتے دیکھا، یوم بدر میں ملائکہ کی فوجوں کے پرے مشاہدہ فرمائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تختِ سلیمانی پر فضاؤں میں پروازیں کیں اور ہواؤں پر حکمرانی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کا سفر کیا۔

مادی تعرف کوئی کمال نہیں۔ انسان میں محتاجگی کی اصل مادہ ہے۔ سائنس اور اسلام کی حقیقتوں کا باہم سے تقاضا۔ مولانا کا یہ رسالہ ۱۹۶۵ء میں دارالاشاعت کراچی نے ۱۱۰ صفحات پر مشتمل علیحدہ بھی چھاپا تھا۔

۱۱۔ انسانیت کا امتیاز :۔ ۱۹۶۶ء، لاہور، ادارہ اسلامیات، کل صفحات ۹۶۔

اس کے موضوعات کا آغاز قرآن پاک کی آیت "وعلّم آدم الاسماء کلّھا" سے کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان بنا اور سجا کر اور ضروریاتِ زندگی سے پُر فرما کر اس میں انسان، حیوانات، جنات اور ملائکہ بسائے۔ پھر انسان کو اس زمین کا اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق وارث ہونے کا مستحق قرار دیا۔ اسلام نے حیوانات کے حقوق کی حفاظت، جنات کے حقوق، جنات کے مذاہب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جنات میں تبلیغ، حیوانات کی تخلیق کا مقصد انسان کی خدمت، ملائکہ کا شریعت سے عاری ہونا، جنات سے تکلیفی خطاب، فرشتوں سے تشریفی خطاب جو اعزازی ذکر بھی ہے۔ انسان سے مستقلاً خطاب کو مستحق علم دین ہے۔

۱۲۔ اصول دعوتِ اسلام :۔ لاہور، ادارہ اسلامیات، صفحات ۱۲۰۔

کتاب و سنّت کی روشنی میں اسلام کے تبلیغی نظام کی وضاحت پر مبنی ہے۔ خود اپنی اصلاح کر کے دوسروں کو صالح بنانا۔ اس کا ذریعہ علم نافع اور خُلقِ عادل ہیں۔ اصلاح نفس کا ذریعہ راہ علم و اخلاق میں مجاہدہ و ریاضت ہے اور اصلاح کا ذریعہ، دعوت و ارشاد، دعوتی پروگرام کا اجمالی تعین "سورۂ نحل پارہ ۱۴" کی آیت، "آپ اپنے رب کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے سے بلائیے اور اُن کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ الخ" سے ہوتا ہے۔ دعوتی پروگرام میں سادگی اور جامعیت ہو۔ دیگر مذاہب کا جائزہ اور اسلام کی جامعیت بحیثیت مبلغ مذہب دعوتی سفر: تعلیمی، اخلاقی، تبلیغی، عباداتی، جلادی، تجارتی۔ اسلام قوم و وطن سے بلند ہے۔ انواع دعوت: حکمت، موعظت، مجادلت وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے۔ کلام داعی کی فصاحت و بلاغت: ترک غفلت و شدت، تاخیر دعوت، اغماض از معیت، مخاطبوں کے ساتھ شفقت و رحمت، نرمی کلام، دعوت کو موثر بنانے کی تدابیر، مخاطبین کی قسمیں، اذکیا یعنی حجت پسند، اغبیاء یعنی ضدی و کج فہم، صلحا یعنی سلامت پسند۔ داعی کے اوصاف: بصیرت، فہم و فراست، دانش و خلق۔ قابلیت کے مناسب طبقات کا انتخاب، سیرت و کردار، دعوت کی علمی تربیت: خشیتِ الٰہی، استغناء، صبر و تحمل، عفو و درگزر۔ وغیرہ اس کتاب کے موضوعات ہیں۔

۱۳۔ دینی دعوت کے قرآنی اصول :۔ ۱۹۶۷ء، دیوبند، مجلس معارف القرآن، صفحات ۱۳۲۔

مصنف نے اس سے قبل اصول دعوتِ اسلام کا جو رسالہ پچیس برس پہلے لکھا تھا۔ جب دیوبند میں ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء مجلس معارف القرآن

قائم کی تو اِس ادارہ کے ایما پر اس مقالے پر دوبارہ نظر ڈالی اور تصنیفی نقطۂ نظر سے رد و بدل اور معتدبہ اضافوں کے ساتھ جدید ترتیب قائم کی۔ پہلے رسالہ میں قرآنی آیت دعوت سے سوا سترہ اصول تبلیغ اخذ کیے گئے تھے، اب اسی آیت سے تقریباً ۷۰ سے زائد اصول و مقاصد مستنبط کئے گئے ہیں۔

۱۴۔ کلمہ طیبہ مع رسالہ کلمات طیبات :۔ ۱۹۷۶ء، لاہور اُدارہ اسلامیات، صفحات ۱۶۰۔

اس کتاب میں کلمہ طیبہ کا قرآنی و حدیث، اجماع اور قیاس سے ثبوت اور کلمہ طیبہ پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات، اور رسالہ کلمات طیبات میں ذکر اللہ کے دس اسلامی کلموں یعنی (۱) تسبیح سبحان اللہ۔ (۲) کلمہ تحمید الحمد للہ۔ (۳) کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ۔ (۴) کلمہ توبہ، استغفر اللہ (۵) کلمہ تعوذ، اعوذ باللہ بمعنی پورا : اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق۔ (۶) کلمہ بسم اللہ۔ (۷) کلمہ توکل : لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ (۸) کلمہ حسبنا اللہ۔ (۹) کلمہ تصلیۃ یعنی درود شریف۔ ان میں نمبر ۵ رہ گیا ہے اور "تلک عشرۃ کاملۃ" کی تشریح میں نمبر ۵ پر ذکر تعوذ و استعاذہ کے عنوان سورۂ فلق اور سورۂ ناس دی گئی ہیں۔

۱۵۔ شہید کربلا اور یزید :۔ ۱۹۷۶ء، لاہور، اُدارہ اسلامیات، صفحات ۲۵ + ۳۰۔

یہ کتاب محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کا مدلل اور مسکت جواب ہے۔ مولانا نے اس کتاب میں حادثہ کربلا کے اسباب و نتائج، سیدنا حسین رضی کے موقف کی وضاحت، آپ کے موقف پر کیے جانے والے اعتراضات کا تحقیقی جواب اور افراط و تفریط سے ہٹ کر علمائے اہل سنت کے مسلک اعتدال کی تشریح ہے۔ محمد سالم قاسمی پیش نظر کتاب پر اظہار رائے کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔

"پیش نظر کتاب "شہید کربلا اور یزید" ترجمان اہل حق حضرت حکیم الاسلام کے حق نگار قلم سے "خلافت معاویہ و یزید" کی تردید اور موقف امام حسین رضی اللہ عنہ کی تائید ہے، علمی فکری، تحقیقی اور مسلکی لحاظ سے حرف آخر کی حیثیت سے پیش کی جاری ہے۔" (۱۳)

مثلاً عباسی کا یہ اعتراض :

حضرت حسین رضی کی صحابیت کی نفی کرنے کے لیے ان کی عمر، وفات نبوی کے وقت پانچ برس ظاہر کرکے عباسی صاحب لکھتے ہیں۔ "اتنی چھوٹی سی عمر میں تمیز کی عمر نہیں ہوتی۔ بعض آئمہ نے ان کے بڑے بھائی حضرت حسن رض کو جو ان سے سال بھر کے قریب بڑے تھے۔ زمرۂ صحابہ کی بجائے تابعین میں شامل کیا ہے" (خلافت معاویہ و یزید ص ۱۲۶)۔

(۱۳) محمد طیب، قاری، مولانا : شہید کربلا اور یزید، ۱۹۷۶ء، لاہور اُدارہ اسلامیات، ص ۳۔

قاری صاحب نے اسی طرح کی پانچ مثالیں عباسی صاحب کی مذکورہ کتاب سے لے کر پھر جوابی بحث چھیڑی ہے،
وہ رقمطراز ہیں :۔

"بہرحال ان پانچوں نمبروں سے جو سطور بالا میں عباسی صاحب کے الفاظ میں پیش کیے گئے
ان کا مطمع نظر اور نظریہ، حضرت حسین رضی کی صحابیت، کردار اور مزاج کے بارہ میں کھل کر سامنے
آجاتا ہے۔ رہ گیا کہ اہل سنت والجماعت کے فقہاء، محدثین، متکلمین اور محقق ارباب تاریخ اس
بارہ میں کیا کہتے ہیں؟ سو معروضات ذیل پر نظر ڈالیے، جس سے اولاً صحابیت کے مسئلہ پر روشنی
پڑے گی، جس کی نفی عباسی صاحب کا منصوبہ ہے"

قاری صاحب نے عباسی صاحب کی "صغیر سنی اور صحابیت کی نفی" میں امام احمد بن حنبل رح کے اس قول کا ذکر بھی کیا ہے کہ "عالم
بن احمد حنبل نے اپنے والد امام احمد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حسن رض بن علی رض کے بارے میں فرمایا کہ وہ ثقہ تابعی تھے"
قاری صاحب اس کے جواب میں رقمطراز ہیں :۔

"جہاں تک صحابیت میں کم سنی کے مانع ہونے کا تعلق ہے۔ اربابِ حسن کے یہاں، وہ کوئی قابلِ
التفات و توجہ بات نہیں۔ عامہ محدثین کے یہاں صحابی وہ ہے جسے ایمان کے ساتھ حضور ؐ
کی لقاء و صحبت میسر آجائے خواہ وہ کسی بھی عمر میں ہو۔" (۱۴)

اس کے بعد امام بخاری رح کا قول نقل کرتے ہیں :۔

"جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی یا آپ کو بحالتِ ایمان دیکھ لیا وہ صحابی ہے" (بخاری جلد اول باب فضائل
اصحاب نبی ؐ)

۱۶ ۔ حدیث رسول ؐ کا قرآنی معیار :۔ سن ۱۹۷۷ء ، لاہور ادارہ اسلامیات ، صفحات ۱۲۸۔

لبقائے دُنیا نام حق سے ہے۔ جب نام حق یا ذکر حق دُنیا سے مٹ جائے گا تو دُنیا بھی ختم ہو جائے گی۔ سابقہ ادیان میں
اُمتوں نے جو تغیر کر دیا بلکہ سرے سے باقی ہی نہ رہے، اُن کی جگہ نئی شریعتیں آتی رہیں۔ دُنیا سے حق منقطع نہ ہوتا کہ فناءِ دُنیا کی
نوبت آتی۔ لیکن ختم نبوت کے بعد اسی آخری دین کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ کی ذات نے لے لیا۔ "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ

---

(۱۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۳ تا ۲۵

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝" مانکی دو صورتیں ہیں۔ رجال محافظ دین ہر صدی کے شروع میں مجدد کی آمد، صدی کے اندر سلف صالحین پیدا کرنے کا وعدہ۔

رسولؐ نورِ مطلق اور ظلمت محض میں واسطۂ وصول ہے۔ بے شمار لفظ لفظ میں سموئے ہوئے علوم و معارف (قرآن) کا اس سے فیضان لانا عامہ خلائق سے بالاتر تھا۔ جبکہ قرآن کریم جیسا کلام جن وانس مِل کر نہیں لاسکتے، کیونکہ قرآن کریم کی کما حقہ فہم کے لیے جو اعجاز درکار ہے اُس سے وہ عاری ہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اپنے مطالب و مرادات کے بیان کرنے کی ذمہ داری خود لے کر اس بارہ میں رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ترجمان بناکر بھیجا۔ محمدؐ ادھر اللہ سے واصل اور ادھر مخلوق میں شامل۔ اِسلیے فہم حدیث کے بغیر فہم قرآن ممکن نہیں۔

قرآن کریم کے نزول اور شرح و بیان کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی۔ نزول قرآن کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات یاد رکھنے کے لیے تکرار فرماتے تھے، تو حکم ہوا "اے پیغمبر زبان مت ہلاؤ، جلدی نہ کرو" پھر ارشاد ہوا وہ جب ہم اس قرآن کو پڑھیں تو آپ سُنتے رہیں نتیجہ کیا ہوگا، ارشاد ہوا ہمارے ذمہ ہے اس قرآن کا آپ کے سینہ میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اسے پڑھا دینا۔"

حدیث نبوی قرآن کا بیان ہے۔ پس اسی بیان کا نام خواہ وہ قولی ہو، عملی ہو، سکوتی ہو یا تقریری، قرآن کی اصطلاح میں بیان ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصطلاح میں اس کا نام حدیث یا سُنت ہے۔ تعدد رواۃ کے اعتبار سے روایات کی چار اقسام ہیں۔ خبرِ غریب، جس کا ایک راوی ہو، خبرِ عزیز جس کے دو راوی ہوں، خبرِ مشہور جس کے تین ثقہ راوی ہوں، خبرِ متواتر: راوی کسی دور میں چار سے کم نہ ہوں اور کثرت سے ہوں، جن کا جھوٹ پر جمع ہونا عادتاً محال ہو۔

ہر قسم کی روایت قرآن کی روشنی میں ہے تمام احادیث کا ماخذ قرآن پاک ہی ہے، اوصاف رواۃ کے اعتبار سے اقسام حدیث، احادیث میں جرح و تعدیل کا معیار بھی قرآن ہے۔ تا قیام قیامت حفاظت قرآن خدا کا ذمہ ہے۔

K۔ خُطبات حکیم الاسلام :۔ مرتبہ محمد ادریس ہوشیارپوری، ملتان کتب خانہ مجیدیہ، ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء

یہ کتاب تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جس میں قاری طیب صاحب کے خُطبات و مواعظ جمع ہیں، جن میں سے اکثر اُن کی ریکارڈ شدہ کیسٹوں سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیے گئے ہیں۔ ان خطبات کو مولانا محمد ادریس ہوشیارپوری نے جمع کیا ہے۔ ان خطبات کے بارے میں مولانا محمد تقی رقمطراز ہیں :۔

"حکیم الاسلام حضرت العلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کی علمی و روحانی شخصیت کا نام نامی آجانا مواعظ و خطبات کی اہمیت و افادیت کے لیے کافی و وافی ہے۔ علوم و معارف پر مشتمل یہ گراں قدر مجموعہ اہل علم، خطباء، آئمہ مساجد اور مقررین و مبلغین کے لیے علم و حکمت۔

کا ایک عظیم سرمایہ ہے۔" (۱۵)

آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہیں ۔ مثلاً ایک شخص کے زمانہ نبوت میں داخل اسلام ہونے کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"آپ کے ہاں یہ ہے کہ ایک شخص مجلس مبارک میں آتا ہے ، وہ کافر بھی ہے مشرک بھی ہے ، بدعقیدہ بھی ہے بدعمل بھی ، ساری خرابیاں اس میں ہیں ، لیکن جونہی دستِ مبارک پر بیعت کر کے واپس ہوتا ہے تو اس حالت میں واپس ہوتا ہے کہ عالم بھی ہے ، عارف بھی ہے ، کامل بھی ہے ، زاہد بھی ہے ، عابد بھی ہے اور متقی بھی ایک دم دِل کے اندر انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔" (۱۶)

۱۸۔ فلسفۂ نعمت و مصیبت کامل : ۔ ۱۹۸۱ء ، لاہور ، ادارہ اسلامیات ، صفحات ۲۳۰ ۔

یہ کتاب مولانا ابوالمسکین محمد لیٰسین کے ایک خط کے جواب میں ، جو انہوں نے جانگیر آباد ، جبل پور شہر سے قاری صاحب کو ارسال کیا تھا اور اُنہیں ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۸ اگست ۱۹۳۸ء کو ملا ۔ اس کے ساتھ دیریہ جماعت جبل پور کے آرگن "مذہب کے آنسو" میں شائع ہونے والا ایک مقالہ بھی تھا جس کا جواب لکھنے کو تحریر کیا گیا تھا ۔ خط میں تاکید تھی کہ جواب محققانہ اور فلسفیانہ ہو اور عقلی اور برہانی رنگ میں ہو ، نقلی اور روایتی رنگ کا نہ ہو ، ورنہ دہریوں میں حجت نہ ہو گا ۔

اس مضمون میں اوّلاً نعمت و مصیبت اور راحت و کلفت کی حقیقت سے پردہ اُٹھایا گیا ہے اور اسی حقیقت کی روشنی میں وہ حقائق پیش کیے گئے ہیں جن میں شبہات مذکور کی بنیادیں منہدم ہو جاتی ہیں ۔ اس کتاب میں ، مذکور مقالے میں اُٹھائے گئے ، آٹھ سوالات کا جواب دیا گیا ہے ۔ کتاب کے بذیل عنوانات سے اُس کے مقاصد اور نفسِ مضمون پر دلالت کرتے ہیں :۔

۱۔ کائنات عالم کی حقیقت اور اسباب عالم سے اس کا علاقہ ، (۲) آفات و مصیبت کا سرچشمہ کہاں ہے ۔ (۳) ۔ آفات و مصیبت کے ورود کی کیفیات ۴۔ انسانی مصائب کی تین نوعیں : تکوینی تغیرات ، اکتسابی آفات ، انتقامی تعزیرات ، (۵) مصائب و آفات کسی وقت بھی خلافِ رحم و کرم نہیں ۔ (۶) ۔ مصائب پر خدا کا شکوہ خلافِ عقل ہے اور کسی وقت بھی جائز نہیں ۔ (۷) نعمت طلبی اور مصیبت سے پناہ جوئی کی دُعا امر طبعی اور عقلاً ضروری ہے ۔ (۸) ۔ مصائب بھی انسان کے حق میں نعمت اور خدا کا انعام ہیں ۔ (۹) مصائب خدا کے وجود اور اُس کی صفات و کمال کے مستقل دلائل ہیں نہ کہ انکار کی وجوہ ہیں ۔ (۱۰) ۔ رفع مصائب کی اہم تدبیر اور خلاصہ و خاتمہ "تلک عشرۃ کاملۃ" ، ہر سوال کے جواب میں دو پہلو ، الزامی

(۱۵) محمد طیب ، قاری ، مولانا ، خطبات حکیم الاسلام ، مرتبہ محمد ادریس ہوشیار پوری ، ۱۹۸۳ء ، ملتان کتب خانہ مجیدیہ ، ج ۲ ، ص ۲۴ ۔

(۱۶) ۔ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۵۹ ۔

تحقیقی اختیار کیے گئے ہیں ۔

۱۹۔ تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام :۔ بار اول مئی ۱۹۸۶ء کراچی ، نفیس اکیڈمی ۔ صفحات ۲۵۲ ۔

مسلمانوں کو ایک طویل عرصہ سے جن خطروں سے دوچار اور مضطرب رہنا پڑ رہا ہے اُن میں مسیحی اقوام کی بالادستی اور انا پسندی سر فہرست ہے ۔ مولانا نے اُن خطروں کو بھانپ لیا تھا اور ان شکوک و شبہات جو مسلمانوں کے ذہنوں میں پیدا کیے جا رہے تھے کہ اُن سے وہ فکری انتشار میں مبتلا ہو جائیں گے ، اِس کے ازالہ کے لیے آپ نے یہ کتاب لکھی اور مسیحی اقوام ، جن میں یہود اور نصرانی شامل ہیں ، کے نظریات و تعلیمات کا تعلیماتِ اسلامی سے موازنہ کر کے اسلام کی عظمت اور برتری ثابت کی ۔ اِس سے نہ صرف مسلمانوں میں پائی جانے والی غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے بلکہ دوسری اقوام کے لیے غور و فکر کی راہیں کھلتی ہیں ۔ اِس کتاب کا ایک ایڈیشن غالباً لطیف صدی پہلے چھپا تھا ، پیش نظر ایڈیشن اِس اعتبار سے دوسرا ہے ۔

۲۰۔ علمائے دیوبند کا دینی رُخ اور مسلکی مزاج :۔ جولائی ۱۹۸۸ء ، لاہور ، اِدارۂ اسلامیات ، صفحات ۱۹۶ + م

یہ تصنیفِ لطیف جو مولانا کی آخری تصنیف ہے ۔ اپنے اندر علم و حکمت کا بڑا خزانہ رکھتی ہے اور افراط و تفریط کے اِس دور میں جبکہ ضرورت ہے کہ راہِ اعتدال نمایاں کی جائے ، یہ کتاب منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے ۔

بذیل نکات اِس کتاب کے مطلب و مقصد کی عکاسی کرتے ہیں :۔

۱۔ اِس کتاب میں علمائے دیوبند سے مُراد وہ حلقہ مُراد نہیں جو دارالعلوم دیوبند میں تعلیم و تدریس ، افتاء و قضا یا موعظت یا تصنیف و تالیف وغیرہ کے سلسلہ میں مقیم رہی بلکہ وہ تمام علماء مُراد ہیں جن کا ذہن و فکر حضرت مجدد الف ثانی ؒ ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ اور بانیانِ دارالعلوم دیوبند سے ملا ہوا ہو خواہ وہ کسی جگہ یا کسی مدرسے سے متعلق ہوں ۔

۲۔ دیوبندیت یا قاسمیت کوئی قومی یا وطنی فرقہ واری نسبت نہیں ، صرف ایک تعلیمی نسبت ہے جو مقامِ تعلیم دیوبند یا مدار روایت شخصیت (حضرت قاسم العلوم) کی نسبت سے معروف ہوگئی ۔ جیسے علیگڑھ کے فضلاء علیگ اور جامعہ ملیہ دہلی کے جامعی اور ندوۃ العلماء کے ندوی کہلاتے ہیں ۔

۳۔ علماءِ دیوبند دینی رُخ اور مسلکی مزاج کے اعتبار سے کُلیتہً اہلسنت والجماعت ہیں ۔

۴۔ نصوصِ شرعیہ سے اہل سُنت والجماعت کے فضائل و مناقب اور خصوصیات مستفاد ہوتی ہیں ۔ علمائے دیوبند نے جن وعن انہی کے راستہ کو اختیار کیا ہے ۔

۵۔ اِس مقالہ میں صاحب مقالہ نے بقول اصول کی حد تک مسئلہ کو مسئلہ کی حیثیت سامنے رکھ کر ایک میزان و ترازو کے طرح کیا گیا ہے ۔

۶۔ اس مقالہ میں بیان شدہ اصول تربیت و ذہن سازی کے تحت، سلف جیسی تعلیم و تدریس پر زور دیا گیا ہے۔

۷۔ جس طرح دین اسلام ادیانِ عالم میں اپنی روایت و درایت اور اصول و فروع کے لحاظ سے اعدل الادیان ہے۔ اسی طرح مذہب اہلِ سنت والجماعت بلحاظ اساس و بنیاد اعدل المذاہب ہے۔

۸۔ اس تحریر کے تین اجزاء ہیں۔ (ا)۔ اہلسنت والجماعت کا مذہب و مسلک کتاب و سنت کی روشنی میں (ب)۔ علمائے دیوبند کے مسلک و مشرب کی اس سے تطبیق، (ج)۔ اس تطبیق اور جامعیت کی فن وار نوعیں۔

۹۔ بعض جگہ بسلسلہ تطبیق مضمون میں تکرار محسوس ہوگی۔ لیکن تطبیق کے سلسلہ میں ایسا کرنا ضروری تھا۔

۱۰۔ اس سلسلہ کے چند مضامین مولانا نے پہلے لکھے، اُن کی تفصیل۔ کیا موضوع تھا۔ کب چھپا۔

—— xxx ——

سید محمد میاں

حالاتِ زندگی :۔

مولانا سید محمد میاں کا تاریخی نام مظفر میاں ہے ۔ آپ دیوبند کے سادات رضویہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگردِ رشید، محدث اور مصنف تھے ۔

پیدائش :۔

قاری فیوض الرحمٰن نے دسمبر ۱۹۰۳ء مطابق جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ لکھی ہے ۔ (۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۰۳ء مطابق ۱۳۲۱ھ اور مقام پیدائش ضلع بلند شہر لکھا ہے ۔ (۲) جبکہ رفاقت لیلیٰ نے ۱۲ رجب ۱۳۲۱ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۰۳ء درج کی ہے اور مقام پیدائش دیوبند کا محلہ "سرائے پیرزادگان" لکھا ہے ۔

ابتدائی تعلیم :۔

آپ کے والد کا نام منظور محمد تھا جو محکمہ رجسٹری میں ملازم تھے ، والدہ بھی سید گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں ۔ چونکہ آپ کے والد بسلسلہ ملازمت موضع بچرول (ضلع بلند شہر) میں قیام پذیر تھے ۔ یہاں کوئی تعلیمی ادارہ نہ تھا ۔ اسلئے سید محمد میاں کو نانی صاحبہ نے بسم اللہ کرادی ۔ وہ بڑی عبادت گزار اور نیک نفس خاتون تھیں ۔ اُن کی تربیت کے اثرات ابتدا ہی میں محمد میاں پر مرتب ہوئے ۔ اُن کے والد کا جلد ہی قصبہ سیرہ (ضلع بلند شہر) میں تبادلہ ہو گیا ۔ یہاں دینی تعلیم کا ایک مکتب تھا جہاں آپ کو داخل کرا دیا گیا ۔ یہاں کے ایک میاں جی سے آپ نے قرآن پاک پڑھا ۔ پھر آپ کے والد کا تبادلہ ہیلونہ میں ہو گیا ، وہاں خلیل احمد نامی ایک صاحب جن کا پیشہ جلد سازی تھا فارسی خوب جانتے تھے ، سید محمد میاں کو اُن کے سپرد کر دیا گیا تاکہ فارسی پڑھیں ۔ آپ کے والد کے مسلسل تبادلوں کی وجہ سے یہ سب انتظام عارضی تھا ۔

خاندان کے عام رواج کے مطابق انگریزی پڑھنے کے لیے آپ کا داخلہ کسی سرکاری سکول میں کروانا تھا ۔ لیکن داخلہ کثیر المعارف ہونے کی وجہ سے نہ ہو سکا ۔ اور ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے درجہ فارسی میں داخل کروا دیا گیا ۔ فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کے درجات میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۴ء میں سندِ فراغت حاصل کی ۔ (۳)

---

(۱) فیوض الرحمٰن ، قاری : مشاہیر علمائے دیوبند ، المکتبۃ العزیز ، لاہور ، طبع اول سن ۱۹۷۶ء ، ص ۱۲۵ ۔

(۲) محبوب رضوی ، مولانا : مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند ، کتب خانہ مرکز علم و ادب ، کراچی ، سن ۱۹۸۳ء ، ص ۱۰۱ ۔

(۳) رفاقت لیلیٰ ، سید محمد میاں بحیثیت مؤرخ ، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم ۔ اے تاریخ ، شعبہ تاریخ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۸ تا ۱۱ ۔

مشہور اساتذہ :- مولانا انظر شاہ نے نقشِ دوام میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے تلامذہ کی فہرست میں .... بمبر شمار، ۱۰ پر سید محمد میاں کا نام درج کیا ہے - (۴)

آپ نے علامہ محمد انور شاہؒ سے دورۂ حدیث پڑھا، مولانا محمد ابراہیمؒ بلیاوی سے منطق اور فلسفہ ، مولانا اعزاز علی سے فقہ اور ادب، میاں سید اصغر حسین سے سُنن ابی داؤد پڑھی ۔ (۵)

تدریس :- مارچ ۱۹۲۰ء مطابق جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ میں جمعیۃ العلمائے ہند کا دوسرا اجلاس کلکتہ میں زیرِ صدارت علامہ سید سلیمان ندویؒ منعقد ہوا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور دارالعلوم دیوبند کے دوسرے اکابر بھی شریک ہوئے ۔ واپسی پر مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد کے ارکان نے علامہ کشمیری سے ایک ایسے مدرس کی استدعا کی جو عربی تحریر و تقریر اور فن ادب سے واقفیت رکھتا ہو ۔ دیوبند پہنچ کر علامہ کشمیری نے مولانا اعزاز علی کے مشورے سے سید محمد میاں کو منتخب کرکے بھیجا ۔ آپ وہاں قریباً ساڑھے تین سال تک رہے ۔ اولاً آپ کو کچھ دشواریاں پیش آئیں لیکن بعد میں اہل مدرسہ آپ سے بہت مانوس ہوئے ۔ آرہ میں قیام کے دوران صوبہ بہار کے دوسرے اضلاع کے علماء کے ساتھ آپ کا تعارف و تعلق ہوگیا۔ آرہ کے مدرسہ کو کچھ سرکاری امداد ملتی تھی جو مسلک دیوبند کے منافی تھی۔ یہاں یونیورسٹی کے مدرجات فاضل کی تیاری بھی کرائی جاتی تھی جسکی وجہ سے آپ یہاں سے دل برداشتہ رہے ۔ آپ کسی ایسے مدرسہ کے خواہاں تھے جو دارالعلوم دیوبند کی طرح سرکاری امداد و اثرات سے بالکل پاک ہو ۔

حُسنِ اتفاق سے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مُرادآباد میں ایک ایسے اُستاد کی ضرورت محسوس ہوئی جو درجات علیا کی تعلیم دے سکے ۔ اس جگہ کے لیے اکابر دیوبند خصوصاً مولانا حبیب الرحمنؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے آپ کا نام تجویز کیا اور سفارش کی ، مولانا اعزاز علی نے تائید کی ، قریباً ساڑھے تین سال آرہ شاہ آباد میں گزارنے کے بعد جامعہ قاسمیہ میں آگئے ، جہاں ۱۹۴۶ء / ۱۳۶۵ھ تک پڑھاتے رہے ۔ اُستاد کا کام بھی مُرادآباد ہی سے شروع ہوا اور اخیر وقت تک جاری رہا ۔ (۶)

مُرادآباد کے بعد جمعیۃ العلمائے ہند کے ناظم مقرر ہوئے ۔ ایک سال تک ناظم اعلیٰ کے عہدہ پر فائز رہے ۔ جمعیۃ العلماء کے مخلص اور کارگزار رہنما تھے ۔ برطانوی دور میں کئی مرتبہ قید و بند سے گزرنا پڑا ۔ (۷)

---

(۴) انظر شاہ ، مسعودی : نقشِ دوام ، مکتبۃ البنوریہ ، کراچی ، سن ندارد ، ص ، ۱۹۷ -

(۵) رفاقتِ لیلیٰ ، سید محمد میاں ، بحیثیت مؤرخ ، غیر مطبوعہ مقالہ ، ایم ۔ اے علوم تاریخ ، شعبہ تاریخ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ، ص ، ۱۰، ۱۱ -

(۶) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۲، تا ۱۴ -

(۷) محبوب رضوی ، مولانا ؛ مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند ، برحم کتب خانہ مرکز علم و ادب ، کراچی ، سن ، ۱۹۸۳ء ، ج ، ۲ ، ص ، ۱۵۱ -

جمعیۃ العلماء کا نظام بدل جانے سے مولانا کو جمعیت کے کاموں سے فرصت ملی تو مدرسہ امینیہ دہلی (کشمیری گیٹ) میں بحیثیت اُستاد درس دینا شروع کیا۔ مدرسہ امینیہ دہلی کو مفتی کفایت اللہ صاحب کے دور سے فتویٰ نویسی میں مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ مفتی صاحب کے انتقال کے بعد شعبہ اُفتاد میں خلا تھا۔ مولانا نے انتہائی انہماک سے اس شعبہ کی طرف بھی توجہ کی اور افتاء کے کام کو بھی نہایت توجہ سے انجام دینا شروع کیا۔

مدرسہ امینیہ دہلی میں بحیثیت شیخ الحدیث و صدر مفتی ۱۹۶۵ء / ۱۳۸۵ھ سے آخر دم تک فرائض انجام دیئے۔ (۸)

سلسلہ بیعت :-

آپ نے ۱۹۲۹ء مطابق ۱۳۴۸ھ میں مولانا حسین احمد مدنی سے بیعت کی اور ۱۹۶۳ء مطابق ۱۳۸۲ھ تک سلوک کی تکمیل کی۔

رفاقت یٰسین رقمطراز ہیں :-

"مولانا سید محمد میاں نے تصوف کی تعلیم تو مکمل کر لی تھی، لیکن چونکہ اُن کی زیادہ تر توجہ لکھنے پڑھنے کی طرف ہو گئی تھی اسلیے آخری تعلیم کو زیادہ مکمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ چونکہ آپ دوسرے مشاغل میں بہت زیادہ معروف ہو گئے تھے اسلیے آپ کو خلافت نہ مل سکی، لیکن آپ کے بڑے بیٹے مولانا سید حامد میاں چونکہ تعلیم کی فراغت کے بعد ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے ایک سال بیکار رہے۔ اس وجہ سے اُنہیں خلافت کی تکمیل کا موقع ملا" (۹)

علالت اور وفات :- مولانا کو خونی بواسیر کا عارضہ تھا۔ جس کا دورہ ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۷۵ء سے شروع ہوا۔ باوجود کثیر خون کے اخراج کے، اپنے بہنوئی کی وفات پر ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۷۵ء کو مراد آباد کا سفر کیا اور روزہ سے رہے۔ رمضان کے بعد ڈاکٹروں نے تجویز کیا کہ خون کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن آپ نے پسند نہ کیا۔ ماس کا بدل جوس وغیرہ کا استعمال تھا، لیکن اشتہا ختم ہو چکی تھی۔ کمزوری بڑھتی گئی۔ ایک عزیز، حافظ طاہر وفات سے دو دن پہلے مزاج پرسی کے لیے آئے تو کہنے لگے " بھائی! میں تو آیت تلاوت کر رہی ہوں

---

(۸) رفاقت یٰسین : سید محمد میاں، بحیثیت مورخ، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔ اے، شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۲۳۳-۲۳۴

(۹) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

آخر ۱۶ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء بروز بدھ ساڑھے چھ بجے شام مالک حقیقی سے جا ملے۔ (۱۰)

سید محبوب رضوی نے تاریخ وفات ۱۶ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء اور عمر ۷۴ سال لکھی ہے۔ آپ کا مزار دہلی میں ہے۔ (۱۱)

آپ کی نماز جنازہ شاہ ابوالخیر قدس سرہ کے صاحبزادے مولانا زید ابوالحسن نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں مسلم وزراء اور مسلم ممالک کے سفراء نے بھی شرکت کی۔

اولادیں :۔ مولانا سید محمد میاں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے دو لڑکے: طارق میاں، جو بچپن ہی میں انتقال کر گئے، اور مولانا حامد میاں جو آج کل جامعہ مدنیہ کریم پارک کے سربراہ ہیں۔

پہلی بیوی کی وفات کے بعد انہوں نے دوسری شادی کی، دوسری بیوی سے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بڑے بیٹے خالد میاں ہیں جو جرمنی میں ہیں۔ دوسرے بیٹے شاہد میاں ہیں (جو پی ایچ ڈی ہیں) دہلی میں ہیں۔ تیسرے بیٹے کچھ عرصہ سعودی عرب میں رہنے کے بعد دہلی واپس آگئے ہیں۔

آپ کی ایک بیٹی دہلی میں اور دو دیوبند میں رہائش پذیر ہیں۔ (۱۲)

خدمات زبان اردو

سید محبوب رضوی رقمطراز ہیں :۔

> " مولانا سید محمد میاں صاحب بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، فقہ اور تاریخ پر انکی گہری نظر تھی، وہ نامور مصنف اور مؤرخ تھے، جمعیۃ العلمائے ہند کی تاریخ میں انکی سیاسی اور تصنیفی خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی، علمائے حق کے مجاہدانہ کارنامے، سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تاریخ الاسلام عہد زریں، پانی پت اور بزرگان پانی پت، تحریک شیخ الہند اور حدیث میں۔

---

(۱۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۶۰ -

(۱۱) محبوب رضوی، سید، مولانا : مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب، کراچی - سن ۱۹۸۳ء ج ۲ - ص ۱۵۲ -

(۱۲) رفاقت لیلین، سید محمد میاں، بحیثیت مؤرخ، غیر مطبوعہ مقالہ، برائے ایم - اے تاریخ، شعبہ تاریخ - پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۲۷ -

مشکوٰۃ الآثار جو دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں شامل ہے۔ اُن کی اہم
تصانیف ہیں۔ جمعیۃ العلمائے ہند کا تعلیمی نصاب جو "دینی تعلیم کا رسالہ" کے
نام سے موسوم ہے، انہی کی اشاعتِ قلم کا نتیجہ ہے" (۱۳)

سید محمد میاں کی تصانیف اُردو زبان و بیان میں گرانقدر اضافہ ہیں۔ اُن کی تصانیف کے مطالعہ سے مولانا کی مختلف علمی حیثیتوں کا اندازہ ہوتا ہے اور اُن حیثیتوں کا تعین کرنے میں دشواری پیش نہیں آتی۔ مثلاً بحیثیت مورخ اُن کی تصانیف، علمائے ہند کا شاندار ماضی، علمائے حق کے مجاہدانہ کارنامے، عہد زریں، مختصر تذکرہ خدمات جمعیۃ العلمائے ہند، ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں، پیش کیجا سکتی ہیں۔ بحیثیت محقق مولانا منفرد نظر آتے ہیں اُنہوں نے اپنی بعض تصانیف میں تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ مثلاً مولانا مودودی کی کتاب، خلافت و ملوکیت جس سے اکثر علماء اور دینی طبقہ نہ صرف ناراض بلکہ برانگیختہ ہوئے کے جواب میں شواہد تقدس میں مولانا مودودی کے صحابہ پر بالخصوص حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کا محققانہ جواب دیکر ثابت کیا کہ مولانا مودودی تلبیس و تدلیس کے مرتکب ہوئے سیرت نگار کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسیران مالٹا، حیات شیخ الہند اُنکی تصانیف ہمارے سامنے ہیں۔ انہوں نے تاریخ اسلام، مسئلہ تعلیم اور مظاہر کائنات مثلاً چاند تارے اور آسمان پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ علاوہ ازیں مدارس کے لیے عام فہم زبان میں دینی کتب مثلاً دینی تعلیم کے رسائل بارہ حصص، روزہ و زکوٰۃ، ہمارے پیغمبر، تعلیم پر خاص رسائل کرکے دینی اُدب کی ترویج میں نمایاں کام کیا۔ (۱۴)

شاعرانہ ذوق:۔ قاری فیوض الرحمٰن رقمطراز ہیں:۔

"آپ کے بارے میں مشہور عربی شاعر حافظ عبدالمنان دہلوی کو کہتے
سُنا گیا ہے کہ جب میرے اشعار کی اصلاح مولانا حامد میاں صاحب اور کتابت
حضرت نفیس شاہ صاحب کرتے ہیں تو مجھے مسرت ہوتی ہے۔ آپ اُردو
عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں شعر کہہ لیتے ہیں" (۱۵)

---

(۱۳) محبوب رضوی، سید، مولانا، مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب، کراچی، طبع ۱۹۸۳ء، ج ۲، ص ۱۵۲-
(۱۴) تبصرہ: راقم الحروف
(۱۵) فیوض الرحمٰن، قاری، مولانا، "مشاہیر علمائے دیوبند" المکتبۃ العزیزیہ، لاہور، طبع اوّل، ۱۹۷۶ء، ص ۱۲۶-

تصانیف پر تبصرہ :-

ذیل میں مولانا کی چند خاص کتب پر مختصر تبصرہ درج کیا جاتا ہے :

تحریک شیخ الہند :-

تحریک شیخ الہند جسے انگریز مورخوں نے ریشمی رومال کی سازش (SILK LETTER CONSPIRECY) کا نام دیا ہے ، سال ہا سال سے پردہ اخفا میں پڑی تھی ، اسکے بارہ میں مختلف چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں - اصل حالات کا کسی شخص کو علم نہ تھا ، مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا حسین احمد مدنی کی تحریریں بھی اس معاملہ میں وقیع معلومات کا ذریعہ نہ تھیں - حکیم نصرت حسین مالٹا میں فوت ہو چکے تھے ، مولانا عزیز گل نے ہمیشہ لب لیساقی سے کام لیا - بعض علماء نے سوء نے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا - جس سے شیخ الہند اور اُن کے رفقاء کی سعی بے سود نظر آنے لگی -

مولانا سید محمد میاں تحریک آزادی کے راہنما اور شیخ الہند اور مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ وابستگی کی بنا پر اس حقیقت کو عوام کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے - برطانوی حکومت کے قواعد کی روشنی میں سرکاری فائلیں عوامی دسترس سے پچاس سال تک دور رکھی جاتی تھیں اور پچاس سال بعد سکالرز کو استفادہ کی اجازت ملتی تھی -

تحریک ریشمی رومال پر پچاس سال گزرنے کے بعد ، جونہی استفادہ کی اجازت ملی ، مولانا نے اس فائل کا عکس منگوا کر انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کروایا اور اس ریکارڈ کی مدد سے تحریک شیخ الہند کے نام سے کتاب مرتب کی جس میں گلہائی - ڈی کی رپورٹ کی مدد سے دو سو سے زائد افراد کی پوری ڈائریکٹری مرتب کر دی - مولانا کی یہ کاوش قابل تحسین ہے اور اُردو ادب میں اس موضوع پر بلا واسطہ ایسا تحقیقی مواد ہے - جو اس میدان میں شائقین تحقیق کیلئے ایک گرانقدر ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے - اگرچہ اس کتاب کے دیباچہ جو صفحہ ۲۷ سے ۱۱۰ تک ہے میں مصنف کی بعض تاریخی غلطیوں کی بھی نشاندہی ہوئی ہے - (۱۵)

شواہد تقدس :-

مولانا مودودی کی تصنیف خلافت و ملوکیت کے خلاف دینی حلقوں میں شدید رد عمل ہوا - اس رد عمل کے نتیجہ میں مولانا محمد اسحق سندیلوی کی "اظہار حقیقت" صلاح الدین یوسف کی تالیف "خلافت و ملوکیت" "قرآن و سُنت کی روشنی میں" علامہ محمود عباسی کی "تحقیق مزید" اور "خلافت معاویہ و یزید" اور مولانا سید

(۱۵) رفاقت لیلیٰ : سید محمد میاں ، بحیثیت مورخ ، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم - اے تاریخ ، شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ۳۹ تا ۴۱

محمد میاں کی "شواہد تقدس" سامنے آئی ۔ مولانا نے اپنی تالیف شواہد تقدس میں مولانا مودودی کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اس کا تسلی بخش جواب دیا۔ اور صحابہ کرام اور حضرت عثمانؓ کی برات قرآن و حدیث اور تاریخی شواہد سے ثابت کرتے ہوئے خلافت و ملوکیت کو سخن سازی اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف قرار دیا۔

علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد اوّل :-

یہ کتاب سید محمد میاں کی بہترین تصنیف شمار ہوتی ہے ۔ چار حصوں میں ہے ۔ پہلے دہلی اور پھر لاہور سے طبع ہو چکی ہے مولانا نے علمائے حق اور علمائے سوء میں فرق کرنے ، عوام کو علمائے حق سے متعارف کرانے اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالنے کے لیے "علمائے ہند کا شاندار ماضی" لکھی ۔ پہلی جلد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ ، اُن کے فرزندوں ، خلفاء اور اُن کے ہم عصر علمائے حق کے کارنامے بیان کیئے ہیں ۔ اکبر کے زمانے میں اسلام کی جو بیخ کنی ہوئی ، اُس کا اجمالی سا خاکہ "مکتوبات امام ربانی" — "تبلیغ الرجال" اور "منتخب التواریخ" میں نظر آتا ہے ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اسلام پر اعتراضات کے حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جہانگیر کے عہد میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں ، جہانگیر کو نفاذ شریعت کے لیے متعدد خط لکھے ، اکبر اور جہانگیر کے درباری امراء کو بار بار اس امر کی نصیحت کی کہ اُنہیں جب بھی موقع ملے بادشاہ کو نفاذ شریعت کی طرف آمادہ کریں ۔

مجدد الف ثانیؒ نے سینکڑوں مریدوں کو تربیت دے کر خلافت سے نوازا اور اُنہیں مختلف شہروں میں عوام کی راہنمائی کے لیے مامور کیا ۔ مجدد صاحبؒ کے علاوہ اس زمانے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ، شیخ محمد بن طاہر ، شیخ داؤد شیر گڑھی ، شیخ وجیہ الدین گجراتی اور خواجہ خاوند محمود نے بھی حالات کو درست کرنے کی کوشش کی ۔ کتاب کا پہلا حصہ اکبر سے کر اورنگ زیب کے عہد پر محیط ہے چونکہ مولانا مناظر احسن گیلانی کی تالیف "تذکرہ مجدد الف ثانیؒ" اور اس کتاب میں کافی مماثلت ہے ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید محمد میاں نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے ۔

علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد دوم :-

اس جلد کا آغاز حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے ہوتا ہے ۔ شاہ ولی اللہ کی تحریک ، اُن کی تعلیمات کا احاطہ کرنے کے علاوہ شاہ عبدالعزیزؒ کے عہد کے سیاسی حالات ، سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل کی تحریک اور اٹھارویں صدی میں برعظیم میں مختلف متحارب طاقتوں مثلاً شاہان اودھ اور حافظ رحمت خان کے باہمی جھگڑے ، روہیلوں اور مرہٹوں کی چپقلش اور سکھ حکومت کے آغاز کا ذکر کیا ہے ۔ سعودی عرب میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک احیاء دین اور آل سعود کے سیاسی عروج کا ذکر بھی کیا ہے ۔

علمائے دیوبند خود کو شاہ ولی اللہؒ کا پیروکار بتاتے ہیں اور دیوبند کے مدرسہ کو شاہ صاحبؒ کے مدرسہ رحیمیہ کا احیاء سمجھتے

ہیں۔ اِس حصہ میں سید محمد میاں نے جس انداز سے شاہ ولی اللہ اور اُن کے جانشینوں کے مجاہدانہ کارنامے بیان کیے ہیں اِس سے شاہ ولی اللہ اور اُن کی تحریک کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو کوتاہیاں پہلی جلد میں ہوئی ہیں، یہ جلد اُن سے پاک ہے۔

عُلمائے ہند کا شاندار ماضی جلد سوم:۔

اِس حصے کی ترتیب وتدوین میں مولانا نے عُلمائے صادق پور اور خصوصاً مولانا عبدالرحیم کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری کی تواریخ العجیب اس سلسلے کی اہم کتاب ہے۔ مولانا نے اِس سے بھی کما حقہٗ استفادہ کیا ہے۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر نے "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں مجاہدین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ اِسکا بھی تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اِسلیے یہ حصہ ایک مستند تاریخی دستاویز بن گیا ہے۔ مولانا غلام رسول مہر اور مولانا عبیداللہ سندھی نے بھی اِس موضوع پر قلم اٹھایا ہے لیکن مولانا کا انداز یہ خیال ہے۔

عُلمائے ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم:۔

جن عُلماء مجاہدین نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مالی وجانی قربانیاں دیں، مولانا نے "عُلمائے ہند کا شاندار ماضی" کی چوتھی جلد میں اُن کے حالات وواقعات قلمبند کیے۔ اِن مجاہدین نے قربانیاں صرف بہادر شاہ ظفر کو بحال کرنے کی خاطر نہیں بلکہ ہندوستان پر اسلامی حکومت کے قیام کے لیے دیں۔ عُلمائے حق کے اِس گروہ نے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے ہاتھ پر بیعت کرکے اُنہیں اپنا امام مقرر کیا۔ مولانا محمد قاسم کو لشکر کا امیر اور مولانا رشید احمد گنگوہی کو لشکر کا قاضی مقرر کیا گیا۔ شاملی کے میدان کارزار میں جب حافظ محمد ضامن شہید ہوئے تو مولانا رشید احمد گنگوہی میت اپنے کندھوں پر اٹھا کر تھانہ بھون پہنچے اور خانقاہ امدادیہ سے کچھ فاصلے پر قبرستان "عشق بازاں" میں دفن کیا۔ انگریز جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو دبانے میں کامیاب ہوگئے تو بازارِ انتقام گرم ہوا۔ حاجی صاحب نے مکہ مکرمہ کی راہ لی، مولانا قاسم بھی بچ گئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی گرفتار ہوئے لیکن چھ ماہ کے بعد انگریزوں نے چھوڑ دیا۔

انگریزوں نے ہزاروں عُلماء کو قتل کردیا۔ بہت سے عُلماء کو توپ کے دہانوں کے سامنے رکھ کر اُڑا دیا۔ دہلی میں فوارے کے قریب ہر روز شام کو حریت پسندوں کو پھانسی دی جاتی تھی۔ لکھنؤ میں سرکٹا نالے کے کنارے حریت پسندوں کے سر قلم کیے جاتے۔ سید محمد میاں نے اُن تمام عُلماء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

یہ کتاب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ایک بہترین دستاویز ہے۔ (۱۶)

عُلمائے حق اور اُن کے مجاہدانہ کارنامے حصہ اوّل :۔

یہ کتاب دراصل "عُلمائے ہند کا شاندار ماضی" کا ضمیمہ یا پانچویں جلد ہے۔ جنگ آزادی کے اختتام پذیر ہونے پر اسکی تمام تر ذمہ داریاں انگریزوں نے مسلمانوں پر ڈالیں اور مسلمانوں سے جو سلوک کیا اُسکے اشارے ماقبل سطور میں آچکے ہیں۔ مسلمانوں کو مالی اور جانی سزائیں دی گئیں۔ اُن کی منقولہ اور غیر منقولہ جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ بھاری جُرمانے کیے گئے۔ خطوط غالب اس پر شاہد ہیں کہ دہلی کے محلے کے محلے صاف کر دیے گئے۔

ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی کی بجائے براہِ راست تاج برطانیہ کے ماتحت ہو گیا اور انگریزوں کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ انگریز اور ہندوؤں کے اکثریتی علاقے میں مسلمانوں کا جینا دوبھر ہو گیا۔

مسلمانوں کے اس نقصانِ عظیم کی تلافی کے لیے دارالعلوم دیوبند کی بُنیاد رکھی گئی جو جلد ہی ایک تحریک اور مکتبِ فکر کی شکل اختیار کر گیا۔ اسکے بانیوں میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا ذوالفقار علی، حاجی محمد عابد حُسین شاہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی شمار ہوتے ہیں۔ ان عُلماء نے لوگوں کو انگریزوں کی معاشرت اختیار کرنے سے روکا اور انگریزوں کے ساتھ نفرت کو بقول شیخ الہند جزوِ ایمان بنا دیا۔ شیخ الہند نے اس صدی کے آغاز میں برصغیر کو انگریزوں کے تسلط سے چھڑانے کی عملی جدوجہد کی۔ مولانا عبیداللہ سندھی کو کابل بھیجکر افغانستان کی حکومت کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ حاجی ترنگ زئی اور مولانا فضل ربی کے توسط سے سرحد پر آباد قبائل کو حملے کے لیے تیار کیا۔ جنگ عظیم کی وجہ سے انگریزی فوجیں ہندوستان سے باہر تھیں۔ شیخ الہند خود مکہ چلے گئے اور تُرک گورنر کے توسط سے ترکی حکومت کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ تاکہ جرمنی اور تُرکی فوجیں افغانستان اور آزاد قبائل کی پیروی کرتے ہوئے ہندوستان پر حملہ آور ہوں۔ یہ موقع ہر لحاظ سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے موزوں تھا۔

بدقسمتی سے مولانا عبیداللہ سندھی نے افغانستان سے اسی تفصیل پر مبنی ایک خط جو ایک ریشمی رومال پر فنکاری سے لکھا گیا تھا اور صدری میں سلائی کر کے قاصد کے ہاتھ ارسال کیا گیا تھا۔ جسے شیخ الہند تک پہنچانا تھا۔ لیکن ایک انگریز پرست خان بہادر رب نواز خان نے قاصد سے بھید اگلوا لیا اور اُسے انگریز کمشنر کے سامنے پیش کر دیا۔ اس طرح یہ راز فاش ہو گیا۔

(۱۶) رفاقت لیئق، سید محمد میاں بحیثیت مؤرخ، غیر مطبوعہ مقالہ ایم۔ اے تاریخ۔ شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۵۱ تا ۵۵۔

اور شیخ الہند اور مولانا حسین احمد مدنی کو حسین شریف مکہ کی مدد سے گرفتار کر لیا گیا ۔ علاوہ ازیں قریباً دو صد افراد کی گرفتاریاں عمل میں آئیں ۔ شیخ الہند اور اُن کے رفقاء کو جزیرہ مالٹا میں نظر بند کر دیا گیا ۔ وہ ۱۹۲۰ء میں رہا ہوئے اور چھ ماہ بعد اُن کا انتقال ہو گیا ۔ اُن کے تلامذہ میں ، مولانا شبیر احمد عثمانی کی علمی اور سیاسی خدمات اور تحریک پاکستان حصہ قابل ذکر ہیں ۔ قیام پاکستان کے موقع پر قائدِ اعظم نے اپنی کے مقدس ہاتھوں سے پاکستان کا پرچم لہرایا ۔ مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی ، مولانا حسین احمد مدنی کی خدمات ، مولانا محمد انور شاہ کشمیری کا علمی مقام خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنے اُستاد کی مسند پر صدر مدرس دیو بند کے فرائض انجام دیئے بلکہ درسِ حدیث میں امام بخاریؒ ، امام مسلم اور امام ترمذی کی یاد تازہ کر دی ۔

علمائے حق اور اُن کے مجاہدانہ کارنامے جلد دوم :-

رفاقت لیلین رقمطراز ہیں :-

> " مولانا سید محمد میاں کی یہ تصنیف ہمارے پاکستانی نقطۂ نظر سے بڑی قابلِ اعتراض ہے ۔
> ہماری یہ دیانتدارانہ رائے ہے کہ مولانا نے ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک مسلمانوں
> کی مشکلات ہندوؤں کے عزائم اور مسلمانوں کے سیاسی موقف کو سمجھنے میں غلطی کی ہے ۔
> اور انہوں نے یہ کتاب بڑی جانبداری کے ساتھ لکھی ہے ۔ " (۱۷)

۱۹۳۷ء میں جب ہندوستان کے چھ صوبوں میں کانگریسی وزارتیں قائم ہوئیں ۔ اپنے دورِ اقتدار میں کانگرسی حکومتوں نے مسلمانوں کا پر حیات نہ میں عرصہ حیات تنگ رکھا ۔ حتیٰ کہ دو سال بعد کانگرسی وزارتیں مستعفی ہوئیں تو قائدِ اعظم نے " یوم نجات " منایا ۔ راجہ صاحب پیرپور اور مولوی ابوالقاسم فضل الحق کی مختلف علاقوں کے بارے میں رپورٹوں کو مولانا نے مسلم لیگ کے واویلا کا نام دیا ۔ کانگرسی وزارتوں کے زمانے میں مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے ، اُنہوں نے مسلمانوں کو الگ وطن کی سوچ پر مجبور کر دیا اور بالآخر ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے منٹو پارک میں تاریخی قرارداد پاکستان منظور ہوئی ۔

اس کتاب میں مولانا سید محمد میاں نے ہر جائز و ناجائز کام میں کانگرس کی حمایت کی ہے اور مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کو سمجھنے سے پہلوتہی کی ہے ۔ مولانا کی تحریریں اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ کانگرس سے وابستہ علماء نے مسلمانوں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور ہر حال میں کانگرس کا دم بھرتے رہے ۔ اس کتاب میں یہ تاثر بھی دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک

(۱۷) رفاقت لیلین : سید محمد میاں بحیثیت مورخ ، غیر مطبوعہ مقالہ ، برائے ایم ۔ اے تاریخ ، شعبہ تاریخ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، لاہور ، ص ، ۶۰ ۔

مسلمانوں کی سیاست پر مولانا مدنی ہی چھائے تھے۔ سلہٹ اور سرحد کے ریفرنڈم، تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال کے بارہ میں بھی مولانا کانگرسی نقطۂ نظر کے قائل تھے۔ یہ کتاب اُس زمانے کی تاریخ ہے جب دو قومی نظریہ اُبھر رہا تھا اور مولانا اس کے حق میں نہ تھے۔ پاکستانی نقطۂ نظر سے یہ کتاب قابلِ اعتراض ہے اور اُردو زبان میں تاریخی معلومات (قطع نظر نقطۂ نظر کے) سے بھرپور ہے۔

مولانا سید محمد میاں بحیثیت مورخ :-

مولانا بنیادی طور پر ایک وسیع العلم عالم دین تھے، سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیتے رہے۔ جمعیۃ العلمائے ہند کے سیکرٹری رہے۔ ان کا تاریخی مطالعہ ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ گروہ علماء میں ان کا وجود غنیمت تھا۔ ان کی تصانیف کی وجہ سے مسلم دورِ حکومت کی نمایاں خصوصیات اور تحریکِ آزادی میں مسلمانوں کی خدمات کے اہم واقعات سامنے آئے۔

مولانا نے حضرت شاہ ولی اللہ سے لے کر اپنے دور تک علماء کی مذہبی، سیاسی اور علمی خدمات کو اپنے قلم سے اس قدر اجاگر کر دیا کہ مولانا کی تصانیف مؤرخوں کے لیے قیمتی سرمایہ اور مشعل راہ بن گئیں۔

مولانا کا تعلق اُس گروہ علماء سے تھا جنہوں نے مسلمانوں کی تاریخ میں ایثار و قربانی کا انمٹ نقوش چھوڑے۔ برطانوی حکومت کے ساتھ ٹکر لی اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر کے امام ابن تیمیہ اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے بزرگوں کی یاد تازہ کر دی۔

سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (قرآن اور تاریخ کے آئینے میں)

پیشِ نظر نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور کا ہے۔ ابتدائی صفحات ندارد، کل صفحات ۲۸۰۔

یہ کتاب غیر مسلموں کو دعوت دینے ہی کے لیے لکھی ہے۔ اس لیے اسے سب سے پہلے انسان کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں :-

> "سیرت مبارک پر بڑی چھوٹی کتابیں اب تک اُردو میں بے شمار لکھی جا چکی ہیں اور بعض بڑی بلند پایہ ہیں (مثلاً شبلی و سلیمان کی سیرت النبیؐ) یہ سب سے نرالی، انوکھی اور سب سے البیلی ہے۔ فاضلانہ مگر خشک مطلق نہیں، مختصر مگر مجمل کہیں سے نہیں، مفصل مگر بار خاطر کہیں سے بننے والی نہیں، عوام پسند مگر عامیانہ سے بھی پاک، ندرت سے لبریز مگر غرابت اور اجنبیت سے سراپا پرہیز و گریز، اسلوب بیان ایسا کہ بغیر دیکھے اور پڑھے اس کا ذہن میں آنا دشوار ہے۔ کتاب تمام تر چودھویں صدی کے ناظرین کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو جائے۔" (۱۸)

۱۸۔ محمد میاں، سید: سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پنجاب پبلک لائبریری لاہور، ص ۱۷، ۱۸۔

سید محمد میاں کی دیگر اُردو تصانیف :-

(۱) رویتِ ہلال رمضان وعید کے مسائل و دلائل : دہلی الجمعیت پریس، سن ندارد، کل صفحات ، ۱۰۲ ۔ (۲) تاریخ اسلام جلد اول : دارالاشاعت، کراچی، سن ندارد، حضورؐ کے حالات زندگی مکی دور، کل صفحات ۲۸۷ ۔ (۳) تاریخ اسلام جلد دوم : دارالاشاعت کراچی، سن ندارد، حضور کے حالاتِ زندگی مدنی دور، کل صفحات ، ۱۲۸ ۔ (۴) تاریخ اسلام جلد سوم ، دارالاشاعت کراچی، سن ندارد، حضور کی سیرت طیبہ و اُمہات و لواحقین ، کل صفحات ، ۵۸ ۔ (۵) دامانِ خلافت ذی النورین : سیدنا عثمانؓ اور تردید الزامات ناشر مکتبہ محمودیہ بیت الحمد، جامعہ مدینہ کریم پارک لاہور، سن ندارد، صفحات ، ۲۱۸ ۔ (۶) مجالس سبعہ ، مطبوعہ بیت الحمد جامعہ مدینہ کریم پارک لاہور ۔ (۷) پانی پت اور بزرگانِ پانی پت : دہلی، الجمعیت پریس، مصنف کی درج شدہ تاریخ ۳ جولائی ۱۹۶۲ء ، صفحات ، ۲۰۸ ۔

(۸) علاوہ ازیں رفاقت حسین نے بذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے ۔

(۱۰) عہدِ زریں ۔ (۱۱) ۱۹۴۷ء اسیرانِ مالٹا زندہ جانے والے انقلاب کی تصویر ادارہ جمعیۃ العلماء نے شائع کیا ہے ۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے ۔ (۱۲) اسلام اور انسان کی حفاظت دولت (۱۳) دین کامل ۔ (۱۴) حیات شیخ الاسلام ۔ (۱۵) مختصر تذکرہ خدمات جمعیۃ العلماء ہند ۔ یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے ۔ (۱۶) ہندوستان شاہانِ مغلیہ کے عہد میں ۔ (۱۷) سیاسی و اقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات و اشارات (۱۸) عالمی جمہوریت اور تعمیرِ جمہوریت (۱۹) جمہوریت اپنے آئینے میں (۲۰) چاند تارے اور آسمان ۔ (۲۱) خطرناک نعرے اور جمعیۃ العلماء ہند کا موقف صراطِ مستقیم پہلی سلسلہ تعلیم اور طریقۂ تعلیم (معلمین کے لیے) ماہنامہ قائد ۔ یہ ماہنامہ ۱۹۲۲ء میں مراد آباد سے نکلنا شروع ہوا اور چند سالوں تک نکلتا رہا ۔

مولانا سید محمد میاں نے بچوں کے لیے بذیل کتب لکھیں ۔

۱۔ دینی تعلیم کے رسائل ۔ یہ بارہ حصوں پر مشتمل ہے ۔ (۲) روزہ و زکوٰۃ ۔ (۳) ہمارے پیغمبر ۔ (۴) نصاب تعلیم ۔ یہ آٹھویں جماعت کے لیے دینیات کی کتاب ہے ۔

[ ]

باب ششم

مہاجر تلامذہ کی خدمات زبان اردو

۱۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۔
۲۔ پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی ۔
۳۔ مولانا مفتی محمد شفیع (مفتیٔ اعظم پاکستان)
۴۔ مولانا محمد یوسف بنوری ۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی

xxx

نام و نسب :۔ مولانا اپنی تفسیر معارف القرآن کے دیباچہ میں خود رقمطراز ہیں :۔

"بندہ ناچیز حافظ محمد ادریس بن مولانا حافظ محمد اسماعیل کاندھلوی جو نسبًا صدیقی مسلکًا حنفی اور مشربًا چشتی ہے۔" (۱)

تاریخ پیدائش :۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء شہر بھوپال میں پیدا ہوئے۔ اپنی ایک تصنیف "مقدمۃ التفسیر" فصل ثالث میں اپنے مولد و منشا میں خود فرق بیان کرتے ہیں کہ "بھوپال میری جائے ولادت اور کاندھلہ وطن ہے۔"

خاندان کی مذہبی روایات کے مطابق تعلیم کی ابتدا حفظِ قرآن سے کرائی گئی۔ نو برس کی عمر میں حفظِ قرآن سے فارغ ہوئے تو والد ماجد ہمراہ لے کر حضرت تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوئے اور فرمایا "مولوی اشرف علی میں ادریس کو خانقاہ میں داخل کرنے لایا ہوں اب یہ آپ کے سپرد ہے۔"

حضرت تھانوی نے برجستہ فرمایا : "حافظ اسماعیل ! یہ نہ کہیے کہ خانقاہ میں داخل کرنے لایا ہوں بلکہ یوں کہیے کہ مدرسہ خانقاہ میں داخل کرنے لایا ہوں۔" (۲)

آپ کو مدرسہ اشرفیہ میں داخل کیا گیا۔ صرف و نحو کی پہلی کتاب حضرت تھانوی نے خود شروع کرائی۔ اس کے بعد آپ نے خانقاہ امدادیہ کے مدرسہ میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا۔

مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم سہارنپور میں :۔ کچھ عرصہ حضرت تھانوی کے مدرسہ میں، جہاں صرف ابتدائی تعلیم کا انتظام تھا گزارنے کے بعد حضرت تھانوی نے خود سہارنپور میں آپ کو مولانا خلیل احمد کے سپرد کر دیا۔ حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر مروج علوم کی تکمیل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے کی۔ مولانا خلیل احمد، مولانا حافظ عبداللطیف اور مولانا ثابت علی جیسے جلیل القدر علماء و اساتذہ سے علمی استفادہ کیا۔ اُنیس برس کی عمر میں سندِ فراغت حاصل کی۔ (۳)

دارالعلوم دیوبند میں :۔ دیوبند کے افق پر جگمگانے والے علوم کے ماہ و نجوم کے جھرمٹ سے کسبِ نور کی خاطر آپ مظاہر العلوم سے سند فراغت کے بعد

---

(۱) مقدمہ معارف القرآن : مولانا محمد ادریس کاندھلوی : سن ۱۹۸۲ء، مکتبہ عثمانیہ جامع اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور۔

(۲) تذکرہ مولانا ادریس کاندھلوی : محمد میاں، صدیقی : طبع اوّل جولائی ۱۹۷۷ء، ایضًا - ص ۳۲، ۳۳۔

(۳) ایضًا ایضًا ایضًا ایضًا - ص ۳۴۔

دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ وہاں دوبارہ دورۂ حدیث کیا اور علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، میاں اصغر حسینؒ اور مفتی عزیز الرحمٰنؒ جیسے مایہ ناز اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔

تدریسی زندگی:۔ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۱ء سے تدریس کا آغاز مدرسہ امینیہ دھلی میں مفتی کفایت اللہ صاحب کے دور میں کیا۔ یہاں آپ ایک سال تک رہے۔ پھر دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر آپ کو اپنے جلیل القدر اساتذہ کے پہلو بہ پہلو مسندِ درس پر فائز ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ہدایہ اور مقامات حریری جیسی مشکل کتب کی تدریس آپ کو تفویض ہوئی۔ دیوبند سے یہ تعلق کم و بیش نو برس تک قائم رہا۔ اسی دوران تدریس کے علاوہ نودرہ میں بعد از نمازِ فجر آپ درس قرآن بھی دیتے رہے۔ اس درس کو بڑی مقبولیت ہوئی اور اسی بنا پر آپ کو دارالعلوم میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے تعینات کیا گیا۔

حیدر آباد دکن میں قیام:۔ ۱۹۳۶ء میں آپ دارالعلوم کو چھوڑ کر حیدر آباد دکن چلے گئے، جہاں آپ کا قیام تقریباً نو برس رہا۔ یہاں اگرچہ آپ کسی ادارے سے وابستہ نہ رہے تاہم یہاں کا قیام آپ کی زندگی کا قیمتی حصہ گردانا جاتا ہے۔ کیونکہ اسی دوران آپ نے مایہ ناز کتاب "التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" تالیف کی۔ یہ عربی تصنیف ہے جسے علماء ہند کے علاوہ مصر، شام، عراق اور حرمین شریفین کے علماء نے بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ قیام حیدر آباد کے دوران آپ نے کئی اور کتب بھی تالیف کیں اور یہیں پر آپ کی ملاقات، قرآن حکیم کے انگریزی مترجم، مارمیڈوک پکتھال سے ہوئی۔

قیام حیدر آباد کے دوران کتب خانہ آصفیہ سے نادر کتب کا مطالعہ اور ان کے مضامین کی تلخیص و اقتباس سے آپ کا شغف رہا۔ یہاں پر مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا عبدالباری ندوی آپ کے خاص رفقاء تھے۔ اسی دوران مولانا مودودی بھی وہیں قیام پذیر تھے اور اُن سے بھی ملاقات رہتی تھی۔

۱۹۲۹ء میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم کی انتظامیہ سے اختلاف کی بنا پر ڈابھیل، ضلع سورت چلے گئے۔ ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۷ء میں دوبارہ مولانا کو ڈابھیل آنے کی دعوت دی گئی۔ مگر آپ نے قبول نہ کی اور قیام حیدر آباد کو ترجیح دی۔

جب علامہ شبیر احمد عثمانی دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم بن کر آئے تو شعبہ تفسیر کا اجرا کیا گیا تو شیخ التفسیر کے لیے علامہ عثمانی اور مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیب نے آپ کو دارالعلوم آنے کی دعوت دی۔ اسی وقت آپ حیدر آباد میں اڑھائی سو روپے ماہانہ مشاہرہ پا رہے تھے۔ جب کہ دیوبند کی پیشکش صرف ستر روپے ماہانہ کی تھی۔ مگر گھر والوں کی مخالفت کے باوجود (کہ یہ مشاہرہ کم ہے) آپ نے گھر والوں سے کہہ دیا کہ "دارالعلوم کی دعوت کو رد نہیں کر سکتا۔ گھر والوں کے ہنگامہ پر "کا ندھلہ" آئے تاکہ والد محترم سے مشورہ کریں، جواب ملا "پوچھنے بھی کیوں آئے پہلے ہی خط میں ہاں کر دینا تھا"۔

... ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۵ تا ۳۹۔

۱۹۳۹ء میں بحیثیت شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند چلے آئے۔ تفسیر کی تدریس کے علاوہ ابوداؤد اور طحاوی بھی بارہا پڑھائی۔ (۵)

دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات :۔ عالم جوانی میں اکابر اساتذہ نے ۱۹۲۲ء میں پہلی بار آپ کو دارالعلوم دیوبند جیسی درس گاہ کا اُستاذ مقرر کیا یہ دور ۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۹ء تک ہے۔

دوبارہ ۱۹۳۹ء میں دیوبند گئے اور ۱۹۴۹ء تک تفسیر و احادیث کی تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ساتھ ہی ہیجم کا درس القرآن جاری کر دیا جسے اساتذہ اور طلبہ نے بہت پسند کیا۔

تحریک پاکستان سے وابستگی :۔ محمد میاں صدیقی رقمطراز ہیں :۔

"والد صاحب بھی دو قومی نظریے کے زبردست حامی تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے ماحول پر مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالکلام کا زیادہ اثر تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اکثر اساتذہ اور طلبہ مسلم لیگ کے خلاف اور کانگرس کے حامی تھے، اور صورت ایسی تھی کہ کھل کر مسلم لیگ، قائداعظم اور دو قومی نظریہ کی بات کرنا بہت مشکل مرحلہ بن گیا تھا۔ لیکن والد صاحب برملا ایک قومی نظریے کی تردید اور دو قومی نظریے کی حمایت کرتے۔ دوران درس کئی بار مولانا ابوالکلام آزاد کا رد کیا۔

۱۹۴۷ء کے اوائل میں دیوبند میں مسلم لیگ کا عظیم الشان جلسہ ہوا۔ سردار عبدالرب نشتر نے اس میں شرکت کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے مسلم لیگی زعما کی دعوت کی۔ والد صاحب بھی شریک تھے۔ اس موقع پر والد صاحب نے سردار نشتر کو مخاطب کر کے ایک شعر کہا :۔

عبدِ ربّم ، بریکافر نشترام ✻ دستِ اخوان ، بر اعدا خنجرام (۶)

مئی ۱۹۴۹ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے استعفیٰ دے دیا۔ اور دارالعلوم دیوبند کو خیرآباد کہہ کر اپنے آبائی وطن کا ندھلہ چلے آئے۔ مشرقی پاکستان میں آپ کے ہزاروں شاگرد تھے۔ چنانچہ دارالعلوم اٹھ ہزاری چاٹگام (مشرقی پاکستان) جہاں بہت بڑا مدرسہ تھا آپ کو ایک ہزار ماہانہ اور مراعات کی پیش کش ہوئی۔ مگر آپ کا ارادہ مغربی پاکستان آنے کا تھا اور اللہ سے یہی آرزو تھی۔ خدا نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اکتوبر ۱۹۴۹ء میں وزارت تعلیم ریاست بہاولپور کا مراسلہ ملا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی کو جامعہ عباسیہ کا رئیس الجامعہ اور آپ کو شیخ الجامعہ (پرنسپل) مقرر کیا گیا۔ آپ نے منظوری کا

(۵) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۹۳ تا ۱۴ ۔

(۶) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۸۶ تا ۸۵ ۔

خط لکھ دیا۔ اور ۱۰ دسمبر ۱۹۴۹ء کو مرحوم کا کنبہ پاکستان براستہ بمبئی مع اپنے کتب خانہ کے بحری جہاز کے ذریعے روانہ ہو کر ۲۱ دسمبر ۱۹۴۹ء کو کراچی پہنچے۔

۲۵ دسمبر ۱۹۴۹ء کو شیخ الجامعہ کی حیثیت سے آپ نے چارج لیا۔ مگر بقول میاں محمد صدیقی " جامعہ عباسیہ میں جو حضرات، تدریسی خدمات پر مامور تھے۔ ان میں سے اکثر علم اور دین کی خدمت سے زیادہ تنخواہ کے سکیل اور ایک دوسرے سے مسابقت میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ اس صورت حال نے والد صاحب کو جامعہ عباسیہ سے دل برداشتہ کیا۔" (۷)

جامعہ اشرفیہ لاہور سے تعلق :۔ ۱۹۵۱ء کے اوائل میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے سالانہ جلسہ میں آپ نے شرکت کی۔ مفتی محمد حسن صاحب بانی اور مہتمم جامعہ اشرفیہ نے آپ کی تقریر سنی تو بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ جلسہ کے بعد مفتی صاحب نے مولانا صاحب کو بہاولپور جامعہ میں خط لکھا۔ اس میں مفتی صاحب کا ایک عجیب فقرہ تھا کہ " آپ کو پلاؤ اور بریانی چھوڑ کر دال روٹی کی دعوت دے رہا ہوں۔" جواب میں مرحوم نے لکھا کہ " یہاں کے پلاؤ زردے کے مقابلے میں مجھے جامعہ اشرفیہ کی دال روٹی منظور ہے۔"

سید حسن محمود وزیر تعلیم سے مرحوم نے اجازت چاہی تو وہ حیران ہو کر بولے " ہم آپ کے لیے کوٹھی بنوا رہے ہیں۔ جامعہ کی نئی بلڈنگ بن رہی ہے ایک گاڑی بھی خرید رہے ہیں اور آپ چھوڑنے کی سوچ رہے ہیں۔"

بالآخر ۲ اگست ۱۹۵۱ء کو جامعہ عباسیہ بہاولپور سے استعفیٰ دے کر جامعہ اشرفیہ لاہور آ گئے اور آخری لمحہ تک جامعہ اشرفیہ سے آپ کا تعلق رہا۔ آپ نے اپنی عمر عزیز کے چوہتر (۷۴) برس میں سے ترپن (۵۳) برس قرآن و حدیث کی تدریس میں گزارے۔ (۸)

بیعت :۔ حافظ قاری فیوض الرحمٰن بحوالہ علامہ محمد یوسف بنوری رقمطراز ہیں :۔

" اسی دوران (وکیل فیض الدین کے ہاں حیدرآباد دکن میں قیام کے دوران) حج بیت اللہ کا فریضہ بھی ادا کیا اور وکیل فیض الدین کی رفاقت میں سفر کیا۔ حج ادا کرنے سے پہلے حضرت امام العصر علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں بغرض بیعت تشریف لائے۔ دیوبند پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت امام العصر علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ تبدیلی آب و ہوا کے لیے بجنور تشریف لے گئے ہیں۔ تب ہی یہ یہیں سے بجنور پہنچے۔ حضرت امام العصر شاہ صاحب کا قیام مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں تھا۔ اور

(۷) تذکرہ مولانا ادریس کاندھلوی : محمد میاں، صدیقی ؛ طبع جولائی ۱۹۷۷ء، مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور لاہور۔ ص ۱۸۷ تا ۱۸۹۔

(۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۸۹ تا ۱۹۱۔

راقم الحروف (بنوری) اس وقت پہلی مرتبہ خادم خصوصی کی حیثیت سے شرف خدمت سے سرفراز تھا۔ یہ ماہ شوال کے آخر ۱۳۲۶ھ کا واقعہ ہے۔ میری موجودگی میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور اذکار کی تلقین کی۔" (۹)

جب کہ راقم (محقق) نے مولانا عبداللطیف فرزند اور سوانح نگار محمد میاں صدیقی سے ایک ملاقات میں بیعت کے اس حوالہ کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کی سختی سے تردید کی کہ مولانا حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری سے بیعت تھے۔

اعتدال پسندی :۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں عدالت عالیہ نے آپ کو بیان دینے کے لیے بلایا۔ تحقیقاتی بنچ دو ججوں، جسٹس محمد منیر اور جسٹس کیانی مرحوم پر مشتمل تھا۔ دوران بیان جسٹس منیر نے مختلف سوالات کئے ایک سوال یہ کیا :۔

سوال :۔ "مولانا! ترمذی میں ایک حدیث آئی ہے جس میں یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو اس کا کفر کہنے والے پر لوٹتا ہے بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے بہت سے علماء دیوبندی علماء کو کافر کہتے ہیں۔ اس حدیث کی رو سے ان کا کفر خود بریلوی علماء پر لوٹا اور وہ خود کافر ہوئے" ؟

مولانا نے جواب دیا :۔

جواب :۔ ترمذی کی حدیث تو صحیح ہے مگر آپ اس کا مطلب نہیں سمجھے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان، دوسرے مسلمان کو، یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ مسلمان ہے، دیدہ دانستہ کافر کہے تو اس کا کفر کہنے والے پر لوٹے گا۔ جن بریلوی علماء نے بعض دیوبندی علماء کو کافر کہا، انہوں نے یہ دیدہ دانستہ نہیں کیا، بلکہ ان کو غلط فہمی ہوئی جس کی بنا پر انہوں نے ایسا کیا۔ انہوں نے منشا تکفیر یہ تجویز کیا ہے کہ ایسے علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ اگرچہ ان کا یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ وہ اگر ذرا بھی غور کرتے یا انہی حضرات کی وہی کتابیں اور عبارتیں دیکھ لیتے جس سے بریلوی حضرات علماء کو یہ خیال ہوا ہے تو خود ہی اس کا ازالہ ہو جاتا۔ پھر بھی ہم اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ان حضرات نے بعض علماء دیوبندی کی تکفیر اس بنیاد یعنی توہین رسول ﷺ مزعومہ پر کی ہے لہذا یہ کفر کہنے والے پر نہیں لوٹے گا۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی علماء بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے۔ (۱۰)

محمد میاں صدیقی رقمطراز ہیں :۔

---

(۹) فیوض الرحمٰن، قاری، حافظ : مشاہیر علمائے نمبر : بار اول ۱۹۷۶ء۔ ج ۱۔ مکتبۃ العزیزیہ۔ ۱۳، اردو بازار لاہور، صفحہ ۳۸-۳۴۷ -

(۱۰) تذکرہ مولانا ادریس کاندھلوی : محمد میاں، صدیقی : طبع جولائی ۱۹۷۷ء، مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور، ص ۱۰۵ -

"مولانا رومؒ، مولانا جامیؒ، شیخ فریدالدین عطارؒ، امیر خسروؒ، امیر مینائیؒ، حاجی امداد اللہؒ، مولانا
احمد رضا خانؒ اور علامہ اقبالؒ ایسی بلند پایہ ہستیوں نے بارگاہ رسالت میں محبت و عقیدت کے لیے
نذرانے اور نعت کے ایسے سدا بہار پھول پیش کئے جن کے کلام جاں افزا سے عاشقان رسولؐ قیامت
تک سرور کیف میں ڈوبے رہیں گے!" (۱۱)

اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت :- آپ نے حسبِ تحریک مولانا کوثر نیازی ۱۲ر جنوری ۱۹۸۴ء کو اپنی آمادگی سے ~~[illegible]~~ سیکرٹری اسلامی نظریاتی کونسل کو مطلع کر دیا اور ۳۰ر مارچ ۱۹۷۴ء کو بمقام لاہور کونسل کے پہلے اجلاس اور ۳ر جون ۱۹۷۴ء کو بمقام لاہور دوسرے اجلاس میں شرکت کی۔ (۱۲)

وفات :- ۲ اگست ۱۹۷۳ء سے جولائی ۱۹۷۴ء تک آپ شدید بیمار رہے۔ ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء / ۹ رجب ۱۳۹۴ھ بوقت نماز فجر پانچ بجکر دس منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ اہل لاہور کے تقاضا پر نماز جنازہ مرحوم کے صاحبزادے مولانا محمد مالک کاندھلوی نے پڑھائی۔ آپ کو شادمان کالونی اچھرہ کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ (۱۳)

تصانیف و تالیفات :- (۱) تفسیر: (الف) الفتح السماوی بتوضیح تفسیر البیضاوی: عربی میں ہے۔ ۲۲ جلدوں پر مشتمل مسودہ ہے۔ (۲)۔ معارف القرآن: اردو ۲۳ پاروں کی تفسیر مکمل ہے اور سات پاروں کے مشکل مباحث کا حل لکھا۔ (۳)۔ مقدمۃ التفسیر، (۴)، دلائل القرآن علی مذہب النعمان، عربی (ب)۔ شرائط مفسر و مترجم، اردو، مطبوعہ، (ج) اعجاز القرآن: اردو، مطبوعہ۔ (۳)۔ حدیث۔ (ا)۔ التعلیق الصبیح شرح مشکاۃ المصابیح، ۸ جلدوں میں عربی میں ہے۔ مطبوعہ۔ (ب)۔ مقدمۃ الحدیث، عربی، مخطوطہ۔ (ج)۔ منحۃ الحدیث فی شرح الفیۃ الحدیث، عربی، مخطوطہ۔ (د)۔ کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ، اردو، مطبوعہ (ر)۔ القول المحکم، اردو، مطبوعہ۔ (س)۔ لطائف الحکم فی اسرار نزول عیسیٰ بن مریم، اردو، مطبوعہ۔ (ص)۔ الدین القیم اردو، مطبوعہ۔ (ط)۔ احسن البیان فی مسئلۃ الکفر والایمان، اردو، مطبوعہ۔ (ع)۔ بدایۃ الادراک فی حقیقۃ التوحید والاشراک، اردو مطبوعہ (ف)۔ فتح الغفور شرح منظومۃ القبور، اردو، مطبوعہ۔ (ق)۔ اسلام اور عیسائیت کا اصولی اختلاف، اردو، مطبوعہ۔ (۴)۔ (۱) سیرت و سوانح: سیرت مصطفیٰؐ، چار جلدوں پر مشتمل ہے، اردو، مطبوعہ۔ (ب)۔ خلافت راشدہ، اردو، مطبوعہ۔ (۵)۔ قصائد: (ا)، تائیۃ القضاء والقدر، عربی میں ہے، مطبوعہ (ب) لامیۃ المعراج، عربی، مطبوعہ۔ (ج)۔ رائیۃ الحمد والثناء والمناجاۃ، عربی، مطبوعہ۔ (د)۔ تشطیر لامیۃ امرؤ القیس، عربی، مطبوعہ۔ (ر)۔ تحفۃ القاری فی

---

(۱۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۶۶۔
(۱۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۱۸، ۲۲۰۔
(۱۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۹۱ تا ۳۰۴۔

حل مشکلات البخاری، عربی، غیر مطبوعہ۔ (س)۔ مقدمۃ البخاری، (ص)۔ الکلام الموثوق فی تحقیق ان کلام اللہ قدیم غیر مخلوق، عربی، مطبوعہ (ط)۔ الباقیات الصالحات فی شرح انما الاعمال بالنیات۔ (ع)۔ تحفۃ الاخوان بشرح حدیث الایمان۔ (ف)۔ الجال للرجال (ق)۔ احسن الکلام فیما یتعلق بالقراءۃ خلف الامام جلاء العینین فی تحقیق رفع الیدین (ک)۔ حجیت حدیث، اردو، مطبوعہ (ل)۔ عقائد و علوم کلام، (م)۔ عقائد اسلام، اردو، مطبوعہ (ن)۔ اصول اسلام اردو، مطبوعہ (ج)۔ علم الکلام، اردو، مطبوعہ (د)۔ دعوت اسلام، اردو، مطبوعہ (ر)۔ اثبات صانع عالم، اردو، مطبوعہ (س)۔ ماہیۃ القضاء والقدر، عربی، مطبوعہ (ص)۔ حدوث مادہ و روح، اردو، مطبوعہ (ط)۔ بشائر النبیین، اردو، مطبوعہ (ع)۔ احسن الحدیث، اردو مطبوعہ (ف)۔ مسک الختام، اردو، مطبوعہ (ق)۔ اسلام اور نصرانیت، اردو، مطبوعہ (ک)۔ متفرق رسائل و کتب: (ل)۔ دستور اسلام، اردو، مطبوعہ (ب)۔ نظام اسلام، اردو، مطبوعہ (ج)۔ اسلام اور اشتراکیت، اردو، مطبوعہ (د)۔ عقل، اسکی فضیلت، اردو، مطبوعہ۔ (ہ)۔ نبوت کبریٰ، اردو، مطبوعہ (و)۔ مقام بعثت، اردو، مطبوعہ (ص)۔ شرح حدیث افتراق امت، اردو، مطبوعہ (ط)۔ محاسن اسلام، اردو مطبوعہ (ع)۔ عقل اور اسلام، اردو، مطبوعہ (ف)۔ شرائط نبوت، اردو، مطبوعہ (ق)۔ دعاوی مرزا، اردو، مطبوعہ (ک)۔ ادعیۂ مبارکہ، اردو، مطبوعہ (ل)۔ پیام اسلام، اردو، مطبوعہ۔

یہ فہرست وفات سے کافی عرصے قبل مرتب کی تھی۔ اس کے بعد بھی متعدد کتب و رسائل تالیف کیے۔ (۱۴)

اُردو تصانیف پر تبصرہ

علم تفسیر کی خدمات:۔

برصغیر پاک و ہند میں علم تفسیر کا ذوق اور اس علم میں کتب کی تصنیف کا دور حضرت شاہ ولی اللہؒ (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) سے شروع ہوتا ہے، جس کو ان کے فرزندان حضرت شاہ عبد القادرؒ اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے آگے بڑھایا اور تفسیر قرآن کا علم مختلف پہلو اختیار کرتا ہوا آگے بڑھا اور برصغیر میں بڑے بڑے مفسر پیدا کیے، جن میں سے مکتبہ دیوبند کے مفسرین میں مولانا محمود الحسنؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا محمد شفیعؒ کے علاوہ، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اور پھر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ تک پہنچتا ہے۔

مولانا محمد ادریس کا شمار اپنے دور کے ممتاز مفسرین میں ہوتا ہے۔ مولانا نے سال ہا سال تک قرآن پاک کا خود درس دیا، مولانا کا درس کسی ایک خاص علم کی مہارت پر مبنی نہ ہوتا تھا بلکہ ہر علم و فن میں ان کا درس (انواع و اقسام) کے علوم و فنون کا مرقع و مجموعہ ہوتا تھا۔ جس طرح درس د

(۱۲) ایضاً
(۱۳) ایضاً
(۱۴) ایضاً ص ۸۱ تا ۸۲۔

تدریس میں مولانا کی شخصیت ہمہ گیر نظر آتی ہے ، اسی طرح علم و آثار اور تصنیفی دور میں بھی مولانا کی زندگی ایک جامع اور ہمہ گیر زندگی نظر آتی ہے ۔ ہم ذیل میں مولانا کی انہی گرانقدر اور مختلف الانواع تصانیف کا تعارف و تبصرہ پیش کر رہے ہیں ، جن میں سے بعض زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور جب کہ بہت سی ابھی طباعت کے مراحل سے نہیں گزریں ۔ (١٥)

درس قرآن :۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے معروف مقام نودرہ میں درس قرآن دیتے رہے ۔ اس درس میں بیان ہونے والے حقائق و معارف سے متاثر ہو کر منتظمین دارالعلوم نے مولانا کا بحیثیت شیخ التفسیر تقرر کیا ۔ شیخ التفسیر کی حیثیت سے مولانا تخصص فی التفسیر کرنے والے فاضلین کو ، بیضاوی ، ابن کثیر اور اصول تفسیر میں ، الفوز الکبیر (شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ) کا درس دیا کرتے تھے ۔ مولانا کے درس تفسیر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ مولانا صوفیاء کے اسرار و رموز اور نکات کو زینت درس بناتے تھے ۔ جسے عام طور پر مفسرین نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ غرضیکہ مولانا کا درس تفسیر ایک نمایاں اور امتیازی شان رکھتا تھا ۔ (١٦)

(١) معارف القرآن :۔ کل ٦ جلدیں ۔ سائز ٢٢×٢٩/٨ ۔ سن طباعت بار دوم ١٩٨٢ء ، ناشر مکتبہ عثمانیہ بیت جامعہ اشرفیہ لاہور ۔

جلد اول :۔ از ابتدا تا ختم سورۂ آل عمران ، صفحات ٦٢١ ۔ جلد دوم :۔ از سورۂ النساء تا ختم سورۂ انعام ، صفحات ٥٧٥ ۔

جلد سوم :۔ از سورۂ اعراف تا ختم سورۂ ہود ، صفحات ٦٠٤ ۔ جلد چہارم :۔ از سورۂ یوسف تا ختم سورۂ انبیاء ، صفحات ٦٩٠ ۔

جلد پنجم :۔ از سورۂ الحج تا ختم سورۂ صفت ، صفحات ، ٦٩٩ جلد ششم :۔

مولانا محمد ادریس نے ٢٣ شوال ١٣٨٢ھ / ٣١ مارچ ١٩٦٣ء میں اس تفسیر کا آغاز کیا اور وفات سے ایک ہفتہ قبل تک اس کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا ۔ ابھی سورۂ صفت ہی ختم ہوئی تھی کہ داعی اجل کو لبیک کہا ۔ سورۂ صفت کی آخری آیت ، سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ، پر ختم فرمایا اور مولانا اس آیت کی تفسیر لکھنے کے بعد تالیف کا سلسلہ مزید جاری نہ رکھ سکے ۔ (١٧)
ان کے خلف الرشید مولانا محمد مالک کاندھلوی جن کی وفات ٨ ربیع الاول ١٤٠٩ھ / ١٤ اکتوبر ١٩٨٨ء ہوئی نے اس کی تکمیل کی ۔

(١٥) ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ کی دینی خدمات : محمد سعد صدیقی : غیر مطبوعہ مقالہ ، شعبہ علوم اسلامیہ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ص ١٥١ تا ١٥٢ ۔

(١٦) ۔	ایضاً	ایضاً	ایضاً ص ١٥٥ ، ١٥٦ ۔
(١٧) ۔	ایضاً	ایضاً	ایضاً ص ١٥٦ ، ١٥٧ ۔

درس قرآن کی طرح آپ کی یہ تفسیر بھی اُردو زبان میں علوم و معارف کا ایک بھرپور خزینہ ہے، جس میں مفسرین و متقدمین سے لے کر دورِ حاضر تک کے مفسرین تک تمام تحقیقات کا لب لباب اور عطر و جواہر اس طرح بیان فرمایا کہ ایک قاری ان طویل کتب کی مراجعت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس تفسیر کے علمائے متقدمین کی تفسیر کے مجموعہ ہونے کو خود مولانا یوں بیان کرتے ہیں:۔

"اس حقیر و فقیر کی یہ تفسیر گداگروں کی جھولی کی طرح ہے کہ جو قسم قسم کے کھانوں اور طرح طرح کے نوالوں سے لبریز ہے اور فقیروں کی گودڑی کی طرح ہے۔ جس میں ناظرین کو رنگ برنگ کے پیوند نظر آئیں گے۔" (۱۸)

معارف القرآن کا اسلوب:۔

مولانا نے اپنی تفسیر معارف القرآن اُسی اسلوب پر مرتب کی جس پر متقدمین، مفسرین سے لے کر اپنے دور تک کے مفسروں کا عطر و جوہر پیش کر دیا۔ صحیح و غلط، حق و باطل کی نشاندہی کر دی۔

تفسیر معارف القرآن کی تصنیف سے قبل مولانا نے ۶۵ کتب کے مطالعہ سے پورے قرآن پاک کے اہم مضامین کی ایک فہرست بنام "تحفۃ الاخوان بالدلالۃ علی المثان لبعض علوم القرآن" مرتب کی اور اسی حین حیات میں ان تمام کتب کے حوالہ جات موجود ہیں جو معارف القرآن کے مصادر و مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں حدیث، تفسیر، تاریخ، سیرت، علم کلام اور تصوف و لغت کی کتب کے نام موجود ہیں۔ (مولانا کی یہ خوبصورت یادداشت مولانا کے چھوٹے داماد مولانا مشرف علی تھانوی کے پاس محفوظ ہے)۔ مولانا کے پاس مولانا تھانوی کے تقریباً تین سو مواعظ تھے اور تقریباً تمام ہی مواعظ میں تفسیری مضامین پر پنسل سے خط کھینچ کر نشان لگائے ہوئے ہیں اور ان کے اہم مضامین کو تفسیر کا جزو بنایا۔

مولانا نے بڑے محققانہ انداز میں مسائل حاضرہ کے بجائے ان مسائل پر تحقیقی نظر ڈالی جن مسائل میں ہمیشہ علماء و مفسرین حیران و سرگرداں ہیں اور کوئی واضح حل پیش نہ کر سکے۔

حروف مقطعات: سورۂ بقرہ کی ابتدا میں حروف مقطعات کی وضاحت و تشریح میں مختلف اقوال کا ذکر کیا۔ جن میں خلفائے راشدین، جمہور صحابہ اور تابعین سے لے کر متکلمین، اصولیین، مفسرین و محدثین کے علاوہ لغتِ عربیہ اور علمائے نحو کے اقوال بھی جمع کئے۔

ان اقوال کو جو بظاہر مختلف نظر آتے ہیں جمع کرنے کے بعد ان کی تطبیق بھی کی۔ (۱۹)

(۱۸) ۔ دیباچہ معارف القرآن: جلد اوّل از محمد ادریس کاندھلوی، مکتبہ عثمانیہ لاہور، سن ۱۹۶۲ء۔

(۱۹) ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی دینی خدمات: محمد سعد صدیقی: غیر مطبوعہ مقالہ، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۱۶۰ تا ۱۶۳۔

معارف القرآن میں مولانا کا اسلوب اس طرح ہے کہ آیت کے متن میں بین السطور شاہ عبدالقادر کا ترجمہ تحریر کرتے ہیں۔ لفظی ترجمہ کے بعد رواں ترجمہ دیتے ہیں جس میں ضروری تشریحات بھی ہیں اور آیات قرآنیہ کے ترجمہ کو ممتاز کرنے کے لیے ان پر خط کھینچ۔ بعد ازاں "معارف و لطائف" کے عنوان سے آیات کی تفسیر میں مختلف مفسرین کے اقوال نقل کرکے اور اقوال نقل کرنے کے بعد "خلاصہ کلام" کے عنوان سے ان اقوال میں محاکمہ قائم کرکے لکھتے ہیں کہ میری رائے میں کون سا قول راجح اور بہتر ہے۔ (۲۰)

(۲)۔ الفتح السماوی بتوضیح تفسیر البیضاوی :۔ یہ عربی میں ہے۔ جو اگر چھپ جائے تو مجموعی طور پر ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل ہوگی۔

(۳)۔ مقدمۃ التفسیر :۔ اصول و تاریخ تفسیر پر ایک جامع اور مفصل رسالہ ہے جو کہ غیر مطبوعہ ہے۔ عربی زبان میں ہے۔ (۲۱)

علم حدیث کی خدمت :۔

دین اسلام کا دوسرا بڑا ماخذ حدیث ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ماخذ اول قرآن کریم کی خدمت کا شرف اور اس کی سعادت عطا کی اسی طرح اللہ نے اپنے دین کے دوسرے ماخذ حدیث کی خدمت کا بھی شرف عطا فرمایا۔

مولانا کی خدمت حدیث کے تین پہلو ہیں :۔ ۱:۔ درس حدیث۔ ۲:۔ علم حدیث پر تصانیف۔ ۳:۔ سیرۃ نگاری۔

حدیث میں آٹھ علوم سیر و آداب، تفسیر و عقائد، فتن و احکام، اور اشراط و مناقب میں سب سے پہلے علم سیرت ہے۔ اس لیے علم سیرت کی خدمت کو بھی حدیث ہی کی خدمت کے زیر عنوان کر دیا گیا ہے۔

مولانا کاندھلوی نے دورۂ حدیث سے فراغت پاتے ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ جو وفات تک جاری رہا۔ دارالعلوم دیوبند میں کئی مرتبہ مشکوٰۃ المصابیح پڑھائی۔ دارالعلوم میں درس قرآن کے ساتھ ابوداؤد بھی زیر درس رہی۔ قیام پاکستان کے بعد جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بخاری شریف اور بیضاوی شریف کا درس دیا۔ جامعہ اشرفیہ آنے کے بعد صحیح بخاری شریف کا مشہور و معروف درس ہوتا تھا۔ مولانا کا درس حدیث علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے علوم و معارف کا عکاس تھا۔ مولانا کے درس میں کسی طالب علم کو اجازت نہ ہوتی تھی کہ وہ درس کو قلمبند کرے۔ (۲۲)

علم حدیث میں تصانیف :۔ درس حدیث کے علاوہ علم حدیث میں مولانا بہت سی مؤلفات و تصنیفات کے مصنف ہیں۔ جن میں سے زیادہ عربی

(۲۰) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۷۲۔
(۲۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۷۶، ۱۸۹۔
(۲۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۸۲ تا ۱۸۴۔

میں اور کچھ اُردو زبان میں ہیں۔

عربی میں "تعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" و "تحفۃ القاری بحل المشکلات البخاری" (۲۳)

۳۔ حجیت حدیث :۔ یہ رسالہ اُردو زبان میں ہے اور منکرین حدیث کے خلاف جہاد کے طور پر لکھا گیا ہے۔ اس رسالہ میں مولانا نے منکرین حدیث کو خسرو پرویز اور ابولہب سے تشبیہ دی ہے۔ کہ خسرو پرویز کے پاس جب والانامہ نبی پہنچا تو اس نے نخوت و غرور سے اُس کو پارہ پارہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اُس کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا۔

ابولہب مکہ کی گلیوں میں کہتا پھرتا تھا کہ محمدؐ کی کوئی بات نہ سننا۔ آج کے منکرین حدیث بھی یہی ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں۔

مولانا نے منکرین حدیث کے نظریہ کو بیان کرنے کے بعد قرآنی آیات سے حجیت حدیث کے دلائل دیئے ہیں۔

۴۔ سیرۃ المصطفیٰؐ :۔ علم حدیث جن آٹھ علوم کا جامع ہے۔ سیرت ان میں سب سے اول ہے۔ عموماً لوگ سیرۃ النبیؐ کے بیان و تصنیف کو سیرت نگاری کے شعبہ میں داخل کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور حیات مطہرہ حدیث پر ہی مبنی ہے۔ کیونکہ سیرت میں جس چیز سے بحث کیجاتی ہے وہ آپؐ کے اقوال، افعال اور عادات ہیں اور یہ تینوں حدیث کی تعریف میں داخل ہیں بلکہ حدیث کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ حدیث میں نہ صرف آپؐ کے اقوال و افعال داخل ہیں۔ بلکہ آپؐ کے صحابہ کے وہ اقوال و افعال بھی داخل ہیں جو نبی کریمؐ کے علم میں آئے لیکن آپؐ نے منع نہ فرمایا ہو۔ آپؐ کے اقوال میں محدثین تمام اقوال کو شمار کرتے ہیں کہ آپؐ نے خوشی کی حالت میں فرمائے ہوں یا غم و غصہ کی کیفیت میں، کیونکہ ارشاد نبویؐ ہے:۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ میں آپؐ کے اقوال تحریر نہ کر لیا کروں، آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی تو پوچھا کہ ہر بات لکھ لیا کروں کہ جو آپؐ کی زبان مبارک سے صادر ہو یا صرف وہ باتیں لکھا کروں جو آپؐ خوشی و نشاط کی حالت میں فرمائیں، آپؐ نے فرمایا کہ ہر بات اور پھر اپنے دونوں ہونٹوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان میں سے کوئی کلمہ غیر حق نکل ہی نہیں سکتا۔ (۲۴)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے جہاں اور شعبہ ہائے دین کی خدمت کی ہے، انہوں نے سیرت نبویؐ پر ایک جامع اور تحقیقی کتاب بھی اُردو زبان میں تحریر کی اور یہ کتاب بھی دیگر کتب کی طرح محدثین و مفسرین متقدمین کے علوم کا نچوڑ اور لب لباب ہے۔ مولانا نے اپنی کتاب سیرت المصطفیٰؐ میں نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کے بیان کے ساتھ ساتھ مستشرقین اور جدید سیرت نگاروں نے جن لغزشات میں کچھ غیر مستند چیزیں اور

(۲۳) ایضاً	ایضاً	ایضاً	ص ۱۸۵۔
(۲۴) ایضاً	ایضاً	ایضاً	ص ۲۱۷، ۲۱۸۔

باتیں کہی اور لکھی ہیں اور علوم مغربی سے متاثر ہو کر سیرت نبویؐ اور حیواۃ نبویؐ کو نیا ثبت بلا کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے ، آپ کے معجزات کی جس طرح تاویلات پیش کی ہیں ، مولانا نے ان حضرات کی برملا تردید کی ہے ، ان کی اس تردید کا انداز اس قدر حکیمانہ اور مدلل ہوتا ہے کہ ہر صاحب عقل و دانش خود بخود مولانا کے نظریئے کا قائل ہو جاتا ہے ۔ (۲۵)

سیرۃ المصطفیٰؐ تین جلدوں میں ہے :۔ ناشر ، مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور ۔ سن طباعت دسمبر ۱۹۶۹ء ، اشاعت سوم ۔ اُردو زبان میں ہے ۔ جلد اوّل : از قبیلہ قریش تا ۲ھ تحویل قبلہ ۔ صفحات ۴۷۳ ۔ جلد دوم : از بحث جہاد تا ۸ھ غزوہ حنین ۔ صفحات ۴۷۹ ۔ جلد سوم : از فتح مکہ تا خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ، صفحات ۵۸۳ ۔

سیرت مصطفیٰؐ کی تالیف کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں :۔

" ہر مومن کو اپنے اپنے ایمان کے جاننے سے پہلے ضروری ہے کہ اپنے نبی کی سیرت کو جانے تاکہ اُس راستہ پر چلے ۔"

" قرآن کریم میں سورۃ یونسؑ سورۃ یوسفؑ اور سورۃ ابراہیمؑ ہیں ، اس طرح سورۃ لقمان اور سورہ کہف میں حضرت یونسؑ ، حضرت یوسفؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت لقمان اور کہف اور دیگر انبیاء و صلحا کی سیرت و تاریخ بیان ہوئی ہے ۔"

" جو لوگ سیرۃ النبیؐ ، آپؐ کے فضائل و کمالات کا علم نہیں رکھتے ، ان کے لیے سیرت کا لکھنا علم کا کام اور جو لوگ نبی کریمؐ کو نہیں مانتے اُن کے حق میں دعوت حق ہوگا ۔" (۲۶)

سیرۃ المصطفیٰؐ کی تحریر کے اسباب پر مولانا کاندھلوی کا حوالہ محمد سعد صدیقی نقل کرتے ہیں :۔

" اس دور میں اگرچہ سیرت نبیؐ پر چھوٹی اور بڑی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جارہی ہیں ، لیکن ان کے مؤلفین اور مصنفین زیادہ تر فلسفہ جدیدہ اور یورپ کے خیالات مغربی سے اس قدر مرعوب اور خوف زدہ ہیں کہ یہ چاہتے ہیں کہ آیات و احادیث کو توڑ موڑ کر کسی طرح فلسفہ اور سائنس کے مطابق کر دیں اور انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو باور کرا دیں

(۲۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۱۹ ۔

(۲۶) مولانا محمد ادریس کاندھلوی : سیرۃ المصطفیٰؐ ، مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور ، سن دسمبر ۱۹۶۹ء ، ج ۱ ، ص ۳۰۲

کہ عیاذاً باللہ آنحضرتؐ کا کوئی قول اور کوئی فعل مغربی تہذیب وتمدن اور موجودہ فلسفہ اور

سائنس کے خلاف نہ تھا۔" (۲۷)

مولانا کا مقصد سیرت کی تالیف میں سیرت نبویہ کو معتبر اور صحیح روایات کے ساتھ پیش کرنے کے لیے، ان سیرت نگاروں کی تردید کرنا

اصل مطمع نظر اور مقصد تالیف ہے۔

سیرت المصطفیٰؐ اُردو سیرت نگاری میں ایک منفرد اضافہ ہے۔ اس میں مولانا نے نبی کریمؐ کی زندگی قبل از بعثت و نبوت پر ایک باب قائم کیا اور روایات سے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل از نبوت زندگی کفر و شرک، بت پرستی اور رسوم جاہلیت سے پاک وصاف تھی اور آپؐ کو ان تمام چیزوں سے سخت نفرت تھی اور بتایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی پیدائش سے ہی توحید و تفرید اور خشیت و معرفت الٰہی سے بھرپور، شرک و کفر و گمراہی سے معصوم و محفوظ ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کا وہ برگزیدہ بندہ جس کو پوری زندگی میں شرک و بت پرستی اور کفر و ضلالت کے خلاف جہاد کرنا ہے قبل از نبوت وہ خود بھی اس کفر و شرک میں مبتلا ہو۔ قرآنی آیات سے اس کا ثبوت، حضرت ابراہیم کے بارہ میں کہ نبوت سے قبل ہی ان کو رشد و ہدایت عطا کر دی گئی تھی۔ وہ ہدایت یہی کہ گمراہی کے اعمال سے نفرت و کراہت کا راسخ ہونا۔ اسی طرح حضورؐ کے رویا اور خوابوں کا تذکرہ کتب احادیث میں موجود ہے جو حضورؐ کو نبوت سے قبل دکھائے گئے اور وہ خواب صبح صادق کی طرح سامنے آجاتے تھے واقعہ ہجرت کے متعلق دیکھا ہے کہ جب مسلمانوں پر کفار نے عرصہ حیات تنگ کر دیا حتیٰ کہ حضورؐ کے قتل کا منصوبہ بن گیا۔ مسلمانوں کے سامنے ہجرت حبشہ کا روشن تجربہ تھا۔ پھر مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت مدینہ کی اجازت ملی۔ حضورؐ کی اس ہجرت میں تین شخصیات سامنے آتی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ، موخر الذکر دونوں حضرات نے بے نظیر اور قابل تقلید جرأت و جاں نثاری کا ثبوت پیش کیا۔ حضورؐ کے قاتل کو ۱۰۰ اُونٹ دینے کا اعلان ہو چکا تھا۔ ایسی صورت میں حضرت ابوبکرؓ کا رفاقت سفر اختیار کرنا اور حضرت علیؓ کا سکون کے ساتھ بستر محمدؐ پر لیٹ جانا قربانی کے جذبہ کی انتہائی ارفع مثالیں ہیں۔ قرآن نے اسے جس انداز میں بیان فرمایا۔ مولانا کاندھلوی اس آیت مبارکہ سے حضرت ابوبکرؓ کے فضائل ثابت کرتے ہیں ۱۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ۔ حضرت علیؓ، حسن بصریؒ اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ نے نبی کریمؐ کی مدد نہ کرنے پر سارے عالم کو عتاب فرمایا مگر صرف ابوبکرؓ کو مستثنیٰ قرار دیا۔ (۲) ثانی اثنین حق جل وعلا نے یہ ظاہر فرما دیا کہ نبی کریمؐ کے بعد مرتبہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ ۳۔ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ، میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یار غار ہونا ظاہر کر دیا۔ "یار غار" کی ضرب المثل یہیں سے چلی۔ ۴۔ لِصَاحِبِهٖ۔ حق تعالیٰ نے اس لفظ سے حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کو بیان فرمایا

(۲۷)۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی دینی خدمات: محمد سعد صدیقی: غیر مطبوعہ مقالہ، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۲۲۲۔

حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کا انکار قران کا انکار ہوگا جو کفر ہے ۔ ۵ ۔ لَاتَحْزَنْ حضرت ابوبکرؓ کو دو قریش کے غار پر پہنچنے سے غمگین ہو گئے کہ میری تو خیر لیکن حضورؐ کی خدانخواستہ ہلاکت پوری اُمت کی ہلاکت ہوگی ۔ تو حضورؐ نے فرمایا « لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا » اور اللہ تو متقین اور محسنین کے ساتھ ہوتا ہے حضرت ابوبکرؓ میں سب صفات موجود تھیں ۔ مولانا نے اس ضمن میں قرآنی آیات سے استنباط کیا ہے وہ طویل ہے ۔

پھر جہاد کے مقاصد قتال نہیں ۱۔ مقصد مفسدین اور فتنہ پردازوں کے شر و فساد کو دفع کرنا (سورۃ بقرآیت جزو ۹) ۲۔ صحابہ کرام پر مظالم ہوئے اس لیے ان کو جہاد کی اجازت دی گئی ۔ ۳ ۔ اللہ تعالیٰ کا بول بالا کرنے کے لیے جہاد کی اجازت ہوئی ۔

معجزات پر مولانا کاندھلوی نے بڑی بسط و تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے اور حضورؐ کے معجزات کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے :۔ ۱ ۔ معجزات عقلیہ : قران کریم کا نزول ۔ اس کا اعجاز ۔ آپؐ کی حیات طیبہ اور سیرت مطہرہ ۔ آپ کے اعمال حسنہ ، کمالات علمیہ اور عملیہ ۔

۲۔ معجزات حسیۃ : شق القمر ، آپؐ کی مبارک انگلیوں سے پانی کا بہہ نکلنا ۔

معجزات میں سب سے زیادہ تفصیل اسراء معراج کی بیان کی گئی ہے ۔ معراج کو بحالت بیداری مع الجسد مبارک ثابت کرنے کے لیے ایسے مضبوط اور محقق دلائل دیئے گئے کہ ایک ادنیٰ شعور و عقل رکھنے والا ان دلائل کو پڑھ کر یہ بات ماننے کو ہرگز تیار نہیں ہو سکتا کہ یہ اسراء روحانی تھی یا ایک خواب تھا ۔

۶ ۔ علم الکلام و عقائد :۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تمام تصانیف کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ (۱) اثباتی رنگ کی تصانیف جیسے تفسیر میں معارف القران ، حدیث میں تعلیق الصبیح جو عربی میں ہے اور سیرت المصطفیٰؐ جو اُردو زبان میں سیرت پر ایک گرانقدر ماخذ ہے ۔

(۲) تردیدی رنگ میں آپ کی وہ تصانیف جو کسی خاص فرقہ یا طبقہ کی تردید میں لکھی گئی ہیں ۔ جیسے علم الکلام ، عقائد الاسلام ، اسلام اور مرزائیت ، وغیرہ یہ اُردو زبان میں لکھی گئی ہیں ۔ اب تک مولانا کی اثباتی رنگ کی کتب زیر بحث آئی ہیں ۔ اب تردیدی رنگ کی کتب پر نظر ڈالتے ہیں ۔

۷ ۔ اہل باطل کے خلاف جہاد :۔ مولانا کاندھلوی کی زندگی دین اسلام کی خدمت ، تبلیغ اور اشاعت میں گزری ۔ اسی سلسلہ میں ایک طرف مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کی اور دوسری طرف اسلام کے خلاف اُٹھنے والے رائشہ دوانیوں کا بھرپور مقابلہ کیا ۔ مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دو ہتھیار زبان اور قلم خوب استعمال کیے ۔ اس جہاد میں اُنہوں نے کبھی حاکم وقت کا بھی خوف نہ رکھا ۔ خلق قران کے مسئلہ میں مولانا کو بڑی دلچسپی تھی ۔ مولانا یوسف بنوریؒ نے ختم بخاری شریف کے موقع پر خلق قران پر تقریر سن کر فرمایا :۔

«میں نے متقدمین اور متاخرین کی جملہ کتب میں ایسے دلائل اور ایسی بلند پایہ تحقیق کہیں نہیں دیکھی اور یہ تحقیق دُنیائے علم میں اپنا ایک خصوصی مقام رکھتی ہے ۔» (۲۸)

(۲۸) ایضاً ــ ایضاً ــ ایضاً ــ ص ۲۳۱ ۔

اس مسئلہ میں دورِ اول سے لے کر ایک ہزار سال تک کی تمام کتب کا مطالعہ کرکے ایک رسالہ مرتب کیا جس کا نام "الکلام الموثوق فی ان

۸۔ الکلام اللہ غیر مخلوق" :۔ یہ رسالہ اُردو زبان میں ہے۔ اس رسالہ میں اختصار کے ساتھ متقدمین اور متاخرین کی تمام تحقیقات کا جوہر اور لب لباب بیان کیا۔ اس رسالہ میں سب سے پہلے مولانا نے دو منطقی قیاس بیان کیے۔

قیاس اوّل :۔ کلام اللہ، اللہ کی صفت ہے۔ (صغریٰ) اور اللہ کی ہر صفت قدیم ہے۔ (کبریٰ) ، کلام اللہ قدیم ہے۔ (نتیجہ)

قیاس ثانی :۔ کلام حروف و اصوات کا مرتب مجموعہ ہے (صغریٰ) اور مرتب چیز حادثہ ہوتی ہے (کبریٰ)۔ کلام اللہ حادث ہے۔ (نتیجہ)

اس سلسلہ میں جو فرق سامنے آئے وہ یہ تھے ۔

۱۔ حنابلہ ۔ ۲۔ معتزلہ ۔ ۳۔ کرامیہ ۔ ۴۔ اہل سُنّت والجماعت (اشاعرہ اور ماتریدیہ)

حنابلہ :۔ قیاس اوّل کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ کلام حروف و اصوات قدیم کا مجموعہ ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے ۔

معتزلہ :۔ معتزلہ دوسرے قیاس کے قائل ہیں ۔

کرامیہ :۔ معتزلہ کی طرح دوسرے قیاس کے قائل ہیں لیکن وہ حنابلہ کی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ کلام خداوندی اس ذات کے ساتھ قائم مگر کیونکہ اللہ اپنے کلام کے خالق ہیں اس لیے کلام اللہ مخلوق و حادث ہوگا ۔

اہل سُنّت والجماعت :۔ قیاس اوّل کے قائل ہیں ،

اس کے بعد مولانا کاندھلوی نے ہر طبقہ کے دلائل دیئے ہیں جو بڑے طویل ہیں ۔ غرضیکہ اس مختصر رسالہ میں مولانا نے نہایت خوبصورت انداز میں متقدمین و متاخرین کی تحقیقات کو جمع کرکے کلام اللہ کے قدیم ہونے کو دلائل سے ثابت کیا ۔

علاوہ ازیں مادہ پرست فلاسفروں کے خلاف علمی جہاد کیا اور "اثبات حدوث عالم ابطال قدامت مادہ و روح" کے نام سے اُردو زبان میں ایک رسالہ مرتب کیا جس میں نیوٹن کے نظریہ کہ مادہ ایک مرکب ہے اور چھوٹے چھوٹے اجزاء سے مل کر بنا ہے اور یہ مرکب کبھی ٹوٹ نہیں سکتا اور ہمیشہ قائم رہے گا ۔ نیوٹن کے قدیم فلسفہ کے علاوہ مادہ سے جو جدید فلسفہ ہے اس کی بھی مولانا نے دلائل سے تردید کی ۔

۹۔ عیسائیوں کے خلاف جہاد :۔ عیسائیوں کے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق مختلف نظریات ، نظریہ تثلیث جس میں اُن کے فرقوں کی مختلف آراء ہیں تاہم سارے مذہب کی بنیاد تثلیث ہے ۔ عیسائیوں کا دوسرا نظریہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر نہیں اٹھایا گیا بلکہ صلیب پر لٹکایا گیا ۔ مولانا کاندھلوی نے ان دونوں نظریوں کے خلاف اُردو زبان میں مختلف رسائل مرتب کیے ۔

۱۰۔ "کلمۃ اللہ فی حیاۃ روح اللہ" کے نام سے جو رسالہ تحریر کیا اُس میں حضرت عیسیٰؑ کا بجسد عنصری آسمان پر اُٹھایا جانا اور قریب القیامت اُن کا نزول دلائل سے ثابت کیا ۔

١١۔ احسن الحدیث فی ابطال التثلیث :۔ کے نام سے ایک اور رسالہ اُردو زبان میں مرتب کیا جس میں تثلیث کے عقیدہ کا رد کیا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کا بشر اور حضرت مریم کا بیٹا ہونا دلائل سے ثابت کیا۔

١٢۔ عقائد الاسلام :۔ علم تفسیر اور حدیث کے بعد دوسرا بڑا شعبہ جس میں مولانا نے خدمت دین سرانجام دی وہ عقائد و علم کلام کا ہے۔ عقائد و علم کلام میں آپ نے دو بلند پایہ کتب اُردو زبان میں تصنیف کیں۔ علم الکلام اور عقائد اسلام۔

عقائد اسلام دو حصوں پر مشتمل ایک کتاب ہے۔ جسے مولانا نے ٨، ربیع الاول ١٣٩١ھ کو مکمل کیا اور مکتبہ عثمانیہ لاہور نے دونوں حصوں کو یک جا شکل میں شائع کیا۔

مولانا نے اس کتاب میں ذات باری تعالیٰ، صفات باری تعالیٰ، وجود باری تعالیٰ، توحید باری تعالیٰ اور قضا و قدر پر سیر حاصل کلام کیا ہے۔ نبوت و رسالت کی تعریف، انبیاء پر ایمان اور کتب منزلہ پر ایمان، پر بحث کی۔ عالم آخرت سے متعلق کلام کرتے ہوئے قیامت احوال قیامت، اعمال کی تقسیم اور جنت و جہنم کے بارے میں تفصیل سے کلام کیا۔ غرضیکہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔

١٣۔ علم الکلام :۔ علم کلام میں مولانا کو خصوصی ملکہ حاصل تھا، عقائد کے علوم میں نظر کی وسعت بے پایاں تھی۔ عقائد و علم کلام پر اسی تحقیقی نظر کی بنا پر دو تحقیقی کتب تحریر کیں۔ عقائد اسلام اور علم الکلام۔ عقائد اسلام پر ہم نظر ڈال چکے ہیں اب علم الکلام پیش نظر ہے۔ یہ کتاب مکتبہ عثمانیہ لاہور نے شائع کی جو ٣٣٦ صفحات پر مشتمل ہے۔

مولانا ایمان و اسلام کے بارے میں رقمطراز ہیں :۔

> "ایمان و اسلام کا دارومدار اس بات پر ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین و ایمان رکھتا ہو، جو شخص اللہ کے وجود کا قائل نہ ہو، خواہ کتنی ہی عبادت کرے، کتنی ہی حسنات جمع کرے، خواہ نیکیوں، زہد و تقویٰ کا ایک جبال ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کا یہ سارا زہد و تقویٰ، تمام عبادات اور حسنات غیر اللہ کے لیے ہوں اور خدا کے وجود کا منکر ہو تو یہ ساری عبادتیں، تقویٰ و زہد اس کے حق میں بے کار اور غیر مفید رہے گا۔" (٢٩)

اس کتاب میں مولانا نے وجود باری تعالیٰ پر مولانا محمد قاسم نانوتوی، حافظ ابن تیمیہ، علامہ احمد بن مسکویہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور امام غزالی کی تحقیقات سے وجود باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے۔

(٢٩) - مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی دینی خدمات : محمد سعد صدیقی : غیر مطبوعہ مقالہ، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ٢٥١ -

سیاسی نظریات :- عقائد اسلام، دستور اسلام اور سیرت مصطفیٰؐ کا بغور مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا متحدہ قومیت کے سخت مخالف اور دو قومی نظریہ کے زبردست حامی تھے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، علامہ شبیر احمد عثمانی کے تلمیذ ارشد تھے۔ جس طرح علوم میں اپنے اُستاد کا خزینہ و دفینہ تھے اسی طرح دو قومی نظریات کو اپنے اساتذہ سے وراثت میں ملا تھا۔ وہ قیام پاکستان اور تحریک پاکستان میں قائداعظم کے دست و بازو تھے۔ مولانا نے علمی مشاغل اور مصروفیات کی بنا پر کھل کر تو سیاست میں حصہ نہ لیا مگر وہ اس نظریہ کے دل و جان سے قائل تھے۔ انہوں نے ان سیاسی نظریات کو اپنی تصانیف میں کھل کر تحریر کیا ہے۔

محمد سعد صدیقی رقمطراز ہیں :-

> "جس وقت مولانا دارالعلوم دیوبند میں درس دیا کرتے تھے، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابو الکلام آزاد کی وجہ سے طلبہ بھی زیادہ کانگریسی ہوا کرتے تھے اور دارالعلوم کی فضا کسی قدر ایک قومی نظریہ کی حامی تھی مگر مولانا اپنے درس حدیث میں شدت سے متحدہ قومیت کی مخالفت کرتے تھے اور اس سلسلے میں انہوں نے کبھی کسی خوف و مروت سے کام نہیں لیا۔ بلکہ صراحتاً مولانا آزاد کا رد کیا کرتے تھے۔" (۳۰)

دستور اسلامی کی تدوین میں حصہ :- پاکستان کے حصول کا بنیادی نظریہ دو قومی اساس پر تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا ، لا الٰہ الا اللہ ۔ کا واضح مقصد تھا کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہوگی جہاں اسلام کا دور دورہ ہوگا۔ مگر پاکستان بننے کے ایک ہی سال بعد بانیٔ پاکستان چل بسے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے قیام پاکستان کے فوری بعد سیاست سے علیحدگی اختیار کرلی، البتہ علامہ شبیر احمد عثمانی نے حکومت کو خبردار کیا کہ اگر اسلامی آئین کا نفاذ نہ کیا گیا تو وہ اپنی رُکنیت سے مستعفی ہو جائیں گے۔ چنانچہ پاکستان کے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان نے علامہ کو قرارداد کا متن و مسودہ تیار کرنے کی ہدایت کی۔ اہل صحافت نے طعنہ دیا کہ دستور اسلامی کی تدوین میں تاخیر کا سبب علماء کا اختلاف ہے۔

علماء نے اس چیلنج کو قبول کیا اور مولانا احتشام الحق تھانوی کی مساعی سے ۲۱، ۲۲، ۲۳ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں علماء کا نمائندہ اجتماع ہوا۔ جس میں علماء نے معروف ۲۲ نکات منظور کئے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کو ان کی ہمہ گیر شخصیت، ان کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات کی بدولت اجتماع میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ نوابزادہ لیاقت علی خان اس سلسلے میں پیش پیش تھے۔ لیکن بدقسمتی سے ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو راولپنڈی لیاقت باغ میں تقریر کرنے ہی کو اُٹھے تھے کہ ایک جلاد نے گولی مار کر شہید کر دیا۔

---

(۳۰)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۵۵۔

۱۴، ۱۵ نومبر ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی صدارت میں ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی۔ جس میں ہزاروں علماء اور لاکھوں دیگر مسلمانوں نے شرکت کی۔ کانفرنس ختم ہوتے ہی خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان نے ۱۹ نومبر ۱۹۵۲ء کو دس علماء کو کراچی بُلایا جن میں مولانا کاندھلوی بھی شامل تھے۔

طرزِ تحریر:۔ مولانا کے قلم گوہر رقم سے اُردو زبان میں ایسی ایسی تصانیف نے وجود کا روپ دھارا، جن کی زبان، طرزِ استدلال، اسلوب اور عالمانہ شان نے اُن کو منفرد مقام پر لا کھڑا کیا۔ مولانا جب کسی موضوع پر قلم اُٹھاتے تو مضمون، موقع اور محل کے اعتبار سے زبان، ضرب الامثال، قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، بزرگوں کے اقوال، متقدمین و متاخرین کے حوالے اس طرح دیتے چلے جاتے جیسے اُن کا قلم صفحۂ قرطاس پر موتیوں کی لڑیاں بچھاتا چلا جاتا ہے۔ اُن کے انداز تحریر کے متعلق محمد سعد صدیقی رقمطراز ہیں:۔

> " مولانا جب کسی فرقہ باطلہ کی تردید میں کچھ تحریر فرماتے ہیں تو ان کا انداز بڑا عجیب ہوتا ہے۔ ایک طرف تو مولانا عقلی ونقلی دلائل اس احسن ترتیب سے جمع فرماتے ہیں کہ قاری اگر غیر جانبداری سے اُن کا مطالعہ کرے تو اس کے ذہن میں اگر کچھ اشکالات ہیں تو وہ بالکل صاف ہو جائیں گے۔ دوسری طرف مولانا کی ہر تحریر توحید وتقدیر کے ساتھ حُبِ اللہ اور حُبِ رسول ﷺ سے بھرپور، مزین اور سرشار ہوتی ہے۔ اس جذبہ سے مولانا کی تحریر میں جو قدرتی قوت آتی ہے وہ کسی قاری کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔" (۱۳)

۱۴(۲)۔ الابواب والتراجم جلد اوّل:۔ ناشر: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ورحمہ جامعہ اشرفیہ لاہور۔ کل صفحات ۲۵۰۔ یہ کتاب صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کی تشریح اور اُن کے اغراض ومقاصد کی توضیح وتلویح پر مشتمل ہے۔ (۳)۔ نظامِ دستورِ اسلام (اسلامی): مطبع تعلیمی پریس لاہور۔ سن اشاعت ندارد۔ کل صفحات ۲۲۴۔ صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۴ فہرست مضامین درج ہے۔ اس کتاب میں اسلامی نظام سلطنت کی جملہ ضروریات اور اسلامی دستور پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ (۴)۔ احسن الحدیث فی ابطال التثلیث:۔ پانچ اقساط میں ہے۔ جس میں نصاریٰ کے دعویٰ تثلیث کو قرآن وحدیث اور عقلی دلائل سے رد کیا گیا ہے۔ اس کا حصہ چہارم و پنجم راقم کی نظر سے گزرا۔ بقیہ دستیاب نہ ہو سکے۔

(۵)۔ اسلام اور اشتراکیت: ناشر: جمعیت العلمائے اسلام لاہور ڈویژن، پرانشن ناجہ روڈ لاہور۔ کل صفحات ۴۰۔ سن اشاعت ندارد۔ اس میں اشتراکیت اور اسلام کا موازنہ کیا گیا ہے۔

---

(۱۳)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۲۸۔

(۶)۔ اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف :۔ ناشر: مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور۔ سن اشاعت ندارد ۔ ۲۲ صفحات کا رسالہ ہے ۔ آخری دو صفحوں
پر کتابوں کی فہرست ہے ۔ اس رسالہ میں مسلمانوں اور مرزائیوں کے دس اختلافات کو بیان کیا گیا ہے ۔ صفحہ ۱۸ پر چوہدری ظفر اللہ کا سلام ٹریکٹ درج
ہے ۔ جس میں حضور کے بعد احمد (مرزا غلام احمد) پر سلام بھیجا گیا ہے ۔ (۷) ۔ دعاوی مرزا :۔ ناشر۔ ادارہ تبلیغ اسلام بیت الحمد ٹنڈو الہ یار۔ سن
اشاعت ندارد۔ یہ ۴۸ صفحات کا رسالہ ہے ۔ جس میں مرزا قادیان کے پچاس دعووں کا ذکر کیا گیا ہے ۔ تاکہ قارئین اُن کو پڑھ کر حقیقت کا اندازہ لگا سکیں ۔
(۸) ۔ پیام اسلام مسیحی اقوام کے نام :۔ ناشر۔ ادارہ تبلیغ اسلام بیت الحمد ٹنڈو الہ یار۔ سن اشاعت درج نہیں ۔ ۴۶ صفحات کا رسالہ ہے ۔ اس میں توحید
باری تعالیٰ کے دلائل ، ابطال تثلیث ، اثبات نبوت ، کتب احادیث اور اناجیل میں فرق ۔ نصاریٰ کی نصیحت اور حق کی دعوت کے موضوعات ہیں ۔ (۹) مسئلہ تعلیم
ناشر۔ مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور ۔ سن ندارد ۔ یہ ۴۸ صفحے کا رسالہ ہے ، جس کے صفحہ ۲ تا ۴ پر مولانا کے حالات زندگی درج ہیں ۔ صفحہ ۵ تا
اختتام پر مولانا نے اسلامی تعلیمی نظریات ، عربی تعلیم ، نصاب تعلیم ، مدت تعلیم اور اقسام مدارس پر مولانا نے بحث کی ہے ۔ دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ
کا فرق ، عربی اور انگریزی تعلیم ، مخلوط تعلیم کے مفاسد ، نسلی امتزاج اور مشن کالجوں پر تبصرہ کیا گیا ہے ۔ (۱۰) ۔ اصول اسلام :۔ ناشر مکتبہ عثمانیہ
جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور ۔ سن ندارد ۔ کل صفحات ۱۰۰ ۔ ابتدائی دو فاضل صفحات پر ٹائیٹل اور فہرست ہے ۔ اس میں مختلف مذاہب کے
عقائد ، شرک کی حقیقت ، نبوت ، بعثت انبیاء ، معجزات سحر اور معجزہ میں فرق ، کرامت اور استدراج میں فرق ، ظہور خوارق کی شرط ۔ حضور کے مختلف
معجزات ، قرآن ، وجود ملائکہ ، برزخ اور قیامت پر بحث کی گئی ہے ۔ (۱۱) ۔ اثبات حدوث عالم ، ابطال قدامت مادہ و روح :۔ ناشر ادارہ تبلیغ اسلام
بیت الحمد واقع جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور ۔ سن ندارد ، کل صفحات ، ۴۴ ۔ اس میں حدوث عالم اور سلسلہ نظام کائنات ، عالم اسباب ، مادہ کی
حقیقت ، پیدائش عالم کے بارہ میں جدید فلسفہ کے مذہب کا خلاصہ ، مذہب اسلام ، دور قدیم و جدید کے فلاسفہ ، نصاریٰ ، انسان کی پیدائش ، زمین
و آسمان و نجوم ، باد و باران و بجلی ، ابطال قدامت مادہ ، فلسفہ اور علم کلام پر بحث ہے ۔ (۱۲) ۔ اثبات صانع عالم ، ابطال دہریت و مادیت :۔ ناشر مکتبہ
عثمانیہ واقع مدرجات جامعہ اشرفیہ لاہور و علمی مرکز انارکلی لاہور ، سن ندارد ، کل صفحات ۸۰ ۔ حمد و ثنا کے بعد مقصد تالیف ، ہستی باری تعالیٰ کا اثبات
اور دہریت کا ابطال ، دس دلائل ، دس حکایات علمائے ربانیین درج ہیں ، اس کے بعد قرآنی آیات سے استدلال کیا گیا ہے ۔ حضرت موسیٰ اور فرعون
کا قصہ ، حقیقت نبوت اور بعثت بعد الموت پر بحث کی گئی ہے ۔ (۱۳) ۔ لامیۃ المعراج مع شرح الموسوم بہ تنویر السراج :۔ ناشر ادارہ الصدیق ملتان
سن ندارد ، کل صفحات ، ۴۴ ۔ یہ قصیدہ واقعہ معراج کے متعلق مولانا نے عربی میں لکھا ہے اور ساتھ ہی اُردو ترجمہ بھی کر دیا ہے ۔ واقعہ معراج کے متعلق
مولانا نے اس قصیدے میں مولانا نے ۲۶ احادیث کے حوالے دیئے ہیں ۔ اس کے صفحہ ۴۴ پر علامہ محمد انور شاہ کشمیری" کی تقریظ اُردو زبان میں
درج ہے ۔ (۱۴) ۔ سبیل الرشاد :۔ ناشر مکتبہ عثمانیہ واقع در جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور ۱۴ اپریل ۱۳۸۸ء ۔ اس میں عمل بالقرآن اور عمل
بالحدیث ، مسئلہ قرأت خلف الامام ، شافعیہ اور اہل ظاہر کے دلائل کا جواب درج ہے ۔ (۱۵) ۔ عقل اور مذہب اسلام :۔ ناشر: ادارہ تبلیغ اسلام

شنڈوالہ یار۔ راقم کی نظر سے قسط چہارم و پنجم گزری۔ مولانا نے اس طرح کے بہت سے رسالے اُردو زبان میں تبلیغ اسلام کی غرض سے تحریر کیے۔ (۱۶) عصمت انبیاء :۔ ناشر۔ میاں محمد صدیقی شعبہ دعوت و اصلاح علمی مرکز انارکلی لاہور۔ مولانا نے مدرسہ کے سالانہ جلسہ پر یہ خطاب کیا۔ (۱۷)۔ خلافت راشدہ: ناشر مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ لاہور۔ کل صفحات ۲۱۶۔ سن اشاعت ندارد۔ اس کتاب میں ۵۲ عنوانات کے تحت خلافت راشدہ کے واقعات، فقہی احکام اور اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ (۱۸) عالم برزخ :۔ ناشر مکتبہ عثمانیہ فیروز پور روڈ لاہور۔ ایڈیشن ۱۹۷۸ء۔ کل صفحات ۱۹۶۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی ایک سو تیرہ اشعار پر مشتمل کتاب منظومۃ القبور کا فتح الغفور کے نام سے ترجمہ کیا اور عالم برزخ نام رکھا۔ اس کتاب کے پہلے دو صفحات پر مولانا اشرف علی تھانوی نے پیش لفظ تحریر کیا ہے۔ (۱۹)۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام :۔ ناشر: ادارہ اسلامیات۔ ۱۹۰ انارکلی روڈ لاہور۔ ایڈیشن فروری ۱۹۶۶ء۔ صفحات ۱۴۴۔ صفحہ ۲ ٹائٹل، صفحہ ۳ پر فہرست مضامین۔ صفحہ ۴ پر تقریظ از مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ۔ صفحہ ۴۰۵ پر تقریظ مولانا شبیر احمد عثمانی، اس کتاب میں مولانا نے حیات عیسیٰؑ کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے۔ (۲۰)۔ مسئلہ تقدیر:۔ ناشر ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی روڈ لاہور ایڈیشن مارچ ۱۹۷۱ء۔ صفحات ۱۶۰۔ صفحہ ۱ تا ۴ ٹائٹل۔ صفحہ ۵ پر مسئلہ تقدیر از مولانا شبیر احمد عثمانی، صفحہ ۶ تا ۸ مقدمہ از مولانا محمد شفیع عثمانی۔ صفحہ ۹ تا ۵۳ مسئلہ تقدیر از مولانا شبیر احمد عثمانی، صفحہ ۵۵ تا ۶۲ قضا و قدر از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ صفحہ ۶۷ تا ۱۵۹ مسئلہ تقدیر از قاری محمد طیب۔ (۲۱)۔ دلائل النبوت :۔ ناشر: ادارہ تبلیغ اسلام بیت الحمد جامعہ اشرفیہ لاہور۔ سن ندارد، یہ رسالہ مولانا کی دعوت و تبلیغ کی چھبیسویں[۲۶] قسط ہے۔ کل صفحات ۳۲، عقل اور دین، اسی سلسلہ کی اٹھائیسویں[۲۸] قسط ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے، عقل اور مذہب اسلام تیسری قسط ہے۔ (۲۲)۔ النبوت والرسالت :۔ ناشر۔ ادارہ اشرف التبلیغ جامع مسجد نیلا گنبد لاہور۔ یہ مقالہ مولانا نے میلاد النبیؐ کے جلسہ میں مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو پڑھا۔ اس جلسہ کی صدارت جسٹس ایس۔ اے رحمٰن جج مغربی پاکستان ہائیکورٹ نے کی۔ (۲۳)۔ اسلام اور عیسائیت :۔ ناشر۔ مکتب خانہ جمیلی دارالعلوم اسلامیہ کامران بلاک اقبال ٹاؤن لاہور۔ سن ندارد۔ کل صفحات ۲۹۴۔ اس کتاب میں بذیل سات رسائل جمع کر دیئے گئے ہیں۔ (۱) اسلام اور نصرانیت (۲) احسن الحدیث فی ابطال تثلیث۔ (۳)۔ القول المحکم فی نزول عیسیٰ بن مریم۔ (۴)۔ لطائف الحکم فی اسرار نزول عیسیٰ بن مریم۔ (۵)۔ اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف، (۶) شاہد النبیین بظہور خاتم الانبیاء والمرسلین۔ (۷)۔ کرم اللہ فی حیات روح اللہ۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۵۰ پر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی تقریظ درج ہے اور صفحہ ۳۵۱ پر شبیر احمد عثمانی کی۔ (۲۴) سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم :۔ ناشر مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد جامعہ اشرفیہ لاہور۔ ایڈیشن اکتوبر ۱۹۵۷ء یہ کتاب تین جلدوں اور چار حصوں پر مشتمل ہے۔ جلد اول۔ ۴۰۲ صفحات پیش لفظ از محمد سعد کاندھلوی کلمات بابرکات از مولانا اشرف علی تھانوی، از نسب نامہ تا ہجرت مدینہ۔ جلد دوم۔ ۵۰۲ صفحات۔ جہاد فی سبیل اللہ تا سریا ابو عبیدہؓ۔ جلد سوم۔ ۵۸۴ صفحات۔ از فتح مکہ تا خصائص نبوت۔ [illegible] (۲۵) احسن البیان فی تحقیق مسئلۃ الکفر والایمان، کل صفحات ۱۰۸۔ اس میں اسلام کفر مدعیان نبوت، مرزا غلام احمد اور اس کے دعاوی اور دیگر مذاہب کا ذکر، انبیاء کرام کی ضرورت وحی، الہام، معجزات وغیرہ موضوعات ہیں۔ (۲۶) عقائد الاسلام :۔ حصہ اول و دوم، ناشر المطبع الاسلامی۔

السعودی لاہور پاکستان تاریخ تکمیل ۵ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ ۔ حصہ اول ۱۹۲ صفحات ، عقائد متعلقہ ذات و صفات باری تعالیٰ سولہ عنوانات از صفحہ ۱ تا ۱۳۳ ، شرائط امارات از ۱۳۴ تا ۱۹۰ ، تکملہ عقائد اسلام از صفحہ ۱۹۱ تا ۱۹۲ ۔ حصہ دوم کل صفحات ۵۱۰ ۔ صفحہ ۱۹۳ تا ۱۹۷ ابتدائیہ صفحہ ۱۹۸ تا ۲۴۳ بارہ عقائد کا بیان کیا گیا ہے ۔ صفحہ ۲۴۴ تا ۲۵۱ بکلید اسمائے باری تعالیٰ مع ترجمہ و تشریح ص ۲۵۲ تا ۲۵۴ پانچ عقائد متعلقہ ملائکہ کرام ص ۲۵۵ تا ۲۷۰ گیارہ عقائد متعلقہ انبیائے کرام ۔ ص ۲۷۱ تا ۲۹۶ بارہ عقائد متعلقہ عالم آخرت ۔ ص ۲۹۶ تا ۳۱۱ عقائد متعلقہ صحابہ کرام اس سے اگلے دس صفحات پر فہرست مضامین ہر دو حصص درج ہے ۔ (۲۷) ۔ علم الکلام :۔ ناشر مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد جامع اشرفیہ لاہور ۔ سن ندارد ۔ کل صفحات ۲۲۶ ابتدائی ۸ صفحات پر ٹائٹل و فہرست مضامین درج ہے جو صفحہ شماری میں شامل نہیں ۔ ص ۱ تا ۱۰ مذہب اسلام اور اس کی سات خصوصیات ۔ ص ۱۱ تا ۱۸ بوسس عالم کی پانچ خصوصیات ۔ ص ۱۹ تا ۳۲ تحویس مادہ و روح کی نسبت (۱۹) دلیلیں اور خلاصہ کلام ۔ صفحہ ۳۳ تا ۴۲ اللہ تعالیٰ جزو شرح توحید کی دس (۱۰) دلیلیں ۔ ص ۴۳ تا ۲۰۵ صفات باری تعالیٰ ص ۲۰۶ تا ۲۷۳ مناظر سائنس ص ۲۷۴ تا ۲۸۳ ملائکہ اور شیاطین کی حقیقت ص ۲۸۳ تا ۲۹۲ ابطال تناسخ ۔ ۲۹۲ تا ۳۱۲ مسئلہ نجات ، ص ۳۱۲ تا اختتام ابطال کفارہ ۔ (۲۸) ۔ خطبات نبوی :۔ ناشر ادارہ لبنان بیرون موچی دروازہ لاہور ۔ ایڈیشن ستمبر ۱۹۷۶ء ۔ صفحات ۱۹۲ ۔ پہلے دو صفحات ٹائٹل ، ص ۳ تا ۸ فن خطابت ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت اور فصاحت قرآنی پر تبصرہ ۔ صفحہ ۱۰ تا اختتام کل ساٹھ خطبات ہیں ۔ ۴۲ خطبات کا ترجمہ درج کتاب ہے ۔ جب کہ بقیہ خطبات کتاب سے غائب ہیں ۔ یہ خطبات حضور نے مختلف موقعوں پر ارشاد فرمائے ہیں ۔ (۲۹) ۔ محاسن اسلام :۔ ناشر ادارہ تبلیغ اسلام بیت الحمد ٹنڈو الہ یار مغربی پاکستان ۔ سن ندارد ۔ کل صفحات ۳۲ ۔ اس رسالہ میں اسلام کی دس خوبیاں اور خلاصہ کلام درج ہے ۔ (۳۰) ۔ مسلمان کون کافر کون ۔ ناشر ادارہ تبلیغ اسلام بیت الحمد ٹنڈو الہ یار ۔ سن ندارد ۔ کل صفحات ۸۸ ۔ اس کتاب میں ایمان و کفر اور ان کے احکامات و تعریفات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے ۔

———— • • • ————

پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی

حالات زندگی :-

آپ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء کو شیرکوٹ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے ۔ والد کا نام احمد حسن تھا ۔ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں قصبے کے اُستاد مولوی عبدالرحمٰن کے سامنے بسم اللہ ہوئی اور انہی سے اُردو اور فارسی کی ابتدائی کتب پڑھیں ۔ پھر مولوی مقصود حسین سے انوار الاخلاق اور حساب پڑھا ، اس کے بعد نگینہ ضلع بجنور کے مدرسہ "قاسم العلوم" میں مولوی سراج الدین سیوہاروی سے چند کتب پڑھیں ، پھر شیرکوٹ کے مولوی عبدالقیوم سے استفادہ کیا ۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے شوال ۱۳۳۹ھ / جون ۱۹۲۰ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا ۔ عربی تعلیم ابتداء تا انتہا وہیں حاصل کر کے شعبان ۱۳۴۸ھ مطابق جنوری ۱۹۳۰ء میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ ، مولانا احمد شبیر ہزاروی سرحدیؒ ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ مولانا محمد رسول خان ہزارویؒ ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن ، مولانا سید اصغر حسینؒ ، مولانا اعزاز علیؒ اور مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ سے مختلف علوم فنون اور دورہ حدیث پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی ۔

علم قرأت کی تحصیل قاری محمد یامین سے کی ۔ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی فاضل" کا امتحان پاس کیا ۔ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ / ستمبر ۱۹۲۹ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں او ۔ ٹی میں داخلہ لیا اور ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ مطابق اپریل ۱۹۳۰ء میں فارغ ہوئے ۔ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ / مئی ۱۹۳۰ء میں "منشی فاضل" کا امتحان صبح کے وقت میں اور "ادیب فاضل" کا امتحان شام کے وقت میں دیا ۔ اور اس طرح ایک سال میں تین امتحان پاس کر لیے ۔ جمادی الاول ۱۳۴۹ھ / ستمبر ۱۹۳۰ء میں مشن ہائی سکول جالندھر میں عربی ٹیچر (صدر شعبہ) کی حیثیت سے تقرر ہوا ۔ پھر سید محمد خلیل ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول کے اصرار پر وہاں سے استعفیٰ دے کر ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ / ۲ اپریل ۱۹۳۱ء کو ہیڈ پرشین ٹیچر کی جگہ تقرری ہوئی ۔

رندھیر کالج کپورتھلہ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ / مارچ ۱۹۳۵ء میں مولانا محمود علی پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ کی ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کا تقرر وہاں ہوا اور یکم ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ / ستمبر ۱۹۴۷ء تک وہاں ہی تدریس کی ۔ کپورتھلہ میں ملازمت کے دوران آپ نے میٹرک ، ایف ۔ اے ، بی ۔ اے کے امتحانات بھی پاس کر لیے ۔

ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ / ستمبر ۱۹۴۸ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم ۔ اے اُردو میں داخلہ لیا اور دو سال کے بعد ایم ۔ اے اُردو کا امتحان پاس کر لیا ۔

اسلامیہ کالج فیصل آباد میں :- ۱۲ محرم ۱۳۷۲ھ / ۲۲ ستمبر ۱۹۵۲ء کو اسلامیہ کالج فیصل آباد میں عربی اور فارسی کی تدریس پر

مامور ہوئے۔ شعبہ فارسی کے صدر بھی رہے اور ۱۲ محرم ۱۳۸۶ھ / ۴ مئی ۱۹۶۶ء کو وہاں سے ریٹائر ہوئے۔

وصال :- ۴، ۵ اکتوبر ۱۹۷۶ء مطابق ۱۰ شوال ۱۳۹۶ھ کی درمیانی شب آپ پر اچانک ہائی بلڈ پریشر کا حملہ ہوا اور چند منٹ بعد ایک بج کر دس منٹ پر وصال ہوگیا۔ (۱)

خدماتِ زبان اُردو

آپ کی تمام تصانیف اُردو زبان میں ہیں، جو مختلف موضوعات پر ہیں، جن کی تفصیل بذیل ہے :-

۱۔ تجلیات عثمانی۔ ۲۔ حیات امداد۔ ۳۔ انوار عثمانی۔ ۴۔ انوار قاسمی۔ ۵۔ روح رمضان۔ ۶۔ خطبات عثمانی۔ ۷۔ سیرتِ پیغمبر اعظمؐ۔ ۸۔ حیات عثمانی۔ ۹۔ سیرت یعقوب و مملوک۔ ۱۰۔ قاسم العلوم دو حصے۔ ۱۱۔ یادگارِ ذوالفقار۔ ۱۲۔ انوار الشہادت

ان کے علاوہ بی۔ اے اسلامیات اور بی۔ اے فارسی کے کورس بھی آپ نے مرتب کیے جو پنجاب کے کالجوں میں پڑھائے جاتے رہے۔ اُردو مڈل اور پرائمری کی گرامر اور نصاب بھی آپ نے لکھا جو کپورتھلہ سٹیٹ کے سکولوں میں داخل نصاب رہیں۔ پاک و ہند کے دینی جلسوں اور جامعات کی علمی تقاریب میں آپ نے فاضلانہ خطاب کیے۔ ریڈیو پاکستان سے آپ کی کئی گفتگوئیں نشر ہوئیں۔ (۲)

کتب پر تبصرہ :-

۱۔ حیاتِ امداد :- ناشر مدرسہ اسلامیہ عربیہ، نیو ٹاؤن کراچی، طبع اول ۱۹۶۵ء، صفحات ۱۷۶

حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کی تاریخی، علمی، ادبی، روحانی اور مجاہدانہ حالات و واقعات کا پُراز معلومات مرقع ہے۔ ان کی تصانیف، اُردو، فارسی انشاء نثاری اور فنِ شعر و سخن پر فنکارانہ تبصروں کے علاوہ ضمنی طور پر حافظ محمد ضامن شہید اور مولانا شیخ محمد محدث تھانوی کے تذکرہ کے بعد دارالعلوم دیوبند کی ہمہ گیر خدمات پر مفصل مقدمہ بھی شامل ہے۔ کتاب کے آغاز میں ساڑھے تین صفحات پر مشتمل اغلاط نامہ بھی شامل ہے۔ مصنف نے "تذکرۂ علمائے اکابر" کے تحت لکھا ہے کہ مشاہیر دیوبند کے نام سے اُنہوں نے پہلی جلد تیار کی تھی۔ جس میں چھ حضرات : مولانا محمد قاسمؒ، مولانا حاجی امداد اللہؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوبؒ، مولانا ذوالفقار علیؒ اور مولانا فضل الرحمٰنؒ کو پہلی جلد میں طبع کرانا تھا۔ اسی طرح ہر دور کے اکابر پر ایک جلد لکھنے کا خیال تھا، طباعت کا ذمہ حاجی محمد شفیع اوف لاہور نے حسبِ اخراجات کے لیا تھا لیکن وہ وعدے پر قائم نہ رہے۔ حیاتِ امداد میں ان کا شکریہ بھی ادا کیا جا چکا تھا مگر بالآخر مولانا یوسف بنوریؒ نے اس کو چھپوایا اور ترتیب بگڑی کر ہر ایک کی سوانح

---

(۱) فیوض الرحمٰن، قاری: "مشاہیر علمائے دیوبند" لاہور مکتبۃ العزیز اُردو بازار، ۱۹۷۶ء، ص ۱۰۵ تا ۱۰۸۔

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً، ص ۱۰۶ تا ۱۰۸۔

علاوہ طبع کرائی جاتی ۔ چنانچہ اسے "مشاہیر دیوبند" کے تحت موسوم کر کے سب سے اوّل حاجی امداد اللہؒ کے حالات زندگی کو "حیات امداد" کا نام دیا گیا۔

یہ کتاب اُردو سوانح نگاری میں اپنی نوعیت کی منفرد مثال ہے۔ اس میں صاحب سوانح کی حیات کے ساتھ ساتھ اُس زمانے کی تاریخ، جنگ آزادی کی تاریخ، مہاجرین کی زندگیوں کے خاکے، علوم و فنون کا تذکرہ بالخصوص دارالعلوم دیوبند جسے "ازہر ہند" کہا جاتا ہے کے حوالے سے علماء اور علم کے تذکرے، تحریک پاکستان کے حامی اور مخالف علماء کے نظریات، مسلک دیوبند اور بریلوی کے باہمی اختلافات کے باوجود بعض علماء کی میانہ روی مثلاً مولانا اشرف علی تھانویؒ کا یہ قول کہ "اگر مجھے مولوی احمد رضا خان صاحبؒ بریلوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع ملتا تو میں پڑھ لیتا"

اُردو زبان اور علمائے دیوبند کے عنوان سے پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی اس تصنیف میں رقمطراز ہیں:۔

"اگر اُردو زبان کی خدمت پر غور کیا جائے تو علمائے دیوبند نے اس سلسلے میں بھی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، چنانچہ علمائے دیوبند میں بہترین نثر نگار، بہترین شعراء، بہترین ایڈیٹر اور نامور ادیب گزرے ہیں اور ہر دور میں اہل قلم مصنفین نے تصنیفات، مقالات، مضامین سے اُردو زبان کو مالا مال کیا ہے۔" (۳)

مولانا شیرکوٹی نے علمائے دیوبند کی خدماتِ زبان اُردو کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے، دور اول کی ابتدا وہ حاجی امداد اللہؒ سے کرتے ہیں جس میں اُن کی شاعری اور خطوط نگاری پھر مولانا قاسمؒ کی شاعری اور مکتوباتِ اُردو کا تذکرہ، اوّل شیخ الحدیث مولانا محمد یعقوبؒ کی شاعری اور مکتوبات، مولانا ذوالفقار علیؒ اور شیخ الہند کی اُردو شاعری، دیوان حماسہ، دیوان متنبی، قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد، سبعہ معلقات کے اُردو ترجمے اور شرحیں، اور مولانا فضل الرحمٰنؒ کی شاعری کا ذکر کیا ہے۔

دورِ دوم میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفتی عزیز الرحمٰنؒ، اور حافظ محمد احمدؒ کا ذوقِ شعر اور اُن کے اشعار کے نمونے درج کیے ہیں۔

دورِ سوم میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شاعری کا ذکر، سید اصغر حسین کی شرح بڑی "مصیبت نامہ" مولانا اعزاز علی کی فارسی، اُردو اور عربی شاعری کا ذکر اور پھر دیوبند کی تعریف میں ایک مسدس لکھا ہے۔ مولانا سراج احمدؒ اور علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی شاعری کے نمونے درج کیے ہیں۔

---

(۳) انوار الحسن، پروفیسر، شیرکوٹی: حیات امداد (کراچی، مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن) طبع اوّل ۱۹۶۵ء، ص ۴۲۔

دورِ چہارم و پنجم میں قاری محمد طیبؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد منظور (مصنف نے منظور احمد لکھا ہے جو درست نہیں) نعمانیؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا بدر عالمؒ، مولانا احسان اللہ تاجورؒ، مولانا عتیق الرحمٰنؒ، مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، مولانا محمد میاںؒ، مولانا حامد الانصاری کا ذکر کیا ہے۔

اِس سے اگلے حصہ میں مولانا کی حیات، جنگ آزادی میں شرکت، جنگ آزادی کے بعد گرفتاری کے احکامات، مکہ معظمہ کو ہجرت اور حالت عسرت، پھر تصانیف کی پوری تفصیل و تبصرہ اور کتب خانے کا ذکر ہے۔

۲۔ تجلیاتِ عثمانیؒ: نقش اول، صفحات ۷۱۲۔ ادارۂ تصنیف و تالیف چلیک ملتان، دسمبر ۱۹۵۷ء

یہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی سوانح حیات ہے۔ جس میں مولانا کے پابند شریعت، عالم دین، نائب رسول، داعی الی اللہ داسلام کے عنوانات کے تحت سوانحی تذکرہ اور اُن کی تصانیف پر سیر حاصل تذکرہ کیا ہے۔

مفسرِ اعظم کے عنوان سے مولانا عثمانیؒ کی اُردو تفسیر عثمانی پر نظر ڈالی گئی ہے اور رقمطراز ہیں :-

"تفسیر عثمانی بھی ایک گلشن ہے جس کی سیر جنت فردوس و عدن کی سیر سے کہیں زیادہ پُر بہار ہے۔ اِس کی قدر و قیمت کے اندازے ان قدر دانوں سے پوچھئے جو اس کی بہاروں کے مشتاق اور دلدادہ ہی نہیں بلکہ واقف حقیقت ہیں"۔ (۴)

علامہ عثمانی کے سیاسی مسلک اور سیاسی کارناموں پر روشنی ڈالنے کے ساتھ اُس زمانہ کے دُنیا کے حالات اور ہندوستان کے سیاسی حالات کا ذکر بھی ہے۔

علامہ عثمانی کے ادبی مقام اور اُردو ادب کی خدمات کو خصوصی عنوان دے کر ذکر کرتے ہوئے اِس مصرعے کا حوالہ دیا ہے کہ،

"سفینہ چاہیے اِس بحرِ بیکراں کے لیے"

علامہ عثمانی کے اُردو ادب پر اہل علم و ادب کے خیالات کی روشنی میں، اُن کی سلاست و فصاحت، ادبی شگفتگی، متانت و بلاغت، شوخی اور رنگینی، ادبی جامعیت، انگریزی ساخت کی اُردو، کے حوالے پیش کیے ہیں۔ اسلامی ادب میں مولانا عثمانیؒ کے مقام کے سلسلہ میں مولانا کی عربی گفتگو اور حوالے پیش کیے ہیں۔

کتاب کے آخری حصہ میں خدمات اسلامی و ملکی اور سیاست کے مختلف ادوار کے تحت مولانا عثمانیؒ کی خدمات کو پیش کیا ہے

(۴) تجلیاتِ عثمانی، انوار الحسن، پروفیسر، شیر کوٹی، (ملتان: ادارہ تصنیف و تالیف، چلیک ۱۹۵۷ء)، ص ۸۹ ۔

اس طرح یہ کتاب سوانح، سیرت، علم و ادب، تاریخ، تفسیر، فقہ، غرضیکہ بہت سے علوم کو محیط ہے۔

۲۔ امام الغزالیؒ کے تعلیمی نظریات و اصلاحات :۔ لاہور: ملک دین محمد اینڈ سنز، ۱۹۵۴ء، صفحات ۲۲۴۔

باب اول: حالات زندگی، باب دوم: امام غزالیؒ کے عہد کے عام حالات، باب سوم: امام غزالیؒ کے عہد کا علمی اور ذہنی ماحول، باب چہارم: اسلامی نظام تعلیم اور اس کا پس منظر، باب پنجم: امام غزالیؒ کے تعلیمی نظریات و اصلاحات، باب ششم: امام غزالیؒ کے نظریات پر ناقدانہ نظر۔

امام غزالیؒ کی تصانیف کے ترجمے اور شرحیں متعدد زبانوں میں موجود ہیں، ان کے ذریعے اظہارِ خیال کی ترجمان عربی اور فارسی تھیں۔ فارسی میں ان پر بہت کم لکھا گیا، البتہ فارسی زبان میں ان کی سوانح حیات غزالی نامہ قابل قدر چیز ہے۔ عربی میں بیروت کے بعض عیسائی علماء نے امام کے نظریات میں بعض مختصر رسالے لکھے۔ مصر کے مشہور فاضل ڈاکٹر زکی مبارک نے "الاخلاق عند الغزالی" کے نام سے ایک تحقیقی مقالہ لکھا جو امام پر تنقید سے مملو ہے۔ اُردو زبان میں سرسید احمد خان نے اپنی تحریروں میں اور علامہ شبلی نے "الغزالی" لکھ کر امام سے اُردو دان طبقہ کو روشناس کرایا لیکن امام کے افکار و نظریات پر ایسی کوئی کتاب موجود نہ تھی جسے یہ کتاب پورا کرتی ہے۔

سید ابو الحسن فردانی ندوی رقمطراز ہیں :۔

"پیش نظر کتاب "امام غزالی کے تعلیمی نظریات" اُردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جسے برادر عزیز انوار الحسن صاحب نے بڑی محنت اور کاوش سے مرتب کیا ہے۔" (۵)

اس کتاب کے مطالعہ سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ امام غزالیؒ ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے کس درجہ ممتاز تھے۔ مولانا انوار الحسن شیرکوٹی نے وقت کی اہم ضرورت کی طرف توجہ کی اور اپنی دماغی اور فکری صلاحیتوں کو عالم اسلام کی عظیم شخصیت کے کارناموں کو منظر عام پر لانے میں صرف کیا۔ یہ انگریزی کے درجہ ایم۔اے لکھنؤ یونیورسٹی کے مقالہ کا اُردو ترجمہ ہے جو ترمیم و اضافہ کے ساتھ مولانا نے اُردو زبان کے روپ میں پیش کیا۔ انہوں نے امام غزالی کی تصانیف کی مدد سے، طریقۂ تعلیم اور اصولِ تعلیم کے متعلق ان کے خیالات و نظریات کو مختصر طور پر مرتب کر دیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اسلامی ممالک میں جو مختلف طریقے تعلیم و تعلم کے ابتداء سے رائج تھے، اُن کا ذکر بھی بطور تمہید مقالہ کے شروع میں بہت خوبی سے کیا گیا ہے۔ اس طرح مقالے کی افادیت اور جامعیت باوجود اس تیسرے اختصار کے یقیناً بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ (۶)

۴۔ سیرت یعقوب و مملوک :۔ ناشر، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۹۷۶ء، صفحات ۳۲۰۔

باہتمام و تعاون و سرپرستی، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا محمد رفیع عثمانی ۔ یہ مولانا محمد یعقوبؒ نانوتوی اولین شیخ الحدیث و صدر المدرسین دار العلوم دیوبند و اپنے اُستاد محترم کے بیٹے مولانا مملوک علی صدر شعبہ علوم شرقیہ دہلی کالج، بجو د پدر و لپسر کی علمی، روحانی، اخلاقی اور ادبی سوانح حیات

---

(۵) امام الغزالی کے تعلیمی نظریات و اصلاحات : انوار الحسن، پروفیسر، شیرکوٹی، لاہور ملک دین محمد اینڈ سنز، ۱۹۵۴ء، ص ۲۔

(۶) ایضاً ۔ ایضاً ایضاً ص ۵ و ۶۔

مولانا شیرکوٹی رقمطراز ہیں :۔

" اپنی خوش قسمتی پر ناز کر رہا ہوں کہ ان کی سوانح زندگی لکھ کر پیش کر رہا ہوں ، کون تھے اور وہ کیا تھے ، ان اوراق میں یہی بتانا چاہتا ہوں ۔ باپ ہندوستان کے اکابر اہل علم وفضل کا استاد ، دہلی کالج میں علوم شرقیہ کی کرسی صدارت پر جلوہ گر ، بیٹا دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت کا مسند آرا ، باپ نور تو بیٹا نور "علی نور" " (۷)

صفحہ ۲۲ تک مولانا محمد یعقوب کے حالات زندگی ، صفحہ ۲۹ سے ۹۰ تک مولانا مملوک علی کے حالات واقعات زندگی ، اس سے اگلے صفحات میں کتاب کو بڑے اور چھوٹے عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں روحانیات ، کشفیات ، تعبیرات ، علمیات ، تاریخیات ، طبعیات بڑے عنوانات ہیں پھر ہر عنوان کے ذیل میں چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کئے گئے ہیں ۔ ادبیات کے عنوان کے تحت بر دو حضرات کی اُردو نثر کے متعلق ناقدانہ نظریات پر نظر ڈالی ہے اور عمدہ نثر کے نمونے پیش کیے ہیں ۔

مولانا یعقوب کی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ وہ گمنام تخلص کرتے تھے مثلاً

ہم نے گمنام وہاں پاؤں جائے اپنے ☆ پا فرشتہ کا بھی جس جا پر پھسلتا دیکھا

اُن کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اُن کی شاعری کا خالص اسلامی رنگ تھا ۔ اس میں حمد و نعت ، مدح مرشد ، شوق دیدار الٰہی ، شوق زیارت حرمین یا معرفت کے سوا کچھ نہیں ۔ صفحہ ۲۰۴ تا ۲۰۹ تذکرہ پیرو مرشد حاجی امداد اللہؒ ۔ اُردو قصیدہ میمنہ اور چند غزلیات ہیں ۔ صفحہ ۲۱۰ تا ۲۱۹ مولانا یعقوبؒ کا فارسی ادب سے تعلق ، عربی شاعری اور صفحہ ۲۲۰ سے آگے ملفوظات درج ہیں ۔

۵۔ روح رمضان :۔ مطبوعہ رشید آرٹ پریس لاہور ، تاریخ مصنف ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء ، صفحات ۳۸۴ ۔

۱۹۶۰ء میں مولانا انوار الحسن شیرکوٹی کا مقالہ " انوار الصیام " اسلامیہ کالج لائل پور (اب فیصل آباد) کے مجلہ میں چھپا جس پر مدیر مجلہ نے توصیفی نوٹ لکھا ۔ اس سے مولانا کو تحریک ہوئی کہ روزہ پر کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس سے کوئی عنوان رہنے نہ پائے ۔ ان کے ایسے مضامین اخبارات و رسائل میں بھی چھپتے رہتے تھے ۔ چنانچہ اس کام کو انہوں نے ۲۹ جنوری ۱۹۶۱ء کو شروع کیا اور ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء کو ختم کر کے اس کا نام روح رمضان رکھا ۔ اس میں رمضان اور اس سے متعلق احکامات و مسائل عمدہ اُردو زبان میں یکجا کر دیئے ۔

۶۔ انوار قاسمی :۔ ناشر : ادارہ سعدیہ مجددیہ ۱۸/۲۲ جیمبرلین روڈ ، لاہور ، طبع اوّل ۱۹۶۹ء ۔ جلد اوّل ۔ صفحات ۵۸۸ ۔

(۷) سیرت یعقوب و مملوک : انوار الحسن ، مولانا ، شیرکوٹی : کراچی ، مکتبہ دارالعلوم ، ۱۹۷۲ء ، ص ۹ ۔

کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے ۔ پہلا باب ۔ مولانا محمد قاسم کی ولادت وغیرہ ، دوسرا باب عہد طفلی سے تعلیم: تکمیل حدیث تک تیسرا باب ۔ سلوک وحال سے متعلق احوال پر مشتمل ہے ، چوتھا باب معاشی اور عائلی زندگی ، حج ، مطبع ہاشمی کا قیام ، علیگڑھ میں قیام ازدواجی زندگی ، زوجہ کی سیرت ، فرزند حافظ محمد احمد کے حالاتِ زندگی اور نبیرہ ، قاری محمد طیب کے حالات پر مشتمل ہے ، پانچواں باب جہادِ حریت ، برصغیر میں مسلمانوں کی آمد ، انگریزوں کی آمد ، جنگ آزادی کے واقعات ، جہاد آزادی کے چار مراکز ، جہاد کا فتویٰ ، جہاد شاملی ، حاجی امداد اللہؒ کی ہجرت ، تین حج ، قیام مکہ اور واپسی تک کے واقعات کا ذکر ہے ، چھٹے باب میں تحریک دارالعلوم کا پس منظر ، اس کے ارتقائی ، علمی تہذیبی اثرات اور اس کے اکابر پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ ساتواں باب مختصر ہے ۔ اس میں قاسم العلوم بحیثیت معلم ، اُن کے خصوصی تلامذہ مع اُن کے شجرہ کے تذکرہ ہے ۔ آٹھویں باب میں مولانا کی عائلی زندگی کے رسم ورواج کی اصلاح کے ذکر کے علاوہ جہادِ لسانی وقلمی ، بدعات کی روک تھام وغیرہ کا ذکر ہے ۔ نویں باب میں دفاعِ اسلام اور ردِ عیسائیت کا تذکرہ ہے ۔ اس میں مولانا کی تقاریر اور عیسائیوں کے ساتھ مناظروں ، دعوتِ اسلام ، تفصیل مناظرہ رُڑکی ، دیانند سرسوتی کا رُڑکی سے فرار وغیرہ واقعات ہیں ۔ دسواں باب آخری حج سے لے کر وفات تک ہے ۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی مولانا محمد قاسمؒ کی سوانح حیات (بنام سوانح قاسمی) تین جلدوں میں لکھی ہے ۔ سب سے پہلے سوانح قاسمی لکھنے کا خیال مولانا محمود الحسنؒ کے دل میں پیدا ہوا ، بعض وجوہ وحوادث کی بنا پر اس پر عمل نہ ہو سکا ، مواد بھی ضائع ہو گیا اور ذہنی سرمایہ بھی عالم بقا کو سدھارا ، پھر مولانا فخر الحسن گنگوہی نے سوانح نگاری کا بیڑہ کیا ، مواد ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل جمع کیا گیا لیکن وہ بھی نذرِ حوادث ہو گیا ۔ اس کے بعد حاجی فضل حق مہتمم ثالث نے ایک مفصل سوانح مرتب کی لیکن حوادثِ وقت نے اسے بھی ضائع کر دیا ۔ بالآخر یہ سعادت مولانا مناظر احسن گیلانی کے حصہ میں آئی اور انہوں نے بچے کھچے مواد سے سوانح قاسمی تین جلدوں میں مرتب کی ۔ مولانا مرحوم کی آخری عمر کی یہ آخری تصنیف اُن کے رواں دواں قلم کا شاہکار ہے ۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سوانح جہاں جامع ہے ، وہاں طوالت وتکرار سے بھی خالی نہیں ۔ بعض جگہ طولِ امل پیدا ہو گیا ہے ، جس کی وجہ بقول خود مولانا کے :-

> "سوانح قاسمی کے سلسلہ میں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی مطبوعہ یادداشت بنام سوانح قاسمی ایک جامع متن کی حیثیت رکھتی ہے ، جس میں سب کچھ آگیا ہے ۔ میں نے اس کو پھیلا کر بیان کر دیا ہے ۔ شرح کے معنی ہی پھیلاؤ اور طول کے ہیں ورنہ وہ شرح نہ رہے ۔" (۸)

(۸) انوارِ قاسمی : انوار الحسن ، پروفیسر ، شیر کوٹی ؛ لاہور ، ادارہ سعدیہ مجددیہ ، جمبرلین ، طبع اول ۱۹۶۹ء ، ج ۱ ، ص ۳۰۲

اِس طوالت کی ایک وجہ تمام کی نوعیت ہے اور دوسری وجہ مولانا ایک مؤرخ اور عالم ہی نہ تھے بلکہ صاحبِ حال بزرگ بھی تھے، جنہیں اپنے اکابر کے ساتھ عاشقانہ اِرتباط تھا۔ اسی لیئے قلم نے مؤرخانہ کی بجائے والہانہ انداز اختیار کیا۔ اِس سوانح کے کتنے ہی مقامات پر یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہ تاریخ نہیں لکھ رہے بلکہ عشق کی وارفتگیوں میں گم ہو کر سوانح میں نہیں، صاحبِ سوانح میں گم ہیں۔

بسا اوقات دُنیا میں ایک مرکزی شخصیت کی متعدد سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں جو مستحسن بلکہ بسا اوقات ضروری سمجھا گیا ہے۔ اِس سے جہاں صاحبِ سوانح کی جامعیت کُھلتی ہے وہیں سوانح نگاروں کی فہم و فراست اور ذوقِ وجدان کے مختلف رنگ بھی آشکارا ہوتے ہیں اور پھر سوانح خوانوں کے مختلف مذاقوں کی تسکین کا سامان بھی بہم پہنچتا ہے۔ اسی جذبے سے مولانا انوار الحسن شیر کوٹی نے سوانح قاسمی کو خالص تاریخی نقطۂ نظر سے پیش کرنے کا اقدام کیا ہے۔ موصوف کو علمی مشاغل کے ساتھ فنِ تاریخ سے ایک فطری لگاؤ اور طبعی شغف ہے، لیکن وہ تاریخی چیزوں کو، افسانوں یا افواہی روایتوں سے بالاتر ہو کر خاص تاریخی نقطۂ نظر سے پرکھنے اور تنقید و تحقیق کے ساتھ قبول کرنے کے عادی ہیں۔ تاریخ میں اِن کے یہاں حوالہ جات، اِستناد اور وجوہ ثبوت کو خاص اہمیت حاصل ہے، تجلیات عثمانی اور جات امداد اِس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

انوارِ قاسمی ایک تاریخی اور علمی ذخیرہ مولانا کی کئی سال کی عرق ریزی اور محنت و کاوش کا ثمرہ ہے۔ اِس تاریخی ذخیرہ میں جہاں انہوں نے سوانح قاسمی مؤلفہ مولانا گیلانی سے استفادہ کیا ہے، وہیں بہت سا مواد اُن کی ذاتی کاوش اور تلاش و جستجو کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں مرتب کی گئی ہے۔ پہلی جلد میں صاحبِ سوانح کی ذاتی زندگی، علمی زندگی کے حالات، خاندان کا احوال، مولد و منشاء خاندان کے بعض بزرگوں کے حالات اساتذہ و شیوخ کی نشاندہی، اسانید حدیث، جاد شاملی کے تحقیقی گوشے کافی تحقیق و اِستناد کے ساتھ پیش کیئے ہیں۔ اِس سے بڑھ کر فاضل مصنف نے جو لاثانی رنگ میں ایک مثالی کارنامہ انجام دیا ہے، وہ حضرت والا کے علوم و حکمت کا تعارف ہے۔ تصانیف قاسمیہ کی تعداد اُن کے موضوعات بحث، اُن کی فلسفیانہ اور عارفانہ مباحث کی حیثیت اور اِس حکمت کے بنیادی اُصول و فروع کی استدلالی نوعیت پر سیر حاصل بحث کی ہے جو حقیقتاً حضرت والا کی حقیقی سوانح حیات ہے اور جس سے نمایاں ہوتا ہے کہ صاحبِ سوانح نے وقت کے تقاضوں کو کن عارفانہ نگاہوں سے دیکھا ہے اور کس طرح بطور پیش بندی اِن کے لیے اسرارِ غیب کا ذخیرہ جمع کیا ہے + (9)

۷۔ خطباتِ عثمانی :۔ ناشر، نذر سنز ۲۲۱ سرکلر روڈ اُردو بازار لاہور، طبع اوّل ۱۹۷۲ء صفحات ۲۱۶ ۔

یہ کتاب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحؒ کے ملی، سیاسی اور تحریکِ پاکستان سے متعلق عالمانہ خطبات، مکتوبات اور مقالات کا مجموعہ ہے۔ ابتداء میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی زندگی کا مختصر حال دینے کے بعد، سیاست کا آغاز، جنگِ بلقان، دارالعلوم کا فتویٰ کہ ترکوں کی مدد فرض ہے، جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء تحریکِ خلافت میں مولانا عثمانیؒ کا حصہ، تحریکِ ترکِ موالات، چودہ مکتوبات بنام مختلف شخصیات، خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس پر تھ ۔

---

(۹) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵، ۶

دسمبر ۱۹۴۵ء، خطبۂ صدارت "ہمارا پاکستان"، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس خطبہ میں فرمایا :-

"ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لیے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبحِ فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں، جس کے پردے سے ہماری کامرانیوں کا مہرِ منیر طلوع ہوگا۔ اس صبحِ اُمید کی نمود تک ہم ناامیدیوں کی شبِ تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے" (خطبہ لاہور) (۱۰)

صفحہ ۲۴۷ پر مولانا عثمانیؒ کی مرکزی اسمبلی میں مسئلہ کشمیر پر تقریر، صفحہ ۲۴۸ تا ۲۶۳ جنگ کشمیر کے بارہ میں مولانا مودودی کے فتوئ جہاد پر باہم مراسلت خطبۂ موتمر عالم اسلامی، قائدِ اعظم کے جنازہ پر تقریر کا خلاصہ، ۱۰ فروری ۱۹۴۹ء ڈھاکہ کانفرنس کا خطبہ، قرار دادِ اغراض ومقاصد سے سکوتِ مشرقی پاکستان تک کے اہم واقعات درج ہیں۔

۸۔ انوارِ عثمانی :- ناشر، مکتبۂ اسلامیہ، مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی، مصنف نے تاریخ تکمیل ۱۰ مئی ۱۹۶۶ء لکھی ہے۔ صفحات ۲۸۸۔

یہ کتاب اُردو زبان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے علمی، سیاسی و ذاتی مکتوبات اور دیگر علمی افادات کا مجموعہ ہے۔ بالخصوص مسئلہ کشمیر پر مولانا مودودی سے اور سینما بینی پر مولانا عبدالماجد دریا آبادی سے مراسلت، موتمر مکہ کی علمی ڈائری، قرار دادِ مقاصد کی تائیدی تقریر اور علامہ عثمانی کی وفات پر اکابر ملک کے بیانات اور شعرا کے مرثیوں پر مشتمل ہے۔

تبصرہ :- خطوط مولانا شیر کوٹی کے ذاتی جمع کردہ علامہ عثمانی کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں یا اخبارات سے لیے گئے ہیں، یہ مکتوبات تین قسم کے ہیں

۱۔ علمی خطوط :- یہ خطوط اہلِ علم کے لیے نورِ بصیرت ہیں۔ مثلاً مولانا عبدالماجد، ابوسعید بزمی، مولانا مودودی سے کشمیر کے متعلق اور مفتی جمیل سے خط و کتابت

۲۔ سیاسی اور نظریہ پاکستان سے متعلق خط و کتابت جو بجائے خود تاریخ وعلم کا مرقع ہیں۔

۳۔ ذاتی اور نجی خطوط، جن میں بنی نوع انسان کی ہمدردی، شفقت اور حسنِ خلق کی جھلک ہے۔

مولانا عثمانیؒ جہاں زبردست عالم تھے، وہاں بلند پایہ انشا پرداز بھی تھے۔ ان کے مکتوبات کی بذیل خصوصیات کی مولانا شیر کوٹی نے نشاندہی کی ہے :-

ادبی شان :- علامہ کے خطوط کی زبان نہایت شیریں، صاف، مربوط اور دلنشیں ہے۔ وہ ایک بلند پایہ انشا پرداز ہیں۔ اس لیے ان کے

(۱۰) محمد انوار الحسن، پروفیسر، شیر کوٹی : خطباتِ عثمانی، طبع اول ۱۹۷۲ء، لاہور، نذر سنز، ص ۱۸۴۔

خطوط میں فصاحت و بلاغت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ الفاظ ضرورت کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ اداۓ مدعا میں سخت محتاط ہیں ۔
عقیدت کے چند پھول کے عنوان سے مولف نے چودہ اشعار پر مشتمل مرثیہ کہہ کر کتاب میں شامل کیا ہے ۔ آخری دو شعر درج کیے جاتے ہیں ۔

کیا ہی نعمت تھی مگر علامہ عثمانیؒ کی ذات * پھول بن کر گلشن ہستی کو مہکاتا رہا *

وہ چونے دنیا سے کیا رخصت کہ انوار الحسن * زندگی کا لطف جینے کا مزا جاتا رہا * (۱۱)

۹۔ حیاتِ عثمانی :۔ ناشر مکتبہ دارالعلوم کراچی، تصحیح و ترتیب مولانا اشفاق احمد قاسمیؒ ، جولائی ۱۹۸۵ء
علامہ شبیر احمد عثمانی اُن بزرگوں میں سے ہیں جن کی نظیریں ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں ۔ ان کے علمی و تحقیقی کارنامے اور اُن کی علمی جدوجہد پوری اُمت مسلمہ کے لیے بالعموم اور مسلمانانِ برصغیر کے لیے بالخصوص ، ہماری تاریخ کا گرانقدر سرمایہ ہے ۔
مولانا انوار الحسن شیر کوٹیؒ نے علامہ عثمانیؒ کی شخصیت اور اُن کے کارناموں کو موضوع بنا کر اُن کی خدمات کو اُجاگر کرنے کا فرض کفایہ بڑی محنت ، عرق ریزی اور والہانہ محبت کے ساتھ انجام دیا ہے۔ انہوں نے پہلے "تجلیات عثمانیؒ" اور پھر "انوار عثمانیؒ" لکھ کر علامہ عثمانی کے کارناموں سے دُنیا کو روشناس کرایا۔ تجلیات عثمانی کے بارہ میں عبدالماجد دریا آبادیؒ رقمطراز ہیں :۔

"مقام شکر و حسرت ہے کہ بالآخر یہ سعادت لائل پور اسلامیہ کالج کے ایک اُستاد مولانا انوار الحسن صاحب شیر کوٹی کے حصہ میں آئی اور انہوں نے ایک جامع مرحوم علامہ کی پبلک زندگی کا سات سو صفحات میں پیش کر دیا جس کے اندر اُن کے علمی ، دینی ، سیاسی ، تدریسی ، تصنیفی زندگی کے سبھی پہلو آگئے ۔" (۱۲)

مولانا شیر کوٹیؒ نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی مفصل سوانح حیات ، حیاتِ عثمانی کے نام سے لکھنی شروع کی اور اس میں بڑی نادر معلومات جمع کیں ۔ اس کے کچھ حصے "البلاغ کراچی" میں شائع ہوئے لیکن ابھی یہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ مولف اس دارِفانی سے عالم بقا کو سدھار گئے ، مسودہ اُن کے صاحبزادے ڈاکٹر ابرار الحسن کے پاس فیصل آباد میں تھا جو انہوں نے دارالعلوم کراچی کو دے دیا اور دارالعلوم والوں نے مولانا اشفاق احمد قاسمی سے اِس مسودہ کی تصحیح و ترتیب کروا کر ۱۹۸۵ء میں شائع کی ۔ اس کتاب میں مولانا عثمانیؒ کی زندگی کے آخری تین سالوں کا تذکرہ نہیں غالباً مصنف کی یہ کتاب اُن کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی ۔

(۱۱) ایضاً ایضاً ص ۵۰۲

(۱۲) حیات عثمانی : محمد انوار الحسن ، پروفیسر ، شیر کوٹی : مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۹۸۵ء ، تصحیح و ترتیب مولانا اشفاق احمد قاسمی ص ۲۴ ۔

حیاتِ عثمانی کے پیشِ لفظ میں مولانا شیر کوٹی رقمطراز ہیں :۔

"بہر حال حیات عثمانی قارئین کرام کی ضیافت کے لیے حاضر ہے۔ صرف دُعائے خیر کا طالب ہوں۔
اور اغلاط سے تسامح کا متمنی۔ والسّلام۔

* یہ بھی اک زندگی کا کام ہوا *

* جس سے انوار تیرا نام ہوا * تاریخ ۲۸ اگست ۱۹۷۲ء (۱۳)

بعض مضامین یا تقریریں یا حالات وغیرہ ان چار کتابوں، تجلیات، خطبات، انوار، حیات میں مکرر بھی آئے ہیں۔ لیکن
بقول مصنف تکرار ضرورت سے خالی نہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس تکرار پر مصنف نے معذرت خواہی بھی کی ہے۔ (۱۴)

مولانا انوار الحسن کا شاعرانہ ذوق :۔ اُردو کے علاوہ عربی اور فارسی میں شاعرانہ ذوق رکھتے تھے، آل انڈیا کے مشاعروں
میں بھی شرکت کرتے رہے انور تخلص کرتے تھے۔ مسجد عثمانیہ میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

نمونۂ کلام :۔ نہ لے حساب کہ میں لائقِ حساب نہیں * کرم کی مجھ پہ نظر ہو کہ شرمسار ہوں میں *
بغیر پرسشِ اعمال بخش دے مجھ کو * کہ سر سے پاؤں تلک داغدار ہوں میں *
خدا ہی خیر کرے روزِ حشر اے انور * جہاں میں سب سے زیادہ گنہگار ہوں میں * (۱۵)

اختر راہی رقمطراز ہیں :۔

"تذکرۃ العلماء تصانیف کے علاوہ اُردو اور اسلامیات کی نصابی کتب اور بیسیوں مضامین ہیں
جو رسائل و جرائد میں منتشر ہیں؛
مولانا انوار الحسنؒ شعر کہتے تھے، اُن کا مجموعہ کلام شائع نہیں ہوا ؛ ایک نظم میں علامہ اقبالؒ کو
خراج تحسین پیش کرتے ہیں :"

زندگی کے ساز کی اقبال" تو آواز ہے * کس بلندی پر تخیل کی تیرے پرواز ہے *

---

(۱۳) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۷ تا ۲۸
(۱۴) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۳
(۱۵) فیوض الرحمٰن، قاری، مولانا : مشاہیر علمائے دیوبند، طبع اوّل ۱۹۷۶ء، لاہور، مکتبہ العزیزیہ، ص ۱۰۸

تیرے نالوں نے دیا ہم کو سُراغِ زندگی ٭ تیری آہوں نے کیا روشن چراغِ زندگی ٭

تیرے نغموں نے کیا شاداب باغِ زندگی ٭ تو نے پہنچایا بلندی پر دماغِ زندگی ٭

تو نے گرمایا فغاں سے مردِ مومن کا لہو ٭

تیرے نغموں نے کیا پیدا جہانِ رنگ و بُو ٭ (۱۶)

←—— ٭٭٭ ——→

---

(۱۶) اختر راہی : تذکرہ علمائے پنجاب ، ص ۱۳۲ -

مولانا مفتی محمد شفیع (مفتئ اعظم پاکستان)

حالات زندگی :۔

مفتی صاحب اپنی معروف تصنیف تفسیر قرآن پاک "معارف القرآن" جلد اوّل میں "مختصر سرگزشت مصنف" کے عنوان سے اپنے حالاتِ زندگی میں رقمطراز ہیں :۔

"ناکارہ خلائق بندہ محمد شفیع ابن مولانا محمد یٰسین صاحبؒ اس نعمت کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا کہ حق تعالیٰ نے اس کا مولد و وطن مرکز علوم اسلامیہ دیوبند کو بنا دیا اور ایسے والد محترم کی آغوش میں پرورش کا موقع عطا فرمایا جو حافظ قرآن اور عالم دین ہونے کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر بھی تھے ۔ وہیں تعلیم حاصل کی ، وہیں مدرس ہو کر ساری عمر تعلیم کی خدمت میں گزاری ۔
احقر کی ابتدا تعلیم قرآن والد محترم کی تجویز سے دارالعلوم کے اساتذۂ قرآن حافظ عبد العظیم صاحبؒ اور حافظ نامدار خاں صاحبؒ کے پاس ہوئی ۔ پھر خود والد محترم کی خدمت میں رہ کر اردو ، فارسی ، ریاضی اور ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی ۔ پھر دارالعلوم کے درجۂ عربی میں باقاعدہ داخلہ کر ۱۳۲۵ھ میں درس نظامی کا نصاب اُن ماہر فن اساتذہ کی خدمت میں رہ کر پورا کیا ۔ جن کی نظیر آج دنیا کے کسی گوشے سے ملنا مشکل ہے ۔ حافظ حدیث حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ ، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ ، عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ ، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور ماہر علوم معقول و منقول حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ و حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحبؒ" (۱)

آپ کا نام محمد شفیع ، والد کا نام مولانا محمد یٰسین ، آپ کے آباؤ اجداد حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد سے اور والدہ ماجدہ سادات سے ہیں ۔ آپ والد کی اولاد نرینہ میں اکلوتے بیٹے تھے ۔ البتہ آپ کی تین بہنیں تھیں ۔ آپ کی ولادت دیوبند ضلع سہارنپور میں ۲۰ شعبان ۱۳۱۴ھ / ۲۵ جنوری ۱۸۹۷ء کو ہوئی ۔ آپ کے دادا نے آپ کا نام محمد مبین رکھا تھا ۔ لیکن آپ کے والد کی طرف سے بذریعہ خط اطلاع ملنے پر حضرت گنگوہیؒ نے جواب میں محمد شفیع نام تجویز کیا ۔ خط کے الفاظ یہ ہیں :۔ "تولد فرزند سے مسرت ہوئی ۔ نام اس کا محمد شفیع رکھنا ۔" (۲)

---

(۱) معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحب :۔ کراچی ، ادارہ المعارف ، مارچ ۱۹۸۸ء ، ج ۱ ، ص ۶ ۔

(۲) البلاغ کراچی خصوصی نمبر بیاد مفتی اعظم ، حیات مفتی اعظم از محمد رفیع عثمانی ، اپریل ، مئی ، جون ۱۹۸۶ء ج ۱۲ ، شمارہ ۶ ، ۷ ، ۸ ۔

تعلیم :۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ کی تعلیم حافظ محمد عظیم کے پاس دارالعلوم دیوبند میں شروع ہوئی۔ (مفتی صاحبؒ نے معارف القرآن جلد اوّل میں خودنوشت سوانح میں قرآن کریم کی تعلیم کا آغاز "حافظ عبدالعظیم اور حافظ نامدار خان سے" کرنے کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ البلاغ میں مولانا رفیع عثمانی نے اور جواہر الفقہ میں جو مفتی صاحب کی تصنیف ہے، میں تذکرہ مؤلف کے عنوان کے تحت ابتدائی اُستاد کا نام حافظ محمد عظیم ہی تحریر کیا ہے۔ راقم کے نزدیک خودنوشت سوانح عمری میں درج نام ہی درست ہو سکتا ہے)

چونکہ آپ کی ننھیال پُور قاضی ضلع مظفر نگر میں تھی۔ بچپن میں والدہ ماجدہ کے ساتھ وہاں بکثرت جانا ہوتا تھا۔ ایک دفعہ جب کہ آپ قرآن پاک ناظرہ ہی پڑھتے تھے، وہاں کچھ زیادہ دنوں کے لیے جانا ہوا تو تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے آپ کو وہیں ایک مکتب میں عارضی طور پر بٹھا دیا گیا۔ ایک روز اُستاد نے ایک لڑکے کو رسی سے باندھ کر ڈنڈے سے مارا تو آپ کو دہشت سے ہی بخار چڑھ گیا، جب والدہ کو معلوم ہوا تو اُس مکتب سے اُٹھا لیا اور اس طرح قرآن پاک ناظرہ کی تعلیم دیوبند ہی میں ہوئی۔

آپ نے قرآن پاک کے چند پارے حفظ بھی کر لیے تھے جن کو آپ نے عمر بھر یاد رکھا۔ قرآن کریم کی تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم ہی میں خط و املا کی مشق اور فارسی کی تمام مروجہ کتابوں کی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ حساب، فنون ریاضی اور اقلیدس اپنے چچا منشی منظور احمد مدرس دارالعلوم دیوبند سے پڑھے۔ فن تجوید اپنے رفیق درس قاری محمد یوسف میرٹھی سے حاصل کیا۔

عربی صرف و نحو اور فقہ کی ابتدائی کتب فصول اکبری، ہدایۃ النحو اور منیۃ المصلی تک اپنے والد موصوف سے فارسی تعلیم کے ساتھ ہی پڑھ لی تھیں۔(۳) ۱۳۳۰ھ میں جب آپ کی عمر ۱۶ سال تھی۔ اصول فقہ اور ادب وغیرہ کی متوسط کتابیں دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی میں باقاعدہ داخل ہو کر شروع کیں۔ آپ کا گھریلو ماحول زبردست عامل و حامل شعائرِ دینی تھا۔ آپ کا قول تھا :۔

"اگر ہم اپنے بزرگوں کے تبحر علمی اور باطنی کمالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کرتے تو ہمیں اپنے قدیم اسلاف، تابعین، تبع تابعین کے حیرت ناک دینی کمالات کا شاید اتنا علم نہ ہو سکتا"

آپ نے اپنے قابل ذکر اساتذہ کا ذکر اپنی خودنوشت سوانح (معارف القرآن جلد اوّل) میں کیا ہے جن کا ذکر پیرا نمبرا میں آ چکا ہے۔ ذوق علمی آپ کی زندگی کے ہر شعبہ پر ہمیشہ غالب رہا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ سے پہلی ملاقات :۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کے والد مولانا محمد یٰسین کے ہم سبق تھے۔ وہ حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد انہی کو اپنے شیخ کا قائم مقام سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء آپ کو بھی ساتھ لے گئے۔ یہ حضرت تھانویؒ سے آپ کی پہلی ملاقات تھی جو نو سال کی عمر میں ہوئی۔

(۳) البلاغ کراچی خصوصی نمبر بیاد مفتی اعظم، حیات مفتی اعظم، از محمد رفیع عثمانی، کراچی، ادارہ المعارف، ص ۹۲، ۹۷ و جواہر الفقہ از مفتی محمد شفیع۔ ص ۸، ۹۔

فلسفہ پڑھنے کی تلقین :- آپ نے مولانا تھانوی کی ہدایت اور مشورے پر علم فلسفہ کی کتب میبذی، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ پڑھیں۔

جدید فلسفہ کی تعلیم - مولانا محمد رفیع عثمانی رقمطراز ہیں :-

"دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں جدید فلسفہ شامل نصاب نہ تھا - آپ کے استاد محترم حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے درس حدیث کے دوران کئی بار طلبہ سے فرمایا کہ "پہلے زمانہ میں ہمارے اسلاف نے قدیم فلسفہ پڑھ کر اس کا رد کیا تھا۔ اس وقت وہی رائج تھا۔ لیکن آج کل قدیم فلسفہ کی جگہ جدید فلسفے نے لے لی ہے۔ اب دنیا میں یہی فلسفہ رائج ہے۔ اس لیے جدید فلسفہ ضرور پڑھنا چاہیے تاکہ نئے فتنوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔" چنانچہ حضرت والد ماجد اور دوسرے ممتاز طلبہ کی درخواست پر حضرت شاہ صاحب نے جدید فلسفہ کی مشہور کتاب "الفلسفۃ الجدیدہ" بھی خاص طور پر ان حضرات کو پڑھائی۔" (۱)

مفتی صاحب اپنی خود نوشت سوانح عمری میں رقمطراز ہیں :-

"اساتذہ اور اکابر دارالعلوم کی نظر شفقت وعنایت اول ہی سے اس ناکارہ پر مبذول تھی۔ ۱۳۳۶ھ میں احقر نے فنون کی بقیہ چند کتابیں قاضی اور میر زاہد امور عامہ وغیرہ پڑھنا شروع کیا تھا کہ اسی سال میں اکابر دارالعلوم نے احقر کو کچھ سبق پڑھانے کے لیے بھی دے دیئے۔ اس طرح ۱۳۳۶ھ میری تعلیم وتعلم کا مشترک سال تھا۔ ۱۳۳۷ھ سے باقاعدہ دارالعلوم میں تدریس کی خدمت پر لگا دیا گیا۔ بارہ سال مسلسل مختلف علوم وفنون کی متوسط اور اعلیٰ کتابوں کے درس کی خدمت انجام دی۔ ۱۳۴۹ھ میں مجھے صدر مفتی کی حیثیت سے دارالعلوم کا منصب فتویٰ سپرد کیا گیا۔ اس کے ساتھ کچھ کتابیں حدیث وتفسیر کی بھی زیر درس رہیں اور بالآخر ۱۳۶۲ھ میں تحریک پاکستان کی جدوجہد اور کچھ دوسرے اسباب کی وجہ سے دیوبند سے مستعفی ہو گیا۔" (۲)

دارالعلوم کی چھبیس سالہ خدمت درس وفتویٰ کے ساتھ خاص خاص موضوعات پر تصنیف کا بھی سلسلہ جاری رہا۔ ان تمام مشاغل اور بزرگان دارالعلوم کی صحبت سے اپنے حوصلے کے مطابق قرآن وحدیث سے کچھ مناسبت ہو گئی تھی۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے مجدد الملت، حکیم الامت سیدی

(۱) البلاغ کراچی مفتی اعظم نمبر بیاد مفتی اعظم :- ایضاً

ایضاً ص ۹۷ تا ۱۰۴ -

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کا شرف عطا فرمایا۔ جس کا سلسلہ حضرت کی وفات سے تقریباً بیس سال تک جاری رہا۔ (۵)

شیخ الہند سے پڑھنے کی تمنا :- آپ نے ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء میں مشکوٰۃ و جلالین وغیرہ کے وہ اسباق پورے کرلئے جن کے بعد دورۂ حدیث کا نمبر آتا ہے۔ تمنا یہ تھی کہ اگلے سال شیخ الہند سے صحیح بخاری پڑھنے کا موقع مل جائے گا مگر اُن کے حج پر روانہ ہونے کی وجہ سے یہ اُمید پوری نہ ہو سکی۔ ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء کا پورا سال حضرت شیخ الہند کا حجاز میں صرف ہوا۔ آپ نے اس سال اپنا دورۂ حدیث اس اُمید پر ملتوی کیا کہ شیخ الہند آ جائیں گے تو دورہ اُن کے سامنے ہوگا۔ لیکن ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء میں شیخ الہند انگریزوں کے اسیر ہو کر مالٹا جیل بھیج دیئے گئے۔ چنانچہ آپ کی شیخ الہند سے پڑھنے کی تمنا پوری نہ ہو سکی۔

حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے استفادہ اور دورۂ حدیث :-

بالآخر ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء میں آپ نے دورۂ حدیث حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے سامنے کیا۔ فلسفہ کی بعض کتابیں بھی آپ نے حضرت شاہ صاحب سے پڑھیں۔ مولانا رفیع عثمانی رقمطراز ہیں :-

> "حضرت والد صاحب کی تصانیف میں علمی تحقیق اور وسعت مطالعہ کا جو رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس میں بڑا دخل حضرت شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت کا ہے۔ طالب علمی کے بعد تدریس و تصنیف کے کاموں میں بھی حضرت شاہ صاحب سے استفادہ کا سلسلہ نہ صرف جاری رہا بلکہ روز افزوں ہوتا گیا۔ ردِ قادیانیت کا جو کام حضرت شاہ صاحب نے نہایت اہتمام سے شروع فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس موضوع پر کئی کتابیں حضرت شاہ صاحب کی راہنمائی میں تالیف فرمائیں۔ قادیانیوں کے خلاف مشہور مقدمہ بہاولپور" جو بہاولپور کی عدالت میں دائر تھا اور جس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی اس میں حضرت شاہ صاحب کی طرف سے جو تحریری بیان عدالت میں پیش ہوا وہ بھی حضرت والد صاحب نے اسی رات جاگ کر مرتب کیا تھا۔" (۶)

خطاطی، جلد سازی، طبِ یونانی :- آپ نے خطاطی اور جلد سازی میں بھی مہارت حاصل کی تھی۔ خط نسخ اور نستعلیق میں ماہرین فن آپ کے زور

---

(۵) معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، کراچی، ادارہ المعارف، مارچ ۱۹۸۸ء، ج۔ ۱ ص ۶۷

(۶) البلاغ کراچی، خصوصی نمبر بیادِ مفتی اعظم، حیات مفتی اعظم از محمد رفیع عثمانی۔ شمارہ اپریل، مئی، جون ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۸ تا ۱۱۰۔

قلم سے متعارف تھے۔ آپ اکثر کتابوں کی کتابت اور پھر جلد سازی بھی خود کرتے تھے۔

علمی خدمات کے معاوضہ سے مستغنی رہنے کے لیے دارالعلوم دیوبند میں آپ نے طب یونانی کی بھی تکمیل کی ۔

قناعت اور علمی مشاغل :- یکسوئی کے ساتھ تدریس و افتاء تصنیف و تالیف اور تبلیغی خدمات میں مصروفیت کی بنا پر آپ کو وہ فنون جو ذریعہ معاش کے لیے حاصل کیے تھے ترک کرنا پڑے۔ دارالعلوم کے مالی وسائل محدود تھے۔ ابتدا میں آپ کا وظیفہ ۵ روپے ماہوار مقرر ہوا اور ۲۶ سال خدمات کے بعد جب آپ مستعفی ہوئے اُس وقت آپ کا مشاہرہ ۶۵ روپے ماہوار تھا۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ سے ۲۰۰ روپے ماہوار مشاہرہ کی پیشکش بار بار کی گئی۔ جہاں کام بھی دیوبند سے کم تھا۔ لیکن دیوبند کے قلیل وظیفہ پر قناعت کی اور مادرِ علمی کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔

اصلاحِ باطن کی فکر :- انہیں احساس تھا کہ تزکیہ باطن اور ذکر اللہ کے بغیر کتابی علوم بے روح رہتے ہیں۔ اس احساس نے آپ کو شیخ الہند کا شیدائی بنا دیا تھا مگر انہوں نے قبل از فراغت علوم بیعت نہ کی۔ ۱۳۳۶ھ میں جب درس نظامی سے فراغت پائی تو شیخ الہند مالٹا میں اسیر تھے۔ چنانچہ تیسری مرتبہ اپنے والد کی منشاء و حیثیت میں حضرت تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدعا بیان کیا۔ حضرت تھانوی نے مسرت سے فرمایا "تصوف و سلوک اعمال باطنہ کی اصلاح کا نام ہے جو ایسی ہی فرض ہے جیسی اعمال ظاہرہ کی اصلاح۔ اس کو موخر کرنا درست نہیں۔ اس کے لیے بیعت ہونا کوئی شرط نہیں۔ بیعت کے لیے شیخ الہند کا انتظار کریں۔ اُس وقت تک میں خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ اصلاح کا کام شروع کر دیں۔ آپ کے ذمہ دو کام ہونگے۔ ایک اپنے حالات کی اصلاح دوسرے اسی پرچہ میں مشورہ دینے کا اتباع۔" کچھ تسبیحات اور معمولات کی تلقین فرمائی اور ضروری نصیحتوں کے بعد رخصت کر دیا۔

حضرت شیخ الہند سے بیعت سلوک :- بالآخر ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ / مارچ ۱۹۲۰ء جب حضرت شیخ الہند رہا ہو کر پانچ سال کے بعد دیوبند واپس آئے تو آپ نے قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی معیت میں شیخ الہند کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی۔ چند تسبیحات کی تلقین ہوئی ۔(۷)

شیخ الہند کی وفات اور تھانہ بھون سے تعلق :- حضرت شیخ الہند نے رہائی کے ڈیڑھ سال بعد ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ / ۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء کو دہلی میں وفات پائی۔ آپ کو قلبی تشنگی ۱۳۴۳ھ یا ۱۳۴۴ھ میں پھر حضرت تھانوی کی خدمت میں لے گئی۔ حضرت نے منازل سلوک کے لیے تین چیزوں کی پابندی لازمی قرار دی :- ۱۔ تقویٰ اختیار کریں۔ ۲۔ لایعنی کام، کلام، مجلس اور ملاقات سے پرہیز۔ ۳۔ بقدر ہمت روزانہ تلاوت قرآن۔
یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ یعنی حضرت تھانوی کی وفات تک جاری رہا۔(۸)

اجازت بیعت و خلافت :- مفتی صاحب کو حضرت تھانوی نے بذریعہ خط خلافت اور اجازت بیعت عطا کی۔ لکھتے ہیں :-

---

۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۱۱ تا ۱۱۵۔
۸) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۱۶ تا ۱۱۸۔

وہ بے ساختہ قلب پر وارد ہوا کہ آپ کو مع دوسرے احباب کے بیعت و تلقین کی اجازت ہو۔
پس توکلاً علی اللہ اس وارد پر عمل کرنے کے لیے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر کوئی طالب حق
آپ سے اس کی درخواست کرے تو قبول کر لیں۔ اس سے متعلم کے ساتھ معلم کو بھی نفع ہوتا
ہے۔ میں بھی دُعا کرتا ہوں اپنے خاص محبین پر اس کو ظاہر بھی کر دیجئے۔ بنظر احتیاط بے
رنگ لفافہ بھیجتا ہوں"۔

بندہ اشرف علی از تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ۔ (۹)

منصب افتاء :- مفتی عزیز الرحمن کے مستعفی ہونے پر آپ کو ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ میں دیوبند کی مجلس شوریٰ نے منصب افتاء پر بحیثیت
صدر مفتی فائز کر دیا اور یہی افتا کی خدمت زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہی۔ آپ کے جن فتاویٰ کی نقلیں دار العلوم دیوبند و کراچی میں محفوظ
ہیں اُن کی تعداد ۱۲۱۷۷ ہے۔ (۱۰)

ماہنامہ المفتی :- تدریس و افتاء اور تصنیف و تالیف کی مصروفیات کے ساتھ آپ نے ایک علمی ماہنامہ "المفتی" محرم ۱۳۳۸ھ میں جاری کیا۔
آپ ہی اس کے مالک، مدیر، محرر، ناظم و ناشر تھے۔ چونکہ اس میں فتاویٰ کو ترتیب و تبویب کے ساتھ شائع کیا جاتا تھا۔ اسی لیے اس کا نام
"المفتی" رکھا گیا۔ اس میں آٹھ صفحات مفتی اعظم ہند مفتی عزیز الرحمن کے فتاویٰ کے لیے "عزیز الفتاویٰ" کے نام سے رکھے جاتے تھے۔ اور آٹھ صفحے
ان فتوؤں کے لیے جو مفتی صاحب لکھتے تھے۔ امداد المفتین کے نام سے جو حضرت تھانوی نے تجویز کیا تھا مختص تھے۔ یہی فتاویٰ بعد میں فتاویٰ دار العلوم
دیوبند کے نام سے دو جلدوں میں چھپے۔ اس رسالے میں مفتی صاحب کا اُردو کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ جو بعد میں کشکول کے نام سے کتابی شکل میں شائع
ہوا۔ اس میں حضرت تھانوی، مولانا سید اصغر حسین اور دیگر اکابر علمائے دیوبند کے گراں بہا مضمون چھپتے تھے۔ چونکہ رسالہ خسارے میں تھا۔ اس لیے
۱۳۶۱ھ میں بند کرنا پڑا۔ (۱۱)

تجارتی کتب خانہ :- ذوقِ علمی کی تسکین اور معاشی مسائل کے حل کے لیے کی خاطر آپ نے ۱۳۴۲ھ میں مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب کی شرکت
میں ایک کتب خانہ کھولا۔ جو ۱۳۵۸ھ میں آپ کی کلی ملکیت ہو گیا۔ اس کاروبار میں بڑی برکت ہوئی۔ اسی کا نام دار الاشاعت رکھ دیا گیا۔

---

(۹) ایضاً ایضاً ص ۱۲۲ - ۱۲۵ -
(۱۰) جامع الکلم از مفتی محمد شفیع : ص ۱۳ -
(۱۱) البلاغ کراچی، خصوصی نمبر بیاد مفتی اعظم، حیات مفتی اعظم از محمد رفیع عثمانی، شمارہ اپریل، مئی، جون ۱۹۸۷ء، ص ۱۸۰ تا ۱۸۲ -

ہجرت کے بعد مفتی صاحب نے دارالاشاعت کو اپنے پانچ بیٹوں میں تقسیم کیا جس سے تین کتب خانے (۱) ادارۂ اسلامیات لاہور ۔ (۲) دارالاشاعت کراچی ۔ (۳) ۔ ادارہ المعارف کراچی کورنگی وجود میں آئے ۔ (۱۲)

سیاست میں حصہ :۔ پہلی جنگ عظیم کے آخر میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے اپنے تلامذہ اور مریدین کے ذریعے مجاہدین بلقان کے لیے چندہ جمع کرنے کی مہم چلائی ۔ اس وقت مفتی اعظم طالب علم تھے ۔ اس مہم میں بڑے خلوص اور سرگرمی سے حصہ لیا ۔

قائداعظم سے پہلی ملاقات :۔ دسمبر ۱۹۳۹ء کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کی بعض تقاریر پڑھ کر حضرت تھانوی نے محسوس کیا کہ قائداعظم سیاست کو دین سے الگ سمجھتے ہیں ۔ اس فکر کی اصلاح کے لیے مولانا محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان ، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا شبیر علی تھانوی پر مشتمل ایک وفد ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء کو دہلی میں قائداعظم کے پاس بھیجا ۔ شام کے سات بجے ملاقات ہوئی ۔ طویل گفتگو کے بعد قائداعظم کے اس اعتراف پر مجلس ختم ہوئی :۔

"دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو میری سمجھ میں اب خوب آگیا کہ
اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے ۔"

قیام پاکستان کی تحریک :۔ مطالبہ پاکستان پر علمائے دیوبند دو گروہوں میں بٹ گئے ۔ ایک گروہ متحدہ قومیت کا حامی اور مطالبہ پاکستان کے خلاف تھا مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ ۔ دوسرا گروہ تحریک پاکستان کا حامی تھا ۔ ان میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب شامل تھے ۔ جو مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے کے مطابق پاکستان کو وقت کی سب سے بڑی ضرورت سمجھتے تھے ۔ چنانچہ اس تحریک کی خاطر ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۴۳ء کو دارالعلوم کی خدمات سے مستعفی ہو گئے ۔ (۱۳)

حکیم الامت کا انتقال اور تھانہ بھون میں قیام :۔ ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ کی شام کو حکیم الامت کا انتقال ہو گیا اور یہ خبر ۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ کی صبح نو دس بجے دیوبند پہنچی ۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا اور سب لوگ تھانہ بھون کی طرف دوڑ پڑے ۔ مفتی صاحب بھی پہنچے اور تجہیز و تکفین کے بعد عرصہ دراز تک تھانہ بھون میں قیام پذیر رہے ۔

مولانا رفیع عثمانی رقمطراز ہیں :۔

"فتاویٰ اور احکام القرآن کی تصنیف کا جو کام حضرت کے سامنے جاری تھا ، والد صاحب نے

---

(۱۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۹۱ تا ۱۹۳ ۔
(۱۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۹۶ تا ۱۹۷ ۔

اُسے جاری رکھا۔ تھانہ بھون میں خدمت دین کے چار بنیادی سلسلے حضرت حکیم الامت کی ذاتِ گرامی سے وابستہ تھے:۔

۱۔ تصنیف و تالیف، ۲۔ فتاویٰ۔ ۳۔ اصلاح و ارشاد۔ ۴۔ وعظ و تذکیر۔

حکیم الامت کے اکابر علماء نے تھانہ بھون میں مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ والد صاحب دیوبند سے ترکِ سکونت کر کے مستقل یہیں قیام فرمائیں اور خانقاہ میں ان چاروں سلسلوں کو جاری رکھیں۔ مگر والد صاحب نے فیصلہ اپنی ضعیف والدہ پر چھوڑا جو دیوبند میں تھیں۔ انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو جو ظاہر اسباب میں اُن کی زندگی کا واحد سہارا تھا، اس کی اجازت نہ دی، بالآخر والد صاحب ہم سب کو لے کر واپس دیوبند آگئے"۔ (۱۴)

قیام پاکستان کے لیے جدوجہد:۔ اسی سلسلہ میں عام فتاویٰ اور متفرق مضامین کے علاوہ آپ نے ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں ایک مستقل رسالہ "کانگرس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ" تصنیف کیا۔ اس موضوع پر اُردو زبان میں یہ پہلی علمی کتاب تھی۔ اس میں عقل و سیاست کے ہر پہلو سے یہ ثابت کیا کہ موجودہ حالات میں کانگرس کی حمایت سے درحقیقت کفر کی حمایت لازم آئے گی اور اس میں حصہ لینا قرآن و سنت کی رو سے کسی طرح جائز نہیں۔ یہ رسالہ اُس وقت بڑی تعداد میں شائع ہوا۔ ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات تحریک پاکستان کے لیے بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ مظفر نگر وغیرہ کے حلقہ انتخاب سے قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم کھڑے ہوئے۔ مقابلہ سخت تھا۔ یہاں پر مفتی صاحب کا ایک فتویٰ کام کر گیا جو مسلم لیگ کی ہائی کمان کے خانسو خواجہ آنکار حسین دیوبند سے لکھوا کر لائے تھے۔ (۱۵)

جمعیۃ العلمائے اسلام کا قیام:۔ نومبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمعیۃ العلماء اسلام کی بنیاد ڈالی گئی۔ جس کے مقاصد میں مطالبہ پاکستان کے لیے موثر جدوجہد سرفہرست تھی۔ اس کے سب سے پہلے صدر غائبانہ طور پر علامہ شبیر احمد عثمانی چنے گئے۔ آپ کو اس میں شمولیت پر کچھ عرصہ تامل رہا بالآخر میرٹھ کے اجلاس کانپور میں جمعیت کی رکنیت اختیار کی اور مجلس عاملہ کے رکن نامزد ہوئے۔ ۲۴ فروری ۱۹۴۶ء کو جمعیۃ العلمائے اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس حیدرآباد سندھ میں منعقد ہوئی۔ اس کی صدارت علامہ شبیر احمد عثمانی کی بیماری کی وجہ سے آپ کو کرنا پڑی۔ اس کا خطبہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے اس خطبہ میں قائد اعظم کی قیادت پر ایک اعتراض کا مدلل جواب دیا۔ یہ خطبہ اُردو زبان میں لکھا اور پڑھا گیا۔

---

(۱۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۰۰ تا ۲۰۲۔

(۱۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۰۲ تا ۲۰۴۔

قیام پاکستان اور تقسیم ہند کا جو نقشہ تجویز کیا گیا تھا۔ اُس پر غور کرنے کے لیے ۹ جون ۱۹۴۷ء کو قائداعظم نے مرکزی اسمبلی کے تمام مُسلم ارکان کا اجلاس دہلی میں طلب کیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع باوجود اسمبلی ممبر نہ ہونے کے قائداعظم کی خصوصی دعوت پر اجلاس میں شریک ہوئے۔ اجلاس نے متفقہ طور پر پاکستان کا مجوزہ نقشہ منظور کر لیا۔

سلہٹ اور صوبہ سرحد کا ریفرنڈم :۔ ہندو انگریز گٹھ جوڑ سے تقسیم ہند کے قانون میں سلہٹ اور صوبہ سرحد کا فیصلہ شمولیت پاکستان یا بھارت بذریعہ ریفرنڈم کی شق رکھ دی گئی۔ ۱۷ جون ۱۹۴۷ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع نے قائداعظم سے دہلی میں ان کی قیام گاہ پر ملاقات کی۔ قائداعظم نے پُر جوش خیر مقدم کیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے حصول پاکستان میں کامیابی پر مبارک باد دی۔ قائداعظم نے کہا « مولانا اس مبارک باد کے مستحق تو آپ ہیں کہ آپ ہی کی کوششوں سے کامیابی ہوئی۔ اس وقت سب سے اہم مسئلہ سلہٹ اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کا ہے۔ اگر پاکستان اس ریفرنڈم میں ناکام رہا تو بہت بڑا نقصان ہوگا »

اسی ملاقات میں یہ طے ہوا کہ سلہٹ کا دورہ مولانا ظفر احمد عثمانی کریں گے اور صوبہ سرحد کا مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع۔ اس محاذ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بوریہ نشین علمائے حق کے ذریعے تمام مسلمانوں کو سرخروئی عطا فرمائی۔ (۱۶)

پہلے جشن آزادی پر پرچم کشائی :۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکت خداداد پاکستان وجود میں آئی۔ تو پہلے جشن میں شرکت کے لیے دیوبند سے علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع کو مدعو کیا گیا۔ مفتی صاحب بوجہ علالت نہ آسکے اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے شرکت کی اور قائداعظم کی خواہش پر پاکستان کا سبز ہلالی پرچم آپ ہی نے اپنے دستِ مبارک سے بلند کیا۔ جب کہ ڈھاکہ میں یہ فریضہ مولانا ظفر احمد عثمانی نے انجام دیا۔

ہجرت پاکستان :۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے پاکستان میں اسلامی دستور کی جدوجہد کا آغاز کر دیا اور اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنے کے لیے آپ نے بذیل اکابر علمائے کرام کو پاکستان آنے کی دعوت دی۔ (۱) علامہ سید سلیمان ندوی۔ ۲۔ مولانا مفتی محمد شفیع۔ ۳۔ مناظر احسن گیلانی۔ ۴۔ ڈاکٹر حمید اللہ دکنی (۱۷)

ہجرت پاکستان کے متعلق مفتی صاحب اپنی خود نوشت سوانح میں رقمطراز ہیں :۔

« یکم مئی ۱۹۴۸ء میری عمر میں عظیم انقلاب کا دن تھا۔ جس دن میں نے وطن مالوف مرکز علوم دیوبند کو خیر آباد کہہ کر صرف چھوٹے بچوں اور اُن کی والدہ کو ساتھ لے کر پاکستان کا رُخ کیا۔ والدہ محترمہ اور اکثر اولاد اور سب عزیزوں اور گھر بار چھوڑنے کا دل گداز منظر اور جس طرف جا رہا ہوں وہاں ایک

---

(۱۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۱۵ -

(۱۷) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۱۳ تا ۲۱۵ -

غریب الوطن کی حیثیت سے وقت گزارنے کی مشکلات کے ساتھ ایک نئی اسلامی حکومت کا وجود اور اس میں دینی رجحانات کے بروئے کار آنے کی خوش کن اُمیدوں کے ملے جلے تصورات میں غلطان و پیچاں دہلی اور چند مقامات پر اُترتے ہوئے ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ/۶ مئی ۱۹۴۸ء یہاں آئے ہوئے اس وقت ۱۵ سال پورے ہو کر تین ماہ زیادہ ہو رہے ہیں۔" (۱۸)

کراچی میں عبداللہ ہارون روڈ پر کنگسن نامی بلڈنگ میں فلیٹ نمبر ۸ میں قیام کیا۔ چھ ماہ کے اندر والدہ اور بقیہ عیال بھی کراچی پہنچ گئے۔ کئی مکان تبدیل کئے اور آخر ایک وسیع جگہ لسبیلہ ہاؤس پر دیوبند سے بہتر مکان بن گیا۔

جب ۱۹۴۹ء میں دستور ساز اسمبلی نے باقاعدہ آئین سازی کا کام شروع کر دیا تو قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم نے ایک "اسلامی مشاورتی بورڈ" اسلامی دستور کا خاکہ تیار کرنے کو تشکیل دیا۔ جس کے چھ رکن تھے۔ (۱) سید سلیمان ندوی صدر۔ (۲) مولانا مفتی محمد شفیع رکن۔ (۳) پروفیسر عبدالخالق (مشرقی پاکستان) ممبر۔ (۴) ڈاکٹر حمید اللہ (جامعہ اسلامیہ دکن) رکن۔ (۵) مولانا ظفر احمد انصاری (رکن)۔ (۶) مولانا جعفر حسین مجتہد (شیعہ عالم) رکن۔ یہ بورڈ ۱۹ اگست ۱۹۴۹ء سے اپریل ۱۹۵۰ء تک قائم رہا۔ اس بورڈ کے ممبران کو ایک ہزار روپیہ ماہانہ اعزازی الاونس ملتا رہا۔ ۱۹۵۰ء کے اواخر میں جو لاکمیشن بنایا گیا۔ آپ اُس کے بھی رکن تھے۔ یہ کمیشن دو سال تک قائم رہا۔ اسی زمانہ میں حکومت پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی بنائی۔ آپ اس کے بھی اول سے آخر تک رکن رہے۔ (۱۹)

درس قرآن حکیم :۔ ۱۹۵۰ء سے آپ نے مسجد باب الاسلام آرام باغ کراچی میں عام فہم اُردو زبان میں درس قرآن کریم کا سلسلہ روزانہ نماز فجر کے بعد شروع کیا جو سات سال میں پورا ہوا۔

سرکاری دارالعلوم کمیٹی کی رکنیت :۔ حکومت پاکستان نے قائداعظم کی تین یادگاریں قائم کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ (۱) اُن کا مزار (۲) ایک جامع مسجد۔ (۳) ایک دینی دارالعلوم۔ دارالعلوم قائم کرنے کے لیے جو کمیٹی سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب کی قیادت میں بنی۔ آپ اُس کے اول سے آخر تک رکن رہے۔

مرکزی جمیعتہ العلمائے اسلام کی قیادت :۔ ۱۳ جنوری ۱۹۴۹ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد علامہ سید سلیمان ندوی جمیعتہ العلمائے اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو حضرت سید کی وفات کے بعد جمیعتہ العلمائے اسلام کی صدارت آپ کو سونپی گئی۔ بعد میں مفتی صاحب کی مصروفیات

---

(۱۸) معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، کراچی، ادارۃ المعارف۔ مارچ ۱۹۸۸ء، ج ۱، ص ۸۔ تمہید۔

(۱۹) البلاغ کراچی، خصوصی نمبر بیاد مفتی اعظم : حیات مفتی اعظم از محمد رفیع عثمانی : اپریل تا جون ۱۹۸۷ء۔ ج ۱۲۔ شمارہ ۶، ۷، ۸، ص ۲۱۸ تا ۲۲۷۔

کی بنا پر مفتی محمد حسن صاحبؒ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) کو صدر اور اُن کے حسبِ منشا مفتی صاحب کو قائمقام صدر بنایا گیا۔ یہ خدمات آپ نے تقریباً ۳ سال تک انجام دیں۔ ۱۹۵۴ء میں ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل ذوالفقار علی بخاری کی درخواست پر کہ "قومی پروگرام کے نشریئے میں آپ درس دیا کریں" تو آپ نے مسترد کر دی۔ پھر ہفت روزہ درس معارف القرآن جاری کرنے کی تجویز آپ نے اس شرط پر منظور کی کہ اس کا معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔ چنانچہ یہ درس ۲ جولائی ۱۹۵۴ء کو شروع ہوا اور گیارہ سال تک پابندی سے نشر ہوتا رہا۔ اور یہی درس آپ کی تفسیر معارف القرآن کی بُنیاد بنا ہے۔ (۲)

تاسیس دارالعلوم کراچی :- ہجرت پاکستان کے بعد آپ کے دو مقصد حیات تھے۔ ایک پاکستان میں نفاذِ اسلام کے لیے جدوجہد، دوسرے کراچی میں یہاں کے شایان شان دارالعلوم کا قیام۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ محلہ نانک واڑہ میں سکھوں کے زمانے کی ایک ہائی سکول کی خالی عمارت مل گئی۔ مولانا نے اپنے داماد مولانا نور احمد کو ہمراہ لے کر ایک اُستاد اور چند طلبہ کے ساتھ مدرسے کا آغاز کر دیا۔ چند ماہ کے اندر ہی مدرسہ "دارالعلوم کراچی" بن گیا۔ مفتی صاحب اس کے پہلے صدر اور مولانا نُور احمد پہلے ناظم مقرر ہوئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد مفتی صاحب کا خیال تھا کہ مولانا عثمانی کے شایان شان اُن کی یادگار کے طور پر دارالعلوم قائم کیا جائے۔ پہلے آپ نے مولانا عثمانی کے مزار والی جگہ لے کر وہاں دارالعلوم کے لیے بُنیادیں کھدوا دیں۔ لوگوں نے جھگڑا کھڑا کر دیا تو وہاں سے دست کش ہو گئے۔ تھوڑے عرصہ بعد کورنگی میں ۵۶ ایکڑ زمین دارالعلوم کے لیے مل گئی۔ جہاں آج کل دارالعلوم کراچی کی جدید عمارت ہے۔ چار سال تک دارالعلوم کی بلا معاوضہ خدمت کی۔ جب بورڈ آف تعلیمات اسلامی کی رُکنیت ختم ہو گئی تو پھر مجلس منتظمہ کی درخواست پر پانچ سو روپے ۲۷ دسمبر ۱۹۵۴ء کو مقرر ہوئے۔ جس میں سے آپ نے صرف ۳۰۰ روپے ماہانہ قبول کیا۔ ۱۳۸۴ھ میں یہ تین سو بھی ترک کر دیئے اور اس عرصہ میں جتنی رقم دارالعلوم سے لی تھی۔ واپس کر دی۔ وفات سے سات سال قبل ۱۳۹۰ھ میں مولانا محمد تقی کو تصنیف و تالیف کے کام پر اور مولانا رفیع عثمانی کو فتاویٰ نویسی کے امور تفویض کر دیئے۔

وفات :- عمر کے آخری چار سال شدید علالت میں گزرے۔ مولانا محمد رفیع عثمانی رقمطراز ہیں :-

> "زندگی کے آخری چار سال میں طرح طرح کے شدید امراض کے باعث آپ بیشتر فتاویٰ حضرت مولانا عاشق الٰہی مرحوم اور احقر سے لکھوایا کرتے تھے۔ مگر بہت سے فتاویٰ روزانہ خود بھی لکھتے یا املا کراتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۰ شوال ۱۳۹۶ھ ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کے دن قلب کے جس دورے میں آپ کی وفات ہوئی۔ اس جان لیوا دورہ سے ۱۵ منٹ قبل بھی ایک فتویٰ املا کر کے اس پر دستخط فرمائے۔

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۲۷ تا ۲۳۲ ۔

جس کا سلسلہ بیزیاں کے رجسٹر ۲۷ (ھ) میں ۹۵۸ء ہے - یہی وہ فتویٰ تھا جس پر

والد صاحب کی علمی مصروفیات کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ (۱)

مفتی صاحب کی خدمات زبان اُردو

مفتی صاحب کثیر التصانیف ہیں - تصانیف کی کل تعداد ۱۶۲ ہے - جن میں سے اکثر اُردو زبان میں لکھی گئی ہیں - مضامین کا تنوع اور زبان کی سلاست، عام فہمی اُن کی خصوصیات ہیں - ماہنامہ "المفتی" جو کم و بیش آٹھ سال تک نکلتا رہا اُردو زبان کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں - مولانا کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) تفسیر : معارف القرآن مکمل (آٹھ جلدوں میں) (۲) احکام القرآن (عربی) - (۳) حدیث : تقریر ترمذی جو علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے درس میں قلمبند ہوئی - (عربی) (۴) المختصر چہل حدیث مع اُردو ترجمہ - (۵) - چہل حدیث اسلامی حاشیات ترجمہ اُردو - (۶) - چہرے کی فضیلت - (۷) - فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (امداد المفتیین) - (۸) - اسلام کا نظام اراضی - (۹) - آلات جدیدہ، نئی ایجادات کی شرعی حیثیت - (۱۰) - مسئلہ سود - (۱۱) رفیق سفر (۱۲) - شب برات - (۱۳) - تصویر کے شرعی احکام - (۱۴) - بیمہ زندگی - (۱۵) - حیلۂ ناجزہ - (۱۶) - اعضاء انسانی کی پیوندکاری - (۱۷) برادری ڈنٹ خند پر زکوٰۃ - (۱۸) - قرآن میں نظام زکوٰۃ - (۱۹) - جواہر الفقہ - (۲۰) آداب المساجد - (۲۱) - احکام القمار - (۲۲) - نکاح و طلاق - (۲۳) - احکام حج (۲۴) ضبط ولادت کی شرعی حیثیت - (۲۵) - احکام دعا مع ترجمہ اُردو -

فقہ پر کل ام، معاملات پر ۸، جن میں سے بیشتر اُردو زبان میں ہیں، عقائد پر ۱۳ - معیشت و سیاست پر - ۱۳ - تمام اُردو میں - سیرت و تاریخ ۸، تمام اُردو میں - اصلاح و ارشاد - ۱۷، تمام اُردو میں - تعلیم و تبلیغ ۴، ساری اُردو میں - زبان و ادب - ۵، مرکب متفرقات ۱۱ - تمام اُردو میں - (۲)

اُردو تصانیف پر تبصرہ :-

(۱) معارف القرآن : ناشر، ادارہ المعارف، کراچی - مارچ - ۱۹۸۸ء - کل آٹھ جلدیں -

جلد اوّل : سورہ فاتحہ تا سورہ بقرہ، صفحات - ۷۹۸ - جلد دوم : سورہ آل عمران تا سورۃ النساء، صفحات - ۶۲۸ -

جلد سوم : سورۂ مائدہ تا سورۂ اعراف، کل ۶۳۱ صفحات، جلد چہارم : سورۂ اعراف تا سورۂ ہود، کل ۶۸۰ صفحات، جلد پنجم : سورۂ یوسف تا

---

(۱) ایضاً   ایضاً   ایضاً   ص ۲۳۲ تا ۲۳۷ -

(۲) مولانا مفتی محمد شفیع بحیثیت مفسر : حافظ حبیب اللہ خان، بابا، مقالہ علوم اسلامیہ ایم - اے، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ص ۱۹ تا ۲۶ -

سورۂ کہف، صفحات ۶۵۶ ۔ جلد ششم : سورۂ مریم تا سورۂ روم ، صفحات ۷۶۸ ۔ جلد ہفتم : سورۂ لقمان تا سورۂ احقاف ، صفحات ۸۱۶
جلد ہشتم : سورۂ محمدؐ تا سورۂ ناس ، صفحات ۸۵۶ ۔

اس تفسیر کے کل صفحات ۵۷۲۳ ہیں ۔ یہ تفسیر پہلے درس القرآن کے نام سے ۳ شوال ۱۳۷۳ھ / ۲ جولائی ۱۹۵۴ء میں ریڈیو پر شروع ہوئی ۔ مگر پھر اچانک یہ درس القرآن جون ۱۹۶۴ء ہی بند کر دیا گیا ۔ ۱۲ صفر ۱۳۸۳ھ / ۷ جولائی ۱۹۶۳ء کو لوگوں کے اصرار پر یہ کام باقاعدہ تفسیر کی غرض سے شروع کیا گیا مگر پھر تعطل کا شکار رہا ۔ مولانا نے ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء میں دوبارہ تفسیر پر قلم اٹھایا اور ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء میں اختتام پذیر ہوا ۔

معارف القرآن اردو زبان میں تفسیری سرمایہ میں ایک گرانقدر اضافہ ہے ۔ یہ شاہ ولی اللہ کے گروہ کے ایک عالم متبحر کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے ۔ یہ تفسیر اپنے اندر انواع واقسام کے مضامین سمیٹے ہوئے ہے ۔ تفسیری رجحانات میں ایک نیا انداز یہ بھی ہے کہ ایک ہی تفسیر میں کئی کئی رجحانات کو یکجا کر دیا گیا ہے ۔ معارف القرآن میں بھی رجحان غالب نظر آتا ہے ۔ اس میں تفسیر القرآن بالقرآن ، تفسیر القرآن بالحدیث و اقوال صحابہ کا انداز بھی پایا جاتا ہے تو اس اعتبار سے یہ تفسیر طریقۂ محدثین کی نمائندہ کہلا سکتی ہے ۔ آیات احکام میں بھی مفسر مرحوم نے تفصیلی بحثیں کی ہیں ۔ مصنف چونکہ حنفی المسلک ہیں ۔ لہذا انہوں نے مسائل واحکام میں فقہ حنفی کا ہی تتبع کیا ہے ۔ مسائل واحکام محض سرسری انداز میں ہی بیان نہیں کئے بلکہ مستند فقہ کی روشنی میں مکمل استدلال کے ساتھ بیان کئے ہیں ۔

مسائل فقہ کا اگرچہ جدید دور میں کہیں اطلاق ہوتا ہے تو مفسر نے پوری وضاحت وشرح کے ساتھ جدید دور میں پیدا مسائل کا فقہی حل پیش کیا ہے ۔ اس سلسلے میں ان کی رائے مدلل ، بڑی متوازن اور قابل قبول ہوتی ہے ۔

اس میں مسائل تصوف بھی ہیں لیکن یہ مسائل بڑے مختصر اور بیان القرآن کے حوالے سے ہیں ۔ اس تفسیر میں جدید ذہن کے شبہات کے ازالہ کی بڑی حد تک کوشش کی گئی ہے ۔ اس کا انداز اس اعتبار سے مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لیے دعوتی انداز ہے ، کہ مسلمانوں کے لیے ان کے علمی مسائل اور الجھنوں کا حل پیش کرتی ہے اور غیر مسلموں کے لیے اس انداز سے دعوتی ہے کہ قرآن کو اپنی حقیقی روح کے ساتھ پیش کر کے اس کی حقانیت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ (۳۲)

معارف القرآن کا اسلوب اور حرف آخر :۔ قرآن مجید علوم ومعارف اور حکمت ودانائی کا خزینہ ہے ، یہ اسلوب ، الفاظ اور معانی کے اعتبار سے ایک دائمی معجزہ ہے عہد نبوی کے بعد آج تک علماء ومحققین قرآنی معارف میں غور وخوض کر رہے ہیں ۔ اس سلسلے میں دنیا کی اور کسی کتاب کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی اسی طرح اتنی مدت دراز تک مرکز بنی رہی ہو ۔ ہر دور کے لوگوں نے اپنے حالات زمانہ اور مسائل کے پس منظر کے ساتھ قرآن حکیم کو اپنی تحقیقات کا مرکز بنایا اور اپنی اپنی صلاحیتوں اور ضروریات کے مطابق خوشہ چینی کر کے گراں قدر گرانمایہ حاصل کئے گئے ہیں ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن پر اس قدر تحقیقات

۳۳) ایضاً   ایضاً   ایضاً   ایضاً ص ۴۲ تا ۴۵ ۔

ہونے کے باوجود اس کے معارف کے بارے میں ہر روز ہم نئے نئے حقائق اور اسرار کا مشاہدہ کرتے ہیں ۔

تفسیر معارف القرآن اِن لاتعداد کوششوں میں سے ایک کوشش ہے ۔ معارف القرآن موجودہ دور کی اِن چند تفاسیر میں سے ایک ہے جن میں وقتی فتنوں ، ذہنی انتشار ، مخصوص گروہی تعصب و مخصوص نظریات کو نظرانداز کرتے ہوئے اسلاف صحابہ کے طرز کو طریق عمل بنایا گیا ہے ۔ وہ جدید انداز جو تفسیر بالرائے میں اختیار کیا گیا ہے ، وہ قرآن کو اپنے حدود اربعہ سے نکال دیتے ہیں بلکہ ایسے گھسیٹ کر اپنے مخصوص نظریات پر فٹ کر کے سادہ لوح امت کی گمراہی کا باعث بنتے ہیں ، معارف میں اس سے اجتناب کیا گیا ہے ۔

معارف القرآن اپنے پیرائے میں لکھی گئی ہے جو سلیس و شگفتہ و نفیس ہے ۔ جو پیرایہ استعمال کیا گیا ہے وہ نہایت احسن ہے اور اسلوب بیان اس قدر اعلیٰ ہے کہ ایک جملہ دوسرے جملے کی طلب پیدا کر دیتا ہے اور ایک مصنف کا کمال ہی یہی ہوتا ہے کہ اس کی تحریر انتہائی طور پر دل و دماغ کا عکس ہو۔ معارف القرآن کئی صفات سے متصف اور مزین ہے اور اس کی نمایاں خوبیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اس میں کسی گوشہ کو نظرانداز نہیں کیا گیا بلکہ ہر گوشہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور نہ یہ وقتی عوارض و عوامل کا ردعمل ہے ۔ مولانا مفتی محمد شفیع کی جتنی تصانیف اور تالیفات ہیں ، انہیں دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں فلاں بحث سطحی ہے ، بلکہ ہر بحث سمندر کی گہرائیوں کی مانند عمیق ہے ۔ وہ ہر مسئلے پر بڑے غور و فکر اور اصحاب فن سے پوچھ کر مسئلہ کو منظر عام پر لاتے ہیں ۔ نہ ان کی تالیفات کا محور اپنی ذات ہے بلکہ وہ ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ یہ کریڈٹ اسلاف کو حاصل ہو ۔ جدید مسائل کا حل جس انداز و پیرائے میں پیش کیا گیا ہے وہ نہایت قابل داد ہے ۔

معارف القرآن کے محاسن کا شمار لبس سے باہر ہے ۔ اس تفسیر کے محاسن کا گنوانا یا اس کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے ۔ (۳۴)

(۲) حدیث :۔ تقریر ترمذی جو حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے درس میں بزبان اُردو قلمبند کی گئی ہے ۔ غیر مطبوعہ ہے ۔

(۳) اکابر علمائے دیوبند کا سلسلہ اسناد حدیث اُردو زبان میں لکھی گئی ہے ۔

(۴) ۔ آلات جدیدہ کے شرعی احکام :۔ جدید طبع ! شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ / اپریل ۱۹۸۶ء ، ادارہ المعارف کراچی نمبر ۱۴ ۔ صفحات ۲۰۸ ۔

اس کتاب میں لاؤڈ سپیکر ، فوٹو گراف ، فلم ، روزہ میں انجکشن ، ریڈیو ، ٹیپ ریکارڈ پر تلاوت قرآن ، ٹیلیفون ، ہوائی جہاز وغیرہ اور مریض کے بدن میں انسانی خون کے استعمال وغیرہ کے متعلق شرعی احکام مع دلائل شرعیہ بیان کیے گئے ہیں ۔

مولانا مفتی محمد شفیع کی یہ تصنیف علمی حلقوں میں نہایت مقبول ہوئی ۔ اس سے قبل اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔ مولانا نے ایجادات کی شرعی حیثیت کا استدلال قرآنی آیت ھُوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا الخ کے آغاز سے کیا ہے اور پھر ہر موضوع پر علیٰحدہ علیٰحدہ

---

(۳۴) ایضاً — ایضاً — ایضاً — ایضاً ص ۱۱۰ تا ۱۱۲ ۔

بحث کر کے تمام ایجادات سے متعلقہ شرعی احکامات وضع کر کے بیان کیے ہیں ۔ بدلتے ہوئے حالات اور نئی نئی ایجادات کے استعمال سے جو ابہام پیدا ہوتے ہیں مولانا نے اُن کے حل پیش کیے ہیں ۔

(۵) ۔ تاریخ قربانی :۔ باراوّل جنوری ۱۹۸۵ء ۔ مطبع کاررواں پریس دربار مارکیٹ لاہور ۔ صفحات ۸۰ ۔

اس رسالہ میں مولانا مفتی محمد شفیع نے قربانی کی تاریخ، فوائد اور فضائل کو بڑے دلنشیں انداز میں واضح کیا ہے اور منکرین کی تردید کی گئی ہے اس میں مولانا عبدالغفار ارکانی اُستاذ دارالعلوم کراچی کا ایک نیا مقالہ بھی شامل کر دیا گیا ہے جس میں قرآن و سُنت کے مطابق قربانی کی حقیقت اور اس کے بارے میں آئمہ مجتہدین کے اقوال کی مفصل تحقیق موجود ہے ۔

(۶) ۔ تصویر کے شرعی احکام :۔ مکتبہ خلیل گلستان سٹریٹ اسلام گنج ابراہیم روڈ لاہور، باراوّل جنوری ۱۹۸۵ء ۔ صفحات ۹۲ ۔

یہ رسالہ ۱۳۳۵ھ میں مولانا نے دارالعلوم کی طالب علمی سے فراغت اور دارالعلوم کی مدرسی کے آغاز کے اس وقت لکھا جب ماہنامہ معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ میں سید سلیمان ندوی کا مضمون تصویر کشی اور فوٹوگرافی پر شرعی حیثیت سے کئی قسطوں میں شائع ہوا جس میں تصویر، فوٹوگرافی کی فراوانی اور اس میں لوگوں کے ابتلاء عام اور بعض ضرورتوں کے پیش نظر جائز ہونے کا موقف اختیار کیا گیا تھا ۔ مگر بقول مولانا کے وہ اس میں ایسی حد پر پہنچ گئے جس کی رو سے فوٹو کے ذریعے حاصل کی ہوئی تصاویر تو حلال ہو گئیں اور بیز عکسی تصاویر بھی صرف پوجا پاٹ کی مورتیوں کے سوا اکثر مباح و جائز ہو گئیں جو صحیح روایات، حدیث اور سلف صالحین کے تعامل کے سراسر خلاف تھا ۔ مفتی محمد شفیع کو مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا اعزاز علی جن کی نگرانی میں "القاسم" نکلتا تھا کی طرف سے اس مقالے پر تنقید لکھنے کا حکم ملا ۔ تاکہ اسے القاسم میں شائع کیا جا سکے ۔ چنانچہ مولانا نے بقول اُن کے سید سلیمان ندوی کے مقام علمی اور بزرگی کی عدم واقفیت کی بنا پر آزادانہ تنقید لکھ ڈالی ۔ جو القاسم میں جمادی الاوّل ۱۳۳۸ھ سے صفر ۱۳۳۹ھ تک بالاقساط شائع ہوئی ۔

پھر ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ میں اس مقالہ پر نظر ثانی کر کے "التصویر لاحکام التصویر" کے نام سے شائع کر دیا گیا ۔ سید سلیمان ندوی نے معارف اعظم گڑھ جنوری ۱۹۴۳ء میں رجوع و اعتراف کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا جس میں منجملہ دیگر تصانیف، تحریرات و مضامین کے مولہ بالا مضمون کے اجزاء پوری تصریح و وضاحت کے ساتھ رجوع کیا ۔ (۲۵)

(۷) ۔ نجات المسلمین یعنی گناہوں کا کفارہ :۔ مکتبہ خلیل گلستان سٹریٹ اسلام گنج ابراہیم روڈ لاہور، سن از مؤلف ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ / اکتوبر ۱۹۴۷ء صفحات ۵۰ ۔

اس رسالہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ایسی روحانی تدابیر جمع کی گئی ہیں جن سے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور دُعا قبول ہوتی ہے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق اور عمل کی رغبت ہوتی ہے ۔

---

(۲۵) تصویر کے شرعی احکام : مولانا مفتی محمد شفیع : مکتبہ خلیل گلستان سٹریٹ اسلام گنج ابراہیم روڈ، لاہور، باراوّل جنوری ۱۹۸۵ء ، ص ۱ تا ۷ ۔

(۸) ۔ مصیبت کے بعد راحت مع رسالہ دافع الافلاس :۔ مکتبۂ خلیل گلستان سٹریٹ نمبر ۲۵ ۔ اسلام گنج ابراہیم روڈ لاہور ۔ بار اوّل جنوری ۱۹۸۵ء صفحات ۲+۶۳۔

مصیبت کے بعد راحت ۱ تا صفحہ ۳۹ اور رسالہ دافع الافلاس ۴۰ تا ۶۲ ۔ اگلے دو صفحات پر اشتہارات ہیں ۔ حصہ اوّل میں عنوان بالا پر ۸۲ احادیث

عربی متن مع اُردو ترجمہ درج کی گئی ہیں ۔ جب کہ حصہ دوم میں مسلمانوں کے افلاس و تنگدستی اور عام حوادث و مصائب کا آسان علاج تجویز کیا گیا ہے ۔

(۹) ۔ گناہ بے لذت :۔ مکتبۂ خلیل گلستان سٹریٹ نمبر ۲۵ ۔ اسلام گنج ابراہیم روڈ لاہور بسن مصنف ۱۳ صفر ۱۳۹۶ھ / ۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء صفحات ۸۰ ۔

اس رسالہ میں ایسے تمام گناہوں کی فہرست اور اُن سے متعلق احکامات ہیں ۔ جن کے کرنے میں نہ کوئی دنیاوی نفع ہے اور نہ کوئی لذت ہے ۔

(۱۰) ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں :۔ مکتبۂ خلیل گلستان سٹریٹ نمبر ۲۵ ۔ اسلام گنج ابراہیم روڈ لاہور بسن مصنف جمادی الاول ۱۳۷۴ھ / جنوری ۱۹۵۵ء

صفحات ۷۶ + ۲ ۔ ایمان ، اسلام ، کفر کے الفاظ جو ہر طبقہ میں متعارف ہیں کہ ہر فرقے کے ان پڑھ جاہل تک ان کو جانتے ہیں ۔ انہی کی

کی جامع مانع تعریف کرنا دشوار بھی ہے ۔ علماء سلف ، مفسرین ، محدثین ، فقہاء متکلمین نے ایمان و اسلام کی مکمل تعریف ، پھر کفر کی تعریف پر طویل مباحث

اور مستقل رسالے لکھے ہیں ۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیری نے اس موضوع پر جامع اور مفصل کتاب " اکفار الملحدین " کے نام سے تصنیف کی جو عربی زبان میں ہے ۔

اس کا اب اُردو ترجمہ مولانا محمد ادریس میرٹھی مدرس دارالعلوم نیو ٹاؤن کراچی نے کیا ہے اور مجلس علمی کراچی نے چھاپا ہے ۔ چنانچہ موضوع کی اہمیت

کے پیش نظر مؤلف نے یہ رسالہ مرتب کیا ۔

(۱۱) ۔ مختصر چہل حدیث مترجم متعلقہ اخلاق و آداب ترجمہ اُردو ۔ (۱۲) ۔ چہل حدیث متعلقہ اسلامی معاشیات اُردو ترجمہ ، غیر مطبوعہ ۔

(۱۳) ۔ چرخے کے متعلق ، چرخہ کی فضیلت ، مختصر رسالہ ہے ۔ اس موضوع پر احادیث بھی درج ہیں ۔

(۱۴) ۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (امداد المفتین) ۔ ۱۰۸۶ صفحات پر مشتمل کتاب ہے ۔ اُردو زبان میں عربی متن قرآن و حدیث ۔

(۱۵) ۔ اسلام کا نظام اراضی : ۲۱۱ صفحات پر مشتمل کتاب ہے ۔ (۱۶) ۔ مسئلہ سود : ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ، سود کی حیثیت پر بحث کی گئی ہے ۔

(۱۷) ۔ آداب المساجد : ۵۶ صفحے کا کتابچہ ہے ۔ مساجد کے درجات ، آداب اور احکام درج ہیں ۔ (۱۸) ۔ رفیق سفر : آداب سفر کے موضوع پر اسلامی احکام و آداب

(۱۹) ۔ مسجد کے حدود کا راہ اور آداب : یہ رسالہ پہلے مستقل تصنیف تھا ۔ بعد میں اسے معارف القرآن کا جزو بنا دیا گیا ۔ (۲۰) ۔ شب برات : ۱۸ صفحہ کا

رسالہ ہے جس میں شب برات کی فضیلت اور بدعات قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں ۔ (۲۱) ۔ احکام القمار : ۲۴ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے

جس میں قمار یعنی جوئے ، شراب اُس کی اقسام اور احکام قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں ۔ (۲۲) ۔ بیمہ زندگی ، یہ ۶۸ صفحہ کا کتابچہ

ہے ۔ جس میں انشورنس کی مختلف صورتوں کے احکام کی تفصیل ہے ۔ یہ مفتی صاحب اور مولانا اشرف علی تھانوی کی مشترکہ تصنیف ہے ۔ (۲۳) نکاح و طلاق

یہ بھی بعد میں آپ نے معارف القرآن کا جزو بنا دیا ۔ (۲۴) ۔ اعضاء انسانی کی پیوند کاری : ۴۸ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے ۔ جس میں اعضائے انسانی

کی پیوند کاری پر قرآن و سنت کی روشنی میں بحث کی گئی ہے ۔ (۲۵) ۔ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ و سود : ۲۰ صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے اور ۔

ملازمین سے وضع شدہ رقم پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کی شرعی حیثیت پر بحث ہے۔ جو مولانا خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان کے استفسار (رسالہ کے صفحہ ۳ پر درج ہے) کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ (۲۶)۔ حیلۂ ناجزہ: مفتی صاحب اور مولانا تھانوی کی مشترکہ تصنیف ہے۔ دستیاب نہ ہو سکی۔ (۲۷)۔ احکام حج: ۱۲۰ صفحات پر مشتمل پاکٹ سائز کا کتابچہ ہے۔ جس میں احکام حج اور مناسک حج مفصل بیان کئے گئے ہیں۔ (۲۸)۔ ضبطِ ولادت کی شرعی حیثیت: ۱۰۲ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ (۲۹)۔ قرآن میں نظامِ زکوٰۃ: ۶۲ صفحات پر مشتمل کتاب ہے جو عشر اور زکوٰۃ کے قرآنی احکام کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔

(۳۰)۔ جواہر الفقہ: جلد اوّل۔ ۵۲۰ صفحات، قرآن اور مسائل قرآن پر سیر حاصل بحث ہے۔ دوسری جلد نہ مل سکی۔ (۳۱)۔ مقام صحابہ: ۱۴۳ صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔ جس میں صحابہ کے حوالوں سے صحابہ کے مقام کا ذکر ہے۔ (۳۲)۔ صحابہ کرام میں افضل کون ہے: موضوع عنوان سے ظاہر ہے، کتاب نہ مل سکی۔ (۳۳)۔ مسیح موعود کی پہچان: ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ (۳۴)۔ دعاوی مرزا: مرزا غلام احمد نے جو دعوے کیے ہیں اُن کی تفصیل ہے۔ اصل کتاب نہ مل سکی۔ (۳۵)۔ مشرقی اور اسلام: علامہ مشرقی نے اسلام کے بارے میں جو کچھ لکھا اُس پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ (۳۶)۔ سنت و بدعت: اس رسالے میں سُنت و بدعت کی وضاحت کی گئی ہے۔

معیشت و سیاست:

(۳۷)۔ اسلام کا نظام تقسیم دولت: ۵۶ صفحات پر مشتمل مقالہ ۱۲ فروری ۱۹۶۸ء کو راولپنڈی میں بین الاقوامی کانفرنس میں مفتی صاحب نے پڑھا اس میں اشتراکیت، سرمایہ دارانہ اور اسلامی نظام معاش کا موازنہ، سود کی حرمت اور بیع کی حلت پر سیر حاصل تبصرہ ہے۔ (۳۸)۔ اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات کیا ہوں گی: ۳۲ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ جس میں وضع اصلاحات کے طور پر کام کیا گیا ہے۔ (۳۹)۔ خطبہ کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام حیدرآباد سندھ ۲۴ جنوری ۱۹۴۸ء: ۳۲ صفحات پر مشتمل اُردو خطبہ جو سندھ میں جمعیۃ کے جلسہ کی صدارت میں دیا۔ (۴۰)۔ حالیہ جنگ نے ہمیں کیا سبق دیئے: ۱۶ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ جس میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بارے میں مفتی صاحب کے تاثرات درج ہیں۔ (۴۱)۔

سیرت و تاریخ:

(۴۱)۔ سیرت خاتم الانبیاءؐ: ۱۲۶ صفحہ کی کتاب ہے۔ حضورؐ کی سوانح، احادیث مبارکہ مختلف موضوعات پر ہیں۔ (۴۲)۔ آداب النبیؐ: ۹۶ صفحات پر مشتمل اسوۂ حسنہ، حلیہ مبارک اور معجزات مفصل لکھے گئے ہیں۔ (۴۳)۔ شہادت کائنات: رسالہ جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادتیں کائنات میں درج ہیں۔ (۴۴)۔ شہید کربلا: ۱۱۲ صفحہ پر مشتمل کتاب، تاریخی اعتبار سے واقعہ کربلا کو قلم بند کیا گیا ہے۔ (۴۵)۔ ذوالنون مصری: ۱۸ صفحات کا رسالہ جس میں حضرت ذوالنون مصری کے حالات و مقالات ہیں۔ (۴۶)۔ دو شہید: ۳۲ صفحات کا رسالہ حضرت سعید ابن مسیب اور سعید ابن جبیر کے حالات اور حجاج کے ہاتھوں شہادت کا واقعہ درج ہے۔ (۴۷)۔ درس عبرت: ۱۶ صفحے کا رسالہ ہے۔ اُندلس کے مشہور عالم اور بزرگ کا ایک نصرانی لڑکی پر عاشق ہونے اور بعد میں راہ راست پر آنے کا واقعہ۔

اصلاح وارشاد :-

(۴۷)۔ بسم اللہ کے فضائل و مسائل :- ۱۶ صفحات کا رسالہ جس میں بسم اللہ کے شرعی احکام اور خواص درج ہیں۔ (۴۸)۔ دافع الافلاس :- ۳۲ صفحہ کا رسالہ ہے۔ علامہ سیوطیؒ کی تصنیف اصول الرفق فی الرزق کا ترجمہ ہے۔ (۴۹)۔ کید الشیطان :- موت کے وقت مکر شیطان اور بچاؤ کی تدابیر ہیں۔ (۵۰)۔ ذکر اللہ اور درود و سلام کے فضائل :- ۶۴ صفحات کا کتابچہ ہے۔ ذکر و صدقہ کی فضیلت۔ آخر میں دعائیہ نظمیں ہیں۔ (۵۱)۔ آداب الشیخ والمرید :- ۲۴ صفحات کا بڑے سائز کا رسالہ ہے۔ جس میں طریقت، شیخ کی ضرورت، آداب، ابن عربی کے رسالہ کا اردو ترجمہ مع متن درج ہے۔

تعلیم و تبلیغ :-

(۵۲)۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر :- ماہنامہ القاسم دیوبند میں قسطوار شائع ہوئی۔ (۵۳)۔ وصیت نامہ :- ۲۲ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ جس میں اپنی اولاد وغیرہ کو وصیت کی گئی ہے، عام مسلمانوں کے لیے بھی مفید ہے۔

زبان و ادب :- (۵۴)۔ مقدمہ المنجد اردو۔

متفرقات :-

(۵۵)۔ میرے والد ماجد کے ورد اور ان کے مجرب عملیات :- ۱۱۲ صفحات کی کتاب، والد کی سوانح، مولانا رشید احمد گنگوہی کے مکتوبات، والد کے اساتذہ اور آخر میں عملیات وغیرہ۔ (۵۶)۔ نقوش و تاثرات :- سفرنامہ دیوبند و تھانہ بھون، ۴۸ صفحات پر مشتمل اپنے اور بزرگوں کے تاثرات۔ (۵۷)۔ حضرت تھانوی کے آخر عمر کے ملفوظات جو خاتمۃ السوانح میں شامل ہوئے(۲۶)۔ (۵۸)۔ الاستفتاء :- ۴۸ صفحات کا فتویٰ ہے۔ بعض علماء کے استفتاء پر مولانا مسلمانان ہند کو قرآن و سنت کی روشنی میں مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کو جائز اور کانگریس کے ساتھ تعاون کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (۵۹)۔ اسلام اور دولت :- اسلام آباد سے حکومت نے ۱۸ مارچ ۱۹۶۹ء کو ایک نوٹیفکیشن جاری کیا جو اس رسالہ کے صفحہ نمبر ۲ پر موجود ہے کے حوالے سے ۱۸ صفحات پر مشتمل دولت کی مختلف حیثیتوں پر بحث کی گئی ہے۔ (۶۰)۔ اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات :- ۳۲ صفحات کا رسالہ ہے جس میں ۲۸ اصلاحات کی خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور اصلاح کے لیے تجاویز از صفحہ ۱۸ اور ۱۸ تا ۳۲ اشتراکیہ کی اصلاح پر ہے۔ (۶۱)۔ اسلامی نظام کے تحت معاشی اصلاحات :- ۲۸ صفحہ کا رسالہ ہے۔ اس میں مفتی صاحب نے اصلاحات کا ذکر کیا ہے۔ جن کی منظوری مختلف ممالک کے ۱۱۸ علمائے کرام نے دی ہے۔ (۶۲)۔ غیر مسلموں کے حقوق :- ۱۲ صفحات کا رسالہ ہے۔ جس میں اسلامی قانون میں غیر مسلموں کے حقوق کی تفصیل ہے۔ (۶۳)۔ آلۂ مکبر الصوت کے شرعی احکام :- ۴۴ صفحات کا رسالہ ہے جس میں ایجادات جدیدہ پر علماء کی آراء اور پھر آلۂ مکبر الصوت کے شرعی احکام کی تفصیل درج ہے۔ (۶۴)۔ احکام قربانی اور عید الاضحیٰ :- ۸ صفحے کا رسالہ ہے

---

(۲۶) - البلاغ کراچی، خصوصی نمبر بیاد مفتی اعظم : حیات مفتی اعظم از محمد رفیع عثمانی، اپریل، مئی، جون ۱۹۸۶ء، ج ۱۲، شمارہ ۶، ۷، ۸، ص ۲۳۷ تا ۲۴۰۔

جس میں قربانی اور عید الاضحیٰ کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ (۶۵) ۔ الارشاد الیٰ بعض احکام الالحاد :۔ ملقب بہ مشرقی اور اسلام ۹۲ صفحات کا کتابچہ ہے ۔ علامہ مشرقی کے عقائد (خیالات) اُن کی تصانیف سے حوالہ جات کے ساتھ قرآن وسُنت کی روشنی میں تحریک کے متعلق فتویٰ۔

(۶۶) ۔ اسلام اور سوشلزم :۔ ۸ صفحات کا بڑے سائز کا ٹریکٹ ہے ۔ یہ مغربی سامراج کے دو مخالف ہیں ۔ جن میں سے ایک ظلم کے بدلے انصاف اور دوسرا ظلم کے بدلے ظلم ہوتا ہے ۔ (۶۷) ۔ تصاویر شرعیہ در اوزان بذریعہ :۔ ۲۲ صفحے کا رسالہ ہے ۔ اس میں درہم ، دینار ، مد ، ذراع ، میل وغیرہ کی مکمل تحقیق بندی اوزان اور پیمانوں کے مطابق کی گئی ہے ۔ (۶۸) ۔ اختلاف امت پر ایک نظر :۔ آٹھ صفحات کا رسالہ ہے ۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو حکیم محمد سعید دہلوی کا خطبہ استقبالیہ اور اُس کے بعد مفتی محمد شفیع صاحب کی تقریر درج ہے ۔ (۶۹) ۔ ختم نبوت مکمل :۔ ۳۹۲ صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔ ایک سو سے زائد قرانی آیات اور دو سو دس (۲۱۰) احادیث ، اجماع امت ، اقوال صحابہ ، وتابعین وآئمہ دین سے مسئلہ ختم نبوت کے ہر پہلو کو واضح کیا گیا ہے ۔

(۷۰) ۔ البدائع المفیدہ فی حکم الفالح جدیدہ :۔ ۲۲ صفحات پر مشتمل ، آلہ مکبر الصوت ، ریڈیو ، فلم حج ، فوٹو گراف ، انجکشن ، تار ، ٹیلیفون اور وائرلس وغیرہ آلات جدیدہ کے متعلق شرعی احکام ۔ (۷۱) ۔ رفع الخلاف من احکام فوٹو گراف :۔ ۱۶ صفحات کا رسالہ ، فوٹو گراف کے شرعی احکام کے متعلق ہے ۔ (۷۲) ۔ تحفۃ الاخوان فی تحقیق معنی دان :۔ ۸ صفحات پر مشتمل اُردو زبان میں فتویٰ درباره قربانی شش ماہی گوسفند یا دُنبہ ۔ (۷۳) ۔ القول السدید فی تحقیق میراث الحفید :۔ پوتے کی میراث پر ۴۲ صفحات کا رسالہ ہے ۔ صفحہ ۲ تا ۲۲ مفتی صاحب کی تحقیق اور ۲۳ تا ۴۲ تصدیقات علماء شامل ہیں۔

(۷۴) ۔ نہایات الارب فی غایات النسب :۔ ۴۰ صفحات کا رسالہ ، جس میں مساوات اسلامی کی حقیقت اور انساب اور پیشوں کے باہمی تفاضل پر محققانہ بحث ہے ۔ (۷۵) ۔ تحذیر الاثام عن تغیر رسم الخط عن مصحف الامام :۔ مدارس میں ایک شخص نے تامل زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا جو بائیں سے دائیں لکھی جاتی ہے اور قرآنی متن بھی بائیں سے دائیں لکھ کر شامل کرنا چاہتا تھا۔ مفتی صاحب نے قرآن وسنت اور اجماع صحابہ کی روشنی میں اس کے خلاف فتویٰ لکھا اور ساتھ علماء کی تصدیقیں بھی شامل کیں ۔ (۷۶) ۔ جوامع الکلم :۔ ۸۰ صفحات کا کتابچہ ہے ۔ اقتباسیہ ، اسلامی اعمال ، اذکار ، اخلاق اور دیگر شرعی معاملات پر مفید کتاب ہے ۔ ص ۲ تا ۱۰ ، تذکرۂ مولف کے عنوان سے مفتی صاحب کی مختصر سوانح ہے ۔ (۷۷) ۔ جہاد :۔ ۱۱۲ صفحے کی کتاب ہے ، جہاد پر مکمل بحث مع چہل حدیث ، مشتمل بر جہاد پر نظم ہے ۔ (۷۸) ۔ حکم الازدواج مع اختلاف دین الازدواج :۔ ۱۶ صفحات کا رسالہ ۔ ارتداد کی صورت میں زوجین کے متعلقہ احکامات کی تفصیل (۷۹) ۔ حکم الاقساط فی حیلۃ الاسقاط :۔ ۸ صفحات کا رسالہ مردہ انسان کی قضا عبادات کے کفارہ کا طریقہ لکھا ہے ۔ (۸۰) ۔ کشف الظنون :۔ ۸ صفحے کا رسالہ ، تار ، فون ، خط ، وائرلس وغیرہ کے ذریعے رؤیت ہلال کا شرعی حکم ۔ (۸۱) ۔ رؤیتِ ہلال :۔ ۴۲ صفحات کا کتابچہ ، جس میں رؤیتِ ہلال بذریعہ آلاتِ جدیدہ کی شرعی بحث ہے ۔ (۸۲) ۔ سیرت رسول اکرم ؐ :۔ سیرت کی یہ کتاب ۴۳۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔ جس کے دو حصے ہیں ۔ حصہ اول حیات طیبہ ص ۱۹ تا ۲۹۶ حصہ دوم اسوۂ حسنہ ص ۲۹۷ تا ۴۲۸ ۔ (۸۳) ۔ عائلی قوانین پر تبصرہ :۔ ۴۲ صفحات کا کتابچہ ہے ۔ جو یکم اپریل ۱۹۶۱ء کو فیلڈ مارشل صدر محمد ایوب خان کو مفتی صاحب نے بھیجا ۔ (۸۴) ۔ رفع التضاد عن احکام الضاد :۔ ۱۶ صفحات کا رسالہ ہے ۔ جس میں فتویٰ قرأت حرف ضاد پر بحث کی گئی ہے ۔

(۸۵) ۔ زکوٰۃ اور اس کا مصرف :۔ ۱۶ صفحے کا رسالہ زکوٰۃ اور اس کے مصارف پر ہے ۔ (۸۶) ۔ سایۂ رسول ﷺ :۔ ۸ صفحات کا رسالہ ہے کہ سایۂ رسول ﷺ نہ ہونے میں امام سیوطی نے صرف ایک حدیث پیش کی ہے ۔ (۸۷) ۔ ثمرات الاوراق :۔ یہ کتاب مفتی صاحب کے علمی، اخلاقی، تاریخی، فقہی اور طبی مضامین متفرقہ کا نہایت دلچسپ کشکول ہے ایک ہی جلد میں ہر مضمون کی الگ الگ صفحہ بندی ہے ۔ (۸۸) ۔ کشکول :۔ ۲۹۶ صفحات کی کتاب ہے ۔ حصہ اول میں علمی جواہر ریزے، تذکرہ سلف، امالیین، متفرق نثر، حصہ دوم، شعر و سخن پر مشتمل ہے جس میں دوسرے شعراء کا منتخب کلام اور اپنا اردو فارسی کلام بھی شامل ہے ۔ (۸۹) ۔ خطبات جمعہ و عیدین :۔ ۳۸ صفحات پر عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ شامل ہے ۔ (۹۰) ۔ الاربعین :۔ ۳۲ صفحات کا رسالہ ہے ۔ جس میں ختم نبوت پر چالیس احادیث مع ترجمہ و تشریح درج ہیں ۔ (۹۱) ۔ وصول الافکار الی اصول الاکفار :۔ ۳۶ صفحات کا اردو رسالہ ہے ۔ جس میں کفر و اسلام کی حقیقت اور اس کا صحیح معیار، کس صورت میں مسلمانوں کو خارج از اسلام کہا جا سکتا ہے ۔ فرقۂ چکڑالوی، قادیانی، درفض اور آغا خانی عقائد کی وضاحت ہے ۔ (۹۲) ۔ طریق السداد فی عقوبۃ الارتداد :۔ ۸ صفحات کا رسالہ ہے، جس میں خلفائے راشدین اور قتل مرتد کے تحت بتایا گیا ہے کہ خلافت اسلامیہ کے ساڑھے تیرہ سو سالہ دور میں ہمیشہ مرتد کی سزا قتل رہی ہے ۔ (۹۳) ۔ سیرت کمیٹی اور اس کی شرعی حیثیت :۔ ۱۵ صفحات پر مشتمل مفتی صاحب کا سیرت کمیٹی کے بارہ میں فتویٰ ۔ (۲۷) ۔ دوسری متفرق تصانیف بذیل ہیں :۔

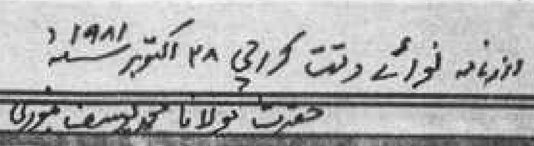
(۹۴) ۔ احکام دعا ۔ (۹۵) ۔ ممالک اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداری ۔ (۹۶) ۔ دستور قرآنی ۔ (۹۷) ۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق ۔ (۹۸) ۔ ووٹ اور ووٹر کی شرعی حیثیت ۔ (۹۹) ۔ سرمایہ داری، سوشلزم اور اسلام ۔ (۱۰۰) ۔ افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ۔ (۱۰۱) ۔ جہاد پاکستان ۱۹۶۵ء ۔ (۱۰۲) ۔ اسلام میں مشورے کی اہمیت ۔ (۱۰۳) ۔ فتوح الہند ۔ (۱۰۴) ۔ روح تصوف ۔ (۱۰۵) ۔ خلاصہ و تسہیل قصد السبیل ۔ (۱۰۶) ۔ رجوع الی اللہ ۔ (۱۰۷) ۔ دل کی دنیا ۔ (۱۰۸) ۔ ملفوظات امام مالک ۔ (۱۰۹) ۔ ملفوظات احمد بن حنبل ۔ (۱۱۰) ۔ پیغمبر امن و سلامت ۔ (۱۱۱) ۔ مقدمہ حیوٰۃ المسلمین ۔ (۱۱۲) ۔ قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا نظام تعلیم ۔ (۱۱۳) ۔ طلبہ کے نام دوہرا پیغام ۔ (۱۱۴) ۔ اسلام میں نظام مساجد ۔ (۱۱۵) ۔ مجالس حکیم الامت ۔ (۱۱۶) ۔ مکاتیب حکیم الامت ۔ (۱۱۷) ۔ دارالعلوم دیوبند اس کا مزاج و مذاق ۔ (۱۱۸) ۔ مقدمہ امداد الفتویٰ ۔ (۱۱۹) ۔ مقدمہ فتوی دارالعلوم دیوبند ۔ (۲۸)

. . . . .

---

(۲۷) ۔ شمارہ نمبر ۵۸ تا ۹۳ والی کتب راقم نے مورخہ ۱۶ ر جولائی ۱۹۸۸ء تا ۲۰ ر جولائی ۱۹۸۸ء مفتی صاحب کے دارالعلوم کراچی کورنگی کی لائبریری سے ملاحظہ کیں اور مولانا تقی عثمانی اور مولانا رفیع عثمانی سے بھی ملاقاتیں ہوئیں ۔

(۲۸) ۔ البلاغ کراچی، خصوصی نمبر بیاد مفتی اعظم : حیات مفتی اعظم از محمد رفیع عثمانی، شمارہ اپریل، مئی، جون ۱۹۸۷ء، ج ۱۰، ص ۲۳۷ تا ۲۴۰ ۔



حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

روزنامہ نوائے وقت کراچی ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۱ء

مولانا محمد یوسف بنوری

حالات زندگی : علامہ بنوری اپنی خود نوشت سوانح عمری میں رقمطراز ہیں :۔

نام ونسب وتعلیم :۔ "راقم الحروف محمد یوسف بن سید محمد زکریا بن میر مزمل شاہ بن میر احمد شاہ البنوری الحسینی کی ولادت بتاریخ ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ / ۶ جولائی ۱۹۰۸ء بروز جمعرات بوقت سحر پشاور سے مضافات کی ایک بستی مہابت آباد میں ہوئی"

سلسلہ نسب نویں جد امجد عارف محقق حضرت سید آدم بن اسمٰعیل الحسینی الغزنوی البنوری المدنی کی وساطت سے حضرت سیدنا حسینؓ سے جا ملتا ہے۔
قرآن کریم اپنے والد ماجد اور ماموں سے پڑھا۔ امیر حبیب اللہ خان کے دور میں افغانستان کے دارالحکومت کابل کے ایک مکتب میں صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس دور کے مشہور استاذ شیخ حافظ عبداللہ بن خیر اللہ پشاوری شہر ۱۳۴۰ھ میں۔ فقہ، اصول فقہ، منطق، معانی وغیرہ مختلف فنون کی متوسط کتابیں پشاور اور کابل کے اساتذہ سے پڑھیں۔ ان میں الاکابر حضرات مولانا عبدالقدیر افغانی المغانی (جو جلال آباد افغانستان میں محکمہ شرعیہ کے قاضی مرافعہ تھے) اور شیخ محمد صالح قیلغوی افغانی وغیرہ ہیں۔

باقیماندہ علوم وفنون، علم حدیث اور اصول حدیث کی کتابیں ۱۳۴۵ھ تا ۱۳۴۷ھ دارالعلوم دیوبند سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں کیا۔ ان میں سب سے بڑے شیخ محقق مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (جو پاکستان کے شیخ الاسلام اور فتح الملہم شرح صحیح مسلم کے مصنف ہیں) اور امام العصر، محدث کبیر، عالم شہیر، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ ثم الدیوبندی ہیں۔ خصوصاً امام العصر سے انتہائی استفادہ کیا۔ انہی سے تخرج حاصل کیا اور ایک سال سے زیادہ عرصہ تک شب وروز ان کا خادم خاص رہا۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے فراغت کے بعد ۱۹۳۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایک ماہ میں تیاری کرکے پرائیوٹ مولوی فاضل کا امتحان دیا اور سند حاصل کی۔

دینی وملی خدمات :۔ چار سال پشاور جمعیت العلماء کے پلیٹ فارم پر دینی وسیاسی خدمات انجام دیتا رہا۔ آخر میں جمعیت العلماء پشاور کا صدر رہا۔

چونکہ علامہ شیخ محمد انورؒ سے خصوصی استفادہ کیا۔ اسی لیے اسی نسبت وتعلق کی بنا پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کے لیے تقرر ہوا اور بالآخر وہاں کا شیخ الحدیث وصدر مدرس بنا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی مجلس علمی کا رکن بھی منتخب کیا گیا۔

۱۹۳۷ء میں مجلس علمی نے اپنی کتابوں (فیض الباری اور نصب الرایہ) کی طباعت کے لیے مجھے مصر بھیجا اور مجلس ہی کی طرف سے مصر کے علاوہ یونان، ترکی، حجاز مقدس کا سفر بھی ہوا۔ مجلس کی معوضہ علمی خدمت کو حسن وخوبی انجام دیا اور اس سلسلہ میں چودہ مہینے ملک سے باہر رہا۔

جمعیت العلماء ہند گجرات وضلع بمبئی کا صدر بھی رہا اور بمبئی اوقاف کمیٹی کا بھی ممبر رہا۔

۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء میں قاہرہ میں منعقد ہونے والی موتمر فلسطین میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا مساعد رہا۔ چونکہ مفتی صاحبؒ صاحب فراش تھے۔ اس لیے دوران کانفرنس جتنے پروگرام ہوئے اور جو بیانات وغیرہ اخبارات میں شائع ہوئے سب میرے قلم سے نکلے۔

دارالعلوم دیوبند سے پیشکش :۔ قیام ڈابھیل کے دوران دارالعلوم دیوبند کے طبقۂ علیا کی مدرسی کی پیشکش بار بار کی گئی۔ نیز دارالعلوم دیوبند میں منصب افتاء کے لیے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ اور قاری محمد طیب صاحب تینوں حضرات نے اصرار فرمایا مگر قبول کرنے سے معذرت کر دی۔ جامعہ احمدیہ بھوپال کے لیے سید سلیمان ندوی نے بھی دعوت دی مگر اسے بھی قبول نہیں کیا۔

پاکستان میں آمد :۔ بعض مشاہیر کے اصرار پر جنوری ۱۹۵۱ء میں ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچا اور دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار (حیدرآباد سندھ) میں شیخ التفسیر کے منصب پر فائز ہوا۔ وہاں تین برس کام کیا۔ پھر وہاں سے مستعفی ہو کر کراچی چلا آیا اور یہاں اپنے بعض مخلص اکابر کی علمی رفاقت میں فارغ التحصیل حضرات کی تربیت کے لیے ایک علمی ادارہ قائم کیا۔

اسفار :۔ راقم الحروف کو حرمین شریفین کے سفر مقدس کا شرف بارہا حاصل ہوا۔ ۱۹۳۷ء میں قاہرہ کا سفر ہوا، جہاں تقریباً ایک سال قیام رہا۔ اسی طرح عراق مصر، لیبیا، اُردن، شام، بیروت، ایران، افغانستان، ترکی، یونان وغیرہ کے اسفار بھی کیے۔

تصنیفات :۔ بندہ کی تصنیفات یہ ہیں :۔

۱۔ بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ والمحاریب :۔ جو قاہرہ سے ۱۳۵۶ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

۲۔ نفحۃ العنبر فی حیات امام العصر الشیخ محمد انور :۔ جو دہلی سے ۱۳۵۴ھ میں طبع ہوئی۔

۳۔ یتیمۃ البیان :۔ (جو دراصل مولانا الشیخ محمد انورؒ کی تصنیف "مشکلات القرآن" کا مقدمہ ہے) دہلی سے ۱۹۳۶ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

۴۔ معارف السنن شرح جامع الترمذی۔ نہایت جامع شرح ہے ابتدا کتاب سے کتاب المناسک کا اختتام چھ ضخیم جلدوں میں ہوا۔

متعدد کتابوں پر مقدمے بھی لکھے۔ جن میں سے اہم یہ ہیں :۔

۱۔ مقدمہ فیض الباری شرح صحیح بخاری۔ ۲۔ مقدمہ نصب الرایۃ لتخریج احادیث الہدایہ۔

۳۔ مقدمہ مقالات کوثری۔ تینوں کتابیں مصر سے طبع ہو چکی ہیں۔

۴۔ مقدمہ عقیدۃ الاسلام۔ ۵۔ مقدمہ طبقات للشاہ اسماعیل الشہید۔

۶۔ مقدمہ اکفار الملحدین فی ضروریات دین۔ الامام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری۔ (۱)

---

(۱)۔ رسالہ بینات : بنوری نمبر، ۵، خود نوشت سوانح عمری۔ ص ۹ تا ۱۲

شعر و سخن :- عربی میں اہلِ علم کے انداز پر کلام (اشعار) کا مجموعہ بھی ہے۔ جن میں بعض اشعار بہت عمدہ کہے گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں دو قصیدے ہیں۔ جن میں سے ایک قصیدہ ضائیہ ہے جو "شذرات الادب فی مدیح سید العجم والعرب" کے نام سے قاہرہ کے ہفت روزہ "الاسلام" کی اسپاد معراج پر خصوصی اشاعت میں ۱۹۳۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جن پر اہلِ فن اور اہلِ زبان نے خوب داد دی تھی اور اسے بہت پسند کیا تھا۔

اساتذہ :- اسفار کے دوران بڑے بڑے علماء واعیان سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان سے اجازت حدیث بھی حاصل کی۔ ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ محقق کبیر شیخ علامہ محمد زاہد الکوثری، عالم کبیر شیخ خلیل الخالدی المقدسی، محدث جلیل شیخ عمر بن حمدان المحرسی المالکی المغربی، اُستاذ کبیر شیخ محمد بن حبیب اللہ بن مایابی اور محدثہ شیخہ امۃ اللہ بنت شاہ عبدالغنی المجددی محدث دہلوی ثم مدنی وغیرہ۔ (۲)

تلامذہ :- بلادِ حرمین میں مجھ سے بہت سے علماء نے اجازت حدیث لی ہے۔ جن میں سے بعض علماء کے نام یہ ہیں۔ شیخ سلیمان بن عبدالرحمٰن الصنیع (مکہ مکرمہ کے ادارہ "ہیئت الامر بالمعروف والنہی عن المنکر" کے سربراہ، محدث شیخ حسن المشاط (مکہ مکرمہ کے مدرسہ صولتیہ کے مدرس) معمر بزرگ شیخ ابراہیم ختنی مقیم مدینہ منورہ۔ شیخ عبدالعزیز عیون السود حمصی شامی۔ شیخ علی محمد مراد حموی اور عالم جلیل شیخ عبدالفتاح ابوغدہ وغیرہ۔ (۳)

بیعت :- مولانا محمد حبیب اللہ مختار اپنے مضمون داستان عہد گل میں رقمطراز ہیں :-

"حضرت شیخ رح جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد شفیع الدین نگینوی مہاجر مکی رح سے بیعت ہو گئے اور انہوں نے اجازت سے بھی مشرف فرمایا اور فرمایا کہ ہند میں مولانا حسین احمد مدنی یا مولانا اشرف علی تھانوی رح، دونوں میں سے کسی ایک سے رابطہ کر لیں۔ چنانچہ حضرت شیخ رح ہندوستان آکر شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رح کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔" (۴)

علامہ انور شاہ کے ساتھ خصوصی تعلق :-

مولانا لطف اللہ پشاوری اپنے مضمون نقوشِ زندگی میں رقمطراز ہیں :-

" مولانا مرحوم کو امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رح سے اسی زمانہ میں انتہائی عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔

(۲) ماہنامہ بینات، علامہ بنوری نمبر، خود نوشت سوانح عمری، ص ۱۲، ۱۳۔
(۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۲۔
(۴) ایضاً ایضاً مضمون داستان عہد گل از مولانا حبیب اللہ مختار، ص ۴۶، ۴۷۔

دارالعلوم میں قیام پر کچھ عرصہ گزرا تھا آپ نے عربی میں ایک طویل خط حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں لکھا، جس میں ان سے استدعا کی گئی تھی کہ مجھے اپنا خادم بنا لیں۔ شاہ صاحب نے خط پڑھا، رکھ لیا۔ دوسرے وقت آنے کو کہا۔ مولانا مقررہ وقت پر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شاہ صاحب نے سب سے پہلا سوال کیا کہ ادب کہاں پڑھا ہے؟ عرض کیا، کہیں نہیں، فرمایا، بس! آپ کو حاجت نہیں، اتنا کافی ہے"۔

اسی مضمون میں مولانا لطف اللہ آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"میں امتحان دے کر وطن پشاور آ گیا۔ اُدھر دیوبند میں مشہور زمانہ اسٹرائیک ہوگئی جس میں مولانا محمد انور شاہ، مولانا شبیر احمد، مولانا بدر عالم اور مولانا سراج احمد وغیرہ کا مہتمم حضرات سے اختلاف ہوا اور فیصلہ ہوا کہ یہ حضرات دارالعلوم سے علیحدہ ہو کر کسی اور جگہ تشریف لے جائیں۔ بچانوے فیصد طلبہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس لیے ایسی جگہ کی تلاش ہوئی جو ان مدرسین کے ساتھ ان سب طلبہ کا بوجھ بھی برداشت کر سکے۔ بالآخر ڈابھیل کی سیٹھ گارڈین اور موسیٰ میاں وغیرہ نے مشورہ کر کے ڈابھیل میں نئے دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور حضرت شاہ صاحب سے رفقا سمیت تشریف لانے کی درخواست کی جو طلبہ ان کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے ڈابھیل گئے، ان میں مولانا یوسف بنوری بھی شامل تھے۔ وہیں آپ نے حضرت شاہ صاحب سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی"۔ (۵)

مولانا کی شادی:۔ مولانا لطف اللہ کا بیان ہے کہ:۔

"وہ عجیب و غریب رات مجھے نہیں بھولتی جب مولانا کی بیٹھک میں مولانا کا نکاح پڑھایا، مولانا خود دولہا تھے اور خود ہی دوسری طرف سے وکیل تھے۔ خود ہی نکاح خواں تھے۔ میں اور مولانا عبدالحق نافع گواہ تھے۔ شادی کے لیے اور اہتمام تو کیا ہوتا کوئی جوڑا بھی نہیں بنایا گیا، نہ دولہا کے لیے نہ دولہن کے لیے۔ بس بدن کے پہنے ہوئے کپڑے ہی جامۂ عروسی تھے، گھر میں دو سیر چاول تھے، وہ پکائے گئے، یہ مولانا کا ولیمہ تھا۔ گھر میں ایک چارپائی سالم تھی اور ایک ٹوٹی ہوئی۔ ہم دونوں کے سوا کسی کو شادی کا پتہ بھی نہ چلا، یہ تھا مولانا محمد یوسف بنوری کی شادی کا نقشہ جن کی رحلت پر پورے عالم اسلام نے ماتم کیا"۔ (۶)

(۵)۔ ماہنامہ بینات: علامہ بنوری نمبر، مضمون نقوشِ زندگی از مولانا لطف اللہ پشاوری، ص ۲۶، ۲۷۔

(۶)۔ ایضاً ایضاً ایضاً، ص ۲۷، ۲۸۔

مولانا زاہد الکوثری اور مولانا بنوری :۔

قیام مصر کے دوران مولانا بنوری نے مولانا زاہد الکوثری کو بہت متاثر کیا۔ مولانا زاہد الکوثری سلطنت عثمانیہ کے آخری دور میں نائب شیخ الاسلام تھے۔ مصطفیٰ کمال نے برسر اقتدار آکر اسلامی ثقافت کا خاتمہ کر دیا اور مولانا کوثری کے لیے سزائے موت تجویز کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا اور آپ کو ترکی سے جلا وطن کر دیا گیا اور آپ قاہرہ میں پناہ گزین ہوئے۔ مولانا کوثری بہت بڑے علامہ اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کے مضامین جو مقالات کوثری کے نام سے چھپے آپ کی قابلیت پر گواہ ہیں بقول مولانا لطف اللہ :۔

> "مولانا کوثری مرحوم اور مولانا محمد انور شاہ کشمیری اپنے زمانے میں قرآن وحدیث اور فقہ میں واعلم اہل الارض تھے۔ مولانا کوثری علم تاریخ اور علوم جدیدہ میں مولانا محمد انور شاہ مرحوم سے آگے تھے۔"

مولانا بنوری نے شیخ کوثری سے حدیث کی سند لی اور اپنے اکابر سے متعارف کرایا۔ آپ نے قیام مصر کے دوران مولانا سید بدر عالم کی شاہ صاحب کی بخاری کی تقریر جو انہوں نے بخاری پڑھتے وقت قلمبند کی تھی، فیض الباری کے نام سے چھپوائی اور اس پر مقدمہ لکھا۔ جامعہ ازہر میں اُن کی ملاقات جامعہ کے مشہور نابینا عالم یوسف دجوی سے ہوئی۔ مولانا نے علامہ مشرقی کا "تذکرہ" اُن کے سامنے پیش کیا۔ جس پر انہوں نے مشرقی کے کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ مولانا اُن کے تبحر علمی کی بہت تعریف کرتے تھے۔ مصر میں مولانا کی ملاقات علامہ طنطاوی سے ہوئی، مولانا کا مصر کا سفر "نصب الرایہ للزیلعی (جو کہ حافظ زیلعی نے مذہب حنفی کی تائید میں ہدایہ کی حدیث کی تخریج کر کے مرتب کی تھی اور علامہ محمد انور شاہ کی خواہش تھی کہ یہ کتاب چھپ جائے) کی طباعت کی غرض سے تھا۔ اس کا مقدمہ بھی علامہ بنوری نے شیخ کوثری سے لکھوایا۔ (۷)

علامہ کی گرفتاری :۔ علامہ مشرقی نے "مولوی کا غلط مذہب" کے نام سے کئی پمفلٹ نکالے اور خاکساروں کا دعویٰ تھا کہ علما علامہ مشرقی کی کتاب "تذکرہ" کو نہیں سمجھ سکے بنیز یہ کہ علماء کے از مسئلہ مشرقی کو علامہ کا خطاب دیا۔ مولانا بنوری معہ مشرقی کے کفر کا فتویٰ لائے تھے۔ اس کی اشاعت سے خاکسار برہم ہوئے۔ پشاور خاکسار تحریک کا مرکز تھا۔ یہاں چپقلش شروع ہو گئی۔ مولانا بنوری مانسہرہ ضلع ہزارہ گئے تو وہاں اُنہیں گرفتار کر لیا گیا۔ ڈاکٹر خان صاحب کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً ٹیلیفون کر کے مولانا کو رہا کرا دیا۔ (۸)

ڈابھیل میں صدارت تدریس :۔ جب آپ مصر سے واپس لوٹے تو آپ نے جامعہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث کی مسند کو زینت بخشی۔ بخاری و ترمذی اور ابو داؤد کا درس آپ کو تفویض کیا گیا۔ آپ اس پر بے حد خوشی کا اظہار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنے دونوں اُستادوں (مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی) کی جانشینی کا شرف نصیب فرمایا۔ تقسیم ملک تک آپ اسی منصب پر فائز رہے۔ (۹)

(۷)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۲ تا ۳۶ ۔
(۸)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۶ ۔
(۹)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۷ ۔

مولانا کی پاکستان میں آمد کی تفصیل :۔

مولانا ڈابھیل میں شیخ الحدیث تھے کہ ملک تقسیم ہوگیا۔ یو۔ پی کے دینی مدارس کی رونق پنجاب، سرحد اور بنگال کے طلبہ سے تھی۔ یہ علاقے پاکستان میں شامل ہوگئے۔ پاکستان سے طلبہ کو ہندوستان جانے کی سہولت نہ تھی اور پاکستان میں دیوبند یا ڈابھیل جیسے دارالعلوم نہ تھے۔ مولانا بنوری کو دیوبند آنے کی دعوت ملی۔ مگر علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا بنوری کے مزاج اور اُن کے کمالات سے روشناس تھے۔ اس لیے مولانا بنوری کو پاکستان منتقل کرنے کے مشورے شروع ہوئے۔ اس وقت پاکستان میں خواجہ ناظم الدین اور خواجہ شہاب الدین کا دور دورہ تھا۔ مولانا احتشام الحق کے ان سے گہرے مراسم تھے۔ ٹنڈوالہیار میں ان کا مدرسہ تھا۔ اس مدرسہ کو دیوبند کے مقابلہ میں ترقی دینے کے لیے چوٹی کے علماء کو جمع کیا جارہا تھا۔ اسی سلسلے میں مولانا بنوری کو بھی دعوت دی گئی۔ جب مولانا کراچی پہنچے تو مولانا احتشام الحق تھانوی نے کاروں کے جلوس سے مولانا کا استقبال کیا۔

ٹنڈوالہ یار میں تدریس :۔

مولانا بنوری کو ٹنڈوالہ یار کے مدرسہ میں شیخ التفسیر کے منصب پر تعینات کیا گیا۔ مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری (سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور و مدرسہ خیرالمدارس ملتان) کو بحیثیت شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے ٹنڈوالہ یار کے مدرسہ میں لایا گیا۔

بالآخر مولانا بنوری اور مولانا احتشام الحق کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے۔ مولانا کاملپوری بھی مولانا بنوری کے حامی تھے۔ بالآخر مولانا بنوری کو ٹنڈوالہ یار سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔ (۱)

کراچی میں قیام :۔

ٹنڈوالہ یار سے علیحدگی کے بعد مولانا نے کراچی میں قیام کیا اور اپنا علیحدہ مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس موقع پر سیٹھ یوسف نے پچاس ہزار روپے کی پیشکش کی جسے آپ نے منظور نہ کیا۔ کراچی کے ایک پیر صاحب مولانا طفیل یا ماسٹر طفیل کے نام سے جن کا پیری مریدی کا سلسلہ تھا نے مولانا کو مدرسہ بنانے کی ترغیب دی اور کفالت کا ذمہ اٹھایا۔ مولانا نے ان کی رفاقت میں مدرسہ جاری کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ مولانا نے سب نمائش کے کنارے ایک متروکہ دھرم سالہ میں جو مولانا طفیل کے زیر قبضہ تھی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ مولانا بنوری نے بعض دوستوں کو دعوت دی۔ مولانا محمد یوسف (جو بنارس میں پڑھاتے تھے) مولانا نافع گل اور مولانا لطف اللہ نے دعوت قبول کرلی بڑی تکلیف سے یہاں پر تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آخر مدرسہ جامع مسجد نیو ٹاؤن کی انتظامیہ کے مشورے سے اسی مسجد کے احاطہ میں منتقل کردیا گیا۔ آہستہ آہستہ مدرسہ ترقی کرتا چلا گیا اور آج ایک دارالعلوم کی شکل میں فیضبار ہے۔

مولانا کے اوصاف :۔ مولانا اصولوں کے بڑے سخت تھے۔ کبھی زکوٰۃ فنڈ سے مدرسین کو تنخواہ ادا نہیں کی گئی۔ تصوف اور علم باطن سے مولانا کو بہت شغف تھا۔

---

(۱)۔ ایضاً   (۲) ایضاً   (۳) ایضاً ص ۳۸،۳۹۔

اُولیاءِ کبار کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ شاہ فیصل کے بڑے قدردان تھے۔ شاہ فیصل نے مولانا سے آخری ملاقات میں فرمایا تھا کہ اُنہوں نے مسٹر بھٹو وزیراعظم پاکستان کو صاف بتادیا تھا کہ پاکستان کے تین بڑے دشمن ہیں، یعنی قادیانی، کمیونسٹ اور مغربی بلاک۔ (۱)

مجلس مذاکرہ لاہور :-

صدر ایوب نے مولانا نورالحق ڈین اسلامیہ کالج پشاور کے توسط سے علمائے پاکستان کو رام کرنے کے مختلف منصوبے بنائے جو سارے کے سارے خاک میں مل گئے پھر لادینی عناصر کے ساتھ مل کر ایک سکیم بنائی کہ دُنیا بھر کے علما کو جمع کرکے مذاکرہ کرایا جائے تاکہ پردہ، سود، داڑھی کی سُنت وغیرہ کے بارہ میں پاکستانی علما کی قدامت پسندی کی عدم جوازیت تلاش کی جاسکے۔ چنانچہ مصر سے شیخ مصطفیٰ ازرقا معروف دوالیبی، ابوزہرہ، پرنسپل لاء کالج اسکندریہ (مصنف حیات امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام حنبل وغیرہ) عالم فقہ اور ماہر رومن قانون) بلیغ مصری عالم سیدی علام اور دیگر جید علما کو دعوت دی گئی۔ جب کہ پاکستان سے مفتی محمد شفیع اور مسٹر غلام احمد پرویز کو دعوت دی گئی۔ بیرونی علماء جونہی کراچی میں اُترے تو مولانا بنوری کے پاس مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن میں تشریف لائے۔ مولانا سے مل کے بہت متاثر ہوئے اور مولانا نے مجلس مباحثہ کے اغراض ومقاصد کو بے نقاب کیا۔ لاہور پہنچنے پر علمانے مولانا کے خیالات کی تائید کی۔ پرویز کو اسلام میں رخنہ اندازی کی جرأت نہ ہوئی اور یوں اسلام کے خلاف ایک سازش ناکام ہوگئی۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء اور مولانا بنوری :-

لیاقت علی خان کے زمانہ سے ایوب خان کے دور تک سیاست سے کنارہ کش رہے۔ البتہ جب کبھی کوئی دینی تقاضا سامنے آیا تو خم ٹھونک کر میدان میں کود پڑے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت جو خواجہ ناظم الدین کی وزارتِ عظمیٰ اور ظفراللہ خان کی وزارت خارجہ کو بہا کر لے گئی۔ اس وقت آپ ٹنڈوالہ یار میں تھے اور اس جلوس کی قیادت کی جو ظفراللہ کی برطرفی کا مطالبہ کررہا تھا۔

پھر بھٹو کے دور میں قادیانیوں کے خلاف دوبارہ تحریک شروع ہوئی۔ تو علامہ محمد انور شاہ کے علوم وانفاس کے وارث اور جانشین مولانا سید محمد یوسف بنوری کو اللہ تعالیٰ نے اس جہاد کے لیے تیار کیا۔ جو کچھ تحریک کے لیے مولانا بنوری نے کیا بقول مولانا لطف اللہ :-

"اس کے دیکھنے والے لاکھوں انسان زندہ ہیں"

آخر بھٹو کے دور حکومت میں قادیانیوں کو پاکستان قومی اسمبلی کی منظوری سے آئینی طور پر خارج از اسلام قرار دلوایا۔ (۲)

آپ کا اصل سفر حرمین شریفین کا ہوا کرتا تھا۔ ہر سال رمضان میں عمرہ اور ذوالحجہ میں حج کیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۷ء میں مکہ مکرمہ میں پہلا اعتکاف کیا۔

(۱) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۹ تا ۴۲۔

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۳ تا ۴۷۔

اُس کے بعد سوائے ایک سال کے ہر سال مسجد نبوی میں اعتکاف کرتے رہے۔ حرمین شریفین کے علاوہ کئی مرتبہ قاہرہ کا سفر کیا۔ پہلا سفر "نصب الرایہ" اور فیض الباری کی طباعت کے سلسلے میں ہوا۔ اس کے بعد مجمع البحوث اسلامیہ کی کانفرنسوں میں شرکت کرنے کے لیے آپ نے لبنان، فلسطین، ہندوستان، تنزانیہ، نائجیریا، کینیا، یوگنڈا، موزنبیق، زمبیا، فرانس، برطانیہ، ساؤتھ افریقہ، سوئٹزرلینڈ، اسپین وغیرہ کا سفر بھی کیا۔ اکثر بلاد اسلامیہ سے آپ کے نام دعوت نامے آتے رہتے تھے۔ (۱۳)

رحلت :۔ جوں جوں سفر آخرت کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔ مولانا پر علم و حکمت کی نئی نئی راہیں کھلتی جا رہی تھیں۔ بقول شاعر "بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے"۔ آپ کی زندگی کے آخری چند سال حاصل زندگی تھے، جن میں وہ کارنامے انجام دیئے جو پوری زندگی پر بھاری ہیں۔

آج یہ علم و عرفاں کا چراغ دل کے عارضہ میں تین دن مبتلا رہ کر ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو یکایک غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؀ (۱۴)

مولانا سید محمد یوسف بنوری کی تصانیف

۱۔ معارف السنن : شرح جامع ترمذی ۶ جلدوں میں تین ہزار صفحات پر مشتمل عربی زبان میں ہے۔

۲۔ عوارف المنن فی معارف السنن : یہ معارف السنن کا بیش بہا نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ضخیم ۲۰۰ صفحات کا مقدمہ ہے۔

۳۔ یتیمۃ البیان فی حل مشکلات القرآن : یہ شاہ صاحب (علامہ انور کشمیری) کی مشکلات القرآن کا ۱۰۰ صفحات پر شامل علمی مقدمہ ہے۔ اس میں مبادی التفسیر، احوال مفسرین اور کتب تفسیر کا قیمتی تعارف عربی زبان میں ہے۔

۴۔ بغیۃ الاریب فی قبلۃ المحاریب : سمت قبلہ سے متعلق علمی بحث (عربی میں)

۵۔ نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ الانور : علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے سوانح و افکار اور علمی زندگی کا مرقع (عربی زبان میں)

۶۔ مقدمہ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ : حدیثی، فقہی اور اصولی مباحث کا گنج گرانمایہ (عربی زبان میں)

۷۔ مقدمہ فیض الباری۔ عربی میں۔ ۸۔ مقدمہ طبقات (عربی میں)۔ ۹۔ مقدمہ عقیدۃ الاسلام (عربی میں)۔ ۱۰۔ مقدمہ مقالات کوثری۔

۱۱۔ اسلام و عصر حاضر : موتمر عالم اسلامی قاہرہ میں پیش کردہ عالی شان مقالہ۔ عربی میں۔ ۱۲۔ عصری تقاضے اور اسلام : رابطہ عالم اسلامی مکہ کے لیے تحریر کردہ بصیرت افروز مقالہ (عربی)

۱۳۔ اسلام اور سائنس : انجمن خدام القرآن کی قرآن کانفرنس میں آپ کی جانب سے پیش کی جانے والی معلوماتی دستاویز۔ ۱۴۔ مقدمہ خاتم النبیین، اردو میں۔

۱۵۔ مقدمہ بر خلافت و ملوکیت تاریخی و شرعی حیثیت۔ اس کے علاوہ بے شمار کتابوں پر آپ کی تقاریظ اور ابتدائیہ کلمات ہیں اور کئی مضامین عربی اور اردو مجلات و رسائل میں پاکستان اور بلاد عرب میں شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ مولانا کے علمی افادات جو مختلف مسائل اور مختلف موضوعات پر ہیں، جن کو دار العلوم بنوری ٹاؤن کے ارباب اہتمام کتابی شکل میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

---

(۱۳)۔ ماہنامہ بینات : علامہ بنوری نمبر، مضمون داستان حیدگل از مولانا محمد حبیب اللہ مختار، ص ۶۷ تا ۶۹۔

(۱۴)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ص ۷۸

مولانا بنوری کی خدمات زبانِ اُردو

۱۔ بحیثیت فقیہہ اور محدث :-

فقیہ العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے بارے میں یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ وہ اپنے دور کے ایک بلند پایہ محدث اور علوم حدیث کے ناقد و محقق تھے ۔ مگر بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ آپ ایک فقیہ المثال فقیہہ بھی تھے ۔ دراصل ان کی شان محدثیت دیگر کمالات پر کچھ ایسی غالب آئی کہ ان کی فقہی بصیرت و مہارت پس منظر میں او جھل ہو گئی ۔ ورنہ وہ فقاہت میں بھی اپنی مثال آپ تھے ۔ ان کی فقاہت کا قوام عناصر اربعہ سے تیار ہوا تھا ۔

اولاً وہ فطری طور پر فقیہ النفس تھے ۔ دوم ، انھوں نے مذاہب اربعہ کے اصول و فروغ اور ہر مذہب کے فقہ و فتاویٰ کا مطالعہ طالب علمی ہی کے زمانہ سے شروع کر دیا تھا ۔ سوم ، مولانا بنوریؒ ، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے خاص شاگرد تھے بلکہ ہر اعتبار سے اپنے شیخ کا مثنیٰ تھے ۔ اس لیے حضرت شاہ صاحب کے علوم و معارف آپ میں منعکس ہو گئے تھے ۔ جس چیز نے آپ کو واقعتہً فقیہ العصر بنا دیا تھا ۔ یہ سب آپ کے شیخ امام العصر کی صحبت فیضانِ نظر کا کرشمہ تھا ۔ چہارم ، فراغت کے بعد ایک طویل مدت تک آپ کو حضرت شاہ صاحب کی رفاقت میسر آئی اور ان دنوں حضرت شاہ صاحب کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد تھا ۔ فرماتے تھے کہ "میں نے جو کچھ لکھا ہوتا حضرت شاہ صاحب "الجواب صحیح" لکھ کر اس کی تصویب فرما دیتے"

حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد ڈابھیل میں تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کے فرائض بھی آپ کے سپرد تھے ۔ مولانا بنوری چونکہ واقعتہً حدیث و فقہ کی گہرائیوں کے شناور تھے ۔ اس لیے دارالعلوم دیوبند سے مولانا مفتی محمد شفیع کی علیٰحدگی کے بعد دارالعلوم دیوبند کے اکابر ثلثہ مولانا حسین احمد مدنیؒ ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ، اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب کی نگاہ انتخاب مولانا بنوری ہی پر پڑی اور ان تینوں اکابر نے متفقہ طور پر آپ کو دارالعلوم دیوبند میں "صدر مفتی" کے عہدہ جلیلہ کی پیشکش کی مگر آپ اسے بعض وجوہ کی بنا پر قبول نہ کر سکے ۔ ان تینوں بزرگوں کی یہ متفقہ دعوت مولانا بنوریؒ کی فقاہت پر اعلیٰ ترین شہادت ہے ۔ (۱۵)

آپ کی فقہی بصیرت پر آپ کے وہ مقالات بھی شاہد ہیں جو "ماہنامہ بینات" میں آپ نے فقہ کے اصول مباحث اور مختلف مسائل پر سپرد قلم کیے ہیں (۱۵)

۲۔ بنوری کا علمی مقام :- حضرت امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے اس مقام کو آپ کی درس حدیث اور آپ کی تالیفات قیمہ سے واقف حضرات بخوبی جانتے ہیں ۔ اسی لیے اس دور کے اکابر اہل علم کا فیصلہ تھا کہ حضرت شاہ صاحب کے درس کے ایک ایک جملہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا جا سکتا ہے اور آپ کے "حدوث عالم" والے چھوٹے سے رسالے کو اسفار اربعہ جیسی عظیم و ضخیم تالیف پر ترجیح دی جاتی ۔ حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں سے صرف مولانا بنوری ہی اس مذکورہ وصفِ امتیازی کے لحاظ سے حضرت شاہ صاحب کے صحیح جانشین تھے ۔ (۱۶)

---

(۱۵) ۔ ماہنامہ بینات کراچی ، جنوری ، فروری ۱۹۷۸ء ، جلد محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ ، الفقیہ المحدث از مفتی عبدالسلام ، ص ۱۸۲ تا ۱۸۴ ۔

(۱۶) ۔ علامہ بنوری کا علمی مقام ، رخسانہ ، ناہید ، قریشی ، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔اے علوم اسلامیہ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ، ص ۸۶ ۔

۳۔ادارہ دعوت وتحقیق اسلامی :۔ مولانا بنوری نے جدید موضوعات پر قرآن وسُنت کی روشنی میں تصنیف وتالیف کے لیے ادارہ دعوت وتحقیق اسلامی کے نام سے ایک الگ ادارہ قائم کیا۔ اسے بھی فقہی مآثر میں شمار کرنا چاہیے۔ اس ادارہ میں چوٹی کے اہل علم اور اہل قلم حضرات تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

۴۔مجلس تحقیق مسائل حاضرہ :۔ جدید مسائل میں پورے اجتماعی غور وفکر سے فیصلوں کی بنیاد ڈالنے کے لیے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں ۱۔ مولانا مفتی محمد شفیع، ۲۔ مولانا مفتی محمود، ۳۔ مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، ۴۔ مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی شامل تھے۔

۵۔اسلامی نظریاتی کونسل کی رُکنیت :۔ اگرچہ اس نوعیت کی کونسلیں قیام پاکستان سے مولانا کے دور تک بنتی بگڑتی رہیں، مگر مولانا محسوس کرتے تھے کہ شاید یہ کونسل اپنی پیشرو کونسلوں سے مختلف ہوگی۔ اس لیے آپ نے اس کی رُکنیت قبول کی اور اسے موثر بنانے پر اپنی جان ہی قربان کردی۔ آپ نے اپنے آخری ''لبصائر وعبر'' میں اس اسلامی کونسل کے دائرہ اختیار پر بحث کرتے ہوئے آخر میں کیا الہامی فقرہ لکھ گئے ہیں :۔

> ''اب الحمد للہ کہ اسلامی کونسل ایک مستقل اور با اختیار ادارہ کی حیثیت سے جدید انتخاب کے ساتھ پھر وجود میں آئی ہے۔ اب قوم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ اسلام کے نفاذ میں کتنی فعال، کتنی سرگرم اور کتنی مخلص ثابت ہوتی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ایام میں وہ سب کام کرائے جو سال ہا سال نہ ہو سکا۔'' (۱۷)

مولانا احمد رضا بجنوری رقمطراز ہیں :۔

> ''انوار الباری کے کام کے طفیل میں اس وقت میری نظر خاص طور سے حضرت شاہ صاحبؒ کے ان محاکمات وتنقیحات عالیہ پر ہے جن کی طرف انہوں نے اجمالی وتفصیلی اشارات کیے ہیں اور اس کے ساتھ رفیق محترم مولانا بنوریؒ کی معارف السنن اور دوسری تالیفات کے ان مقامات پر بھی ہے جو انہوں نے حضرت شاہ صاحب کے اتباع میں تلمیذ کیے اور احقاق حق ملاف خوب لوحتہ لائم کے بارے میں ، میں ان کو حضرت کا صحیح وارث ماننے پر مجبور ہوں۔'' (۱۸)

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار رقمطراز ہیں :۔

> ''اُردو زبان میں حالات حاضرہ، قومی وملی مسائل اور رد الحاد وزندقہ پر آپ کے علمی وتحقیقی مضامین اور آپ کے بے باک قلم کے اچھوتے شاہکار بینات کے صفحات پر قارئین کے لیے ہمیشہ عبرت وبصیرت کا سامان

---

(۱۷)۔ ماہنامہ بینات کراچی، جنوری وفروری ۱۹۷۸ء، بیاد محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری، الفقیہ المحدث از مفتی عبدالسلام، ص ۱۸۷۔

(۱۸)۔ ایضاً ایضاً ایضاً مولانا بنوری کا علمی مقام از مولانا سید احمد رضا بجنوری، ص ۷۰۹۔

ہم پہنچاتے رہے ہیں۔ مستقبل قریب میں وہ سب مضامین الگ الگ عنوانات سے کتابی صورت میں انشاءاللہ تعالیٰ شائع کر دیئے جائیں گے"۔ (۱۹)

ماہ جولائی ۱۹۸۶ء میں بنوری ٹاؤن کراچی گیا اور مولانا حبیب اللہ مختار سے مولانا بنوری کی اُردو خدمات پر مفصل بات کی۔ مولانا بنوری "بینات" میں "بصائر و عبر" کے عنوان سے ہر ماہ مختلف مسائل پر اپنے مخصوص انداز میں لکھتے تھے۔ اُن تمام مقالات کو یکجا کر کے اُس کا کتابت شدہ مسودہ راقم کو دکھایا۔ یہ مسودہ کوئی چودہ سو صفحات پر مشتمل تھا۔ جسے لاہور سے چھپوانے کا پروگرام تھا۔ یہ کتاب اُردو زبان میں ایک شاہکار ہوگی۔

علاوہ ازیں مولانا بنوری کے اُردو مکتوبات کو بھی یکجا کرنے کی سعی کی جارہی ہے۔ اُن کے مکتوبات جو وقتاً فوقتاً اپنے رفقاء کو لکھتے رہے، اُردو نثر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہوں گے۔

مولانا بنوری نے جو مقدمات مختلف کتب پر اُردو زبان میں تحریر کیے ہیں، وہ اُن کے داماد مولانا محمد حبیب اللہ مختار نے کتابی شکل میں شائع کیے ہیں اُن پر ذیل میں تبصرہ درج کیا جاتا ہے۔

المقدمات البنوریہ :۔ جمع و ترتیب : محمد حبیب اللہ مختار، ناشر المکتبہ البنوریہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی، طبع سن ۱۹۸۰ء

یہ کتاب ۳۶۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ ص ۲۲۸ تا ۳۶۱ تک اُردو زبان میں مختلف کتب پر لکھی گئی تقاریظ و پیش لفظ ہیں۔ جن کی کل تعداد چوبیس ہے (۲۴)

(۱)۔ تقریظ بر تفسیر عثمانی :۔ طبع، مدینہ پریس بجنور، طبع اوّل مع الحواشی۔

مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی کے ترجمہ قرآن مجید شیخ الہند پر تحریر کردہ فوائد جن کو مولانا محمد مجید حسن نے جمع کیا۔ ہر ایک صفحہ کی تقریظ ہے۔ جس میں بزرگوں کے خزانوں کا احترام اور دعائیہ کلمات ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

(۲)۔ تقریظ بر علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی :۔

یہ تقریظ دو صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا نے سرسید احمد خان کی تفسیر کا ذکر کیا ہے۔ جس میں معجزات، جنت و دوزخ، ملائکہ و شیاطین کے وجود سے انکار، مسلمانوں کے عقائد پر حملہ تھا۔ اُس کا رد مولانا عبدالحق حقانی دہلوی نے اپنی تفسیر فتح المنان کے مقدمہ "البیان فی علوم القرآن" میں نہایت خوش اسلوبی سے کیا۔

جدید نسل کی راہنمائی کے لیے جدید انداز پر ایسی کتاب اور قرآنی حقائق کو واشگاف کرنے کے لیے ایک مبسوط مقدمہ لکھا جائے جس میں وحی اور نزول قرآن ترتیب نزول، قراءات سبعہ، اعجاز قرآنی وغیرہ وغیرہ حقائق قرآنی کے ابحاث اس طرح بصیرت افروز انداز سے آجائیں جس میں مستشرقین کے اوہام و وساوس اور خرافات یا معاندانہ شکوک و شبہات کا تشفی کن مواد آجائے۔ مستشرقین کی قیادت میں مستغربین (مغرب زدہ) کے مزعومات کا بھی جواب آجائے۔ اس اہم مقصد کو مولانا مفتی محمد شفیع

---

(۱۹)۔ ایضاً   ایضاً   ایضاً   داستان عہد گل از مولانا محمد حبیب اللہ مختار، ص ۷۷۔

کے خلف الرشید مولانا محمد تقی عثمانی نے پورا کیا ہے ۔

۳ ۔ تقریظ بر فضل الباری شرح صحیح بخاری از مولانا شبیر احمد عثمانی ۔

سوا دو صفحات پر مشتمل ہے ۔ آج تک ہر محقق و ہر محدث اپنے اپنے دور میں اس کے رموز و نکات کو حل کرتا رہا ۔ لیکن ہنوز تشنگی باقی ہے ۔ علماء دیوبند کے آخری دور میں حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے جو اس کتاب کی خدمت کی ہے اور وہ حقائق و معارف بیان فرمائے جو انہی کا حصہ تھا ۔ اُن کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی کو اس کام کے لیے منتخب کیا ۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مولانا عثمانی نے متعدد بار بخاری شریف تحقیق سے پڑھائی ۔ تلامذہ نے آپ کی تقریر منضبط کی اور آپ نے اصلاح و ترمیم کے ساتھ مراجعت کتب کی ہدایت فرمائی ۔ اس مشکل کام کو قاضی عبد الرحمٰن فاضل دیوبند نے انجام دیا ۔

اُردو زبان میں صحیح بخاری کے علوم و معارف پر یہ پہلی گرانمایہ جواہرات سے معمور تقریر ہے ۔

۴ ۔ مقدمہ "سنت کا تشریعی مقام قرآن عظیم کی روشنی میں از مولانا محمد ادریس میرٹھی اُستاذ عربیہ اسلامیہ کراچی ۔

یہ مقدمہ پانچ صفحات پر مشتمل ہے ۔ صحیفۂ آسمانی (قرآن پاک) اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ، ان دو نعمتوں سے جو "نظام حیات" معرض وجود میں آیا ۔ اس کا نام دین اسلام ، جو ابدی دین ہے ۔ اسی لیے اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ۔ تاکہ یہ بطور حجت قائم رہے اور اس میں کسی شک یا انکار و انحراف کی گنجائش نہ رہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ ، سیرت طیبہ اور انفاس قدسیہ کے ذریعے اس صحیفہ کا عملی نقشہ "سنت" محفوظ کر دیا ۔ آپ کی ذات اقدس عملی قرآن تھی ۔ "وَكَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ" اور خاتم الانبیاء کے جانشین ایک بے مثال حامل بالقرآن ۔ ایک طرف قرآن کے حفاظ اور دوسری طرف حدیث کے حفاظ و عامل اُمت میں پیدا کر دیئے ۔ وحی کے انتظار میں رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اگر کہیں "فاحکم بما اراک اللہ" کے تحت اپنے اجتہاد سے تشریح و تصریح فرمادی اور وحی اس پر خاموش رہی تو اس کو بھی وحی کا درجہ حاصل ہو گیا ۔

قرآن کریم پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ قرآن دراصل رسول کریم کی اطاعت و اتباع کی دعوت ہے اور حضورؐ کی ذاتِ اقدس ہی کو مدارِ قبولیت بتایا گیا ہے ۔ قرآن کریم پر عمل و ایمان ناممکن ہے جب تک رسالت پناہؐ کی ذات معصوم کو مدار نجات تسلیم نہ کیا جائے ۔ آپؐ کے قول و افعال پر عمل نہ کیا جائے ۔ آپؐ کی حیاتِ مقدسہ اور سیرت طیبہ کو نمونہ عمل نہ بنایا جائے ۔ اس لیے قرآن و حدیث کے درمیان تفریق کا کوئی امکان نہیں ۔ اِن دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے ۔

ہمارے اس پُر آشوب دور میں "انکار حدیث" اور "تحریف سُنت" کا فتنہ زور و شور سے بپا ہے ۔ ہمارے علمائے اُمت نے بھی اس فتنہ کی سرکوبی اور مستشرقانہ دجل و فریب کا تار و پود بکھیرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ۔ تصانیف و تالیف ، تحریر و تقریر ، دعوت و تبلیغ غرضیکہ ہر طرح سے حفاظت حدیث کا دفاع کیا ۔

اِن خوش قسمت نفوس میں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے خوشہ چیں اور قابل شاگرد مولانا محمد ادریس میرٹھی نے اپنی اس تالیف "سنت کا تشریعی مقام قرآن عظیم کی روشنی میں" کو اول بصورت مقالات "ماہنامہ بینات" میں شائع کیا ۔ اب دوبارہ نظر ثانی اور ضروری اضافوں کے ساتھ تالیفی شکل میں پیش کیا ۔ حق تعالیٰ اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے ۔ آمین ۔

۵۔ مقدمہ "اسلام میں سنت و حدیث کا مقام" ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی مایہ ناز تالیف "السنۃ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی" کے اردو ترجمہ از مولانا احمد حسن ٹونکی پر تعارفی کلمات۔ مشتمل بر اکیس صفحات۔

(۱) تبصرہ: اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا ذریعہ انبیاء کو بنایا۔ ان تک اپنا پیغام کبھی دالقافی القلب کے ذریعے، کبھی اپنا فرشتہ بھیج کر وحی کے ذریعے پہنچایا۔ وحی متلو، کلام اللہ، کتاب اللہ اور صحیفہ کی صورت میں ہوتی ہے اور وحی غیر متلو اس کے علاوہ فرشتہ کی زبانی آتی ہے۔ وحی متلو میں حضرت ابراہیم کے صحیفے، توراۃ، زبور، انجیل اور قرآن پاک ہیں۔ جو اولوالعزم انبیاء پر اترے ہیں چند ہیں۔ باقی تمام انبیاء کے پاس پیغام الٰہی اور وحی آسمانی یا براہ راست آیا یا فرشتہ کی زبانی۔ ایسی صورت میں احکام شرعیہ کا مدار کسی کتاب یا صحیفہ پر نہیں بلکہ نبی اور رسول کی معصوم ذات گرامی پر ہے۔ اسی طرح کتاب اللہ پر ایمان لانا اور پیروی کرنا فرض ہے تو رسول کا حکم بھی واجب الاطاعت ہے۔ اکثر و بیشتر اہم ترین احکامات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی نافذ فرماتے جو وحی خفی کا نتیجہ ہوتے تھے۔ بعد میں قرآن کریم اُن کی تصدیق و توثیق کرتا تھا۔ شب معراج سے قبل دو نمازیں پڑھی جاتی تھیں صبح اور شام کو۔ اسراء کے بعد نمازیں پانچ ہو گئیں۔ قرآن کریم میں نمازوں کی تشکیل اور عملی صورت مذکور نہ تھی۔ بلکہ امت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و فعلی ہدایت کے تحت ہی اسے قبول کیا اور عمل کیا۔ حضورؐ کا یہ ارشاد "صلوا کما رأیتمونی اُصلی" نماز کی عملی صورت تھا۔ اسی طرح طہارت اور وضو کی تمام تفصیلات آپؐ نے بتائیں۔ تقریباً اٹھارہ سال بعد طہارت اور وضو کے متعلق احکام سورۃ مائدہ میں نازل ہوئے۔ اسی طرح ہجرت مدینہ کے بعد استقبال قبلہ بیت المقدس بھی آپؐ کے حکم سے مقرر ہوا۔ سولہ سترہ ماہ بعد بیت اللہ شریف کے متعلق استقبال قبلہ کا حکم آیا اور قرآن نے پہلے قبلہ کی بھی تصدیق کر دی۔

بنی نضیر سے جنگ کے موقع پر حضورؐ نے چند کھجور کے پھلدار درخت جنگی مصلحت سے کاٹنے کا حکم دیا۔ یہود نے واویلا مچائی تو حق تعالیٰ نے قرآن میں اس حکم کی تائید و توثیق فرما دی۔

(ب)۔ فتنہ انکار حدیث:۔ فتنہ انکار حدیث کی ابتدا خوارج نے واقعۂ تحکیم کے بعد کی۔ یعنی صحابہ نے ثالثی قبول کر کے کفر کیا اور کسی روایت کو قبول کرنے کی شرط اوّل راوی کا مسلمان ہونا ہے۔ انہوں نے صرف قرآن کو حجت مانا اور اسی پر پورے دین کا مدار رکھا۔ خوارج کے بالمقابل روافض اور شیعہ کا فرقہ ظہور میں آیا۔ انہوں نے بھی قرآن کریم میں کمی بیشی اور مسخ و تحریف کرنے کے علاوہ آئمہ اہل بیت کے علاوہ تمام صحابہ کی روایات کا انکار کر دیا۔ اسی طرح عقلیت پرست فرقہ یعنی معتزلہ نے بھی انکار حدیث کر کے اس فتنہ کو تقویت پہنچائی۔ لیکن مسلمانوں نے قرآن کی طرح سنتِ مطہرہ اور احادیث نبویہ کو بھی سینے سے لگایا۔ خدمت دین کے لیے زندگیاں وقف کر دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس مقدسہ اور سیرت طیبہ کو اس طرح محفوظ کیا کہ تاریخ عالم مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(ج)۔ وضع حدیث: اعداءِ اسلام نے احادیث نبویہ اور سنت مطاہرہ سے مسلمانوں کے شغف اور والہانہ فریفتگی کو دیکھ کر خود ساختہ احادیث اور من گھڑت روایات کی تشہیر و تبلیغ شروع کر دی تاکہ مسلمانوں کے اعتقاد کو ٹھیس پہنچائی جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت کے لیے ایسے رجال پیدا کر دیئے جنہوں نے صحیح اور ضعیف کی چھان بین کے لیے مستقل علوم مدون کر دیئے جن کی تعداد ایک سو تک پہنچی ہے اور پھر علم اسماء الرجال معرض وجود میں آیا جس کی رو سے ایک راوی حدیث پر تنقید یا

ضعیف یا کذاب، موضوع حدیث ہونے کا حکم لگایا۔

(۵) مستشرقین :- صلیبی لڑائیوں میں فیصلہ کن شکست کے بعد مستشرقین بھی اسلام کے خلاف دیں ہتھیارے کر صف آرا ، ہوئے جس کا نام سائنٹیفک ریسرچ رکھا اور اس پردے میں اساسی معتقدات میں نو بنو تاویلات کے دروازے کھولنے کی کوشش کی۔

(۶) حفاظت حدیث :- امام شافعیؒ سے لے کر ابراہیم الدین وزیر یمانی تک اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ کے بعد سے آج تک عربی، اُردو بلکہ انگریزی اور یورپ کی زبانوں میں بھی قابل قدر تصانیف و تالیفات مخالفین حدیث اور منکرین حدیث و سُنت کے رد میں لکھی جا چکی ہیں۔ مولانا بنوری نے اس ضمن میں المقدمات بنوریہ کے ص ۲۷۵ ، ۲۷۶ پر ایسی کتب کی فہرست بھی درج کی ہے۔ پھر آخر پر اس کتاب کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اس کے ترجمہ کی ضرورت کے پیش نظر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے دار التصنیف نے اسے اُردو میں منتقل کرایا۔

۶۔ تقریظ بر "عمدۃ الفقہ"

سید زوار حسین شاہ کی تالیف عمدۃ الفقہ جلد دوم پر یہ تقریظ لکھی گئی ہے جو سوا صفحہ پر مشتمل ہے۔ یہ احادیث کا بہترین ذخیرہ ہے خوبصورت عمدہ، شگفتہ، سلیس اُردو زبان میں مرتب کیا گیا ہے۔ ہر حیثیت سے کتاب انتہائی قابل قدر ہے۔ یہ تقریظ ۵ جمادی الآخر ۱۳۸۶ھ کو کراچی میں لکھی گئی ہے۔

۷۔ تقریظ بر کتاب، حجۃ الوداع و عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اصل کتاب مولانا محمد زکریا مدظلہٗ کی عربی زبان میں ہے۔ جس کا اُردو ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدیر ماہنامہ بینات کراچی نے کیا ہے۔ مولانا بنوری نے اس پر تقریظ لکھی جو دو صفحات سے زائد ہے۔ مولانا نے اپنی تقریظ میں اُن تمام امور کی طرف اشارے کیے جن کی تفصیلات اصل کتاب میں موجود ہیں۔

۸۔ تقریظ بر عقد الجید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید :- مصنف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔

اصل تصنیف بڑی محققانہ ہے جس کی نظیر نہیں ملے گی۔ حجۃ اللہ البالغہ کے بعد اسی اسلوب پر یہ تصنیف امتیازی شان رکھتی ہے۔ اس پر مولانا بنوری نے ایک صفحہ پر مشتمل تقریظ لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ پہلے مولانا محمد احسن نانوتوی نے "سلک مروارید" کے تاریخی نام سے کیا تھا۔ اس خیال سے کہ ستر برس میں زبان جو تغیر آ گیا ہے۔ اس کا خیال کیا جائے۔ مولانا ساجد الرحمٰن نے اس کا جدید ترجمہ کیا۔

۹۔ مقدمہ اکفار الملحدین از علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (امام العصر)۔

اصل کتاب عربی میں ہے۔ جس کا اُردو ترجمہ مولانا محمد ادریس میرٹھی مرحوم نے کیا ہے۔ اس کا مقدمہ مولانا یوسف بنوری نے تحریر کیا ہے جو بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مقدمہ میں نہ صرف امام العصر حضرت شاہ صاحبؒ کی اس تصنیف پر عالمانہ اور محققانہ تبصرہ کیا گیا ہے بلکہ مترجم نے اصل کتاب کی مشکلات کے باوجود جس احسن طریقے سے ترجمے کا حق ادا کیا ہے اُس کی بھی تعریف کی۔

۱۰۔ پیش لفظ کتاب "خاتم النبیین" از امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ۔

اصل کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے کیا ہے۔ جس پر مولانا بنوری نے ساڑھے پانچ صفحات پر مشتمل پیش لفظ لکھا ہے۔

مسئلہ ختم نبوت پر قرآن کریم کی ایک سو سے زائد آیات دلالت کرتی ہیں اور دو صد احادیث سے بھی یہ عقیدہ ثابت ہوا ہے۔ امت محمدیہ کا اس پر اجماع بھی ہوا ہے اور انبیاء کرام کا بھی اجماع ہے۔ اس موضوع پر مولانا کا فاضلانہ مقدمہ ہے اور ترجمے پر تبصرہ لکھتے ہوئے لکھا علوم انوری کے مترجم کے دس خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ ۱۔ عام فہم اُردو کی ضرورت برائے ترجمہ۔ ۲۔ مترجم کا متقی ہونا۔ ۳۔ امام العصر کی طرز تحریر سے مناسبت کی صلاحیت ہونا۔ ۴۔ قادیانیت کے لٹریچر سے واقف ہونا۔ ۵۔ علمی دقائق کو اُردو میں منتقل کرنے پر قادر ہونا۔ ۶۔ تالیفی و تصنیفی ذوق کے ملکہ کا ہونا۔ ۷۔ حضرت امام العصر سے عقیدت ہونا۔ ۸۔ محنت و عرق ریزی کا عادی اور قادیانیت سے بغض رکھنا۔ ۹۔ علمی ماحول میں رضائے حق کا طالب ہونا۔ ۱۰۔ عربیت اور بلاغت کے سمجھنے کی قابلیت رکھنا۔ خاتم النبیین کے مترجم مولانا یوسف لدھیانوی ان صفات سے متصف تھے۔

۱۱۔ تعارف، مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کراچی میں (امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی فارسی تالیف "خاتم النبیین" کا تعارف تین صفحات پر مشتمل ہے) کر دیا۔ خطیب العصر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تحفظ ختم نبوت کی بنیاد ڈالی۔ ملک بھر میں اس کی شاخیں کام کر رہی ہیں۔ ربوہ میں جامع مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ شعبہ تبلیغ کا سالانہ خرچ ڈیڑھ لاکھ پہنچ ہے۔ پاکستان قومی اسمبلی کے تاریخی فیصلے سے قادیانی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ اب اندرونی اور بیرونی سازشوں پر کربستہ ہو چکے ہیں۔ ان کے مقابلے میں تحفظ ختم نبوت کو تیز تر کرنے کے لیے مولانا بنوری نے اس تعارف میں تجاویز پیش کی ہیں۔

۱۲۔ پیش لفظ "مسلک علمائے دیوبند"

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب کی اُردو تالیف "مسلک علمائے دیوبند" پر مولانا بنوری نے پیش لفظ لکھا جو دو صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدائی دور میں حکومت برطانیہ نے اپنی مشہور سیاسی ڈپلومیسی سے دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور مسلک کو بدنام کرنے کے لیے وہابیت کا بہانہ تراش لیا تھا۔ اکابر دیوبند کا مسلک وہی رہا جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کا تھا۔ اسی موضوع پر قاری صاحب کی تصنیف ہے۔

۱۳۔ تقریظ بر کتاب تسکین الصدور۔

تسکین الصدور، مولانا محمد سرفراز خان شیخ الحدیث، مدرسہ نصرۃ الاسلام گوجرانوالہ کی تصنیف ہے۔ جو کہ انبیاء کی حیات بعد موت پر ہے۔ مولانا نے گیارہ نکات پر مشتمل حیات انبیاء کے بارے میں دلائل دیئے ہیں۔ یہ تقریظ چار صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۴۔ مقدمہ کتاب "مرزائی کافر ہیں" فیصلہ جیمس آباد۔

جیمس آباد کے سول جج محمد رفیق گوریجہ پی سی ایس نے ۱۳ جولائی ۱۹۷۰ء کو قادیانیوں کے کافر ہونے کا فیصلہ دیا۔ مولانا بنوری نے "ماہنامہ بینات شعبان ۱۳۹۰ھ" میں "بصائر و عبر" کے عنوان کے تحت تبصرہ کیا۔ جسے کتابچہ "مرزائی کافر ہیں فیصلہ جیمس آباد" کا مقدمہ بنایا گیا۔ جو ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مسلمان کی تعریف،

مسلمان اور غیر مسلم کے الگ الگ دائرہ عمل، مرزائی امت کے کفر و ارتداد کے اسباب، قادیانیوں کو ایک علیحدہ اُمت قرار دینے کا مطالبہ، قادیانیوں کے غیر مسلم قرار پانے کے نتائج پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۱۵۔ پیش لفظ کتاب "ایمان اور ایمانیات"

مجلس دعوت و تحقیق اسلامی کے رکن اور جامعہ علوم اسلامیہ کے درجہ تخصص دعوت و ارشاد کے مشرف مولانا محمد اسحٰق صدیقی کی کتاب "ایمان و ایمانیات" پر پیش لفظ لکھا ہے جو دو صفحات پر مشتمل ہے

۱۶۔ تبصرہ بر کتاب "عقدِ ام کلثوم"

مولانا عبدالمومن فاروقی کی کتاب "عقدِ ام کلثوم" پر ماہنامہ بینات میں تبصرہ تحریر کیا گیا ہے جو سوا دو صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا نے شیعوں کے وضع کردہ فرضی افسانوں اور خلفائے ثلاثہ اور اہل بیت کے درمیان بغض و عداوت اور نفرت و حقارت کی جو دیوار حائل کی ہے۔ اس کے خلاف بذیل حقائق پر مختصر اور جامع بحث کی ہے۔

(۱) حضرت علیؓ کا اصحاب ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور ۲۵ برس تک اُن کی اقتداء میں نماز با جماعت ادا کرنا۔ (۲) اس سارے عرصہ میں خلفائے ثلاثہ کا مشیر رہنا اور قومی و اجتماعی مسائل میں ساتھ دینا۔ (۳) اصحاب ثلاثہ کی قیادت میں جہاد، مال غنیمت، خمس اور دیگر متعلقات میں برابر کا شریک ہونا۔ (۴) صحابہ کرام سے رشتہ ناطہ رکھنا۔ (۵) اپنی اولاد کے نام ابوبکر، عمر، عثمان اور طلحہ وغیرہ رکھنا۔ (۶) حضرت ابوبکرؓ کی بیوہ سے نکاح کرنا۔ (۷) اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا عقد حضرت عمرؓ سے کرنا۔ (۸) اپنے دورِ خلافت میں خلفائے ثلاثہ کی مدح و توصیف میں رطب اللسان رہے۔

۱۷۔ تقریظ بر کتاب "معارف شمس تبریز"

حکیم مولانا اختر کی تالیف "معارف شمس تبریز" پر آٹھ سطور میں اظہار خیال کیا۔ یہ کتاب دیوان شمس تبریز (مولانا روم کے مرشد) کے حقائق و معارف کا انتخاب و تشریح ہے۔

۱۸۔ تقریظ بر کتاب "مجالس الابرار"

حکیم مولانا اختر کی تالیف "مجالس الابرار" پر بارہ سطور میں تقریظ ہے۔ یہ کتاب مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مولانا ابرار الحسن کے مواعظ اور تقریروں کے اقتباسات کا مجموعہ ہے۔ تاریخ تحریر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ۔

۱۹۔ تقریظ بر "علم الصیغہ"

مولانا محمد رفیع عثمانی نے علم الصیغہ کا اُردو ترجمہ و تشریح کی جس پر مولانا نے تقریظ لکھی جو ڈیڑھ صفحہ پر مشتمل ہے۔ فہم قرآن کے لیے عربیت لازمی ہے۔ ان علوم عربیت میں "علم الصرف" بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس علم میں قدماء و متاخرین نے ہر دور میں عمدہ سے عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں، متاخرین کی تصانیف

میں "معرف میر" خراسان کے محقق دکی پر سید شریف الدین جرجانی کو حاصل ہے اور "علم الصیغہ" مقدمہ ہندوستان کے مرد مجاہد کی فارسی تالیف ہے۔ یہ کتاب درس نظامی میں شامل تھی۔ علم صیغہ میں اس کی نظیر نہیں۔ اس کا پاکیزہ اُردو ترجمہ مولانا محمد رفیع عثمانی مدرس دارالعلوم کراچی نے کیا۔ جس پر مولانا بنوری نے یہ تقریظ تحریر کی ہے۔
تاریخ تحریر یکم رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ ہے۔

۲۰۔ پیش لفظ کتاب "رسالۂ روح و نفس"

یہ کتاب "رسالۂ روح و نفس" مولانا بنوری کے والد ماجد کا رسالہ ہے۔ جس پر مولانا بنوری نے پیش لفظ لکھا ہے۔ مولانا نے اس موضوع پر لکھنے والے تمام متقدمین، متوسطین اور متاخرین کی کتب کے حوالے اور بیانات اپنے پیش لفظ میں قلمبند کیے ہیں اور اس سلسلہ میں بھی اپنے شیخ امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کا قول بھی نقل کیا ہے اور اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔ پیش لفظ ساڑھے تین صفحات پر مشتمل ہے اور ۲۲ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ کا تحریر کردہ ہے۔

۲۱۔ مقدمہ کتاب "خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت" مصنف صلاح الدین یوسف۔ کل چودہ صفحات۔

قیامت تک کے لیے جو لائحہ عمل اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے۔ اُس میں قرآن، اسوۂ حسنہ اور سیرت صحابہ ہے۔ "کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا۔" صحابہ کرام کی ایمانداری، کافروں کے ساتھ سختی اور آپس میں مشفق ہونے۔ اُن کے رکوع و سجود اور چہروں پر ان علامات کی تصدیق قرآن پاک نے (سورۃ الفتح ۴۔ ۲۹) میں کی ہے۔ پھر بار بار "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کی مہر تصدیق اُن کے کردار پر ثبت ہوئی۔ سینکڑوں آیات میں صحابہ کے فضائل و مناقب بیان ہوئے۔ چونکہ دین محمدی کے سب سے پہلے راوی ہیں۔ اس لیے فتنہ پروروں نے سب سے پہلے ان ہی کی ذات کو ہدف بنایا تاکہ ان کی ذات کو بدنام کرکے دین کی جڑوں کو کھوکھلا کیا جائے۔ پھر اولاً: قرآن کریم کی نصوص قطعیہ، احادیث ثابتہ اور اہل حق کا اجماع صحابہ کی عیب چینی کی مخالفت پر متفق ہیں۔ اس کے مقابلے تاریخی قصے کہانیوں کا کوئی وزن نہیں۔ صحت کا جو معیار حدیث میں تمام دکھایا گیا وہ تاریخ میں نہ رہ سکتا تھا نہ ہی رکھا گیا "خلیفہ راشد" اُسے کہا جاتا ہے جو ٹھیک ٹھیک منہاج نبوت پر قائم ہو۔

ثانیاً: تاریخی روایات آج ہی کی نہیں بلکہ اہل حق کے سامنے یہ مواد موجود رہا اسی کی توجیہ وہ کر چکے ہیں۔ اب اس صدی میں "بے لاگ تحقیق" کے شوق میں صحابہ کرام کی مزعم تنقیص اور ان کے کردار کی گراوٹ کا مفہوم ہے کہ تنقیص کس جیسی کا مستحق ہے جب کہ اہل حق میں صرف حافظ ابن تیمیہ اور شاہ عبدالعزیز ہی نہیں بلکہ خدا اور رسول اور پوری امت کے اہل حق صحابہ کرام کے وکیل صفائی ہیں۔ اب گروہ صفائی میں کون شامل ہونا پسند کرتا ہے اور گروہ استغاثہ میں کون۔ یہ اپنی اپنی صوابدید ہے۔ خلافت و ملوکیت مولانا مودودی کی تصنیف ہے اور اُس کی تاریخی و شرعی حیثیت کا جائزہ مولانا صلاح الدین یوسف نے اپنی تصنیف میں لیا ہے۔ جس پر مولانا بنوری نے یہ مقدمہ تحریر کیا ہے۔ جس پر چند اشارے اوپر درج کیے گئے ہیں۔

(۲۲)۔ پیش لفظ بر کتاب "تجلیات رحمانی" از قاری مولانا سعید الرحمن (موجودہ وزیر اوقاف حکومت پنجاب)

یہ کتاب مولانا سعید الرحمن کے والد ماجد مولانا عبدالرحمن کاملپوری کی سوانح حیات ہے۔ اس پر مولانا بنوری نے اپنے پیش لفظ میں اسلاف کے ذکر کے ساتھ مدارس دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور اُن سے فیض یافتگان کے کارہائے نمایاں کا ذکر اور پھر مولانا عبدالرحمن کاملپوری کا بانی مدارس اور اپنے زمانے کی جامع شخصیات

شیخ الہند امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علوم سے سرشار ہونا بڑی سعادت کی بات تھی ۔ وہ کسماڈیزہ دیوبند اور تھانہ بھون کے فیضیافتہ تھے ۔ حافظ قاری مولانا سعید الرحمٰن نے اپنے والد الیسی ہستی کے کمالات حیات کا مرقع پیش کرکے اُمت پر احسان کیا۔

مکتوبات بنوریہ :۔ راقم نے مولانا حبیب اللہ مختار سے جامعہ نیو ٹاؤن کراچی میں مکتوبات بنوریہ کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے اس سلسلہ میں مشتہر کیا ہے اور اس طرح مکتوبات جمع کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جن کے جمع ہونے پر مستقبل قریب میں اُن کو شائع کیا جائے گا ۔ جو مطبوعہ مکتوبات راقم کو دوران تحقیق دستیاب ہوئے اُن کی کیفیت بذیل ہے ۔

الفرقان ، ماہنامہ لکھنؤ ستمبر ۱۹۷۸ء ، اشاعت خاص بیاد مولانا یوسف بنوری ، مکتوبات ص ۹۷ تا ۱۳۰ ۔ کل ۱۳ عدد

یہ مولانا کے بعض دعوتی مکاتیب اور ہدایت نامے ہیں جو مختلف اوقات میں دینی کام کرنے والی جماعتوں اور اُس کے ذمہ دار افراد کو لکھے گئے ہیں ۔ پہلے چھ خطوط اُن خطوط سے ہیں جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانے میں محفوظ تھے ۔ مکتب نمبر ۷ مولانا عزیز لکھنوی سے حاصل کیا گیا ہے ۔ مکتوب نمبر ۸ تا ۱۱ میاں جی محمد عیسیٰ کی بیاض سے ماخوذ ہیں ۔ مکتوبات نمبر ۱۲ کسی گجرات کے مولوی صاحب کا فراہم کردہ ہے ۔ الفرقان ، فروری ۷۹ء ، دو مکتوب ص ۲۹ تا ۳۳ میاں محمد جی عیسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کے نام حجاز مقدس بھیجے گئے ۔ پہلا خط ۱۲ جمادی الاول ۱۳۶۹ تبلیغی مشن پر لکھے گئے

تقاریر :۔ الفرقان کے ص ۱۳۲ تا ۱۳۵ پر مولانا محمد منظور نعمانی کا تعارف ، اصل تقریریں ص ۱۳۶ تا ۱۶۹ میں ۔

آخری تقریر مولانا محمد منظور نعمانی نے اپنے ہاتھ سے قلمبند کی ہے ۔ جب کہ پہلی دو تقریریں تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے اشخاص کی قلمبند کی ہوئی ہیں ۔ مولانا بنوری کی تقریروں کے بارے میں مولانا محمد منظور نعمانی رقمطراز ہیں :۔

" حضرت مرحوم کا طریق بیان بالکل نرالا تھا ۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اُن کی تقریر کی ایک مستقل زبان تھی اور ایک خاص اصطلاحی الفاظ تھے جن کے گویا وہ خود ہی موجد تھے " (ص ۱۳۲)

الفرقان ، لکھنؤ ستمبر ۱۹۷۸ء ، ضمیمہ حضرت مولانا یوسف بنوری نمبر ۔

ص ۲۷ تا ۸۰ دو تقریریں ، پہلی تقریر میاں جی محمد عیسیٰ کی بیاض سے لفظ بہ لفظ نقل کی گئی ہے جس کا موضوع انفرادی و اجتماعی مسائل ہیں ۔ دوسری تقریر مولانا نے وفات سے تین دن قبل ۱۳ مارچ ۱۹۷۸ء کو بعد از نماز فجر رائے ونڈ میں کی تھی ۔ یہ تقریر ۲۰ صفحات پر مشتمل تھی لیکن تنگ دامانیٔ فرقان کی وجہ سے اختصار کے ساتھ درج کی گئی ہے ۔ اس کا موضوع "مسلمانوں کو امت بننے کی دعوت" ہے ۔ "چند جھلکیاں کے عنوان سے" مولانا محمد منظور نعمانی نے مولانا بنوری کی مختلف تقریروں کے نوٹس جو انہوں نے اشارات کی صورت میں جمع کیے تھے ، مرتب کرکے ص ۱۸۱ تا ۱۹۶ گیارہ پیراگرافوں کی شکل میں درج کیے جن میں مختلف موضوعات پر مختلف علوم و معارف ہیں ۔

فتاویٰ بنوریہ :۔ آپ نے ڈابھیل میں فتاویٰ نویسی کے فرائض انجام دیئے اور پھر دارالعلوم دیوبند میں مولانا مفتی محمد شفیع کی علیحدگی کے بعد اکابر ثلٰثہ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب کے حسب تجویز آپ ہی کو صدر مفتی کے عہدہ جلیلہ کی پیش کش کی مگر آپ اسے بوجوہ قبول نہ کر سکے۔ دارالعلوم نیو ٹاؤن کے ریکارڈ پر بھی آپ کے بعض فتاویٰ ہیں جو کہ غیر مطبوعہ ہیں۔

مجربات بنوریہ :۔

یہ کتاب حضرت مولانا محمد زکریا (والد محترم مولانا یوسف بنوری) اور مولانا محمد یوسف بنوری کے مجرب نسخوں کا نادر مجموعہ ہے۔ اس کو مولانا بنوری کے داماد مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار نے مرتب کیا ہے، جسے مکتبۃ البنوریہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵ نے پہلی بار ۱۹۸۶ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے کل صفحات ۳۲۰ ہیں۔

مولانا یوسف بنوری ایک لاثانی درجے کے محدث، فقیہہ، ادیب، شاعر اور مدرس تھے تو دوسری طرف بہترین طبیب، نباض اور روحانی و جسمانی معالج بھی تھے۔ بقول مولانا حبیب اللہ مختار، "مولانا زکریا اور مولانا بنوری کے اور بھی بہت سے مجربات ہیں جو اس مختصر سے کتابچے میں نہیں آ سکے، اس طرح یہ کتاب "مشتے از خروارے" ہے۔

جو نسخے مولانا زکریا کے ہیں اُن کے سامنے حرف (ز) تحریر ہے اور جو مولانا بنوری کے ہیں اُن کے سامنے حرف (ب) تحریر ہے۔

———— . . . . ————

باب ہفتم

کشمیری تلامذہ کی خدمات زبان اردو

۱۔ مولانا غلام مصطفیٰ شاہ دراوری کشمیری ۔
۲۔ مولانا میرک شاہ اِندرابی کشمیری ۔
۳۔ میر واعظ مولانا یوسف شاہ کشمیری ۔

مولانا غلام مصطفیٰ شاہ درادوی کشمیری

حالات زندگی :-

ناچیز غلام مصطفیٰ شاہ عفا اللہ عنہ ابن حضرت مولانا پیر محمد مختار شاہ الدرادوی والکشمیری رحمۃ اللہ علیہ سوانح نگار ہے کہ میں بروز دوشنبہ بتاریخ پنجم ماہ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء بوقت طلوع آفتاب موضع لوات سیری کلاں علاقہ دراوہ، تحصیل کرناہ، ضلع مظفرآباد ریاست کشمیر میں پیدا ہوا (جب کہ مطابق یونیورسٹی سرٹیفکیٹ آپ کی تاریخ پیدائش یکم مارچ ۱۹۰۶ء ہے)

پیدائش سے تین روز پہلے میرے والد صاحب نے خواب میں ایک سفید پوش انسان کو دیکھا کہ جس نے خواب میں ہی، آپ کو مبارک باد کہہ کر کہا کہ آپ کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو آپ کے نام کو دنیا میں روشن اور بلند کرے گا اور علم و فضل میں یکتائے روزگار ہوگا۔ آپ اس کا نام غلام مصطفیٰ شاہ رکھیں۔ چنانچہ اس کے بعد جب تیسرے روز میں پیدا ہوا تو میرے والد محترم نے اپنے اسی خواب کے مطابق میرا نام غلام مصطفیٰ شاہ رکھا اور میرے نام کی مناسبت سے مجھ سے بڑے بھائی صاحب جن کا نام پہلے ممتاز احمد تھا بدل کر غلام مجتبیٰ شاہ رکھ دیا۔ (۱)

ولادت کے بعد ساتویں روز بموافق سنت دعوت عقیقہ دی گئی۔ چالیسویں روز رسم ختنہ ادا کی گئی - پھر جب میری عمر پورے چار سال، چار ماہ اور چار دن ہوگئی تو حضرت والد ماجد نے خود آپ مجھے عربی قاعدہ شروع کرایا اور اس موقع پر اہل دیہہ کو ایک نہایت شاندار دعوت دی گئی۔ بعد ازاں میں نے ایک سال کے اندر ہی اندر قاعدہ پڑھ کر قرآن شریف بھی کچھ تو خود حضرت والد سے اور حضرت والدہ سے اور کچھ اپنی بڑی بہن سے پڑھ کر ختم کر لیا۔ جس کی خوشی میں حضرت والد نے پھر تمام اہل دیہہ کو ایک نہایت ہی پُرتکلف دعوت طعام دی اور بہت خوشی منائی -

ازاں بعد مجھے فارسی رسالہ کریما شروع کرایا - پھر یہ ختم کروا کر رسالہ فارسی نام حق اور محمود ایاز پڑھوا دیئے اور اس کے بعد پندنامہ شیخ عطار پڑھوا کر، رسالہ تحفۂ نصائح بھی پڑھوایا۔ تحفۂ نصائح کے چند سبق میں نے اپنی والدہ کے چچازاد بھائی فاضل دیوبند حضرت علامہ عبدالعزیز شاہ ابن پیر محمد حسین شاہ صاحب مرحوم سے بھی پڑھے۔ جب کہ میں اپنے بڑے بھائی غلام مجتبیٰ شاہ صاحب مرحوم کے ہمراہ ایک دفعہ گھر سے بھاگ کر کشمیر موضع ترہگام میں اُن کے پاس چلا گیا -

پھر جس وقت میری عمر پورے سات سال ہوگئی تو حضرت نے مجھے اور میرے بڑے بھائی غلام مجتبیٰ شاہ صاحب مرحوم دونوں کو اکٹھے بوستان سعدی فارسی اور خلاصہ شروع کرا دیئے۔ کیونکہ اب میں تحصیل علم میں اُن کے برابر ہوگیا تھا پھر ہم دونوں کو بوستان کے گلستان اور خلاصہ کے بعد منیۃ المصلی شروع کروا کر پڑھوا دیں اور بعد گلستان کے یوسف زلیخا جامی اور منیۃ المصلی کے بعد قدوری شروع کرا دیں پھر اسی اثنا میں بتاریخ گیارہ ماہ شوال ۱۳۳۰ھ کو بڑے بھائی غلام مجتبیٰ شاہ صاحب مرحوم کی شادی اپنے سب سے بڑے برادر حقیقی ماموں حضرت علامہ قاضی غلام حیدر شاہ صاحب مرحوم کی بڑی صاحبزادی مسماۃ

(۱) خود نوشت قلمی مسودہ : مولانا غلام مصطفیٰ شاہ مرحوم، جس کی فوٹو اسٹیٹ راقم کے پاس موجود ہے۔

نورالنساء کے ساتھ نہایت تزک واحتشام سے عمل میں آئی۔ پھر ان کی اس شادی کے بعد شوال، ذی قعدہ ماہ محرم کے گزرنے پر بیسویں[٢٠] ماہ صفر ١٣٢٦ھ بشب دوشنبہ بوقت عشاء پورے پچاس برس کی عمر میں میری والدہ ماجدہ اس دارِ فنا سے دارِ بقا کو رحلت فرما گئیں۔ اس وقت میری عمر گیاراں[١١] سال ایک[١] ماہ تیراں[١٣] دن تھی۔ پھر اس کے بعد اسی سال جب کہ میری عمر گیاراں[١١] سال چار[٤] ماہ تیراں[١٣] دن ہو گئی۔ تو بتقدیر الٰہی بتاریخ ٢٠ ماہ رجب ١٣٢٦ھ بروز یکشنبہ بوقت طلوع آفتاب طوفان برف سے ہمارے دو مکان گر گئے۔ نتیجۃً جن میں تمام مال مویشی و جملہ اسباب و سامان خانہ کے علاوہ حضرت والد ماجد بعمر ٦٥ سال، دو میرے حقیقی بھائی ایک غلام مجتبیٰ شاہ صاحب مرحوم جو مجھ سے پورے تین سال بڑے تھے اور جن کی تعلیم و شادی ہو چکی تھی۔ دوسرے غلام مرتضیٰ شاہ مرحوم جو مجھ سے پورے تین سال چھوٹے تھے اور ایک میرے چچازاد بھائی مسمی طیب شاہ صاحب جو مجھ سے ڈیڑھ سال بڑے تھے، بھی شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اور میں ایک آن کی آن میں ایک دم تین بہنوں اور دو چھوٹے بھائیوں سمیت عیش و عشرت و ناز و نعم کی زندگی سے فقر و فاقہ اور رنج و غم کی پستی میں گر پڑا۔ باشندگان لوات دھوڑ سیدان نے پہلے نہایت جانفشانی اور مردانگی ان کی لاشیں برف کے تودوں کے نیچے سے نکال کر نمازِ ظہر تک ہمارے ایک تیسرے مکان جو گاؤں میں محفوظ رہ گیا تھا، پہنچائیں۔ پھر اس قدر برف باری اور مصیبت کے باوجود آپس میں چندہ کر کے ان شہداء کے کفن و دفن کا سامان مہیا کیا اور دوسرے روز بتاریخ ٢١ جمادی الاوّل ١٣٢٦ھ (سوانح نگار نے سہواً بالا تاریخ حادثہ یعنی ٢٠ ماہ جمادی الاوّل ١٣٢٦ھ لکھ کر قلمزن کر دیا ہے اور ماہ رجب تحریر کیا ہے۔ جب کہ تاریخ تدفین میں ٢١ جمادی الاول تحریر کر دی ہے۔ جو سوانح نگار کا سہو ہے اور یہاں پر بھی رجب کا ماہ ہونا چاہیئے) بروز دوشنبہ بوقت چاشت ان کو لوات کی نچلی طرف پرانے قبرستان میں ایک قطار کے ساتھ ہمیشہ کے لیے سلا دیا۔ ان کی نمازِ جنازہ ہمارے گاؤں کے مشہور بزرگ اور والد کے قدیمی یارِ غار و رفیق درس حضرت مولانا مولوی حاجی نور احمد نے پڑھائی۔

اب حضرت والد محترم مرحوم سے میری تحصیل علم، پھر قدوری حصہ باب دوم، پنجم اور دیباچہ زلیخا کے خاتمہ پر ختم ہو گیا۔ بعد ازاں ہاں باقیماندہ چھوٹے دو بھائیوں میں سے چھوٹا بھائی مسمی عمران شاہ بتاریخ ١٦ ماہ شوال ١٣٢٦ھ بروز جمعہ بوقت ظہر، بعمر دو سال فوت ہو گیا۔ اب ہم دو بھائی اور تین بہنیں کل پانچ بہن بھائی باقی رہ گئے۔ جن میں سے صرف ایک بہن مجھ سے بڑی تھی اور دو بہنیں اور ایک بھائی مجھ سے چھوٹے تھے۔ اس یتیمی کے دوران میں ہمارے اعزہ و اقربا نے ہمارے ساتھ جو سلوک کیا اس کا عدم ذکر ہی اولیٰ ہے۔ خاص کر میرے بڑے بھائی صاحب مرحوم کی بیوہ کا ہمیں اس حال میں چھوڑ کر ہم سے پوچھے بغیر عقد ثانی کر کے دوسری جگہ چلے جانا ہمارے لیے اس قدر باعث رنج و تکلیف ہوا کہ جس کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس اس وقت الفاظ نہیں۔ بہر حال میں نے اپنی زندگی کا یہ مرحلہ بھی اپنی طرف سے کافی صبر و سکون کے ساتھ بسر کیا اور آخر کار بتاریخ ٧ محرم ١٣٢٦ھ (اصل مسودے پر بھی سوانح نگار نے ١٣٢٤ھ درج کیا ہے۔ جو سوانح نگار کا سہو ہے یہاں ١٣٢٦ھ کے بعد کا سال ہونا چاہیئے۔ درج) تھا کو بروز دوشنبہ اپنی بڑی بہن کے بے حد مجبور کرنے اور بار بار غیرت دلانے سے پورے بارہ سال کی عمر میں اپنی

تین بہنوں اور ایک بھائی کو اسی بے بسی اور بے کسی کی حالت میں چھوڑ کر نہایت بے سرو سامانی کے عالم میں بغرض تحصیل علم گھر کو خیرآباد کہہ کر طریقِ طلب اور راہ سفر اختیار کر لیا۔ گھر سے زادِ سفر ایک نسخہ قدوری اور ایک نسخہ زلیخا کا اور ایک جوڑا کپڑوں کا جو اس وقت پہنا ہوا ساتھ لیا اور بس ۔

البتہ راستے میں بمقام کیرن مسمی عبدالکریم ملیار ساکن نوات پائیں ملا اور اُس نے از جانب خود ہی ایک روپیہ نقد بھی دے دیا۔ ان حالات میں اور اس سامان کے ساتھ میں سب سے پہلے علاقہ اور مُلک کے مشہور قصبہ علم دفضل موضع کٹھ پیراں پہنچا ۔ جہاں پر اس وقت حضرت مولانا محمد ظہور الحق صاحب مدظلہ العالیہ مسندِ درس و تدریس تھے اب بھی ہیں ۔ کٹھ پہنچ کر میں نے حضرت مولانا موصوف سے از سرِ نو گلستان اور قدوری حصہ دوم شروع کیں۔ پھر گلستان ختم کر کے زلیخا شروع کر دی اور قدوری ختم کر کے کنزالدقائق ۔

قیام کٹھ پیراں کے دوران میں نے گلستان کے چند سبق حضرت موصوف کے برادرِ خورد حضرت مولانا مولوی ادریس صاحب اور کنزالدقائق کے چند ابتدائی سبق حضرت موصوف کے دوسرے بھائی حضرت علامۂ زماں مفتی محمد اسرائیل صاحب مدظلہ العالی سے بھی پڑھے ہیں ۔ جو اُن دنوں موضع کیاں شریف میں اپنے سسرال کے ہاں قیام فرما تھے ۔ کٹھ پیراں سے ایک سال کے بعد رخصت لے کر پھر واپس گھر چلا گیا اور وہاں سے اپنے چچازاد بھائی مولانا مولوی محمد سعید صاحب سمیت دوبارہ بواسطہ دھا وہ کوٹلہ گھوڑی ہوتے ہوئے ہم دونوں بھائی گڑھی حبیب اللہ علاقہ انگریزی میں پہنچے ۔ پھر وہاں سے سیدھے بالاکوٹ کو چلے گئے ۔ وہاں پر میں نے حضرت مولانا مولوی محمد ادریس صاحب مرحوم اور اُن کے بھائی قاضی یونس صاحب مدظلہ العالی سے زلیخا اور کنزالدقائق دوبارہ ابتداء سے شروع کر دی۔ پھر زلیخا نصف تک اور کنزالدقائق جلد اوّل ختم کر کے چند ماہ کے بعد میں موضع گھنگول میں حضرت مولانا مولوی محمد گل صاحب دراوڑی مدظلہ ، کے پاس چلا گیا ۔ جہاں پر میں نے زلیخا ختم کر کے سکندرنامہ اور کنزالدقائق نصف تک پڑھیں اور مولوی محمد سعید صاحب بالاکوٹ میں ہی رہے ۔ کچھ دن وہاں پر ٹھہرے رہے ۔ مولوی محمد سعید صاحب کی خواہش پر ہم دونوں بھائی مولانا محمد اشرف صاحب کے پاس بمقام سچاں چلے گئے ۔ وہاں پر میں نے سکندرنامہ اور کنزالدقائق دونوں ختم کر لیں۔ پھر چند ماہ کے بعد وہاں سے پھر ہم دونوں بھائی اکٹھے چل پڑے اور راستے میں مسافری کی گوناگوں تکلیفیں برداشت کرتے ، کاغان بالاکوٹ ، مانسہرہ ، ایبٹ آباد اور حویلیاں سے ہوتے ہوئے بذریعہ ریل بلانگٹ موضع شاہاں دی ڈھیری پہنچے ، جہاں پر ہم نے اکٹھے سیداں کے دھڑے والے قاضی پیر عالم صاحب سے شرح الباکر شروع کر دی ۔ وہاں چونکہ سیّدوں کی تمام بستی شیعوں کی تھی اور وہ حضرت قاضی صاحب کو اہلسنت والجماعت ہونے کی وجہ سے بہت تکلیف دیتے رہتے تھے۔ اِسلیئے ہمیں بھی قسم قسم کی تکلیفیں پہنچانے کے درپے ہوئے ۔ چنانچہ ایک دفعہ اُنہوں نے ہمارے کپڑے وغیرہ تمام سامان ہم سے چرا لیا اور سوئے اتفاق سے اِنہی دنوں مولوی محمد سعید صاحب بیمار بھی ہو گئے تو میں نے متواتر بائیس دن وہاں پر مزدوری کر کے اپنے کپڑوں کتابوں وغیرہ سامان کا بندوبست کرنا پڑا (جملہ درست نہیں سہو ہے) پھر جب مولوی صاحب کو کسی قدر آفاقہ ہوا تو وہاں سے چل پڑے۔ وہاں سے نکلتے وقت ہمیں معلوم ہوا کہ آج کل گولڑہ شریف عرس ہو رہا ہے۔ اس لیئے ہم پہلے سیدھے گولڑے ہی کو چلے گئے ۔ دو تین

دن وہاں کا دربار وغیرہ دیکھے۔ وہاں بھی مولوی صاحب کے اوپر کی ایک نہایت قیمتی اُونی لوئی چوری ہو گئی۔ پھر عرس ختم ہونے پر تیسرے دن وہاں سے بھی ہم چل کھڑے ہوئے اور اسی طرح بلا ٹکٹ ریل پر سیدھے نوشہرہ صوبہ سرحد میں جا پہنچے۔ وہاں اُن دنوں ایک بڑا عالی شان عربی دارالعلوم کھلا ہوا تھا اور دور دور سے بڑے بڑے علماء فضلا و بغرض درس و تدریس بُلا کر رکھے ہوئے تھے۔ جس میں ضلع ہزارہ کے مشہور و معروف علامہ اور ہمارے اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا مولوی فضل حق صاحب ہزاروی بھی تھے اور ہم انہی سے تعلیم حاصل کرنے کی نیت سے وہاں گئے تھے۔ مگر افسوس کہ وہاں پر ذریعہ تعلیم پشتو ہونے کی وجہ سے مولانا مرحوم نے ہمیں وہاں سے واپس کر دیا اور ہم بے نیل و مرام اسی دن شام ہی کے وقت نہایت مایوسی کی حالت میں اسی طرح بے ٹکٹ ہی ریل پر سوار ہو کر واپس ہوئے۔

نوشہرہ سے واپس ہو کر دوسرے روز صبح کے وقت ہماری ریل گاڑی لاہور کے قریب شاہدرہ سٹیشن پر جا پہنچی اور وہاں ہو ہمیں ایک انگریز ٹکٹ کلیکٹر نے پکڑ لیا۔ مگر ایک سکھ معزز کی سفارش پر جو کہ راستے میں راولپنڈی سے ہمارے ساتھ سوار ہو گیا تھا اسی انگریز نے نہ صرف ہمیں معاف ہی نہیں کیا بلکہ لاہور کے پاس والے سٹیشن بادامی باغ پر پہنچ کر اُس نے ہمیں گاڑی سے اُتار کر اور سٹیشن سے محفوظ نکال کر شہر طرف بھی روانہ کر دیا۔ (کی محفوظ ہے) اور لاہور پہنچ کر ہم سب سے .... (مسودہ یہاں پر ختم ہو جاتا ہے) (۲)

مولانا نے مولوی کا امتحان ۱۹۲۴ء، مولوی عالم ۱۹۲۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیے۔ ۱۹۲۷ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور امتیاز کے ساتھ سند حاصل کی۔ ۱۹۲۹ء میں منشی فاضل اور ۱۹۳۰ء میں مولوی فاضل کے امتحانات اورینٹل کالج لاہور سے پاس کیے۔ ۱۹۳۱ء میں او۔ٹی کا امتحان سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے پاس کیا۔ ۱۹۳۲ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (بمبئی) سے سندِ فراغت حاصل کی۔ ۱۹۳۳ء میں بطور عربی مدرس کے چشتیہ ہائی سکول امرتسر میں تعینات ہوئے۔ یہاں پر آپ کی کارکردگی تسلی بخش رہی۔

۱۹۳۵ء میں آپ گورنمنٹ ہائی سکول جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں عربی ٹیچر رہے۔ ۱۹۳۶ء میں آنرز اُردو کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۸ء تک گورنمنٹ ہائی سکول مظفر آباد میں بطور پرشین ٹیچر تعینات رہے۔

مولانا نے مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۴۳ء کو اورینٹل کالج لاہور کی کسی آسامی کے لیے جس کا اشتہار "روزنامہ شاہباز" میں چھپا، کے لیے انگریزی زبان میں درخواست لکھی، مولانا اپنی درخواست میں رقمطراز ہیں:۔

"راقم کا رویہ اس قدر قابلِ تعریف رہا ہے کہ گزشتہ پانچ سالوں (۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۳ء) بحیثیت منتخب شدہ ممبر جموں و کشمیر اسمبلی کام کر رہا ہے۔" (۳)

---

(۲) مولانا کے فرزند عبداللہ شاہ مسعودی ایڈووکیٹ مظفر آباد نے مولانا کی خود نوشت سوانح عمری راقم کو دکھائی اور پھر اس کی فوٹو اسٹیٹ راقم کے پاس موجود ہے۔

(۳) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً نے مولانا کی درخواست جو دو صفحات پر مشتمل ہے کی ٹائپ شدہ نقل ریکارڈ سے راقم کو فراہم کی اُس میں یہ تمام اندراجات موجود ہیں۔

ریٹائرڈ جسٹس راجہ محمد اکرم خان کا بیان ہے :

"میں نے اپریل ۱۹۳۵ء میں مظفرآباد ہائی سکول میں جماعت نہم میں داخلہ لیا۔ مولانا میرے اُستاد رہے۔ اُن کا قد سات فٹ تھا۔ اُن کے پاؤں اتنے بڑے ہوتے تھے کہ چھبیس سائز وار بوٹ اُن کے لیے بنوانا پڑتا تھا۔ وہ خواجہ محلہ میں رہتے تھے۔ بازار والی مسجد میں امامت بھی کراتے تھے۔ اُن کا دسترخوان ہمیشہ کھُلا ہوتا تھا۔ اس لیے سالن میں اکثر پانی ملانا پڑتا تھا۔ مولانا صبح سویرے ٹھنڈے پانی سے غسل کے عادی تھے۔ سردیوں میں لوئی لپیٹ رکھتے تھے اور گرمیوں میں سرد چادر۔

جب تقریر کرتے تو لوئی یا چادر اُتار پھینکتے اور پھر زور بیان میں آستینیں چڑھانا شروع کر دیتے۔ اُن کی تقریر اُردو، فارسی اور عربی اشعار سے مزین ہوتی تھی۔ کئی کئی گھنٹوں تک مسلسل تقریر کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء کی سردیوں میں مولوی غلام مصطفےٰ شاہ صاحب اور مولوی عزیزالرحمٰن صاحب کو فوج نے گرفتار کر لیا۔ اُن دِنوں میرا تعلق فوج سے تھا۔ میں نے سُنا تو جی۔تھری۔ G.3 کیپٹن کریم سے (جو مرزائی تھا) ملا اور گرفتاری کا سبب پوچھا، اُس نے کہا کہ پاکستان کے خلاف تقریریں کرتے ہیں۔ میں نے مولوی صاحب کو آئندہ محتاط رہنے پر راضی کر لیا اور میری ضمانت پر اُن کو رہا کر دیا گیا۔

۱۹۴۸ء میں غلام محمد ایس۔پی مظفرآباد جو کہ پاکستان کی طرف سے تعینات تھا دراوہ کے دورے پر گیا۔ اہل دراوہ نے اُس کی صدارت میں جلسہ کیا۔ مولانا کو جو وہاں موجود تھے لوگوں نے تقریر کے لیے مجبور کیا۔ وہ میرے ساتھ وعدے کے بموجب انکار کرتے رہے۔ لیکن لوگوں نے نہ مانا۔ مولانا نے تقریر کی اور کہا کہ یہ کہاں کا سیاسی جلسہ ہے جس کی صدارت ایک سرکاری ملازم ایس۔پی کر رہا ہے۔ وغیرہ۔ نتیجہ میں مولانا گرفتار ہو گئے اور اُنہیں راولپنڈی لے گئے۔ میں سردار محمد ابراہیم صدر حکومت سے ملا۔ اُنہوں نے غور کرنے کا وعدہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ہم نے کشمیر سے کچھ آدمی منگوانے ہیں مظفرآباد کے کچھ لیڈر بھی مولانا کا آزاد کشمیر اور پاکستان سے اخراج چاہتے تھے تاکہ اُن کی لیڈری فروغ پا سکے۔

جب مولوی غلام مصطفےٰ شاہ صاحب اور مولانا عزیزالرحمٰن کو تبادلہ میں کشمیر بھیجا گیا (حالانکہ وہ نہیں جانا چاہتے تھے) تو جس جہاز میں اُنہیں بٹھایا گیا وہ بانہال پر حادثے کا شکار ہو گیا۔

اور مولانا معہ اپنے ساتھیوں کے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اُن کی میت کشمیر لے جائی گئی اور وہیں مدفون ہیں۔ (۴)

مولانا غلام مصطفیٰ شاہ صاحب کی خدمات زبان اُردو

مولانا کو عربی، فارسی اور اُردو تینوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ مولانا ایک جریدہ نامی "صداقت سرینگر" کے ایڈیٹر رہے۔ اس کے علاوہ بہت سے اخباروں میں بھی لکھتے رہے۔ (۵)

ہیڈ ماسٹر ہائی سکول جلال پور جٹاں (جہاں آپ ۱۹۳۵ء میں عربی ٹیچر رہے) اپنے ایک تعریفی سرٹیفکیٹ میں جو انہوں نے مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۵ء کو مولانا کو عطا کیا، رقمطراز ہیں:۔

"مجھے سید غلام مصطفیٰ ایچ۔ بی، ایچ۔ اے، او ٹی۔ فاضل دیوبند، فاضل ڈابھیل کے سلسلہ میں چند الفاظ لکھتے ہوئے مسرت ہوتی ہے:

وہ اعلیٰ علم اور اعلیٰ ادراک کے مالک ہیں۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اُن کی عربی، فارسی اُردو، جغرافیہ اور تاریخ میں علمیت وسیع اور مطالعہ عمیق ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اُس نے ان مضامین کے اصل ماخذوں کے یکے بعد دیگرے کئی کئی جلدوں کا مطالعہ کیا تو وہ ایک قیمتی ہیرا ہے۔ جس کو یقیناً اپنے ارد گرد پاکیزہ روشنی بکھیرنا ہے۔" آگے چل کر فاضل صدر معلم لکھتا ہے:۔

"خطابت کی تمام صلاحیتیں اُس میں موجود ہیں۔ وہ ہزاروں سامعین کو مسحور کر سکتا ہے۔ اُس کی تقریر خوبصورت زبان، منطقی دلائل اور مسجع و مقفیٰ ادب سے مرصع ہوتی ہے۔ اُس کو تحریر پر مکمل قدرت حاصل ہے۔ اُس کی تحریر ہمیشہ اُس کی قابلیت کے مقفائے کار کو مات کر دیتی ہے۔

مولہ بالا اہلیت کی بنا پر اُسے اعلیٰ عہدے پر فائز کیے جانے کا سفارشی ہوں۔" (۶)

---

(۴) انٹرویو ریٹائرڈ جسٹس راجہ محمد اکرم خان، نیا محلہ مظفر آباد آزاد کشمیر مورخہ

(۵) درخواست مولانا بنام پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور برائے ملازمت مورخہ ۷ر اپریل ۱۹۲۳ء۔

(۶) سند کارکردگی از صدر معلم جلال پور جٹاں مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۵ء (جس کی نقل راقم کے پاس موجود ہے)

مولانا غلام مصطفےٰ شاہ دراوی ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۶ء تک ضلع مظفرآباد کی طرف سے جموں کشمیر اسمبلی کے منتخب ممبر رہے اور عوام کی نمائندگی کی۔ مولانا کی اسمبلی کی تقریریں سوالات جموں وکشمیر اسمبلی کی سرکاری رپورٹ میں موجود ہیں۔ ۱۹۳۸ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک کا اسمبلی کی کارروائی کا ریکارڈ مجلد مولانا کے آبائی گاؤں سیری کلاں (موضع نوات) میں موجود ہے۔ راقم دو دفعہ اس لائبریری کو دیکھنے گیا۔ پہلی مرتبہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے سلسلہ تحقیق کی غرض سے نومبر ۱۹۸۶ء اور دوسری مرتبہ ۱۲ جولائی ۱۹۸۷ء مولانا غلام مصطفےٰ شاہ کی اسمبلی کی کارروائی کے حوالہ جات نوٹ کرنے کے لیے۔ اس ریکارڈ سے ۱۹۳۸ء کا ریکارڈ لائبریری میں موجود نہیں تھا۔ بقیہ حوالہ جات بذیل درج کیے جاتے ہیں۔

مولانا کی اسمبلی کی تقاریر اور سوالات جو سیکڑوں صفحات پر اسمبلی رپورٹ میں طبع شدہ موجود ہیں، سے اُس دور کے ہر پہلو حالات و واقعات پر رواں، پُر مزاح اور تنقید سے بھرپور تبصرے ملتے ہیں جو اردو زبان و ادب کی جان ہیں۔

ڈوگرہ حکومت کے دورِ استبداد میں مولانا نے اپنے علاقے کے غریب عوام کی جو بے لاگ نمائندگی کی ہے اُن کی اسمبلی کی تقریریں اُس کی شاہد ہیں۔ مولانا نے ۱۹۳۸ء میں مظفرآباد شمال دیہی سے انتخاب لڑا اور کامیاب ہو کر اسمبلی کی نشست سنبھالی۔ ۱۹۳۸ء کی اسمبلی رپورٹ کی جلد لائبریری سے کوئی لے گیا ہوا تھا۔ اسلئے اُس کے حوالہ جات درج نہ کیے جا سکے۔

جموں وکشمیر اسمبلی کے دو سیشن ہوتے تھے ——— بہار (مارچ/اپریل) جموں میں ہوتا تھا، اور خزاں (ستمبر/اکتوبر) سرینگر میں۔ اسمبلی کی روزمرہ کارروائی ایک رسالے کی شکل میں "سرکاری رپورٹ مباحث جموں وکشمیر پرجا سبھا" کے نام سے چھپی ہوئی ہے۔ اندر کے صفحہ پر پریذیڈنٹ سپیکر، سیکرٹری اور نائب سیکرٹری کے نام درج ہیں۔

<u>حوالہ جات تقاریر و سوالات مولانا غلام مصطفےٰ شاہ،</u>

<u>اجلاس جموں بہار مارچ/اپریل ۱۹۳۹ء</u>

۴ر اپریل :۔ ملک میں افلاس اور غیر ملکی وزراء اور افسران کی ریاست میں تقرری اور بڑی بڑی تنخواہوں کی شکل میں سرمایہ کا ضیاع، عوامی نمائندوں کو غنڈے جیسے شرمناک لفظوں سے تعبیر کیا جانا، وغیرہ پر تقریریں، ص ۸۹ تا ۹۰، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۱۱، ۱۱۷، کل ۶ صفحات۔

۴ر اپریل :۔ ادھم پور میں قحط اور برٹش انڈیا کے ضلع حصار میں قحط پر حکومت کی امداد کا موازنہ اور ریاستی حکومت کی اس سلسلہ میں لاپرواہی پر تبصرہ، ص ۱۳۹ تا ۱۴۰ کل ۲ صفحات۔

۵ر اپریل :۔ زمینداروں اور ریاستی رعایا سے متعلق زیرِ غور مسودات پر مولانا کی پُرمغز تقریر ص ۸۱ تا ۸۲ کل ۲ صفحات۔

۶ر اپریل :۔ اراضیات مظفرآباد کا موازنہ دیگر حصوں کی اراضیات سے کیا گیا ہے۔ ص ۱۹ کل ایک صفحہ۔

۱۶راپریل:۔ کاہچرائی کے موضوع پر اُردو تقریر، ص ۲۰ تا ۲۲، کُل ۳ صفحات۔

۸راپریل:۔ جنگلات کمیشن کے سامنے زمینداروں کی شکایات، ص ۱۸، ایک صفحہ، اور مالیہ کے ساتھ ستمگرانہ وصول کیے جانے پر اسمبلی میں سوالات ص ۱۹۰

۱۰راپریل:۔ اوڑی اور مظفرآباد کے رہنے والے کم تنخواہ دار ملازموں اور ٹیچروں سے کرناہ الاونس واپس لینے پر تنقید۔ ص ۲۹۔ ایک صفحہ عرف۔

ایضاً اوڑی اور کرناہ، بنڈواڑہ اور کرناہ کے درمیانی فاصلہ پر اسمبلی میں سوالات۔ ص ۳۰۔ ایک صفحہ عرف۔

ایضاً بیرون جنگلی رقبہ جات پر حق ملکیت عطا کرنے کی وجہ، گزشتہ پانچ سالوں میں محکمہ جنگلات اور محکمہ مال کی طرف سے پلوں کی تعمیر پر صرفہ کا

— تخمینہ سے متعلق تقریر ص ۳۲، ایک صفحہ، سائڈوں سے متعلق سوالات۔ ص ۳۳، ایک صفحہ عرف حکومت کے عوام سے لینے اور اُن کو واپس

— دینے پر بہ پہلو طنز و مزاح سے بھرپور تبصرہ، ص ۹۴ تا ۱۰۰، کُل ۷ صفحات۔

۱۷راپریل:۔ مظفرآباد میں مقامی اور سرکاری شفاخانوں کی تعداد، ص ۱۷، ایک صفحہ، پٹرلیکل کے متعلق سوالات، ص ۱۸، ایک صفحہ، مختلف سوالات

— ص ۲۰ تا ۲۲، ۳ صفحات، تحریک التوا پیش کی کہ مظفرآباد میں کاہچرائی کی وصولی کے لیے اہلکاران تشدد کر رہے ہیں۔ تقریر ص ۵۱تا۵۷

— ۷ صفحات، تحریک التوا پر مکالمہ، ص ۹۱، ۹۲، کُل ۲ صفحات۔

۲۰راپریل:۔ ضلع مظفرآباد میں محکمہ امداد باہمی (کوآپریٹو) کے ملازمین کی تنخواہوں کی عدم ادائیگی پر سوالات، ص ۴، ایک صفحہ عرف

۲۲راپریل:۔ نالہ سرگن، تحصیل کرناہ میں مکانوں کی تباہی اور جانی و مالی نقصان پر تقریر۔ ص ۸، ایک صفحہ۔ مختلف معاملات پر سوالات ص ۹، ۱ صفحہ

اجلاس سرینگر ستمبر/اکتوبر ۱۹۳۹ء

۱۸ستمبر:۔ حکومت کے اسمبلی کے پاس کردہ قوانین کے نفاذ نہ کرنے پر تنقید۔ ص ۸۰، ۸۱، کُل دو صفحات۔

۱۹ستمبر:۔ مسٹر جگت رام کی تحریک کی تائید میں تقریر، ص ۱۱۴۔ شیخ عبدالحمید کے اسلام کے متعلق غیر مناسب الفاظ پر تنقید، ص ۱۱۵۔ یہ کہ فتویٰ قرآن کے

— مطابق ہوتا ہے۔ ص ۱۱۷۔ قرآن کا علم نہ رکھنے والا، اپنے نازیبا الفاظ واپس لے، ص ۱۱۸، کُل تین صفحات

۲۱ستمبر:۔ خاندانی حکومت کے اُلٹے رویہ اور ریونیو کمشنر کی تقریر پر تنقید، مالیہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ ص ۹۵ تا ۹۹، کُل ۵ صفحات۔

۲۳ستمبر:۔ ہوم منسٹر کے پیش کردہ ملازمتوں کے تناسب پر سوال۔ گلانسی کمیشن کے مقرر کردہ تناسب سے کم ہے یا زیادہ۔ گلانسی کمیشن کی کیا سفارشات ہیں

— شیخ عبدالحمید کے الفاظ "فتویٰ گھڑنے" پر قرآن کی توہین کا الزام اور مطالبہ کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں یا معافی مانگ لیں۔ صفحہ ۶۲۔ ایک صفحہ عرف

۲۷ستمبر:۔ فیس کاہچرائی کی اشاعت، سرحدات کے قیام سے زمینداروں کو کیا فائدہ ہوا۔ مظفرآباد میں کوہلوؤں کے بیلوں پر مزید تین روپیہ ٹیکس پر تنقید

— ص ۹۰، ایک صفحہ عرف۔

۳۰ستمبر:۔ غیر کشمیری ہندوؤں کو الگ الگ فرقہ بنا کر، تناسب ملازمت میں گڑبڑ کی گئی ہے اور اس طرح اقلیت کو اکثریت میں تبدیل کیا گیا ہے۔ چھوٹی

— چھوٹی ملازمتوں کی تقرریاں وزرا و رے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے لوگوں کی رسائی مشکل ہوگئی ہے۔ (ان سب امور پر مولانا کی تنقید)

— ص ۹، ایک صفحہ صرف۔

۱۲ اکتوبر:۔ اس موضوع پر بحث کہ لکڑی جو ریاست کی پیداوار ہے، ریاست میں مہنگی ہے اور ریاست سے باہر ارزاں برآمد کی جاتی ہے۔ کشمیر

— میں عوام سے خشک بالن پر بھی رشوت لی جاتی ہے۔ ص ۷۳ تا ۷۵، کل ۳ صفحات۔ جنگل اور محکمہ جنگلات سے متعلق مختلف قسم

— کے سوالات، ص ۱۱۲، ۱۱۳، کل دو صفحات۔

۱۳ اکتوبر:۔ امرناتھ کاک کی تائید بسلسلہ تخفیف اخراجات پر تقریر۔ چھوٹے ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کا مطالبہ۔ ص ۷، ۱۷، کل دو صفحات۔

۱۵ اکتوبر:۔ عارضی تقرریوں والے اساتذہ کو تعطیلات کی تنخواہ سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ضلع مظفرآباد میں باوجود اعلان کے افزائش نسل کے حیوانات

— کی عدم فراہمی پر تنقید۔ ص ۴۸۔ ایک صفحہ صرف۔

۱۹ اکتوبر:۔ اسلام آباد میں بجلی کی فراہمی کا مطالبہ اور یہ کہ مظفرآباد میں ایک شخص نے ذاتی طور بجلی لگائی اور شہر کو فراہم کی۔ حکومت نے جب

— اس خانخ بخش کا روبار کو دیکھا تو بجلی گھر کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس پر مولانا نے اسمبلی میں بڑی دلچسپ تقریر کی اور حکومت کو

— ہدف تنقید بنایا۔ ریاست میں سینما گھروں کی تعمیر پر تنقید۔ ص ۶۵ تا ۶۷ کل تین صفحات۔ شوپیاں میں ٹیلیفون کی تنصیب۔ ان

— موضوعات پر مولانا کی دلچسپ تقاریر ہیں، ص ۸۹ تا ۹۲، کل ۴ صفحات۔

۲۱ اکتوبر:۔ تعلیم بالغاں دینے والوں کے معاوضہ پر سوال۔ تنخواہوں کی تاخیر، سکولوں کی عمارتوں کے متعلق سوالات، جنگلات کمیشن کی عدم اشاعت

— پر تنقیدی تقریر۔ ص ۱۸ تا ۲۰، کل تین صفحات۔

اجلاس جون مارچ / اپریل ۱۹۴۰ء

۲۷ مارچ:۔ فراہمی گھوڑے برائے عمدہ نسل، تعلیم بالغاں والوں کا معاوضہ کتنا؟ اور کن کن کو؟ بڑے دلچسپ سوالات، ص ۱۸، ایک صفحہ صرف

— سوالات کے لیے نوٹس نہیں دیا گیا، حکومت کا کہنا، کہ دو ماہ قبل نوٹس دیا جا چکا ہے، ص ۱۹، ایک صفحہ صرف۔ مختلف

— سوالات، ص ۲۰ تا ۲۳، کل ۴ صفحات، تنقید کی منتخبہ کمیٹی کا عرصہ پانچ سال کا تعین نامناسب ہے۔ ص ۱۰۶، ۱۰۷، کل ۲ صفحات۔

۲۸ مارچ:۔ محکمہ جنگلات کے خلاف کمیشن کی رپورٹ اور شکایات عوام اور اس پر حکومت کا ردعمل، ص ۲۳، ایک صفحہ صرف۔ اس موضوع پر ختام

ص ۲۵، ایک صفحہ صرف، خواجہ محمد خلیل کچلو کی تائید میں تقریر۔ ص ۷۱، ۷۲، کل ۲ صفحات۔ سلطان صاحب کی ریزولیوشن کی تائید میں تقریر

ص ۷۶، ایک صفحہ صرف۔

یکم اپریل:۔ نمک پر محصول کے خلاف ریزولیوشن کی تائید میں تقریر، ص ۹۰ تا ۹۲، کل ۳ صفحات۔

۲؍اپریل :۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز کے ریزولیوشن برائے تشکیل کمیشن بابت رکاوٹ کشید شراب (ناجائز) کی تائید میں تقریر، ص ۶۵ تا ۶۷، کل
— ۳ صفحات ۔ خواجہ اکبر جو ڈار کے ریزولیوشن کی تائید میں تقریر۔ ص ۹۰، ایک صفحہ صرف ۔

۸؍اپریل :۔ حکومت کے مسودہ قانون پر دس صفحات پر مشتمل تقریر، جس میں انجن ۸، ۹ دس بوٹ کو زیر بحث لایا گیا۔ ص ۸۱ تا ۹۲ کل ۱۲ صفحات

۹؍اپریل :۔ ڈاکٹر بلرام داس کے ریزولیوشن بسلسلہ ناجائز کشید شراب کی تائید میں تقریر۔ ص ۷۷، ایک صفحہ صرف ۔

۱۱؍اپریل :۔ ریاست میں غیر ریاستی ملازمین کی درآمد بر حقائق، لطائف اور ظرافت سے بھرپور تقریر جس میں اسمبلی میں کئی بار تالیاں بجائی گئیں۔
— ص ۱۲۲ تا ۱۳۲ ۔ کل ۱۱ صفحات ۔

اجلاس سرینگر ستمبر/ اکتوبر سنہ ۱۹۴۱ء

۷؍اکتوبر :۔ بجٹ پر بحث ص ۸۶ تا ۸۸، کل ۳ صفحات ۔

۱۱؍اکتوبر :۔ کوتوال شوراعل کی تحریک تخویف کی تائید ص ۹، ۱۰ کل دو صفحات۔ مختلف موضوعات پر بحث ص ۳۲ تا ۳۷، کل ۶ صفحات ۔ تحریک
— پیش کی کہ جنگلات کی گرانٹ میں تخفیف کی جائے پر تقریر ص ۵۸ تا ۶۵، کل آٹھ صفحات ۔ اسی موضوع پر بحث، ص ۶۹ تا ۷۳، کل
— ۵ صفحات ۔

۱۳؍اکتوبر :۔ مختلف مباحث میں حصہ، ص ۸۹ تا ۹۳، کل ۵ صفحات ۔

۱۴؍اکتوبر :۔ کٹ موشن پیش کردہ قاضی عبدالغنی شاہ کی تائید کہ زمینداروں کو لگانے کے لیے پودہ جات مفت فراہم کیے جائیں، ص ۹۳۔ ایک صفحہ صرف

۱۵؍اکتوبر :۔ مختلف مباحث میں حصہ ص ۱۳ تا ۱۷، کل پانچ صفحات صرف ۔

اجلاس جموں مارچ/ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء

۲۳؍مارچ :۔ بل معہ ترمیمات سیلکٹ کمیٹی بسلسلہ شرعی معاملات، عورت کے معاملات، شیعہ ممبر کے اعتراض کا جواب، مسٹر جگت رام آرین کے
— قرآن پاک کی آیت کا غلط ترجمہ کرنے پر اعتراض۔ ص ۱۷ تا ۳۰، ۷۲، ۹۱، ۹۲، ۹۸، کل ۵ صفحات ۔

۲؍اپریل :۔ بجٹ پر اعتراض کی تقریر، مخالفت نہ کرنے کے ارادہ کے باوجود مخالفت کرنا پڑی، کیونکہ بجٹ میں چھوٹے ملازمین اور عوام الناس
— کی بھلائی کا خیال نہیں رکھا گیا۔ ص ۶۶ تا ۷۱، کل ۶ صفحات ۔

۴؍اپریل :۔ اسمبلی کارروائی شروع ہونے سے قبل قرآن پاک اور مقدس کتابوں کے نیچے سے اٹھوا کر اوپر رکھنے کی فیمائش، رشوت کے روکنے
— اور اس سلسلہ میں کن لوگوں کو سزا دی گئی، ضلع بارہ مولا، تحصیل سندر واڑہ کی آب کی بنا پر دھان کی بجائے مکئی کاشت ہوئی لیکن حکومت
— نے زمینداروں سے شالی کی وصولی کی، وغیرہ، مختلف موضوعات پر مباحثہ۔ ص ۸، ۱۲ تا ۱۵، کل ۵ صفحات ۔

۶راپریل :۔ مختلف موضوعات پر سوال کیے گئے۔ ص ۷، ۹ تا ۱۳، ۹۱ تا ۹۳ ۔ کل ۹ صفحات ۔

۷راپریل :۔ سوالات ۔تعلیم بالغان، دریائے کشن گنگا پر پلوں کی تعمیر، علاقے کی حالت ، چراگاہوں کے متعلق سیر حاصل تقریر ۔ کٹ موشن کی واپسی
— تحریک جنگلات کی گرانٹ میں کمی ۔ ص ۷، ۵۰ تا ۵۶، ۶۲، ۹۲، ۵۸، کل ۱۱ صفحات ۔

۸راپریل :۔ کٹ موشن چوہدری حمیداللہ کی تائید میں تقریر، اجراء ورنیکل کالج ۔ ص ۱۴، ایک صفحہ ۔ تعلیم بالغان پر تقریر ص ۶۲ تا ۷
— کل ۷ صفحات ۔

۹راپریل :۔ کاہچرائی پر مباحثہ ص ۴ تا ۹ ۔ کل ۶ صفحات ۔

۱۱راپریل :۔ تحریک التواکہ ساٹھ روپے ماہوار سے کم تنخواہ پانے والے ملازمین کو اپنی تنخواہ کا ۲۰ فیصد قحط الاؤنس دیا جائے۔ ص ۲۳، ۲۴، کل ۲ صفحات

۱۲راپریل :۔ تحریک التوا بسلسلہ کمی غلہ در ضلع مظفر آباد اور حکومت کا ناقص انتظام ۔ ص ۲۸، ایک صفحہ ۔

۱۸راپریل :۔ فیکٹریوں پر لاگو کیے جانے والے مسودہ قانون کی مخالفت میں دلائل ۔ ص ۶۶ تا ۷۰، کل ۵ صفحات ۔

۲۰راپریل :۔ مختلف مباحث میں حصہ ص ۲۰ تا ۲۲، کل ۳ صفحات ۔

<u>اجلاس جموں بہار مارچ / اپریل ۱۹۴۴ء</u>

۲۸رمارچ :۔ مختلف مباحث پر سوالات ص ۳۱ تا ۳۴، کل ۴ صفحات ۔

۳۰رمارچ :۔ بجٹ پر تقریر ص ۷۶ تا ۸۱، کل ۶ صفحات ۔

۵راپریل :۔ مختلف مباحث ص ۵۹ تا ۶۴، کل ۲ صفحات ۔

۱۱راپریل :۔ سوالات ص ۱۸ ۔

<u>اجلاس جموں بہار مارچ / اپریل ۱۹۴۵ء</u>

۲۶رمارچ :۔ سوالات ص ۲۱ تا ۲۳، کل ۳ صفحات ۔ مہنگائی، رشوت ستانی، رشوت کا ایک ذاتی واقعہ ص ۸۲ تا ۸۸ ۔ کل ۷ صفحات ۔

۲راپریل :۔ نیشنل کانفرنس کی پالیسی پر مداخلتی جملے ۔ ص ۸۴، ایک صفحہ ۔

۳راپریل :۔ محکمہ وٹرنری کو بحال بنانے اور کاہچرائی کی تخفیف پر تقریر ۔ ص ۸۴ تا ۸۶ ۔ کل ۳ صفحات ۔

۴راپریل :۔ میاں احمد یار کے پیش کردہ کٹ موشن کی تائید میں تقریر ص ۴۰ تا ۴۲ ۔ کل ۳ صفحات ۔

۱۱راپریل :۔ ڈاکٹر بلرام داس کی پیش کردہ قرارداد بسلسلہ رشوت ستانی کی تائید میں تقریر ۔ ص ۶۶ ۔ ایک صفحہ ۔

اجلاس جموں مارچ / اپریل ۱۹۴۶ء

۱۹ مارچ :- شیخ عبدالحمید کی قرارداد لیبسد کی فضول اخراجات کی تائید۔ ص ۵۶ تا ۵۷ ۔ کل ۱½ صفحات ۔

۲۵ مارچ :- ایک تحصیلدار کی بدکلامی ، دیگر معاملات پر تقریر ص ۵۴ تا ۵۵ ، کل ۱½ صفحات ۔ کٹ موشن کی تائید میں تقریر ص ۱۰۲ ، ۱۰۳ کل ۲ صفحات ۔

۲۸ مارچ :- فراہمی لکڑی برائے تعمیر دیوار وغیرہ پر تقریر۔ ص ۵۶ تا ۵۷ ، کل ۱½ صفحات ۔

۳۰ مارچ :- بجلی کے بارہ میں کہ جب تک مظفرآباد کا بجلی گھر نجی ملکیت میں رہا تو ریٹ کم تھے۔ سرکاری تحویل میں آیا تو ریٹ بھی بڑھ گئے اور شکایات پیدا ہو گئیں۔ ص ۸۹ ، ۹۰ کل ۲ صفحات ۔

یکم اپریل :- موضع لوات کے بدمعاشوں کے متعلق رپورٹ کا واقعہ ، پنچائتوں کے متعلق سوالات ۔ ص ۱۸ ، ۱۹ ، کل ۲ صفحات ۔

۱۱ اپریل :- ضلع مظفرآباد کے لیے چینی اور کپڑے کا کوٹہ مقرر نہ کرنے کے متعلق مباحث ۔ ص ۵۲ ، ایک صفحہ ۔

۱۹۴۳ء کے اجلاس کی کارروائی بھی دستیاب نہ ہو سکی ۔ ۱۹۴۲ء اجلاس سرینگر ، ۱۹۴۴ء ، ۱۹۴۶ء سرینگر کے اجلاسوں کا ریکارڈ بھی دستیاب نہ ہو سکا۔ بقیہ ریکارڈ سے شاہ صاحب کے حوالہ جات کے لیے کل صفحات تخمیناً ۱۵۸ بنتے ہیں ۔ یہ ساری کارروائی اُن کی تقاریر تحریری و زبانی جو کہ ریکارڈ پر بزبان اُردو موجود ہیں۔ اُن کی اُردو نثر کا ایک عمدہ نمونہ ہیں ۔

اُردو شاعری :-

مولانا غلام مصطفٰے شاہ صاحب شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ اگرچہ اُن کا کوئی مطبوعہ کلام نہیں ہے ۔ لیکن راقم کو ایڈ کا لج اہتمام کے ڈی۔پی۔ای خواجہ عبدالحمید سے ایک کاپی دستیاب ہوئی ہے۔ جس میں اُن کا کلام ہے ۔ یہ کاپی ۷" × ۶" سائز کی ہے ۔ جس کے کل ۸۴ صفحات ہیں پہلے تین صفحات خالی ہیں۔ ص ۴ پر فارسی کے ایک شعر پر تضمین اور عربی میں دُعائیں درج ہیں ۔ ص ۵ پر مصنف کا نام غلام مصطفٰے شاہ لواتی لکھا ہے اور تحریر کردہ خلیل الرحمٰن چغتائی۔ ردیف ۔ کشن جاگراں تحریر ہے ۔ ص ۶ پر ہدیہ نعت بحضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ اسی صفحہ پر جفا و وفا کے عنوان سے اشعار ہیں۔ ایک شعر محبوب کی وفا پر درج ذیل ہے ۔

؎ وہی لاش کو دیکھ کر رونے بیٹھے ٭ جو پوچھا تو بولے وفا ہو رہی ہے

اور مقطع ہے ۔

؎ محبت میں آ کر ہوا مصطفٰے تو ٭ وہ دیوانہ جس پر جفا ہو رہی ہے ۔

ص ۹ پر ناز و نیاز ، سلام ، حسرت ، عقیدت ، واقفیت ، پریشانی ، زندگی ، طبیعت ، خرد و فرہاد ، بزدلی کے عنوانات سے مختلف اشعار ہیں۔ ص ۱۰ تا ۱۲ غزلیں وغیرہ ۔ ص ۱۳ ، لوات ، اپنے گاؤں پر اشعار ، ص ۱۴ ، بتقریب تاریخ ختم قرآن حافظ

محمد ازہر شاہ قیصر ابن حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ پندرہ اشعار ہیں۔ بذیل شعر علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے بارہ میں ہے۔ ؎

ہو مبارک عزتِ دارین انور شاہ کو ✤ جس کے مہرِ علم سے عالم منور ہو گیا۔

مقطع یہ ہے ؎۔

؎ غلام مصطفےٰ، مومن کو خوش کرنا ثواب ✤ میرے ان اشعار سے خوش شاہ انور ہو گیا

ص ۱۵ پر مسٹر غلام مختار ہیڈ ماسٹر ہائی سکول مظفر آباد کی الوداعی پر نظم، ص ۱۶ مظفر آباد الیکٹرک ہاؤس کی رسم افتتاح، مہاراجہ بہادر کی آمد پر نظم۔ ص ۱۷ تا ۲۰ پر اپنے والدین اور بعض بھائیوں کی یاد میں مرثیہ ۵۶ اشعار پر مشتمل، ص ۲۰ تا ۲۴ ریل، جرد و صفا، ہلالِ عید وغیرہ پر مشتمل اشعار بزبان اُردو، صفحہ ۲۵ تا ۲۷ پر فارسی میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی وفات پر مرثیہ ہے۔ ص ۲۸ پر بھی ایک انور شاہ نامی عم زاد حضرت علامہ کی وفات پر فارسی مرثیہ۔ ص ۲۵ تا اختتام سارا کلام فارسی میں ہے۔

۳۳۵ شعر



حضرت مولانا مفتی مفسر و محدث میر سید میرک شاہ صاحب
اندرابی (کاظمی)

PHOTO BY
Muhammad Ahmad
24 JAN 1967

باجازت جناب محترم خواجہ عبدالغنی صاحب
اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ ڈگری کالج ڈھیرکوٹ۔ ضلع باغ
آزاد کشمیر۔ بسم اللہ نائب
ڈیرہ ۲

۲۵
۲
۱۹۶۹

۲۱ ربی
ماڈل ٹاؤن
لاہور

No. PA-II/HMR/424/53

Punjab Civil Secretariat,
Lahore.

Dated, August 25, 1953.

Dear Sir,

Please refer to my letter No. PA-II/HMR/424/53, dated the 15th August, 1953.

I am desired to say that the Hon'ble Minister for Revenue will now be pleased to see you on 5-9-1953 at 10-30 a.m. in his Office at the Punjab Civil Secretariat.

Yours faithfully,

(M. GHAFOOR AHMAD)
PERSONAL ASSISTANT.

To

S. Mirak Shah Andarabi, Esq.,
19-Dev Samaj Road,
Ram Nagar,
Lahore.

مولانا میرک شاہ اندرابی کشمیری

×××

خاندانی حالات :-

مولانا میرک شاہ کے جدِ اعلیٰ پیکرِ علم و عرفان سید احمد اندرابی، اندراب جو کہ افغانستان کا ایک سرسبز و شاداب شہر ہے، کے رہنے والے تھے۔ مولانا میرک شاہ کے اسلاف کی کشمیر میں آمد کا تعلق حضرت امیر کبیر شاہ ہمدان کی ذاتِ گرامی اور سرزمین کشمیر میں اُن کی تشریف آوری سے ہے۔

سرزمین کشمیر اپنی آب و ہوا کی نفاست، مناظر قدرت کی عالمگیر شہرت اور دیگر بہت سے محاسن کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور رہی ہے اور جاذب توجہ بھی۔ یہ سرسبز و شاداب وادی، ہمیشہ علوم و معارف کا گہوارہ اور بزرگان خدا پرست کا مسکن رہی ہے۔

کوئی چھ سو سال پہلے جب یہاں کے لوگوں میں اخلاقی پستی، روحانی گراوٹ، بے راہ روی اور غیر انسانی اطوار پیدا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سید علی بن شہاب الدین ہمدانی کو ان کی راہنمائی کے لیے مقرر فرمایا۔ آپ پہلی دفعہ ٧٧٤ھ میں کشمیر تشریف لائے۔ سینکڑوں بندگان خدا آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت امیر کبیرؒ نے اہلِ کشمیر کو اخلاقی اور روحانی پستیوں سے نکال کر خوش بختی اور سعادت کے بامِ عروج تک پہنچایا۔ (١)

بقول سید بن احمد شہید حضرت شاہ ہمدان کی کشمیر میں پہلی دفعہ آمد ٧٧٤ھ ہے۔ جبکہ سید نثار حسین رقمطراز ہیں:

"آپ پہلی مرتبہ دنیا کی سیاحت کے سفر کے دوران ٧٧١ھ / ١٣٧٠ء میں کشمیر آئے۔ دوسری مرتبہ ٧٧٤ھ میں تشریف لائے اور ٤٠ روز یہاں قیام کیا۔ تیسری مرتبہ اپنے سات سو مریدوں کے ہمراہ ٧٨١ھ / ١٣٧٩ء میں کشمیر آئے اور اڑھائی سال کے قیام کے دوران آپ نے وادی کشمیر، لداخ، بلتستان اور ہزارہ جو اس وقت مملکت کشمیر کے علاقے تھے، میں تبلیغ دین کی اور علوم و فنون کو رواج دیا۔ آخری مرتبہ آپ ٧٨٥ھ / ١٣٨٣ء میں کشمیر آئے اور مختصر قیام کیا۔" (٢)

شہر اندراب میں سید احمد اندرابی جو کہ سیدنا امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے تھے، حضرت امیر کبیر کے بھانجے تھے۔ جب حضرت امیر کبیر نے کشمیر کے سفر کا ارادہ فرمایا تو اپنے برخوردار، گراں اطوار بھانجے کو رفیقِ سفر بنا لیا۔ چنانچہ سید احمد اندرابی اس طرح شاہ ہمدان کی معیت میں اندراب سے کشمیر ایسے آئے کہ کشمیر ہی کے ہو کر رہ گئے۔ آپ کا تذکرہ کشمیر کی تاریخوں میں نمایاں طور پر کیا گیا ہے۔ مشہور مؤرخ کشمیر، شیخ عبدالوہاب شائق نے آپ کا تعارف اپنی تاریخ میں ان اشعار سے کیا ہے۔

---

(١) ہمارا ادب، مشاہیر نمبر: ١٩٧٧-٧٨ء جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز، سرینگر ج ٢، ص ٢٢٠، ٢٢١

(٢) شاہ ہمدان، امیر کبیر سید علی ہمدانی: سید نثار حسین، خصوصی اشاعت بسلسلہ شاہ ہمدان بین الاقوامی کانفرنس مظفرآباد آزاد کشمیر، اکتوبر ١٩٨٦ء ص ٣٠٢

حسینی نسب سید احمد بنام ✲ کہ بود است از اولیائے کرام

زیاران امیر کبیر است او ✲ بزہد و ورع بے نظیر است او

حسینی نسب بود آں پاک تن ✲ حسب داشتش چوں امام حسن

ز سید چہ گویم کہ چوں بودہ است ✲ کمالاتش از حد بیروں بودہ است

سید احمد اندرابی نے اپنے ماموں کے دوش بدوش تبلیغ حق اور اصلاح خلق کے اہم کام میں ہمہ تن معروف رہے۔ جب حضرت شاہ ہمدان نے اپنا فرض منصبی ابلاغ عام اور خلوص تام سے پورا کرکے واپسی کا ارادہ کیا تو دوسرے خدا پرست بزرگوں کے ساتھ اپنے خواہر زادے کو بھی اصلاحی مشن کی تکمیل کے لیے کشمیر ہی میں مستقل سکونت کی تلقین فرمائی۔ اس حکم کی تعمیل میں آپ نے میرہ ملارٹہ میں سکونت اختیار کرلی۔ آپ کے سلسلہ علم وفضل اور ولایت کے اعلیٰ مقام کے پیش نظر سلطان سکندر نے آپ کے لیے اسی محلہ میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی جو خانقاہ اندرابیہ کے نام سے مشہور ہے۔ (۳)

عبدالرحمٰن کوندو محلہ رٹہ کے بارہ میں رقمطراز ہیں :

" ملارٹہ اور نوہٹہ کا یہ بازار سرینگر شہر کا ایک تاریخی بازار تھا اور اس کی حیثیت لاہور کے انارکلی بازار اور دہلی کے چاندنی چوک بازار کی سی تھی۔ جس طرح شاہجہان نے دہلی کو آباد کرنے کے وقت چاندنی چوک کی تعمیر کو ماسٹر پلان میں شامل رکھ کر خاص مقصد اور خاص نقشے کے مطابق تعمیر کرایا تھا، اسی طرح جب حضرت میر محمد ہمدانی ؒ کی ہدایت کے مطابق سلطان زین العابدین بڈشاہ کے والد بزرگوار سلطان سکندر شمیری نے سنہ ۸۰۰ھ / ۱۳۹۸ء میں سرینگر کی جامع مسجد تعمیر کی تو اس مسجد کو مسلمانان وادی کشمیر کے لیے دینی اور علمی مرکزیت بن جانے کی وجہ سے اس کے ماحول کو ملک بھر کی تجارت کے لیے مرکزی منڈی بنا دینے کی غرض سے یہ دونوں بازار سرکاری حکم سے تعمیر کرائے اور بڑے بڑے تاجروں نے سرکاری احکام سے ہی یہاں اپنے کاروبار شروع کیے۔ اس بازار نے شہر کو دیہات سے اور دیہات کو شہر سے ایک ایسی وابستگی عطا کردی جو اپنی مثال آپ تھی اور پورے معاشرے کی زندگی پر اس

(۳) - ہمارا ادب، مشاہیر نمبر، ۷۸-۱۹۷۷ء، جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لنگویجز، سرینگر، ج۲، ص ۲۲۱ تا ۲۲۳ -

صفتہ دار بازار کا گزر اثر تھا۔ بڑے بڑے مدرسے اور کتب خانے بھی اس کے آس پاس واقع
تھے اور اس طرح جامع مسجد کا یہ ماحول ملکی ترقی، تجارت اور پوری اسلامی تہذیب و تمدن
کی آئینہ داری کرتا تھا۔" (۴)

پیدائش :۔ ان ہی حضرت سید احمد اندرابی کی سترھویں پشت سے مولانا سید میرک شاہ اندرابی پیدا ہوئے۔ مولانا سید میرک شاہ اندرابی کی فاضل اجل ہستی برصغیر ہند و پاکستان کے علماء میں شمار ہوتی ہے۔ ان کی ساری زندگی علمی تبلیغی اور اصلاحی مشاغل میں پورے انہاک کے ساتھ گزری۔ سیاسی کاموں میں آپ کی سرگرمیاں قائدانہ صلاحیت کی حامل تھیں۔ آپ نے عمر کے آخری پچیس سال وطن سے باہر خصوصاً پاکستان میں گزارے اور زیادہ تر وقت علمی اور دینی کاموں کے لیے وقف کیا۔ (۵)

حالات زندگی :۔ مولانا میرک شاہ اندرابی کے والد کا نام سید شاہ مصطفی تھا جو اپنے وقت کے مشائخ کرام میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا میرک شاہ ماہ صفر المظفر ۱۳۰۶ھ مطابق اکتوبر ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ چونکہ اسی مہینے کی پانچ تاریخ کو آپ کے جد امجد حضرت شیخ و سید محمد میرک اندرابی کا یوم وصال بھی ہے اسی مناسبت سے اس وقت کے بزرگان خاندان نے آپ کا نام میرک شاہ رکھ دیا۔

ابتدائی اور درمیانہ تعلیم :۔ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں مولانا نے پورا قرآن مجید حفظ کیا۔ اس سے پہلے ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں بعمر پندرہ سولہ سال، ان کی شادی اپنے ہی خاندان کے ایک بزرگ پیر سید محمد مقبول اندرابی کی صاحبزادی سے ہوئی۔ (۶)

مولانا میرک شاہ کا سن ولادت ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۸۸۸ء ہے۔ ۱۳۱۷ھ میں مضمون نگار کا بعمر پندرہ سولہ سال لکھنا سہو ہے۔ ۱۳۱۷ھ میں مولانا کی عمر گیارہ سال بنتی ہے۔ مولانا کی شادی غالباً اسی عمر میں ہوئی ہوگی، جس کی تصدیق مولانا کے صاحبزادے کے بیان سے ہوتی ہے۔

سید رشید احمد اندرابی (خلف مولانا میرک شاہ اندرابی) کا بیان ہے کہ :۔

"ابا جان کو بچپن ہی سے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ شنید ہے کہ آپ تہجد کے وقت گھر سے نکلتے اور
زڈبل گاؤں میں، جو آپ کے گھر سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر تھا، ابتدائی کتب پڑھنے کے لیے جاتے۔
برادری کے لوگوں نے دادا جی کو بتایا کہ چھوٹے لڑکے کا رات کے وقت ایسی جگہ جانا جو گھر سے

(۴)۔ کونڈو، عبدالرحمٰن : الانور ، دہلی ، ندوۃ المصنفین ، طبع چہارم ۱۹۸۱ء ، ص ۲۱، ۲۲ ۔
(۵)۔ ہمارا ادب ، مشاہیر نمبر ۷۸-۱۹۷۷ء ، جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ ، کلچر اینڈ لنگویجز سرینگر۔ ج ۲، ص ۲۲۴ ۔
(۶)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً، ص ۲۲۵ ۔

معدوسے ،خطرے سے خالی نہیں ، اسے وہاں جانے سے روک دیا جائے ۔ دادا جی نے بلا کر پوچھا رات کے وقت اُٹھ کر اتنی دور کیوں جاتے ہو ؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو مسجد میں جاتا ہوں ۔ دادا جی نے ہدایت کی کہ اگر مسجد میں جاتے ہو تو کتابیں نہ لے جایا کرو ۔ بعد ازاں انھوں نے کتابوں کی جلدیں اُتار دیں اور کتب کو بغل میں چھپا کر لے جاتے رہے ۔ یوں رڈ بل میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہا ۔ پھر لوگوں نے دادا جی کو انہیں تعلیم سے باز رکھنے کے لیے مختلف تدابیر بتائیں ۔ چنانچہ اسی بنا پر کم عمری میں اُن کی شادی برادری میں کر دی گئی ۔ لیکن اسکے باوجود اُن کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا اور اس میں کوئی فرق نہ آیا ۔"

رشید احمد اندرابی نے مزید بیان کیا :۔

"کہتے ہیں کہ اُن کا معمول تھا کہ مکان کے عقب والے صحن میں تخت پوش پر بیٹھ کر انہماک سے تعلیم میں مصروف رہتے ۔ گھر میں خواہ تقریب ہی کیوں نہ ہو ، انہیں اس سے کوئی تعلق نہ ہوتا ۔ اس طویل نشست سے اُن کی ٹانگیں سُن ہو گئیں ۔" (۷)

حفظ کلام اللہ سے فراغت پانے کے بعد آپ نے کوئی اُردو، فارسی یا عربی رسالہ نہیں پڑھا بلکہ ہمہ تن اسی کار محمود میں مشغول رہے ۔ اس سے فراغت پانے کے بعد اپنے بزرگ بہنوئی مولانا احمد سعید اندرابی سے علم صرف میں صرف بہائی اور علم فقہ میں خلاصہ کیدانی اور اپنے والد ماجد سے کنز اور نام حق پڑھی ۔

درمیانی درجہ کی تعلیم میں آپ نے مولانا سعید احمد اندرابی مذکور ، مولانا مفتی محی الدین فتح گردی اور مولانا محمد حسین وفائی سے صرف ، نحو ، منطق ، فلسفہ ، فقہ ، اصول فقہ ، حدیث و تفسیر اور معانی بیان کی کچھ بنیادی کتابیں کمال ذوق و شوق سے پڑھیں ۔ ان اساتذہ کرام نے آپ کو بڑی محبت اور شفقت سے پڑھایا اور آپ نے اس درمیانی درجہ کی تعلیم میں امتیازی درجہ حاصل کیا ، لیکن اس کے بعد بھی آپ ماہی بے آب کی طرح اعلیٰ تعلیم کی تلاش میں سرگرداں رہے ۔

شیخ الحدیث علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے ملاقات :

حسن اتفاق سے حضرت شیخ الحدیث علامہ بے نظیر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند سے اپنے آبائی گاؤں درنو (وادی لولاب) کچھ مدت کے لیے تشریف لائے ۔ مولانا میرک شاہ اندرابی فوراً اُن کی خدمت میں جا پہنچے ۔ حضرت علامہ نے اُن کی صلاحیت علمی اور استعداد

(۷) - انٹرویو ، رشید احمد اندرابی ، خلف مولانا میرک شاہ اندرابی ، مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۸۹ء جمعرات بمقام ۲۱ - بی - ماڈل ٹاؤن لاہور

امتیازی کو فوراً جانپ لیا دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے اور اور اعلیٰ علوم و فنون حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ اس زمانہ میں سرینگر سے باہر قدم رکھنا بڑا ہی مشکل کام تھا لیکن آپ کے ذوق و شوق علمی نے یہ مراحل طے کرنے میں مہمیز کا کام کیا۔ اسی علمی سفر میں آپ کے رفیق سفر مولانا محمد یوسف شاہ بھی تھے۔ چنانچہ دونوں جویائے علم دارالعلوم دیوبند پہنچے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خاص توجہات اور دوسری منفرد شخصیتوں کے مالک اساتذہ کرام کی نظر کیمیا اثر سے آپ نے کم و بیش سات سال تک اس ممتاز درس گاہ میں کوثر علم کے جام لنڈھائے۔ مولانا عبدالکبیر رینا سابق پرنسپل مدینۃ العلوم حضرت بل بھی اس زمانے میں دارالعلوم کے طالب علموں میں شامل تھے۔ مولانا مرحوم کا بیان ہے کہ مولانا سید میرک شاہ ہم سے اگلی جماعت کے ممتاز طالب علم تھے۔

مولانا نے دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد اعلیٰ امتیاز کے ساتھ علوم منقولہ و معقولہ میں خاص پوزیشن کے ساتھ فراغت کی سند حاصل کی۔ اسی دوران اساتذہ کرام کے مشورے سے پنجاب یونیورسٹی کے امتحان مولوی فاضل میں ۱۹۱۹ء میں شرکت کی اور یونیورسٹی بھر میں اول آئے۔ جس کے نتیجہ میں یونیورسٹی نے آپ کو طلائی تمغہ کے ساتھ تیس روپے ماہانہ وظیفہ برائے ایک سال جاری کر دیا۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے منشی فاضل کے امتحان میں شمولیت کی۔ پہلے ہی دن اپنے والد محترم کے انتقال پر ملال کی بذریعہ تار اطلاع ملی۔ لیکن باوجود اس سانحہ رنج و غم کے آپ نے امتحان کا سلسلہ جاری رکھا اور بالآخر کامیابی حاصل کی۔

علمی زندگی:۔ ۱۹۲۰ء سے ہی آپ کی علمی و عملی زندگی کا آغاز ہوا۔ آپ کے موقر اساتذہ کرام اور دارالعلوم کے ارباب اہتمام کی تجویز سے دارالعلوم دیوبند ہی میں آپ کو مدرس اور نائب مفتی کی حیثیت سے نادر علمی خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔ از اں بعد جامعہ امدادیہ مراد آباد میں تدریسی خدمات کے علاوہ صدر مفتی کے طور پر بھی کام کیا اور افتاء کے عظیم منصب کو چار چاند لگائے۔

مراد آباد میں ہی اپنی رہائش گاہ کے قریب مفتی ٹولہ کی عالی شان مسجد میں روزانہ آپ کا درس قرآن ایسے علمی حقائق و معارف پر مشتمل تھا کہ بڑے بڑے فضلاء، اہل علم اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات بڑے شوق کے ساتھ حلقہ درس میں شامل ہو کر فیضیاب ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے تبلیغی کالج کرنال میں بحیثیت صدر شعبہ اسلامیات میں خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم مئو (اعظم گڑھ) جامعہ مدینہ لاہور کے علاوہ حیدر آباد اور سندھ وغیرہ مختلف مقامات پر کہیں صدر المدرسین کہیں شیخ الحدیث اور اعلیٰ معیاری علمی مجالس کے صدر و ناظم کی حیثیت سے علمی اور دینی خدمات کو بحسن و خوبی انجام پذیر کیا۔

راجپوتانہ میں فرقہ پرست جماعتوں نے ایک طوفان برپا کر کے منظم طور پر مذہب کی تبدیلی کا زور دار پرچار اجتماعی صورت میں شروع کر دیا۔ اس سے کشیدگی اور منافرت کے زہریلے اثرات کا پیدا ہو کر وسیع پیمانے پر پھیلنا ناگزیر تھا۔ اس تحریک سے عموماً مسلمان ہی متاثر ہوئے تھے۔ اس طرح اسلامی جذبات کو ٹھیس لگی تھی۔ یہ انگریزوں کا دور حکومت تھا۔ مسلمانوں نے دانشمندی سے ملک کے گوشے گوشے سے

علماء فضلا کی جماعتیں اس فتنہ کی روک تھام کے لیے روانہ کیں۔ دارالعلوم دیوبند اور جمعیت علماء ہند نے بھی ایک مشترکہ وفد مشتمل بر علماء و مبلغین کو وہاں روانہ کیا۔ اس وفد کی قیادت مولانا میرک شاہ اندرابی کے سپرد ہوئی۔

امیر وفد کی حیثیت سے آپ نے اس میدان میں کمال دانشمندی سے نہایت کامیاب کردار ادا کیا اور مدت تک وہاں مقیم رہ کر مخلوق خدا کی صحیح راہنمائی کا فرض انجام دیتے رہے۔ اس حکیمانہ دفاع سے سارے ملک میں منافرت کی پھیلنے والی وبا دور ہوگئی اور سب لوگ دوبارہ شیروشکر ہوگئے"۔ (۸)

رشید احمد اندرابی کا بیان ہے :

"قصبہ سوپور میں ۱۹۲۸ء کے لگ بھگ کا واقعہ ہے، آگ لگنے سے بیشتر مکانات اور دوکانیں جل کر راکھ ہوگئیں۔ اس قصبہ میں ایک جامع مسجد تھی جس کے ساتھ ایک ادارہ "تعلیم الاسلام" کے نام سے چلتا تھا (جو اب بھی جاری ہے) اس ادارہ کے بانی مولانا میرک شاہ تھے۔ ایک دن مولانا مسجد کی طرف نماز ادا کرنے جا رہے تھے ساتھ ایک وکیل بھی تھے۔ وکیل نے شاہ صاحب سے کہا کہ اب یہ گاؤں بمشکل سات سال میں تعمیر ہوگا۔ شاہ صاحب نے وجہ پوچھی تو وکیل نے بتایا کہ اب یہ جگہ متنازعہ ہوگئی ہے، لوگوں کے درمیان تنازعات ہو گئے ہیں اور کوئی مصالحت نہیں ہو رہی ہے۔ وکیل نے شاہ صاحب سے کہا کہ آپ مذہبی راہنما ہیں اس لیے آپ مصالحت کرا سکتے ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب نے بعد نماز حاضرین سے خطاب کیا اور فرمایا کہ جو جگہ، متنازعہ ہو تو حریفین مصالحت کے لیے میرے پاس درخواستیں دیں اور اگر میری ثالثانہ رائے منظور ہو تو میں فیصلہ کرنے کو تیار ہوں۔ شاہ صاحب کے قیام گاہ پر پہنچتے ہی درخواستیں آنا شروع ہوگئیں، شاہ صاحب نے فریقین کو بلوا کر ایک ماہ کے اندر تمام لوگوں کے فیصلے نمٹا دیئے اور اسی عرصہ میں لوگوں کے مکانات اور دکانیں تعمیر ہوگئیں۔ صرف تین مقدمات عدالتوں میں گئے جن کے فیصلے میں واقعی سات سال لگ گئے"۔ (۹)

(۸) ہمارا ادب : مشاہیر نمبر ۱۹۷۷-۷۸ء، سرینگر، جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز، ج ۲ ص ۲۲۵ تا ۲۲۸ -

(۹) انٹرویو، رشید احمد اندرابی، خلف مولانا میرک شاہ اندرابی ۲۳ فروری ۱۹۸۹ء جمعرات بمقام ۳۱۔ بی۔ ماڈل ٹاؤن لاہور۔

مشنریوں کے خلاف علاقہ گریز میں مہم :-

علاقہ گریز کی پسماندہ مسلم آبادی پر عیسائی مشنریوں نے لالچ دے کر اور دوسرے نامناسب ذرائع سے ارتداد کا جال بچھایا۔ اِس سازش کا سرغنہ انگریز مشنری "رابرٹ سن" نامی پادری تھا۔ اُس نے تعلیم و تعلم کے پردہ میں بیرکوٹ گاؤں میں ایک پرائمری سکول بھی قائم کیا جس میں سلام الدین نامی مدرس مقرر کیا۔ اُسے مشنری فنڈ سے تنخواہ ملتی تھی۔ جب یہ سازش منظرِ عام پر آئی تو اس نازک ترین موقع پر اصلاح و تبلیغ کا ابتدائی کام پیر غلام محمد علوی مرحوم نے کمال دانشمندی اور اخلاق کریمانہ سے سازشی کردار سے بالاتر ہو کر انجام دیا۔ اور فوراً مولانا مرحوم سے رابطہ قائم کر کے اُن کی اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ پھر دونوں بزرگوں نے حل کردہ تاریخی کارنامہ انجام دیا کہ مشنری پادری کی سالہا سال کی خفیہ کارستانیوں پر پانی پھر گیا۔ سکول بچوں سمیت ایک دینی درس گاہ میں تبدیل ہو گیا۔ تمام لوگ تائب ہو کر اپنے محبوب مسلک میں واپس آ گئے۔ درس گاہ کے مصارف کے لیے جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام ابنائے کشمیر سے مالی امداد بھی فراہم کی گئی۔ اِس درس گاہ کے علاوہ بڈوں میں بھی ایک مکتب جاری ہو گیا۔ اس سے بھی تعلیمی اور اخلاقی پسماندگی کو دور کرنے میں مدد ملی۔

موضع زکورہ تحصیل خاص میں کچھ ایسے لوگ بھی آباد تھے جن کا معاشرے میں کوئی مقام نہ تھا وہ کسی مذہبی برادری میں بھی باضابطہ طور پر شامل نہ تھے ان کو کشمیری زبان میں "ژھ سنیژ دہ" کہا جاتا تھا۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ یہ مردہ مرغوں کو بھی کھا لیا کرتے تھے۔ مولانا میرک شاہ ایک مرتبہ سیدہ پورہ بھی گئے۔ ایک دن سیر کرتے ہوئے زکورہ میں ان کی بستی میں چلے گئے، ان کے ہاں ایک بیمار تھا، مولانا کے پاس علاج کے لیے حاضر ہوئے، مولانا نے جا کر بیمار کو دیکھا، حال پوچھا، علاج تجویز کیا، ان کے حالات دریافت کیے۔ سماج کی بے اعتنائی سے بہت رنجیدہ ہوئے۔ اُن سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے حکیمانہ انداز میں اُن کے سامنے اسلام کا نظریہ پیش کیا۔ مولانا کی ایک ہی تقریر سن کر یہ بستی اسلام کے آغوش رحمت میں آ گئی۔ مولانا نے ان کے لیے چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کروائی اور ایک دینی درس گاہ بھی قائم کی جو مدت تک چلتی رہی۔ مدرس کی تنخواہ مولانا ماہ بماہ ادا کرتے رہے۔

فنِ طب :- مولانا کو فنِ طب میں اُستادانہ مہارت نامہ حاصل تھی، علمی و عملی دونوں صورتوں میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں اچھے اور کامل اطبا گزرے ہیں۔ قانون شیخ الرئیس بو علی سینا اس فن کی مشہور اور دقیق کتاب ہے۔ سو پور کے زمانہ قیام میں آپ کا قانونِ شیخ الرئیس کا درس ہوتا تھا۔ آپ کا درس اور نسخے تیر بہدف ہوتے تھے۔ نسخے قیمت میں بہت سستے ہوتے تھے۔

ریاست جموں و کشمیر میں ڈوگرہ حکومت نے انجمن سازی اور تنظیموں کے قیام پر ریاست بھر میں پابندی لگا رکھی تھی مگر مولانا کبھی ان قانون کی پابندیوں سے مایوس نہیں ہوئے۔ انہوں نے تبلیغی پروگراموں کو پُرامن اور دائرہ قانون کے اندر رکھتے ہوئے ہمیشہ اپنی خداداد ذہانت و فراست سے کام لیا۔ ایک تبلیغی تنظیم کا نام "دخترِ حفاظتِ اسلام رکھا" اِس میں لفظ انجمن سے گریز ایک قانونی لفظ تھا۔ اسی تنظیم کے تحت علاقہ گریز کا فتنہ ارتداد نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دبا دیا گیا۔

فریضۂ نماز کی تبلیغ کے لیے "پیام انجمن تحفظ نماز و ستر مستورات" کے نام سے ایک تنظیم بنائی اس تنظیم کو چلانے کا کام اپنے مخلص دوست مولانا آزاد قریشی مرحوم کے سپرد کر دیا۔ اس زمانے میں عورتیں عام طور پر پاجامہ نہیں پہنتی تھیں (کیونکہ ان کا کرتہ لمبا ہوتا تھا جسے کشمیری میں "پھیرن" کہا جاتا تھا) ۔ اس تنظیم کے ذریعے ان کو پاجاموں کے استعمال کی ضرورت سے آگاہ کیا گیا، جس سے نماز و ستر مستورات کا جگہ جگہ چرچا ہو گیا۔(۱۵)

سوپور میں مولانا کے علمی و سماجی کارنامے :۔

۱۹۲۳ء سے ہی اپنی علمی میں ان کا مستقل اور پسندِ خاطر مشغلہ علوم حدیث، تفسیر، فقہ، منطق، فلسفہ و ہیئت وغیرہ کی تعلیم و تدریس رہا۔ وہ اپنے وطن میں ایک دارالعلوم قائم کرنا چاہتے تھے۔ بہت غور و فکر کے بعد انہیں سوپور کی سرزمین زرخیز نظر آئی۔ انہوں نے وہاں کے مخیر اور علم دوست افراد کے تعاون سے "انجمن معین الاسلام" کی بنیاد ڈالی جس کے علمی افادات کے جیتے جاگتے نمونے موجود ہیں۔ مولانا نے یہاں ایک معیاری دارالعلوم تعمیر کرنا چاہا۔ اس کا ابتدائی ڈھانچہ بھی تیار ہو گیا تھا لیکن دوسری اہم ذاتی اور قومی مصروفیات کی وجہ سے اس طرف پوری توجہ نہ دے سکے تاہم انجمن کے اراکین کی مساعی سے انجمن کے تحت جدید مروجہ تعلیم کے کئی ادارے قوم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ سوپور کی جامع مسجد اور عید گاہ بھی مولانا مرحوم کی ہی یادگاریں ہیں۔

سیاسی زندگی :۔

مولانا زمانہ طالب علمی ہی سے سیاست میں دلچسپی لیتے تھے اور چوٹی کے سیاسی راہنماؤں سے میل جول رکھتے تھے۔ متحدہ ہندوستان کی تحریک آزادی کا ایک سرچشمہ دارالعلوم دیوبند تھا۔ آزادی ہند کی تحریک کے بانی شیخ الہند مولانا محمود الحسن تھے، جس کی پاداش میں وہ اور ان کے رفقاء کئی سال مالٹا میں اسیر رہے۔

مولانا سید میرک شاہ بھی مادر وطن کشمیر کے عوام کی غلامانہ زندگی سے بہت رنجیدہ اور مغموم رہتے تھے۔ برِ صغیر ہندوستان میں جب تحریک خلافت شروع ہوئی تو اس میں مولانا آزاد، علی برادران، مولانا حسرت موہانی وغیرہ نے حصہ لیا۔ مولانا سید میرک شاہ نے بھی اس تحریک کو کشمیر میں شروع کیا اور اس کی قیادت کی۔ اس تحریک میں آپ کو میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ کا سرگرم تعاون بھی رہا۔ (۱۶)

جلاوطنی :۔ تحریک آزادی کشمیر کے سلسلہ میں مولانا کو جلاوطن بھی ہونا پڑا۔ اس سلسلہ میں مرزا شفیق حسین رقمطراز ہیں :۔

"کچھ کشمیری لیڈروں کو جنہیں حکومت نے کشمیر بدر کر دیا تھا، واپس کشمیر لایا گیا۔ ان ہی حضرات

---

(۱۵) ہمارا ادب، مشاہیر نمبر: ۱۹۷۷-۷۸ء، سرینگر، جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز ج ۲۔ ص ۲۲۸ تا ۲۳۱۔

(۱۶) ایضاً ایضاً ایضاً - ص ۲۳۲ تا ۲۳۳۔

مولانا میرک شاہ ، میاں احمد یار اور مفتی ضیاء الدین شامل تھے ۔ انہوں نے کشمیر آکر کانفرنس
کی کامیابی کے لیے زور و شور سے کام شروع کر دیا ۔ آپ ۱۹۴۳ء سے قبل مفتی دیوبند اور ۱۹۴۳ء
میں کشمیر سے لاہور آئے جو بعد میں پاکستان بن گیا ۔ آپ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس صوبہ کشمیر
کے صدر اور پھر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے نائب صدر بھی رہے“ (۱۲)

تحریک حریت ۱۹۳۱ء کے لیے تحریک خلافت ایک اچھی ابتدا اور تمہید تھی ۔ چنانچہ جب ۱۹۳۱ء کی تحریک آزادی باضابطہ طور پر سامنے آئی تو مولانا مرحوم نے اس میں بھی قائدانہ رول ادا کیا ، دوسرے قائدین کے دوش بدوش کام کیا ۔ تحریک کو چلانے والے اراکین خصوصاً شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ آپ کے پاس مشوروں کے لیے آتے ۔ بالآخر تحریک کشمیر نے زور پکڑا ، حکومت تشدد پر اتر آئی شیر کشمیر اور دیگر اہم کارکنوں کو قلعہ بند کر دیا ۔ آزادی کی تڑپ اور مایوسی کے ملے جلے جذبات نے آزادی کے دلدادوں کو بے چین کر دیا تھا ، ایسے نازک ترین وقت میں مولانا سید میرک شاہ نے اعلان عام کرا کے شاہی مسجد میں ایک برجستہ اور ولولہ انگیز تقریر کی جس سے سامعین کے دلوں میں سیاسی شعور نے ایسی انگڑائی لی کہ تمام پژمردہ دل جوش اور ولولے سے لبریز ہو گئے ۔ راہنماؤں کی گرفتاری اور ظلم و تشدد سے پیدا شدہ خوف و ہراس کافور ہو گیا ۔ مولانا نے اسی طرح تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا جو پندرہ بیس دن تک جاری رہا ، جس میں ہزاروں لوگ شرکت کرتے ۔ چنانچہ حکومت نے کچھ مدت کے بعد شیر کشمیر اور ان کے رفقاء کو جیل سے رہا کر دیا ۔

ڈوگرہ حکومت کی طرف سے مولانا کے رہائشی مکان کا کئی مرتبہ محاصرہ کیا گیا ۔ سی آئی ڈی کی رپورٹوں میں مولانا مرحوم کی ”زرد ٹیم“ کا خاص تذکرہ بغرض حصول ہوتا تھا ۔ اس میں وہ اہم کاغذات ہوتے تھے جو مولانا کے قلم سے ”آزادی کشمیر“ اس کے طریقوں اور ہر دو گراہوں کے بارے میں زیب قرطاس ہو کر کارکنوں کے لیے دستور العمل اور راہبری کا کام دیتے تھے ۔ مولانا باوجود خرابی صحت کے ، سیاسی میٹنگوں میں برابر شمولیت کرتے اور تحریک آزادی کو آگے بڑھانے میں پوری لگن کے ساتھ مصروف رہتے ۔

پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور : ۔ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے وقت مولانا پاکستان ہی میں مقیم تھے ۔ آپ کو خان لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان اور خواجہ ناظم الدین نے اچھے مناصب کی پیشکش کی لیکن آپ نے کوئی پیشکش قبول نہ کی ۔ آپ نے اورنٹیل کالج لاہور میں ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۸ء تک بحیثیت پروفیسر کے خدمات انجام دیں ۔ اورنٹیل کالج سے سبکدوش ہونے کے بعد سکھر میں ڈیڑھ دو سال تک شیخ الحدیث کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دیں ۔

(۱۲) ۔ شفیق حسین ، مرزا ، کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد ، منتخب دستاویزات ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۹ء قومی ادارہ برائے تحقیق و ثقافت اسلام آباد ، ص ۲۰ بحوالہ رشید احمد اندرابی ۔

صدر اوقاف بورڈ لاہور :۔ حکومت پنجاب لاہور نے آپ کو اوقاف بورڈ لاہور، پنجاب کا صدر تعینات کیا۔ آپ نے یہ فرائض نہایت خلوص اور دیانتداری سے انجام دیئے۔ (۱۳)

جامعہ اطہر لاہور :۔ آپ نے جامعہ اطہر کے نام سے "انار کلی" لاہور میں ایک ادارہ قائم کیا۔ پہلے یہ ایبک روڈ پر واقع مسجد میں قائم کیا گیا، پھر وہاں سے سنٹرل ہوٹل واقع انار کلی چوک میں منتقل کیا گیا کچھ عرصہ چلنے کے بعد لوگوں کی عدم دلچسپی کی بنا پر یہ ادارہ بند ہو گیا۔ اس ادارہ کے فارغ التحصیل طلباء کے لیے سندات بھی چھپوائی گئی تھیں۔ (۱۴)

نادیۃ الادب : مولانا انظر شاہ مسعودی رقمطراز ہیں :۔

"حضرت العلامہ مولانا کشمیری کی بلند پایہ شاعری پر مجلس و ماحول میں پسندگی جاری تھی، مولانا اعزاز علی ان مجلسوں میں آکر شریک ہوئے تو انہوں نے بھی عربی میں طبع آزمائی کی اور اپنا کلام مولانا عثمانی مرحوم اور امام العصر مولانا کشمیری کو اصلاح کے لیے دکھاتے۔ اس کے بعد مولانا ممدوح کو عربی میں کچھ کا شغف اس درجہ ہوا کہ انہوں نے ۱۳۳۱ھ میں مولانا میرک شاہ کشمیری (جو اُس وقت دارالعلوم میں مدرس تھے) کی تائید و جدوجہد سے دارالعلوم میں ایک انجمن "نادیۃ الادب" کے نام سے قائم کی۔" (۱۵)

سلسلہ بیعت :۔ مولانا مرحوم نے اپنے والد ماجد میر سید شاہ مصطفیٰ اندرابی سے روحانی تربیت حاصل کی، سلسلہ قادریہ میں ان ہی سے بیعت ہوئے اور ان ہی کے خلفاء میں سے تھے۔ سلسلہ قادریہ کے علاوہ سلسلہ کبرویہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں بھی اپنے ہی شیخ بزرگوار سے مستفید تھے۔

آپ نے مولانا اشرف علی تھانوی سے بھی سلسلہ چشتیہ میں استفادہ کیا مگر ہر دو بزرگوں نے پہلی ہی بیعت و خلافت کو کافی سمجھا اور تجدید کی ضرورت پر اتفاق نہ کیا۔

علالت و وفات :۔ تقریباً چار سال تک بلڈ پریشر اور ذیابیطس کے عارضے سے صاحب فراش رہ کر ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۷ جولائی ۱۹۷۳ء

(۱۳) ہمارا ادب، شاہ میر نمبر ۱۹۷۷ء، سرینگر جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز، ج ۲، ص ۲۳۵ تا ۲۳۷۔

(۱۴) انٹرویو رشید احمد اندرابی، خلف مولانا میرک شاہ اندرابی، ۲۳ فروری ۱۹۸۹ء جمعرات بمقام ۴۱ بی۔ ماڈل ٹاؤن لاہور۔

(۱۵) انظر شاہ، مولانا، سید، مسعودی : تذکرۃ الاعزاز، طبع اول ۱۹۵۳ء، شاہ جنرل دیوبند [انڈیا]۔ ص ۹۰، ۹۱۔

وہ جوشب راہی ملک بقا ہوئے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ حضرت مولانا بہاء الحق قاسمی کشمیری نے نماز جنازہ پڑھائی ، مرکزی و صوبائی وزراء کے علاوہ بہت سے اہل علم نے جنازہ میں شرکت کی ۔ لاہور ریڈیو نے جنازے پر رواں تبصرہ نشر کیا ۔ ماڈل ٹاؤن لاہور کے وسیع قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا ۔

خواجہ محمد امین داراب نے سال ولادت و وفات اور عمر گرامی کی نشاندہی ایک ہی شعر میں کی : ۔

۱۳۰۶ھ　　۱۳۹۲ھ

خاص خدائے زادہ و مردہ چراغ بزم علم

زلیست وفاتہ شد بریں ختم حیاتِ مستعار ۸۷ھ (۱۶)

مولانا میرک شاہ کا علم و فضل اور تصنیفی خدمات زبان اُردو

xxx

مولانا دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ممتاز علماء میں سے تھے ۔ مولانا مرحوم منقسم و غیر منقسم ہندوستان میں بہت سے علمی اداروں کے اندر ممتاز مناصب پر کام کرتے رہے ۔ آپ نے اصلاحی ، تدریسی ، تبلیغی ، سیاسی اور علمی میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے آپ کے ان کارناموں سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی شخصیت میں سیمابیت کی خاصیت تھی ۔ آپ کی زندگی متحرک اور کردار فعال رہا ۔ آپ نے زندگی کے جس شعبہ میں جہاں خامی دیکھی وہیں اُس کا تدارک کیا ۔ جہاں کہیں اسلام سے روگردانی کا پہلو نظر آیا ، فوراً اُس کا محاسبہ کیا ۔ آپ کے عمل کی بُنیاد قرآن و سُنت پر تھی ، جو لکھا ، جو عمل کیا ، جو تبلیغ کی اُس کی بُنیاد بھی قرآن و سُنت پر استوار کیں ۔

مولانا کی دینی ، اصلاحی ، تبلیغی اور سیاسی خدمات کا تذکرہ ماقبل سطور میں آچکا ہے ۔ یہاں پر ہم مولانا کی علمی خدمات اور اُن کے قلمی کارناموں کا ذکر کریں گے ۔ مولانا کی تصانیف کے اندر ہمیں ایک تحقیقی شان نظر آتی ہے ۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں ، اُسے قرآن ، حدیث ، فقہا و محدثین کے تحقیقی حوالوں کے ساتھ مضبوط بُنیادوں اور استدلال کے ساتھ پایۂ ثبوت تک پہنچاتے ہیں ۔

مولانا میرک شاہ کی تصانیف : ۔

راقم الحروف بسلسلہ تحقیق مولانا میرک شاہ تلمیذ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری ، مولانا میرک شاہ کے فرزند سید رشید احمد اندرابی ، ڈپٹی ڈائریکٹر لیبر ویلفیئر حکومت پنجاب کی رہائش گاہ ۷۱ ۔ بی ۔ ماڈل ٹاؤن لاہور پر مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۸۹ء سے ۲۵ فروری ۱۹۸۹ء تک مولانا مرحوم کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف و دستاویزات کے مطالعہ میں مصروف رہا ۔ مولانا کے ریکارڈ سے ایک فہرست تصنیفات دستیاب ہوئی جو مولانا نے ایک سوالنامے کے جواب میں (جو ۱۷ جنوری ۱۹۵۱ء کو اُن سے کیئے گئے) بدست خود تحریر کی ہے ۔ جس میں بذیل کتب کا جو کیفیت اندراج ہے

(۱۶) ہمارا ادب ، مشاہیر نمبر : ۱۹۷۷ء-۷۸ء ، سرینگر جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز ، ج ۲ ، ص ۲۲۲ ، ۲۴۰ ۔

اس کے صفحہ نمبر ۲ پر "تحقیقی کام کی رپورٹ" (بقیہ) کے الفاظ تحریر ہیں اور صفحہ اول پر بذیل الفاظ تحریر ہیں "میرا طبعی رجحان تحقیق و تصانیف کی طرف زیادہ ہے۔ اگرچہ ملک کے مذاق نے مجھ سے یہ کام کما حقہ نہیں لیا۔" تاہم کمال بے سروسامانی کی حالت میں حسب ذیل کام کر چکا ہوں۔

(۱) (۱) ترجمہ اسفار اربعہ (تمام)، فن فلسفہ، زبان اُردو میں، اصل کتاب عربی میں ہے۔ سارے ہندوستان میں اس کو حل کرنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے لیے میں نے اس کا ترجمہ کیا جو چھپ چکا ہے۔ (۲) شرح موطا امام مالک، فن حدیث، عربی زبان میں۔ (۳) عقیدۃ المحدثین فی حیاۃ النبیین، فن حدیث، اُردو میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ (۴) شرح سبعہ معلقہ، فن ادب، زبان عربی میں، ایسی شرح اس کتاب کی نہیں دیکھی گئی ہے۔ (۵) شرح مسلم، فن معقول، اُردو زبان میں۔ (۶) ترجمہ اکفار الملحدین، فن کلام اُردو زبان میں۔ (۷) نفع القاری ومسائع فی اختصاص الجمعہ بالمصر الجامع، فن فقہ، اُردو زبان میں، مبسوط ہے اور المتقدمین کے اقوال کی اصلیت نمودار کر دی گئی ہے اور حیرانی کو رفع کیا گیا ہے۔ (۸) آحسن المنہج فی حل مالا یسع، فن فقہ، اُردو زبان میں، معراج کی تفصیل سمجھنے میں جو پریشانی فقیہ اور مفتی کو ہوتی ہے اس کا بہترین اور واقعی حل۔ (۹) حاشیہ محیط الدائرہ، فن عروض، عربی زبان میں، اس میں صرف تحریر ہی نہیں بلکہ فن کے رموز سے بھی بحثیں کی گئی ہیں۔ (۱۰) رسالہ در تحقیق تعدد جمعہ، فن فقہ، اُردو زبان میں۔ (۱۱) رسالہ احکام اللہ رفتہ بخوشتہ فن فقہ، عربی زبان میں، بلاد عرب سے آمدہ ایک سوال کا جواب۔ (۱۲) رسالہ حرص الکافرین در تحقیق کرمہ، فن حدیث، عربی زبان میں۔ (۱۳) رسالہ در حکم ساب انبیاء، فن فقہ، عربی زبان میں۔ (۱۴) کشف الاسرار، فن تصوف، اُردو زبان میں۔ (۱۵) لغات جدیدہ (عربی)، فن لغت، اُردو سے عربی۔ (۱۶) رسالہ در تحقیق تناسخ، فن کلام، اُردو زبان میں۔ (۱۷) رسالہ در رد تثلیث، فن کلام، اُردو زبان میں۔ (۱۸) رسالہ در حکم ساعۃ الطلاق، فن فقہ، اُردو زبان میں۔ (۱۹) شرح چہل کاف، فن ادب اُردو زبان میں۔ (۲۰) رسالہ در تحقیق تلفظ ضاد، فن تجوید، اُردو زبان میں۔ (۲۱) شرح قصیدہ بانت سعاد، فن ادب، فارسی زبان میں۔ (۲۲) شرح قصیدہ موشی، فن ادب فارسی زبان میں۔ (۲۳) رسالہ در حکم مفقود، فن فقہ، زبان اُردو میں، مفقود کے بارہ میں ایک پیچیدہ مسئلہ کا فقہی حل دارالعلوم دیوبند کے دار الفتویٰ میں کام کرنے کے ایام سن میں لکھا۔ ہندوستان بھر میں اس سے قبل اس پر کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا۔ ہاں اس کے بعد راستہ کھل گیا۔ (۲۴) رسالہ در تنقید رسالہ محجوب الارث، فن فقہ، اُردو زبان میں، پوتے کی وراثت کے مسئلہ کا فقہی حل۔ (۲۵) بے شمار فتاوی تحقیقی شان کے ساتھ مختلف مسائل و مباحث پر، فقہ و دیگر فنون کے متعلق، اُردو، عربی، فارسی زبان میں۔ (۲۶) قصائد و غزل، عربی و فارسی میں کثرت سے، اُردو میں شاذ و نادر۔ (۲۷) مقالات و مضامین جو ماہانہ رسائل وغیرہ میں شائع ہوئے یا ہوتے ہیں، جو عموماً مذہبی ہوتے ہیں۔ مختلف موضوعات و مختلف زبانوں میں۔ (۲۸) تفسیر قرآن کریم، فن تفسیر، اُردو زبان میں۔ (۲۹) ترجمہ قرآن، فن تفسیر، کشمیری زبان میں (۳۰) ترجمہ کشف الاسرار، فن تصوف، فارسی زبان میں۔ (۳۱) رسالہ منزل السعداء، فن فقہ، اُردو زبان میں۔ (۳۲) رسالہ انعام حیدر

فن فقہ، اُردو زبان میں ۔ (۳۳) ۔ قربانی ، فن فقہ و حدیث ، زبان اُردو میں، اس رسالہ میں اُن شکوک کا جواب دیا گیا ہے جن کا ماحصل ذبح قربانی کو بند کرانا تھا۔ (۳۴) ۔ فوائد القرآن ، فن تفسیر ، اُردو زبان میں ، قرآن پاک کی ہر آیت کا مختصر حل ۔ (۳۵) ۔ علم الحروف ، فن فقہ ، اُردو زبان میں ، علمی رنگ میں اس فن کے طُرق بیان کئے گئے ہیں ۔

سوال نامے میں مولانا کو دیگر مشاغل بالخصوص اورئینٹل کالج سے متعلق معروفیات بھی دریافت کی گئی ہیں ۔ اصل سوالنامہ تو نہ مل سکا ۔ مگر مولانا کے جواب میں سوالنامے کے ذکر کے ساتھ بالا فہرست اور درج ذیل تصریحات درج ہیں اور صفحہ ثانی کی پیشانی پر تحقیقی رپورٹ (بقیہ) کے الفاظ درج ہیں ۔

۲۔ سبقوں کی کارکردگی :۔

اورئینٹل کالج میں منشی عالم کلاس میرے سپرد ہے ، خدا کے فضل سے نتیجے خاصے رہتے ہیں ۔ گزشتہ سال ۹۰٪ کے حساب سے میری کلاس کامیاب رہی اور فسٹ سکینڈ بھی ساری یونیورسٹی میں میری کلاس کا طالبعلم رہا ، اس سے قبل بھی میری کلاس ۸۰٪ کامیاب رہی اور اچھے نمبروں میں ۔

۳۔ ٹائم ٹیبل ہمراہ ہے ۔ (صفحہ کے درمیان لکھ کر ٹائم ٹیبل درج نہیں کیا گیا ۔ (راقم محقق) ۔ (۱۷)

مولانا احمد رضا بجنوری رقمطراز ہیں :۔

" مولانا سید میرک شاہ صاحب کشمیری سابق اُستاد دارالعلوم دیوبند و تبلیغ کالج کرنال و پروفیسر اورئینٹل کالج لاہور ، حال شیخ الحدیث جامعہ مدینہ لاہور ، جلیل القدر محدث ، مفسر محقق متبحر اور عربی زبان کے بلند پایہ ادیب ہیں ۔ " (۱۸)

مولانا میرک شاہ اندرابی کو انور شاہ ثانی کہا جاتا تھا ۔ اُن میں بھی وہی ذہانت ، وہی زہد اور وہی سنجیدگی تھی۔[۱۹]

اورئینٹل کالج میگزین (لاہور) کی سالانہ روئیداد ۵۵-۱۹۵۴ء و ۵۶-۱۹۵۵ء و شمارہ اگست ۱۹۵۷ء و سالانہ روئیداد ۱۹۵۸ء میں مولانا کا نام سٹاف کے ساتھ درج ہے ۔ جس کے ساتھ منشی فاضل ، فاضل دیوبند ، اُستاد فارسی بھی مرقوم ہے ۔ (۲۰)

---

(۱۷) تحقیق راقم ۔ محولہ بالا رپورٹ جو دو صفحات پر مشتمل ہے کی عکسی نقل راقم کے پاس موجود ہے ۔

(۱۸) احمد رضا ، سید ، بجنوری : انوار الباری ، شرح اُردو صحیح البخاری ، دیوبند ، مکتبہ ناشر العلوم ، ۱۹۶۲ء ، حصہ دوم ، ص ۲۵۶ ۔

(۱۹) مولانا محمد تحسین ، مجلس علمی ٹاور کراچی ملاقات مورخہ مارچ ۱۹۸۹ء ۔

(۲۰) اورئینٹل کالج میگزین سالانہ روئیداد ، ۵۵-۱۹۵۴ء ضمیمہ ص ۲۹ ، ۵۶-۱۹۵۵ء ، ضمیمہ ص ۱۷ شمارہ اگست ۱۹۵۷ء و سالانہ روئیداد ۱۹۵۸ء

مولانا مرحوم نے اپنے تحقیقی کام کے سلسلہ میں جو فہرست مرتب کی ہے۔ اُن میں سے بیشتر کتب دستیاب نہیں ہیں۔ کچھ مطبوعہ مسودات اُن کے صاحبزادے سید رشید احمد اندرابی بی۔ ۲۱ ماڈل ٹاؤن لاہور کے پاس ہیں۔ اُردو زبان میں اُن کی بذیل مطبوعہ کتب و رسائل راقم محقق کو دستیاب ہوئے۔

۱۔ عقیدۃ المحدثین علی حیٰوۃ النبیین :۔

یہ ۱۱۶ صفحات کی کتاب ہے۔ ناشر: کتب خانہ پنجاب لاہور، ۲۶ بیرون لوہاری دروازہ لاہور۔ سن ندارد۔ اس کتاب میں محدثین کا یہ عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ دنیوی موت کے بعد انبیاء کرام کی روح لوٹادی جاتی ہے اور وہ روح مع الجسد حیات ہیں۔ اس عقیدہ کو قرآن، احادیث اور اقوال محدثین سے ثابت کیا گیا ہے۔

۲۔ احکام عید الفطر :۔

صفحات ۲۲۔ ناشر، نشاط پریس سرینگر، بسلسلہ اشاعت انجمن تبلیغ اسلام کشمیر۔ ۳۱ جولائی ۱۹۴۷ء تاریخ ترتیب۔ اس رسالہ میں عید الفطر کے مسائل، فطرانہ، نماز عید سے متعلقہ مسائل بڑے محققانہ انداز میں مفصل بیان کئے گئے ہیں۔

۳۔ ذابح اور ذبیحہ سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر :۔

صفحات ۲۹ : صفحہ ۲۹ پر اغلاط نامہ بھی شامل ہے۔ اس کے مرتب کیپٹن عبد الخالق تمغہ پاکستان، پرنسپل کالج آف اینمل ہسبینڈری لاہور، حضرت مولانا میرک شاہ صاحب اندرابی سابق صدر اوقاف بورڈ پاکستان پنجاب۔ سن طباعت ندارد۔ اس رسالہ میں ذابح اور ذبیحہ سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر انتہائی محققانہ طور پر سائنسی انداز میں پیش کیا گیا ہے اور دیگر اہل مذاہب جس طرح جانوروں کو ذبح کرتے یا مارتے یا جھٹکا کرتے ہیں کا سائنسی موازنہ پیش کیا گیا ہے۔

۴۔ تحریک انسداد ذبیحہ :۔

آٹھ صفحات کا پمفلٹ ہے۔ ناشر اور سن کا ذکر نہیں۔ راقم محقق نے عکسی نقل حاصل کی ہے۔ یہ رسالہ ہندوؤں کی تحریک انسداد ذبیحہ (بالخصوص گائے کا ذبح کرنا) کے جواب میں تحریر کیا گیا ہے۔ اسلام میں ذبیحہ قربانی واجب ہے، اس کا منکر فاسق ہے۔ قربانی کا عہد نبوی سے توارث و تواتر عملی سے امت میں جاری رہنا، اس کے واجب ہونے کی بین دلیل ہے۔

۵۔ القول الحق فی ضابطہ النظم و نسق :۔

آٹھ صفحات پر مشتمل پمفلٹ ہے۔ جس کے ناشر، (ادارہ) تحریک جانثاران اسلام لاہور۔ پاک ہند پریس لاہور، سن ندارد۔ یہ مولانا احتشام الحق تھانوی کے ٹریکٹ "رد اسلامی مملکت کے بنیادی اصول" کے نام سے ۳۱ علماء نے جو ۲۲ اصول وضع کئے تھے۔ اس کے

بارہ میں حکم شرعی کی روشنی میں فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ شریعت اسلامی میں قانون ساز اسمبلی کی اجازت ہی نہیں ہے۔ قانون سازی کا حق اللہ تعالیٰ نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ اسی لیے آپؐ کو شارع علیہ السلام کہا جاتا ہے۔ اگر قانون سازی کی ضرورت باقی ہے تو پھر ختم نبوت کا عقیدہ متاثر ہو جاتا ہے۔ اسلام میں کسی دور میں قانون سازی کی نہ ضرورت محسوس ہوئی نہ ہی قانون سازی کی گئی۔ مجلس قانون ساز انگریزوں کا فرقانہ ایجاد ہے۔

۶۔ قربانی اور اسلام :۔

صفحات ۱۶۔ پیشانی پر "جمعیۃ العلمائے کشمیر، جموں و چونچھو کا پہلا تبلیغی نمبر" مرقوم ہے۔ منجانب مرزا فیاض الدین گورگانی دہلوی ملنے کا پتہ خواجہ محمد طفیل صاحب "تمباکو ہاؤس والے" موچی گیٹ لاہور۔ سن ندارد۔ اُردو میں قربانی کے دو معنی ہیں ایک وہ جسے عربی میں ھدیٰ کہتے ہیں یہ حرم سے مخصوص ہے، دوم وہ جسے عربی میں اضحیہ کہتے ہیں اور ذبیحہ کے ایام نحر کے ساتھ مخصوص ہے۔ قربانی جانور کے ذبح کرنے سے ہی ادا ہو سکتی ہے۔ مکہ معظمہ جانور بھیجنے یا قیمت ادا کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل بحث کی گئی ہے۔

۷۔ سبیل الصواب فی ابلاغ الصوت والخطاب

عنوان بالا سے ایک درمیانہ سائز کی کاپی پر گیارہ صفحات کا مسودہ ہے، جس کی ابتداء میں تاریخ $\frac{۹}{۵۵}$ ۳ ہے اور آخر پر مؤلف نے اپنے دستخطوں کے ساتھ شوال ۱۳۵۵ھ کی تاریخ درج کی ہے۔ مسودے میں کانٹ چھانٹ ہے۔ یہ تحقیق بسلسلہ آلات مکبر الصوت ہے یہ مسودہ غالباً اس وقت لکھا گیا جبکہ عید کے موقع پر عیدگاہ میں لوگوں نے بوجہ اختلاف کئی جماعتیں کیں۔ مولانا پہلے ہی صفحہ پر رقمطراز ہیں :۔

"نوٹ" "میری نیت صرف حکم شرعی کا اظہار ہے، کسی پارٹی کی حمایت یا کسی پارٹی کی مخالفت پر اس کو محمول نہ کیا جائے۔ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ بِالصَّوَابِ الصَّرۡوۡدَۃ"

پھر اس مسودہ میں آلہ مکبر الصوت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کے بلند آواز ہونے کی بنا پر مؤذن مقرر کیے جانے کی بنا پر استدلال کرکے اذان کے لیے تو اس کے استعمال کی اجازت ہو سکتی لیکن خطبہ اور قرأت میں نہیں۔

اسی کاپی پر دوسری طرف اُلٹے رُخ تین صفحات پر مشتمل ایک فتوے کا جواب، متفرقات اور جمعہ کی نماز کے سلسلہ میں شہر اور دیہات کے متعلق فتویٰ اور کچھ عبارات ہیں۔ ساتھ ہی تحریر ہے کہ "یہ فتویٰ اور جواب "الہلال" میں چھپا ہے۔ لیکن حوالہ ندارد۔

۸۔ تبلیغ کی ضرورت :۔

اس عنوان سے ایک مسودہ دستیاب ہوا جو درمیانہ سائز کاپی کے ۲۵ صفحات پر مشتمل ہے اور کالی سیاہی سے تحریر کیا گیا ہے۔ جگہ جگہ کانٹ چھانٹ ہے۔ آغاز اس حدیث پاک سے کیا گیا ہے "کہیدو، یہ میرا طریقہ، بلاؤں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ میں بھی اور میرے

ابتاع بھی"۔ پھر اسی موضوع پر متعدد احادیث درج کی گئی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونہ پر بحث کی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموش تبلیغ، کھلم کھلا تبلیغ، مسلمانوں کی مشکلات اور اُن پر مصائب کا تذکرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے زمانۂ نبوت کے سلسلہ تبلیغ واقعات احادیث کے حوالوں کے ساتھ درج کیے ہیں اور لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع فرمان دینی مسلمان ہو سکتا ہے جس کی فطرت میں تبلیغ دین اور اسلام کا پرچار کرنا بنیادی امور کی طرح داخل ہو چکا ہو۔

۱۔ اسد صاحب کے دستور اسلامی پر ایک طائرانہ نظر:۔ (مذہب کے خلاف ایک نیا فتنہ)

یہ تحریر ایک بڑے سائز کے ایک رجسٹر کے ساڑھے اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں تقریباً تیس سطور ہیں۔ کافی سیاسی سے گنجان عبارت میں تحریر ہے۔ اصل مسودہ جناب رشید احمد اندرابی ۲۱۔ بی۔ ماڈل ٹاؤن لاہور کے پاس ہے۔ راقم نے عکسی نقل حاصل کی ہے۔ مضمون کے ابتداء میں مولانا رقمطراز ہیں:۔

> "ایک رسالہ مسمی بہ "اصول دستور اسلامی" از جناب اسد ناظم محکمہ احیاء ملت اسلامیہ حکومت مغربی پنجاب، منقول در عرفات بابت ماہ مارچ ۱۹۴۸ء نظر سے گزرا۔ اس میں اسلام اور سلطنت اسلامی اور اس کے شرعی دستور العمل پر بحث کی گئی ہے اور کوئی شک نہیں کہ جناب محمد اسد نے بڑی محنت و عرق ریزی سے کام لیا ہے لیکن وہ اصل مقصد میں بجائے کامیاب ہونے کے اور بجائے اس کے سلسلہ شریعت اسلامیہ سے ان کا بیان قریب ہو جاتا اس سے کہیں دور ہو گئے ہیں۔"

محولہ بالا حوالہ سے صاحب مسودہ کا مدعائے تحریر ظاہر ہو گیا ہے۔ مسودہ غیر مرتب کانٹ چھانٹ سے مملو خام حالت میں ہے، تاہم اس کے مندرجات پر مختصر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

اسد صاحب اصل میں جرمنی کے باشندے ہیں۔ قدیم الاسلام نہیں۔ پیدائش غیر مسلم گھرانے میں ہوئی۔ چند سال ہوئے اسلام قبول کیا۔ عرب ممالک میں کافی عرصہ رہے، عربی زبان وگرامر جانتے ہیں۔ بخاری شریف کی شرح لکھی اور اس کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ یہ سب اُن کی ذاتی کوشش و کاوش کا نتیجہ ہے۔ لیکن نہ تو انہیں ایک مسلمان گھرانے کی مسلمانانہ پرورش و تربیت حاصل رہی اور نہ ہی کسی دارالعلوم سے دینی علوم سیکھے۔ حکومت پاکستان نے انہیں ایک نیا محکمہ "احیاء ملت اسلامیہ" کھڑا کر کے اس کا ناظم بنا دیا۔ انہوں نے احیائے ملت کا کام شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں اُن کی تحریروں میں مولانا کو جو مغالطے نظر آئے اُن کی نشاندہی کی۔ مثلاً

۱۔ انہوں نے آغاز بسم اللہ کرنے کو ترک کر دیا اور ایسا غیر دانستہ ہوا۔ بسم اللہ کی عظمت سُنت اور شعائر اسلامی کے راسخ نہ ہونے کی بنا پر ایسا ہوا۔

۲۔ اسد صاحب نے لکھا کہ "پچھلی چند صدیوں میں اسلامی ریاست کی بنا پر بحث کرنا محض ایک علمی مشغلہ ہو سکتا ہے" اس سے دنیا بھر میں پچھلی چند صدیوں پانچ چھ سو سالوں میں اسلامی ریاست کی نفی کر دی حالانکہ دنیا بھر اسلامی ریاستیں کسی نہ کسی رنگ میں موجود تھیں۔

۳۔ اسد صاحب نے اپنے رسالے میں جن خیالات کا اظہار بسلسلہ دستور اسلامی کیا ہے۔ اس میں بعض ایسے مشکوک جملے ہیں جن کی بنا پر مولانا نے اُن تصریحات کا موازنہ سر سید احمد خان کی تصریحات سے کیا ہے۔ تاہم اسد صاحب کے جذبۂ خلوص کو تسلیم کیا ہے۔

۲۔ جہاد :۔ اس عنوان کے بذیل مسودے دستیاب ہوئے۔

(ا) جہاد نمبر ۲۔ نصرت المجاہدین۔ یہ کاپی سائز کے ۲۰ صفحات پر سیاہی سے دستی لکھا ہوا مسودہ ہے۔ (ب) جہاد نمبر ۲۔ مودودی کا مسکت جواب۔ یہ کاپی سائز کے آٹھ صفحات پر سیاہی سے دستی لکھا ہوا مسودہ ہے۔ (ج) جہاد نمبر ۳۔ جنگ ہند۔ یہ کاپی سائز کے آٹھ صفحات پر سیاہی سے دستی لکھا ہوا مسودہ ہے۔ (د) جہاد نمبر ۴۔ "نار سے نجات" کاپی سائز کے آٹھ صفحات پر سیاہی سے دستی لکھا ہوا مسودہ ہے۔ جہاد نمبر ۱۔ نادر۔ جہاد نمبر ۲ کا عنوان دو مسودوں پر ہے۔ سب مسودے مولانا مرحوم کے خود دستی لکھے ہوئے ہیں۔ اصل مسودات جناب رشید احمد اندرابی ۲۱۔ بی۔ ماڈل ٹاؤن لاہور کے پاس ہیں۔ جبکہ راقم نے عکسی نقول حاصل کی ہیں۔ مسودات میں ترتیب اور کانٹ چھانٹ سے مملو ہیں۔ ہر مسودہ پر مختصر تبصرہ درج ذیل ہے۔

جہاد نمبر ۲:۔

جموں، پونچھ وغیرہ میں مسلم رعایا کی جان، مال آبرو پر ہاتھ ڈالا گیا۔ ڈوگرہ فوج و پولیس نے مہاراجہ کے ایما پر ایسا کیا جبکہ مظلوم رعایا کے ایک گروہ نے تنظیم کر کے مقابلہ کیا اور کامیابی حاصل کرنے لگے۔ سلطنت ہند نے ڈوگرہ راج کی اعانت کے لیے فوج بھیجی، دوسری طرف مجاہدین کی آزادی کی امداد کے لیے قبائلی اور پاکستانی پہنچ گئے۔ مگر پاکستانی مسلمانوں کے لیے ایک روشن خیال صاحب قلم نے اعلان کیا کہ پاکستانی مسلمانوں کا مجاہدین کی مدد کرنا پاکستان کا فوجی امداد کرنا شرعاً نا جائز ہے۔ کیونکہ ہندو پاکستان کے باہمی معاہدے اور سفیر موجود ہیں۔

اس رسالہ میں چند سوالوں میں یہی مسئلہ صاف کیا گیا ہے۔

سوال :۔ کشمیر کے جنگ کے فریقین، اسباب جنگ اور ہندوستان کا کشمیر کے ساتھ کیا تعلق ہے۔؟

جواب :۔ مہاراجہ کشمیر فریق جنگ ہے۔ ہندوستان نے اس کی فوج اور اسلحہ سے مدد کی۔ باہر سے بلائے گئے ہندو اور سکھ مسلح کیے گئے۔ جموں کے مسلمانوں کے قتل عام، معصوم بچوں کی ہلاکت اور مستورات کا اغواء۔ جنگ کا دوسرا فریق وہ گروہ ہے جس کا امیر سردار محمد ابراہیم ہے۔ کشمیر اور پاکستان کے ۱۵ اگست کے معاہدے، جس کی بنا پر ڈاک و تار کا نظام حکومت پاکستان کے قبضہ میں دیا گیا تھا کی پرواہ نہ کی گئی اور پاکستانی پرچم اتار کر ہندو یونین کے جھنڈے لگائے گئے اور پاکستان کے ساتھ کوئی بات چیت نہ کی گئی۔ پاکستان نے اسے جارحیت

قرار دیا۔ ہندوستان حملہ آور ہے۔ (اخبارات زمیندار و انقلاب بابت اگست ستمبر ۱۹۴۷ء تا ستمبر ۱۹۴۸ء)

سوال :۔ کیا یہ جنگ شرعی جہاد ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ اوپر کی صورت کو درست تسلیم کرنے کی صورت میں یہ جنگ شریعت کے صریح احکام کے مطابق جہاد ہے جو ظالمانہ حملہ کے دفاع میں شروع کی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کی اجازت اس وقت ملی جب ان پر ظالمانہ یورش اور جارحانہ جنگ کی گئی۔ (بحوالہ آزاد آواز ترارکھل بابت اگست ۱۹۴۷ء ص ۱۶۰،۱) ظلم و ستم کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا جانے والا شہید ہے۔ (نسائی) ظالم کی تخصیص نہیں۔

سوال :۔ کیا آزاد کشمیر گورنمنٹ کو اولی الامر منکم کے مصداق مانا جا سکتا ہے ؟

جواب :۔ ایک سال گزر گیا ہے سردار محمد ابراہیم کی امارت میں آزاد فوج کا جنگ میں پلہ بھاری ہے۔ حکومت روز افزوں ترقی پر ہے۔ آزاد فوج کی تعداد ڈوگرہ فوج (بحالت امن) سے دگنی ہے۔ (بحوالہ بیان علی احمد شاہ وزیر دفاع آزاد کشمیر مورخہ ۱۹ - ۷ - ۴۸ ۱۹ء) علاوہ ازیں قبائلی اور نواحی علاقوں کے رضا کار بھی آزاد کشمیر فوج کے معاون ہیں۔ جگہ جگہ فتوحات ہو رہی ہیں۔ یہ حکومت اور فوج جہاد کی اہل اور شرائط کی حامل ہیں۔ آزاد حکومت کے امیر سردار ابراہیم ایک تعلیم یافتہ انگریزی خواں ہے۔ جس پر غداری یا نیت یا اس قسم کے ارتدادی کا کوئی الزام نہیں۔ اس لیے جہاد کی قیادت کا اہل ہو سکتا ہے۔

سوال :۔ پاکستان کی اس جنگ میں کیا پوزیشن ہے ؟

جواب :۔ حکومت پاکستان اور ڈوگرہ حکومت کے درمیان سابقہ معاہدہ، محکمہ ڈاک و تار پر پاکستانی پرچم لہرائے جانے کے بعد، ہند کے ساتھ الحاق کو پاکستان نے ناجائز قرار دیا۔ لیکن حملہ نہ کیا۔ آزاد کشمیر کی افواج جنگ نے زور پکڑا۔ سلامتی کونسل کی طرف ہندوستان نے رجوع کیا۔ پاکستان نے آزاد کشمیر کی فوجوں مجاہدین کے ساتھ ہمدردی کو تسلیم کیا۔ پاکستان کی فوج آزاد کشمیر کے اندر بھی اپنی ہی سرحدوں کی حفاظت کر رہی ہے۔ لیکن جنگ بندی کی ذمہ داری لینے کے لیے حکومت آزاد کشمیر ہی کو پیش کیا۔ پاکستان نے اپنی جدوجہد کو قانونی سرگرمیوں تک محدود رکھا۔ حکومت پاکستان کی حیثیت ایک مشیر کی سی ہے۔

سوال :۔ کیا پاکستان جنگ کا فریق اپنے آپ کو قرار نہیں دیتا تو پاکستانی عوام کو شرعاً جائز ہے کہ وہ اس جنگ میں حصہ لینے کے لیے آزاد کشمیر کے علاقے میں جائیں جیسا کہ رضاکارانہ طور پر جانے والے کیا کرتے ہیں یا خود پاکستان کو جائز ہے کہ ان کی مدد کرے ؟

جواب :۔ بصورت موجودہ پاکستانی عوام کے لیے آزاد فوج کی مدد شروع ہے۔ بقول مجاہدین ڈوگرہ حکومت نے مسلمانوں کا قتل عام کیا، ان کی عزت اور ننگ و ناموس پر حملہ کیا اور ان کو بے گھر کر دیا۔ اس طرح ان مظلوموں جن کی منظم صورت آزاد فوج ہے کی مدد صرف پاکستانی عوام بلکہ حکومت کے لیے بھی ممنوع نہیں بلکہ مشروع ہے اور قدرت رکھتے ہوئے مدد نہ کرنا موجب معصیت ہے۔ ابوداؤد کی اس حدیث کا حوالہ

دیا ہے کہ "جو مسلمان کسی مسلمان کی مدد کرنا ایسے موقع پر ترک کرے کہ جس میں اس کی پردہ دری کی جاتی ہو اور اسے بے آبرو کردیا جاتا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کی اعانت کرنا اُسی جگہ میں ترک کر دے گا جہاں کہ وہ اعانت کی محبت اور خواہش رکھتا ہو"۔ اسی طرح جو شخص اس مدد سے روکتا ہے وہ بھی گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔

سوال :- انگریزی عہد کی پیداوار میں سے ایک روشن خیال مفکر اور خود رائی صاحب علم نے فرمایا کہ ہند اور پاکستان ہم عہد ہیں۔ اس لیے ہم آزاد کشمیر کے مسلمانوں کی جنگی حمایت میں انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔ (حوالہ: تنظیم ۶ جولائی ۱۹۴۸ء بحوالہ ترجمان القرآن)

جواب :- ہند و پاکستان کے مابین جنگ نہ کرنے کا کوئی معاہدہ نہیں۔ آزادی ہند کے لیے روز اول ہی سے حکومت ہند نے اپنی مسلم رعایا کو مار بھگایا۔ پاکستان جانے والے قافلوں پر حملے ہوئے۔ پاکستان جانے والا سرکاری ورقوم روک لیں۔ حکومت کشمیر کو ہند کے ساتھ الحاق کے لیے دباؤ ڈالا اور پاکستان کو ہر ممکن نقصان پہنچانے کی ناپاک سعی کی۔ شہرت کے لیے حیدرآباد کی چھوٹی سی ریاست کو کمزور خیال کرکے دُنیا کی چوتھی طاقت کا چار جگہ سے اس پر بزدلانہ حملہ اور شرمناک حملہ کرنا اور رضاکاروں کا قتل عام کرنا کافی ہے۔ اس سوال کے جواب میں مولانا نے بارہ صفحات پر مشتمل طویل جواب لکھا ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ پاکستان عوام کی انفرادی اور اجتماعی طور پر آزاد مجاہدین کی معاونت میں کوئی شرعی امر مانع نہیں ہے بلکہ ضروری ہے۔

جہاد نمبر ۲۔ مودودی کا مُسکِت جواب :-

یہ بھی مولانا بالا ہی مسودہ کی سوال و جواب کی نوعیت کا مسودہ ہے۔ اس میں مودودی صاحب کا مکمل کر تذکرہ آیا ہے۔ جب کہ گزشتہ مسودہ میں اشاروں و کنایوں سے کام لیا گیا ہے۔ جنگ آزادی کشمیر کے پونچھ کی سرزمین سے شروع ہونے پر سردار محمد ابراہیم کو اپنا امیر منتخب ہونے سے آغاز کیا گیا ہے۔ بقیہ مضمون کسی قدر ترمیم و اضافہ کے ساتھ وہی ہے جو پہلے جہاد نمبر ۲ میں ہے۔

جہاد نمبر ۳۔ جنگ ہند : صحیح حدیث میں ہے کیا آزاد کشمیر کی بشارت حدیث میں وارد ہوئی ہے؟

ہمارے مجاہدین کو مژدہ، ہمارے مجاہدین کا رتبہ کے جملے لکھنے کے بعد صحابہ بدر کے مرتبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض اُوقات بعض کام بے تکرار طور پر ہو رہے ہیں اور موقع شناس فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ پھر صحاح ستہ کی مشہور کتاب سنن نسائی کی یہ حدیث درج ہے۔

"حضرت ابوہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں جنگ ہند میں شریک ہونے والوں کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ اس میں شہید ہونے والے دوسرے شہیدوں سے زیادہ بہتر ہوں گے اور جو غازی اس جنگ میں شریک ہونے کے بعد سلامت واپس آئیں گے تو وہ محرر ہوں گے"

محرر کا مطلب اس جگہ یہ ہے کہ جنگ ہند میں شریک ہونے والوں کو آزادی کی بشارت سے نوازا گیا ہے۔ پس جو غازی زندہ واپس آ

جائے گا اس بشارت کا تحفہ بھی ساتھ لائے گا۔ اس حدیث میں جنگ ہند کی کوئی تاریخ مذکور نہیں۔

مولانا لکھتے ہیں کہ تقسیم ہند کے بعد پاکستان اور ہندوستان بن گئے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں پر مظالم توڑے، کشمیر، کپورتھلہ، پونچھ، حیدرآباد کا ذکر کرکے کشمیر کے مدافعانہ جنگ کا ذکر کیا ہے اور کفر اور اسلام کے درمیان کشمیر کے محاذ جنگ کو اس حدیث کے مصداق قرار دیتے ہوئے پھر حدیث کا حوالہ ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنگ ہند کا وعدہ فرمایا ہے پس اگر میں اس جنگ کو پاؤں گا تو (مقتول ہو جانے کی صورت میں) دوسرے شہیدوں سے بہتر شہید ہوں گا اور اگر صحیح و سالم واپس آجاؤں گا تب بھی وہ ابوہریرہؓ ہونگا جسے محرر یعنی آزاد کا لقب مل گیا ہوگا" گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خبر دی تھی کہ میری امت کو جنگ ہند لڑنی ہوگی۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ کب ہوگی۔ اس لیے صحابہ کو اس میں شریک ہونے کی آرزو تھی اور حضرت ابوہریرہؓ کو اشتیاق کے ساتھ اس کا انتظار تھا۔

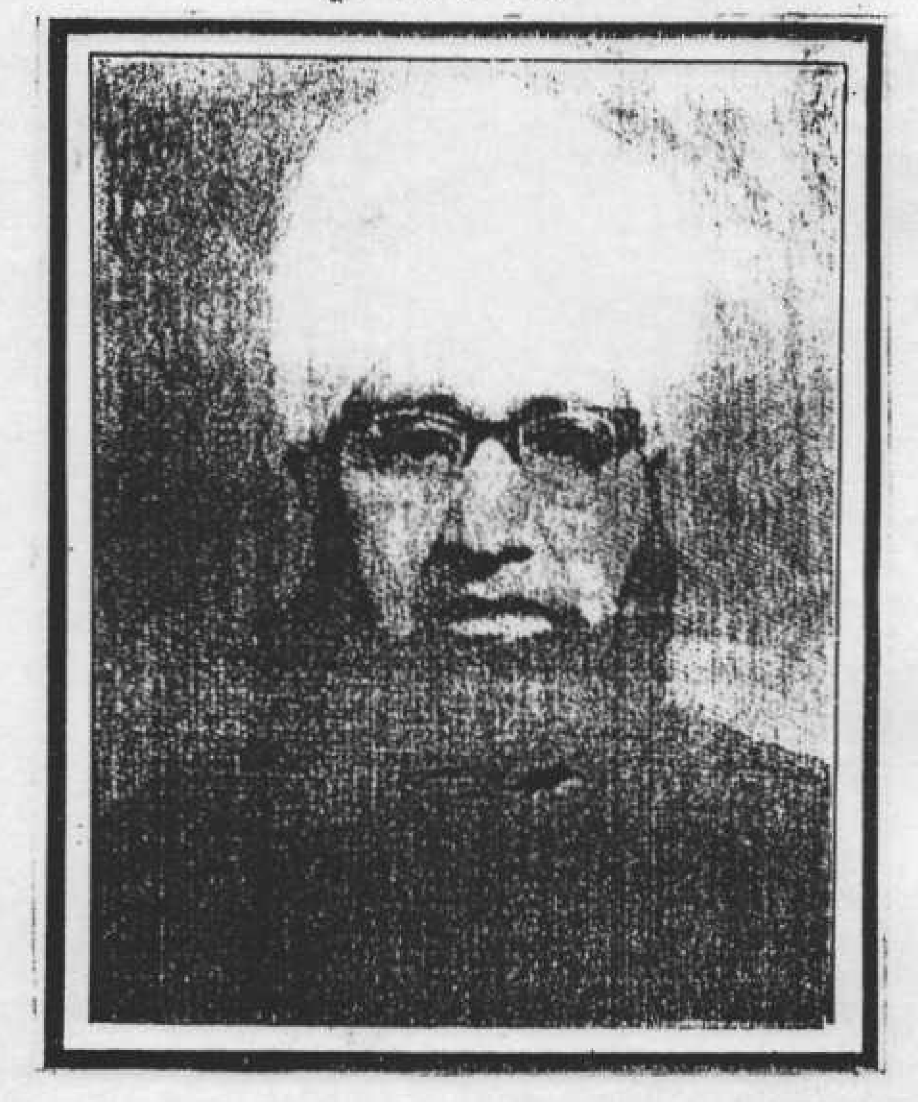
جہاد نمبر ۲ ـ "نار سے نجات"

مسلمانوں کو غیر اللہ سے نہیں بلکہ اللہ سے ڈرنا ہوتا ہے۔ نار سے نجات دلانے والے اعمال میں جہاد بھی ایک ہے۔ مجاہد کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ مجاہد میدان جنگ میں جان دے دے تو شہید ہو کر زندہ جاوید اور جاوداں۔ جیت لینے کی صورت میں غازی قوم و وطن کا آزادی بخش اور باطل شکن ہوتا ہے۔ پھر مولانا نے حضرت ثوبان سے ایک حدیث درج کی ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں سے دو گروہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نار جہنم سے نجات دے دی ہے۔ ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جو ہند سے جنگ کرے گا اور دوسرا گروہ وہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔" اس مسودہ میں یہود و ہنود جیسے خطرناک دشمنوں کی نشاندہی کی ہے۔ یہود نے اونچ نیچ کا تفرقہ پیدا کرکے نیچ ذات پر مظالم توڑے اور ہنود نے چار ورن بنا کر اونچ نیچ کی تفریق کر رکھی ہے۔



میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ



ماہنامہ عزیمت، مظفرآباد، جلد ۱، شمارہ ۱۱، اپریل ۱۹۸۸ء (تصویر ٹائٹل)



M. Muhammad Usuf
MIR WAIZ
SRINAGAR, KASHMIR.

25/2/89

مکرم و محترم [illegible] صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

والا نامہ باعث مسرت ہوا۔ مضامین (پاکیزہ خیالات) بالکل صحیح ہیں۔
ان کے ساتھ میرا کلی اتفاق ہے۔ انشاء اللہ آئندہ بھی
[illegible] کوشش میں شامل رہوں گا۔ دعا کیجئے کہ خداوند کریم
توفیق عطا کریں۔ ہماری دعا ہے کہ آپ کے مساعی جمیلہ
بار آور ہوں [illegible] کو اس کی خاطر خواہ [illegible]
تمام مسائل کو [illegible] یہاں [illegible] واقعہ
مختصر پیش آیا۔ [illegible] تفصیل کی اطلاع آپ کو مل چکی ہوگی [illegible]
[illegible] گذشت۔ یہاں کوئی [illegible] میرے [illegible]
[illegible] شکار [illegible] استغاثہ [illegible]

ہے کیونکہ میں پہلے ہی کافی تنگ کر چکا ہوں — لہٰذا دل چاہتا ہے کہ کسی دوسرے
جا کر خلقِ خدا اپنے تعلقات میں ملک میں اپنی زندگی بسر کر سکوں انشاءاللہ —
مصروف ہو گئے تو پیا در ہفتہ پہلے اور نااہل لوگوں سے کنارہ کشی
نہیں آتے ہیں نصیب ہو الیٰ آخرہ — علیکم انفسکم پر عمل کیا جائے لیکن یہ سب خداوند تعالیٰ
کے اختیار میں ہے — ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ * تجری الریاح بما لا تشتہی السفن
دیکھیے پردۂ غیب میں کیا ہوتا ہے —
عزیزان محمد اسحٰق و نور الہدیٰ
سب کو سلام اور دعا کہیں —

[illegible]

مکتوب مولانا میرواعظ محمد یوسف شاہ
بنام مولانا میرک شاہ اندرابی -
ملکیت سید رشید احمد اندرابی
۲۱- بی - ماڈل ٹاؤن لاہور
(راقم محمودی)

میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ کشمیری

حالات زندگی :- آپ ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ / ۹ فروری ۱۸۹۶ء کو پیدا ہوئے۔ آپ مولانا غلام رسول شاہ ثانی (بانی انجمن نصرت الاسلام) کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم قرآن پاک، فارسی اور عربی کی بنیادی کتابیں اپنے والد ماجد اور عم بزرگوار کی نگرانی میں تکمیل تک پہنچیں۔ بزرگان خاندان کے علاوہ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول کی بہت سی کتابیں آپ نے مولانا حسین صاحب وفائی سے پڑھیں۔ لیکن والد ماجد کی وفات کے بعد آپ کا شوقِ علم آپ کو برصغیر کی عظیم درس گاہ دیوبند میں لے گیا۔ جہاں آپ کے خاندان سے سابق تعارف کی وجہ سے اُس وقت کے صدر المدرسین شیخ الحدیث مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے آپ کی تعلیم و تربیت کو اپنی خصوصی نگرانی میں لے لیا۔ مولانا پورے آٹھ سال اسی سرچشمہ فیض سے سیراب ہو کر فاضل دیوبند کی سند عالی اور دیگر سندات حاصل کر کے وطن مالوف لوٹے۔ اس وقت آپ کے عم بزرگوار میر واعظ احمد اللہ مسند میر واعظ پر فائز تھے۔ بالآخر ۱۳۴۰ھ میں آپ دیوبند سے فارغ ہوئے۔ (۱)

تدریس :- مولانا کے اجداد میر واعظان کشمیر کی نگرانی میں مروجہ تعلیم کے لیے اسلامیہ ہائی سکول اور اس کے ماتحت تعلیمی درسگاہوں کے علاوہ ایک دینی درسگاہ مدرسہ عربیہ کی صورت میں قائم تھی جو ابتدائی کتابیں شائقین کو پڑھانے کا انتظام کرتی تھی۔ جب آپ دیوبند سے واپس پہنچے تو عم بزرگوار نے اس درس گاہ کو ترقی دے کر اس کا نام اورینٹل کالج رکھا اور اس میں، مولوی، مولوی عالم، مولوی فاضل، منشی فاضل، منشی عالم کے درجے قائم تھے۔

اس درس گاہ میں قرآن و حدیث، تفسیر و فقہ، صرف و نحو، فلسفہ و منطق، تاریخ و ادب وغیرہ علوم کی تدریس کا خاطر خواہ انتظام کیا۔ اس ادارے سے ریاست کے اندر نہ صرف ان علوم کو فروغ حاصل ہوا بلکہ ریاست میں، اماموں، خطیبوں، معلموں اور مبلغوں کی صورت میں تربیت یافتہ افراد کی جماعت تیار کر کے ایک عظیم خدمت انجام دی۔ اس کے علاوہ قصبہ بجبہاڑہ میں حضرت مرحوم نے دارالعلوم شرقیہ کی بنیاد بھی ڈالی۔ (۳)

میر واعظان کشمیر کی خدمات :- آپ کے جد امجد شاہ ہمدان کے ہمراہ ایران سے کشمیر آئے اور ترال میں رہائش پذیر ہوئے۔ اکبر اعظم کے زمانہ میں مولانا سید عبدالسلام شاہ ترال سے سرینگر آئے اور اُردو بازار سرینگر میں اقامت پذیر ہوئے۔ ان بزرگوں نے ترال کو بھی اشاعت اسلام کے لیے مرکز ٹھہرایا۔ یہاں ایک بہت بڑی مسجد اور درس گاہ ہے جسے "خانقاہ معلیٰ" کہا جاتا ہے۔ اس خانقاہ کو شاہ ہمدان کے فرزند ارجمند میر محمد ہمدانی نے اپنے والد گرامی کی یاد میں تعمیر کرایا۔ اکبر اعظم دین الٰہی کا پیروکار تھا، اس لیے اسلام کی اشاعت یا اہل اسلام پر ظلم و زیادتی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لیے مولانا عبدالسلام شاہ نے یہاں سے ترک سکونت کر کے کشمیر کے دارالحکومت کو اپنی علمی اور دینی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ (۴)

---

(۱)۔ بیان القرآن: ترجمہ و تفسیر (بزبان کشمیری)۔ مترجم میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ کشمیری، ناشر انجمن نصرت الاسلام سرینگر، طبع اول ۱۹۶۵ء، تعارف مؤلف، ص ۱۸۔

(۲)۔ محمد طیب، قاری، مولانا: مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، کراچی، میر محمد کتب خانہ، سن ندارد، ج ۲، ص ۱۴۳۔

(۳)۔ بیان القرآن، ترجمہ و تفسیر (بزبان کشمیری)۔ مترجم میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ کشمیری، ناشر انجمن نصرت الاسلام سرینگر، طبع اول ۱۹۶۳ء، تعارف مؤلف، ص ۱۸۔

(۴)۔ سلیم خان، گیمی: کشمیر میں اشاعت اسلام، لاہور، یونیورسل بکس، اُردو بازار، طبع ۱۹۸۶ء، ص ۱۴۵، ۱۴۶۔

سلیم خان گمی رقمطراز ہیں :-

" میرواعظان کشمیر نے کشمیری مسلمانوں کی ہمیشہ متنوع خدمت کی ہے۔ اُنہوں نے نہ صرف اشاعتِ اسلام اور تبلیغ دین کی طرف توجہ دی بلکہ مسلمانوں کی تعلیم اور سماجی اصلاح کو بھی اوّلیں حیثیت دی۔ اُنہوں نے نہ صرف کشمیری مسلمانوں کو دینی علوم سے آراستہ کیا بلکہ علوم مروجہ کی تدریس کا بھی پورا پورا انتظام کیا۔ اس غرض کے لیے چودھویں صدی ہجری کے ربع اوّل میں انجمن نصرت الاسلام کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس انجمن کے پہلے صدر سید غلام رسول شاہ ثانی تھے۔ (آپ کو آپ کی مذہبی، تعلیمی معاشرتی خدمات کے پیش نظر "کشمیر کا سرسید احمد خان" کہا جاتا ہے)۔ دوسرے صدر سید احمد اللہ شاہ اور تیسرے صدر سید عتیق اللہ شاہ منتخب ہوئے۔ سید عتیق اللہ شاہ مرحوم و مغفور کے بعد مولانا سید محمد یوسف شاہ مرحوم کو انجمن کا صدر بنایا تھا مگر آپ ہجرت کر کے کشمیر سے تشریف لے آئے اور اب ان کی جگہ مولانا محمد فاروق انجمن کے صدر ہیں۔" (۵)

علامہ محمد انور شاہ کشمیری اپنے ایک تعارفی خط میں جو انہوں نے میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ کو مولانا احمد علی لاہوری کے نام دیا تھا رقمطراز ہیں :-

" حامل عرضداشت جناب مولوی یوسف شاہ صاحب کشمیری بذریعہ عرضداشت ہذا حاضر خدمت ہو چکے ہیں۔ احقر چاہتا ہے کہ جناب کا ممدوح سے تعارف کرا دے۔ ممدوح کا خاندان قدیم سے کشمیر میں خادم سنت اور حامل لوا رحق کے رہے ہیں۔ اب آپ کے خاندان کا سلسلۂ تلمذ حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلوی پر پہنچتا ہے۔ کشمیر میں حق کی ہدایت جتنی بھی ہوئی ہے، وہ اسی خاندان کے ساتھ مخصوص ہے۔" (۶)

مولانا محمد یوسف شاہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران ہی ہندوستان کی سیاسی تحریکوں بالخصوص خلافت کی تحریک سے بہت متاثر ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں جب وطن واپس لوٹے تو یہاں کے عوام میں سیاسی بیداری پھیلانے کی بے حد کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے آپ نے خلافت کمیٹی کے نام سے پہلی تنظیم قائم کی، جس کا مقصد عوام کی سیاسی تربیت تھی۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء کے سیاسی دھماکے کی خشتِ اوّل یہی خلافت کمیٹی تھی۔ جس تحریک نے گزشتہ بیالیس سال میں کئی ہنگامہ خیز مرحلے طے کیے اُس کے بانی حضرت میرواعظ مرحوم ہی تھے۔ (۷)

---

(۵)۔ ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۴۶ ۔

(۶)۔ مکتوب علامہ محمد انور شاہ کشمیری بنام مولانا احمد علی لاہوری (عربی)، ترجمہ اُردو از مولانا بنوری، بلا تاریخ غیر مطبوعہ، راقم کے پاس فوٹو کاپی موجود ہے۔

(۷)۔ بیان القرآن : ترجمہ و تفسیر (بزبان کشمیری)۔ مترجم میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ کشمیری، ناشر انجمن نصرت الاسلام سرینگر، طبع اوّل ۱۹۷۳ء، تعارف مؤلف۔ ص ۱۹۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں وادی کشمیر میں ڈوگرہ شاہی کے خلاف کشمیری مسلمانوں نے جو ایجی ٹیشن کی، اُس میں میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ نے لوگوں کی راہنمائی کی۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۱ء کے جلوس میں چار مسلمان شہید اور کئی مرد اور عورتیں زخمی ہوئیں۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۱ء کو شہیدوں کے جنازے کا جلوس نکالا۔ قریب تھا کہ مسلمانوں اور ڈوگرہ فوج میں تصادم ہو، نواب خسرو جنگ آف حیدر آباد وزیر کشمیر کی مداخلت سے معاملہ رک گیا اور شہداء کو "مزار شہید" (۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء) میں جلوس کی شکل میں لے جاکر دفن کیا گیا۔

۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء کو ڈوگرہ مظالم کے خلاف اسلام آباد (اننت ناگ) میں لوگوں نے جلوس نکالا۔ فوج نے فائرنگ کی ۲۵ مسلمان، جن میں ایک لڑکا تھا، شہید اور ۱۵۰ کے قریب زخمی ہوئے۔ ان حالات کے پیش نظر جامع مسجد سرینگر میں میرواعظ مولانا یوسف شاہ نے اپنے خطاب میں اعلان کیا کہ "اب ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر جہاد فرض ہے"۔ میرواعظ کے اس اعلان کے بعد ہر مکتب فکر کے علمائے دین نے ڈوگرہ شاہی کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا چنانچہ لوگ کلہاڑوں، ٹوپی دار بندوقوں، مچھلی مار نیزوں (انار چو) سے مسلح ہو کر اور جھنڈے لے کر مزار شہداء "خانیار" میں جمع ہوئے۔ فوج نے گھیراؤ کر لیا۔ مہاراجہ کو جب اس جم غفیر کی اطلاع ملی تو اُس نے فوج کو واپس بیرکوں میں بلا لیا۔ نواب خسرو یار جنگ وزیر، برگیڈیر سپرنٹنڈنٹ، اسلام شاہ اور صاحبزادہ نورالدین کو بھیجا تاکہ مشتعل ہجوم کو قابو میں رکھیں اور سرکردہ اشخاص کو مہاراجہ کے پاس بھیجیں تاکہ وہ شکایات پیش کریں۔ چنانچہ وفد میں میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ، سعدالدین شال اور مولوی عبداللہ مہاراجہ کے پاس گئے۔ مہاراجہ سر سے ننگا، پستول ہاتھ میں لیے آیا اور وفد سے مخاطب ہوا "تم نے میری رعایا کو بغاوت پر اُکسایا ہے۔ میں تمہاری زندہ کھالیں اُترواؤں گا۔ جاکر ان باغیوں کو واپس کرو اور میرے پاس شکایات پیش کرو"۔ وفد نے اجتماع کو اس یقین دہانی پر منتشر کر دیا کہ مہاراجہ شکایات سننے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ کے اس اعلان جہاد نے کشمیر کی تاریخ کا رُخ پھیر دیا۔

مئی ۱۹۴۴ء میں جب قائداعظم آخری بار سرینگر گئے اور لال منڈی گھاٹ سرینگر میں "کوین الزبیتھ" نامی ہاؤس بوٹ میں قیام پذیر ہوئے۔ جون ۱۹۴۴ء کے آخری ہفتہ میں جامع مسجد سرینگر میں چوہدری غلام عباس کی زیر صدارت اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا "آپ لوگ، ایک جماعت، ایک جھنڈا اور ایک پلیٹ فارم سے جدوجہد کے بعد ہی منزل حاصل کر سکتے ہیں"۔ اس اجلاس سے پہلے آپ نے علی گڑھ اولڈ بوائز دیئے گئے عشائیہ میں شرکت کی۔ اس عشائیے میں شیخ محمد عبداللہ، افضل بیگ، خواجہ محمد صادق، خواجہ غلام الدین (ناظم تعلیمات) غلام محمد شاہ، غلام محمد جیولر، (بعد میں آزاد کشمیر کے وزیر) اور پروفیسر عبدالعلیم (راوی) وغیرہ شامل تھے۔ قائداعظم کے ساتھ فاطمہ جناح بھی تھیں۔

میرواعظ نے اپنے دیوان خانہ "میرواعظ منزل" سرینگر میں قائداعظم کو عشائیہ دیا۔ جس میں کشمیر کے مقتدر زعماء بھی شامل تھے۔ جن میں مولانا غلام حیدر جنڈالوی اور سید نذیر حسین شاہ، (بعد میں وزیر آزاد کشمیر) بھی شامل تھے۔ میرواعظ مولانا یوسف شاہ نے قائداعظم کو ایک کشمیری "پھیرن" اور شال پیش کیا۔ قائداعظم نے محفل میں وہ "پھیرن" پہنا اور فرمانے لگے۔ "مولانا کیا میں کشمیری دکھائی دیتا ہوں؟" اس پر ساری محفل مسکرا اُٹھی۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں سیاسی تحریک چلانے کے لیے جب "خانقاہ معلیٰ" میں "مسلم مجلس نمائندگان" کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں سات نمائندہ صوبہ کشمیر

اور چار صوبہ جموں سے منتخب ہوئے اور اس کی صدارت کی ذمہ داری بھی آپ ہی کو دی گئی۔ ۱۹۳۲ء میں تحریک حریت کشمیر کو چلانے کے لیے جب آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی تو مولانا بھی اس میں برابر کے شریک تھے۔ (۸)

جسٹس عراف رقمطراز ہیں :۔

"خانقاہ معلی میں جب اجتماع کو نمائندوں کے انتخاب کے لیے کہا گیا تو لوگوں نے شیخ محمد عبداللہ کو نامزدگی کا اختیار دیا۔ جس میں بذیل نمائندگان نامزد کیے گئے۔

(۱) خواجہ سعدالدین شال ، (۲) ۔ میرواعظ محمد یوسف شاہ ۔ (۳) ۔ میرواعظ احمداللہ ہمدانی (۴) ۔ آغا سید حسین جلالی ۔ (۵) ۔ خواجہ غلام احمد عشائی ۔ (۶) ۔ منشی شہاب الدین ۔ (۷) ۔ شیخ محمد عبداللہ ۔ (۹)

میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ اور شیخ محمد عبداللہ :

شیخ محمد عبداللہ رقمطراز ہیں :۔

"بعد میں میرواعظ صاحب نے از راہ کرم مجھے جامع مسجد کے ایک اجتماع میں "میرا لیڈر" کہہ کر متعارف کرایا اور لوگوں سے کہا کہ "جو کچھ یہ کہیں وہ میرے بھی خیالات سمجھے جائیں" میرواعظ کو اُن دنوں کشمیری مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں جو مقام حاصل تھا، اُس کی وجہ سے اُن کا یہ تعارف ایک بہت ہی بڑا سرمایہ ثابت ہوا اور لوگ مجھے اپنے ذہنوں کے ساتھ اپنے سینوں میں بھی جگہ دینے لگے۔" (۱۰)

مسلم کانفرنس سے اختلاف اور آزاد مسلم کانفرنس کی تشکیل :۔

بعد میں میرواعظ اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گئے اور اختلافات نے ذاتی دشمنی کی حیثیت اختیار کرلی ۔ دوسری جامع مسجد میں میرواعظ نے جلسہ منعقد کرکے شیخ محمد عبداللہ کو قادیانیوں کا ایجنٹ ہونے کا الزام لگایا۔ مرزا بشیرالدین محمود جو پہلے کشمیر کمیٹی کا صدر تھا، اُسے بعد میں کشمیر کمیٹی سے ہٹا کر علامہ اقبال کو کشمیر کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ سید محمود آزاد نے اپنی تصنیف تاریخ کشمیر میں محمد عبداللہ کا ایک خط بنام بشیرالدین محمود نقل کیا ہے۔ جس سے واقعی شیخ محمد عبداللہ کا بشیرالدین محمود کی طرف جھکاؤ محسوس ہوتا ہے۔ (۱۱)

(۸) ۔ انٹرویو خواجہ عبدالعزیز ریٹائرڈ پروفیسر و سابق پرائیویٹ سیکرٹری میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ ، بمقام مظفرآباد "باسط منزل" مورخہ ۱۷ جون ۱۹۸۷ء

(۹) ۔ کشمیریز فائٹ فار فریڈم : از محمد یوسف عراف جسٹس ، طبع ۱۹۷۷ء ، لاہور، فیروز سنز ۱۹ ، ص ۳۲۳ ۔

(۱۰) ۔ محمد عبداللہ، شیخ، شیر کشمیر : آتش چنار ، لاہور ، چوہدری اکیڈمی ، الفیصل مارکیٹ ، اردو بازار لاہور، سن ندارد، ص ۸۲ ۔

(۱۱) ۔ محمود، سید، آزاد : تاریخ کشمیر، طبع اول ۱۹۷۰ء ، ادارہ معارف کشمیر ہاڑی گہل ۔ باغ ۔ ص ۲۰۳ ، ۲۰۶ ، ۲۰۷ ۔
مطبوعہ تحریک پریس راولپنڈی۔

شیخ محمد عبداللہ رقمطراز ہیں :-

"احمدیوں کے ساتھ کنارہ کشی کے سلسلے میں مجھے ایک اور واقعہ یاد آرہا ہے جس سے اُن کی روش کا اندازہ ہوسکے گا۔ ایک بار ہمیں جماعت احمدیہ نے کسی تقریب کے سلسلہ میں بڑے اصرار سے قادیان بلایا۔ اُن دنوں زین العابدین صاحب اُن کے امور خارجہ کے نگران تھے۔ ہم اُن کے مہمان تھے۔ ایک بار باتوں باتوں میں اُنہوں نے کہا کہ غیر احمدی تو احمدی امام کے پیچھے نماز ادا کرسکتے ہیں، لیکن احمدیوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھیں۔ میں نے جب وجہ جاننا چاہی تو وہ کچھ راز داری کے لہجے میں بولے کہ احمدی مرزا غلام احمد کو بھی نبی مانتے ہیں اور جو اُن پر ایمان نہ لائے تو اُسے خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔" (۱۲)

۱۹۳۲ء میں مسلم کانفرنس کے طریق کار اور دیگر اختلافات کی بنا پر میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ نے آزاد مسلم کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ خواجہ محمد عبداللہ لبو کے مکان پر میٹنگ بلائی گئی، عبدالسلام پر دونے جماعت کا نام "مسلم لیگ" تجویز کیا۔ جب کہ صوفی احمد نے "آزاد مسلم کانفرنس" تجویز کیا جس کی تائید مولانا میر واعظ نے کی۔ آزاد مسلم کانفرنس کا پہلا اجلاس جامع مسجد میں ہوا۔ (۱۳)

جموں وکشمیر آزاد پارٹی مسلم کانفرنس کا اجلاس اول ۱۲، ۱۳، ۱۴م شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ / ۳۰ نومبر، یکم و ۲ دسمبر ۱۹۳۳ء احاطہ جامع مسجد سری نگر میں منعقد ہوا جس کی صدارت میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ نے کی اور خطبہ صدارت پڑھا۔ (۱۴)

۱۹۳۹ء میں جب مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس بنانے کا واقعہ رونما ہوا تو مسلم کانفرنس کے متعدد سرکردہ راہنماؤں، خاص طور پر مرحوم چوہدری غلام عباس خان، چوہدری حمید اللہ خان، محمد یوسف قریشی اور اللہ رکھا ساغر نے مل کر میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ کے مشورے اور سرکردگی میں از سر نو مسلم کانفرنس قائم کی۔ اس تنظیم کو چلانے کا سارا کام مولانا ہی کرتے رہے۔ تحریک آزادی کشمیر کے اس مرد مجاہد نے ۱۹۴۷ء تک ڈوگرہ راج کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھی اور ہر طرح کے مصائب برداشت کیے۔

مسلم پرنٹنگ پریس کا قیام اور اخبار اسلام کا اجراء۔

(۱۲)۔ محمد عبداللہ، شیخ، شیر کشمیر، آتش چنار، لاہور، چوہدری اکیڈمی، الفیصل مارکیٹ اردو بازار، سن ندارد، ص ۱۴۶، ۱۴۷۔

(۱۳)۔ کشمیر یز فائٹ فار فریڈم : محمد یوسف، صراف جسٹس، طبع ۱۹۷۷ء، لاہور، فیروز سنز، ج ۱، ص ۴۹۲۔

(۱۴)۔ شفیق، پرنا، کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد، منتخب دستاویزات، ناشر، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد، ص ۲۵۳۔
منتخب دستاویزات ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۹ء

کشمیریوں کی آہ و فغاں کو دور تک پہنچانے کا واحد ذریعہ بیرونی اخبارات تھے جو واقعات کے صحیح ترجمان نہ تھے۔ اس ضرورت کی بنا پر آپ نے ایک پریس خرید لیا جو کشمیر کا پہلا قومی پریس تھا۔ "اسلام" کے نام سے ایک سہ روزہ اخبار جاری کیا۔ پنجاب کے مشہور ادیب علامہ حسین میر کو اس کی ادارت تفویض کی۔ چند سال بعد ایک اور اخبار "رہنما" جس کے مدیر اعلیٰ مولانا نور الدین تھے کا اجرا عمل میں آیا۔ یہ اخبارات ملک و ملت کی خدمات انجام دیتے رہے۔ لیکن آخر حکومت کے جبر و تشدد اور عتاب کی نذر ہو گئے"۔ (۱۵)

مسلم لیگ کے آخری سالانہ اجلاس میں شرکت :۔

آپ نے ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے آخری سالانہ اجلاس میں شرکت کی۔ مولانا محمد احمد کا بیان ہے کہ :۔

"اس اجلاس میں میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ، مولوی امین شاہ اور مولانا میرک شاہ اندرابی کے علاوہ میں نے بھی شرکت کی۔ اجلاس کراچی میں مسجد خضرا کی جگہ کھلے میدان میں ہوا۔ سٹیج شامیانوں اور قناتوں سے روک کر بنایا گیا تھا۔ داخلہ کے لیے ٹکٹ لگایا گیا تھا۔ اس اجلاس کی تصویریں کراچی میوزیم میں موجود ہیں جن میں میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ کی تصویر بھی ہے"۔ (۱۶)

۱۹۴۵ء میں مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ پونچھ شہر کی صدارت :۔

جون ۱۹۴۵ء میں میرواعظ مرحوم نے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے تیرھویں سالانہ اجلاس (جو پونچھ شہر میں منعقد ہوا تھا) کی صدارت کی۔ اس میں آپ نے ایک فاضلانہ خطبۂ صدارت پڑھا۔

۸ جون ۱۹۴۶ء میں آپ کی صدارت میں ہی آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے قرارداد "آزاد کشمیر" کا ابتدائی خاکہ مرتب کیا۔ جسے ۲۷ جولائی ۱۹۴۶ء میں باقاعدہ طور پر منظور کر کے مسلم کانفرنس کا منشور قرار دیا۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو مسلم کانفرنس کے قائد چوہدری غلام عباس خان مرحوم کی گرفتاری کے بعد میرواعظ مرحوم نے بحیثیت صدر مجلس عمل مسلمانوں کی قیادت کی اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آپ کی صدارت میں مسلم پارک (جامع مسجد) سری نگر میں ایک لاکھ کشمیری مسلمانوں نے پاکستان کی حمایت کا اعلان کر دیا اور مہاراجہ ہری سنگھ سے مطالبہ کیا کہ وہ ریاست کا الحاق کشمیری مسلمانوں کی خواہشات کے مطابق پاکستان سے کرے۔ ڈوگرہ حکومت نے پاکستان کے حق میں مرحوم کی سرگرمیوں کو پسند نہ کیا، چنانچہ آپ کو ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا۔ (۱۷)

---

(۱۵) ۔ بیان القرآن : ترجمہ و تفسیر (بزبان کشمیری)۔ مترجم میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ کشمیری، ناشر انجمن نصرت الاسلام سرینگر، طبع اوّل ۱۹۴۳ء، تعارف مولف، ص ۲۰ ۔

(۱۶) ۔ انٹرویو، مولانا محمد احمد، خلف مولانا میرواعظ محمد یوسف شاہ، اصغر مال روڈ راولپنڈی، مورخہ ۲ جولائی ۱۹۸۹ء ۔

(۱۷) ۔ ماہنامہ البلاغ کراچی، ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ / مارچ ۱۹۷۰ء، مولانا محمد یوسف شاہ صاحب، میرواعظ مرحوم، ایک سیاسی مذہبی شخصیت، مولانا ابرار الحق کشمیری، ص ۵۴ ۔

مقبوضہ کشمیر سے ہجرت :۔

مولانا ۶ ستمبر ۱۹۴۷ء کی شام کو اپنی کار میں (جسے مولانا کے فرزند محمد احمد چلا رہے تھے) سری نگر سے قائداعظم کی ملاقات کے لیے راولپنڈی آئے۔ یہاں سے ۱۴/۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو قائداعظم کی ملاقات کے لیے لاہور گئے۔ مولانا کے بیٹے محمد احمد اُن کے ہمراہ تھے۔ ۲۶/۲۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو واپس سری نگر جانے کا ارادہ تھا کہ ریڈیو کی نشریات کے ذریعے پتہ چلا کہ مہاراجہ کشمیر نے اُن کی واپسی پر پابندی لگا دی ہے۔ اُن کے بیٹے محمد احمد بس کے ذریعے واپس چلے گئے۔ لیکن مولانا پاکستان ہی میں رُک گئے۔ (۱۸)

آزاد جموں وکشمیر کے وزیر تعلیم :۔

۱۹۴۸ء میں جب کہ کشمیر کی جنگ جاری تھی کرنل دین محمد (جن کو حکومت پاکستان نے آزاد ریاست جموں وکشمیر کی حکومت کا نگران مقرر کیا تھا) نے حکومت آزاد ریاست جموں وکشمیر کا قلمدان وزارت تعلیم پیش کیا۔ اُس وقت آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر کا سیکرٹریٹ جنجال ہل ضلع پلندری (جو بعد میں ضلع راولاکوٹ ہو گیا) میں تھا جس کا خفیہ نام " فردوس " رکھا گیا تھا۔

بحیثیت وزیر تعلیم آپ نے پاکستان میں زیر تعلیم کشمیری طلبہ کے وظائف کا اہتمام کیا۔ اس وزارت سے قبل بھی ان کا قیام رام لواس بلڈنگ پنڈی پوائنٹ مری میں تھا۔ آپ نماز تہجد کے بعد قرآن پاک کی کشمیری زبان میں تفسیر و ترجمہ لکھنے میں مصروف رہتے۔ کشمیری مہاجرین کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا، جن کے قیام و طعام کے علاوہ ملازمتوں کا بھی انتظام کرتے، جو وظیفہ آپ کو ملتا، وہ بھی مہاجرین پر خرچ کرتے۔ (۱۹)

حکومت آزاد ریاست جموں وکشمیر کے صدر :۔

آپ دو مرتبہ حکومت آزاد ریاست جموں وکشمیر کے صدر رہے۔

پہلی مرتبہ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۱ء تا ۱۹ جون ۱۹۵۲ء۔ کل ساڑھے چھ ماہ۔ دوسری مرتبہ ۳۰ مئی ۱۹۵۶ء تا ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء، تین ماہ آٹھ دن۔ (۲۰)

۱۹۵۱ء میں قائد کشمیر چوہدری غلام عباس خان نے آپ کو اپنی جگہ آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا صدر مقرر کیا۔ آپ کچھ عرصہ تک حکومت پاکستان کی مرکزی ریلیف کمیٹی کے نائب صدر رہے۔

۱۹۵۶ء میں آپ نے ایک اعلیٰ وفد کی قیادت کی جس نے اسلامی اور بعض یورپی ممالک کا دورہ کر کے اُنہیں تحریک آزادیٔ کشمیر کے حقائق سے آگاہ کیا۔

---

(۱۸)۔ انٹرویو، مولانا محمد احمد، فرزند میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ، بمقام راولپنڈی، مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۸۷ء۔

(۱۹)۔ انٹرویو، پروفیسر (ریٹائرڈ) خواجہ عبدالصمد، بمقام بلسم منزل مظفرآباد، آزاد کشمیر، مورخہ ۱۷ جون ۱۹۸۷ء۔

(۲۰)۔ ماہنامہ، شہ رگ پاکستان، مظفرآباد/لاہور، اکتوبر ۱۹۸۶ء، حکومت آزاد جموں وکشمیر کا یوم تاسیس از عاصم خواجہ، ص ۹۔

۱۹۶۵ء میں مقبوضہ کشمیر کے عوام نے جب انقلابی کونسل کی قیادت میں بھارتی سامراج کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو مرحوم کو انقلابی کونسل نے پاکستان میں اپنا ترجمان مقرر کیا۔ (۲۱)

وفات :-

آپ نے ۱۶ رمضان ۱۳۸۹ھ / ۱۰ دسمبر ۱۹۶۸ء کو اصغر مال روڈ راولپنڈی میں بحالت روزہ اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ حکومت آزاد ریاست جموں و کشمیر نے فوراً پرچم سرنگوں کرنے کے ساتھ دو دن تک سوگ منانے کا اعلان کیا۔ آپ کی نماز جنازہ لیاقت باغ میں آپ کے عم زاد بھائی مولانا محمد نور الدین شاہ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں کشمیری اور پاکستانی باشندوں کے علاوہ، آزاد کشمیر کے سابق صدور، سیاسی کارکنوں، حکومت پاکستان اور آزاد کشمیر کے حکام نے شرکت کی۔ حکومت پاکستان کی نمائندگی وزارت امور کشمیر کے جوائنٹ سیکرٹری اور وزارت خارجہ کے ایک ڈائریکٹر جنرل نے کی جنازہ کو اصغر مال روڈ سے لیاقت باغ تک ایک ماتمی جلوس کی صورت میں لایا گیا۔ جلوس کے آگے آگے پاکستان اور آزاد کشمیر کے پرچم تھے۔ نماز جنازہ کے بعد آپ کے جسد خاکی کو جلوس کی شکل میں مظفر آباد لایا گیا۔ کوہالہ پل پر آزاد جموں و کشمیر کے صدر خان عبدالحمید خان اور اعلیٰ سرکاری حکام موجود تھے۔ ۹ دسمبر ۱۹۶۸ء بروز سوموار (کشیر نے ۹ دسمبر ۱۹۶۸ء کو جمعہ لکھا ہے جب کہ اس دن سوموار تھا) آپ کو امانتی طور پر میونسپل ہال مظفر آباد کے سامنے دفن کیا گیا۔ مظفر آباد میں مکمل ہڑتال رہی۔ سرکاری دفاتر اور ادارے بند رہے۔ مختلف سیاسی اور سماجی تنظیموں نے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا۔

پیغامات تعزیت :-

آپ کی وفات حسرت آیات پر پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان، خواجہ شہاب الدین، وزیر خارجہ پاکستان مسٹر ارشد حسین، وزیر امور کشمیر مسٹر اے۔ آر خان، صدر آزاد کشمیر خان عبدالحمید خان، شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ، مولانا محمد فاروق، سردار محمد عبدالقیوم خان، سردار محمد ابراہیم خان، مسٹر کے۔ ایچ خورشید اور مسٹر جی۔ ایم صادق کے علاوہ مسلم کانفرنس نے اظہار تعزیت کیا۔ (۲۲)

میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ کی علمی خدمات

میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ مرحوم ایک متقی پرہیزگار اور شالی مسلمان تھے۔ آپ انتہائی شریف النفس مخلص راہنما تھے۔ آپ اسلام کے پرجوش مبلغ اور تحریک پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کشمیری مسلمانوں میں آپ سے زیادہ کوئی مذہبی اور سماجی طور پر قابل احترام نہ تھا۔ آپ کی علمی حیثیت مسلمہ تھی۔ بلاشبہ آپ کی وفات سے تحریک حریت کشمیر کے باب کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ کی وفات سے ہماری تحریک میں جو جگہ خالی ہوئی ہے، وہ کبھی پُر نہیں ہو سکے گی۔ (۲۳)

---

(۲۱)۔ ماہنامہ البلاغ کراچی، مارچ ۱۹۷۰ء / ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ، میرواعظ ایک عظیم سیاسی مذہبی شخصیت از مولانا ابرار الزماں کشمیری، ص ۱۰، ۱۱، ۴۹، ۵۰۔

(۲۲)۔ ہفت روزہ، کشیر، راولپنڈی، ۹ دسمبر ۱۹۶۸ء، تعزیت حضرت میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ وفات پا گئے۔

(۲۳)۔ ماہنامہ البلاغ، کراچی، مارچ ۱۹۷۰ء / ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ، میرواعظ ایک عظیم سیاسی مذہبی شخصیت از مولانا ابرار الزماں کشمیری، ص ۱۰۔

آپ نے تحریر و تقریر کے ذریعے ایک طرف اپنے وطن کی آزادی اور حریت کی جنگ لڑی، دوسری طرف زبان اردو کی بلا واسطہ طور پر خدمت بھی انجام دی۔ آپ کی وہ تقاریر اور خطبے جو آپ نے وقتاً فوقتاً مذہبی اور سیاسی معاملات پر ارشاد فرمائے اگر ضبط تحریر میں لائے جاتے تو یہ اردو زبان کا بڑا اثاثہ ہوتا۔ درون کشمیر کی آواز بیرون کشمیر پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھی۔ اسی پر مسلمانان کشمیر کی آواز کی تشہیر اور اس کو موثر بنانے کے لیے آپ نے کئی اقدامات کیے۔ زبان اردو کی ترویج و ترقی کا موجب بنے۔ جن کا ذیل میں ذرا تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

مسلم پرنٹنگ پریس کا قیام :۔

میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ زمانہ کے تقاضوں کو سمجھنے کی خدا داد صلاحیت رکھتے تھے۔ آپ نے محسوس کیا کہ مظلوم کشمیری قوم کی آہ و فغاں کو دور دور تک پہنچانے کے لیے ایک چھاپہ خانے کی ضرورت ہے۔ ایسا کرنا اس لیے بھی اہم تھا کیونکہ بیرونی پریس کشمیر کی تحریک آزادی کے صحیح حالات کو شائع کرنے کی بجائے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے تھے۔ جس سے تحریک کو بے حد نقصان پہنچتا تھا۔ آپ نے فوراً ایک پریس خرید لیا۔ یہ ہماری ریاست میں پہلا قومی پریس تھا۔

اخبار اسلام کا اجرا :۔

اس کے فوراً بعد "اسلام" کے نام سے ایک سہ روزہ سیاسی اخبار جاری کرایا جو اس پریس میں چھپتا تھا اور پنجاب کے مشہور ادیب علامہ حسین میر کو اس کی ادارت کا اہم تفویض کیا گیا۔

اخبار رہنما :۔

چند سال بعد ایک اور اخبار "رہنما" کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ اس کے مدیر اعلیٰ مولانا محمد نور الدین تھے۔ دونوں اخبار بے باکانہ طور پر ملک و ملت کی خدمت انجام دیتے رہے۔ لیکن جبر و تشدد کے ہاتھ بار بار ان کا گلا دباتے رہے۔ اس لیے اپنے وجود کو زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکے اور یہ دونوں اخبار سرکاری عتاب کی نذر ہو گئے۔ مرحوم مولانا محمد احمد خلف مولانا میرواعظ محمد یوسف شاہ کا بیان ہے کہ :۔

> "میرواعظ مولانا یوسف شاہ نے سب سے پہلا مسلمان پرنٹنگ پریس سرینگر میں لگایا۔ یہ لیتھو پریس تھا۔ اسلام اخبار اسی میں چھپتا تھا۔ یہ اخبار کشمیر میں مسلمانوں کا پہلا اخبار تھا۔ اس کے بعد "رہنما" اخبار نکالا۔ پھر "ملت" اور "جوہر" سرینگر سے نکالے۔"(۲۵)

---

(۲۴)۔ بیان القرآن، ترجمہ و تفسیر (بزبان کشمیری)، مترجم میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ کشمیری، ناشر انجمن نصرت الاسلام سرینگر، طبع اول اپریل ۱۹۷۰ء، تعارف مولف، ص ۲۰۔

(۲۵)۔ انٹرویو مولانا محمد احمد، بمقام اصغر مال روڈ راولپنڈی۔ مورخہ ۲ جولائی ۱۹۸۹ء۔

ترجمہ و تفسیر کلام اللہ بزبان کشمیری در اُردو رسم الخط :

یوں تو آپ کے تعلیمی، سیاسی اور سماجی بہت سے کارنامے ہیں ۔ آپ کا اصل منصب قرآن و حدیث کی اشاعت ، دین اور اسلام کی تبلیغ سے وابستہ تھا ۔ عمر کے آخری ایام میں کلام اللہ کا کشمیری زبان میں بخطِ اُردو ترجمہ و تفسیر لکھ کر آپ نے اس مقصد کی تکمیل کر دی ۔ اس ترجمے سے کشمیری ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا ۔ (۲۶)

قائداعظم کی خدمت میں سپاسنامہ :۔

مئی ۱۹۴۴ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح کشمیر تشریف لائے تو میرواعظ کشمیر مرحوم نے درگجن کے مقام پر کشمیر مسلم کانفرنس کی طرف سے قائداعظم کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا ۔ مرحوم نے اپنی قیام گاہ میرواعظ منزل میں قائداعظم کے اعزاز میں ایک تاریخی دعوت دی ۔ (۲۷)

اخبارات " اسلام ، رہنما ، ملت اور جوہر " کتنا کتنا عرصہ چلے ۔ ان میں میرواعظ مرحوم کے کیا کیا اور کتنے مضامین چھپے ، پھر قائداعظم کو جو سپاسنامہ پیش کیا ۔ اُس کے کیا کیا مندرجات تھے ۔ ایسے امور کی تفصیل و تحقیق کے لیے راقم الحروف نے پاکستان کی وزارت خارجہ کی وساطت سے ہندوستان جانے کے لیے حکومتِ ہندوستان کے سفارت خانے سے ویزا کی استدعا کی ۔ راقم الحروف کا پاسپورٹ ۲۱ اپریل ۱۹۸۸ء کو ہندوستان کے سفارت خانہ مقیم اسلام آباد نے معہ وزارتِ خارجہ کے خط کے وصول کیا اور آٹھ ماہ کی طویل مدت کے بعد جنوری ۱۹۸۹ء میں جواب دیا کہ ہندوستان کی وزارتِ داخلہ نے ویزا دینے سے انکار کر دیا ہے ۔

ان اخبارات کے ذریعے مولانا نے یقیناً اُردو زبان کی بہت بڑی خدمت کی اور ان میں آپ کے ذاتی مقالات و مضامین کی تفصیلات و مقدار کیا ہے ۔ اِس کے لیے راقم نے کشمیر میں خط و کتابت بھی کی لیکن جواب سے محرومی کے بعد پاکستان اور آزاد کشمیر میں موجود وسائل ہی سے کام لینا پڑا ۔ ان تفصیلات کو اب جو مختار کے اُس پار کا کوئی محقق ہی تلاش کر سکتا ہے ۔

خطبہ صدارت :۔ یہ خطبہ " کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد " منتخب دستاویزات " میں دستاویز نمبر ۹ کے عنوان سے شامل ہے ۔ صفحہ نمبر ۲۵۲ پر بذیل حاشیہ " دستاویز نمبر ۹ ، ۳۰ دسمبر ۱۹۳۳ء (ابن ماجہ کی حدیث کا متن " افضل جہاد سلطان جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنا " درج ہے ۔

جموں و کشمیر آزاد پارٹی مسلم کانفرنس کے اولین اجلاس منعقدہ ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ کا خطبہ صدارت جو کانفرنس کے صدر منتخب حضرت حضرت مولانا میرواعظ محمد یوسف شاہ نے احاطہ جامع مسجد سری نگر میں ارشاد فرمایا ۔

سیکرٹر اے آر ساغر ناظم مجلس استقبالیہ نے شائع کیا ۔ تسمیہ کے بعد عربی خطبہ مسنونہ درج کیا گیا ہے ۔

پہلے پیراگراف میں مولانا نے اپنے صدر منتخب ہونے کا شکریہ ادا کیا اس کے بعد اس طویل خطبہ کو جو کتاب مذکورہ کے صفحہ ۲۵۵ تا ۲۷۶ کل ۲۱ صفحات پر مشتمل ہے ، جسے مختلف عنوانات کشمیر اور اہل کشمیر کے حالات و واقعات پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے ۔

---

(۲۶) ۔ بیان القرآن : ترجمہ و تفسیر (بزبان کشمیری) ۔ ترجمہ میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ کشمیری ، ناشر انجمن نصرت الاسلام سرینگر ، طبع اوّل اپریل ۱۹۷۳ء ، تعارف مولف ، ص ۲۲

(۲۷) ۔ ماہنامہ البلاغ کراچی ، ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ / مارچ ۱۹۷۰ء ، مولانا محمد یوسف شاہ صاحب ، میرواعظ ایک سیاسی اور مذہبی شخصیت ، مولانا امیر الزمان کشمیری ، ص ۴۵ ۔

اُنہوں نے اپنے خطبہ میں کشمیر اور اہل کشمیر کے عنوان سے کشمیر کے دنیا بھر میں بے نظیر حُسن اور کشمیریوں کے بے نظیر دماغ کا ذکر کیا ہے ۔ لیکن افسوس کہ اپنی سرزمین کشمیر کے اندر کشمیریوں کی حالت زبوں ہے ۔ حالانکہ وہ اگرچہ تعلیم سے دور ہیں لیکن اعلیٰ قسم کے صناع اور کاشتکار ہیں ۔ جو لوگ کشمیر سے ہجرت کر کے چلے گئے ۔ اُنہوں نے بیرون وطن کے معاشروں میں بلند مقامات پائے ۔

اُنہوں نے کشمیر کی ترقی کی راہ میں حائل اُس ظلم و تشدد کا ذکر کیا جو حکام کی طرف سے اُن پر روا رکھا گیا ہے ۔

وہ لکھتے ہیں کہ کشمیر کی اجتماعی زندگی کا دور آج سے ۳۵ سال قبل اُس وقت شروع ہوا جو مولانا کے والد بزرگوار واعظ مولانا غلام رسول کی زیر قیادت انجمن نصرت الاسلام کی بنیاد ڈالی گئی ۔ یہ انجمن تعلیمی اور سیاسی جدوجہد کرتی رہی جو کشمیریوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی ۔

مولانا نے ۱۹۲۴ء میں وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ کے دورۂ کشمیر کے موقع پر کشمیری سرکردہ مسلمانوں کے میموریل پیش کرنے کا ذکر کیا ۔ جن میں مولانا کے عم بزرگ میرواعظ مولانا احمد اللہ ، مولانا عتیق اللہ ، احمد اللہ واعظ ہمدانی ، مولانا شریف الدین مفتی اعظم ، خواجہ حسن شاہ نقشبندی ، خواجہ سعد الدین شال ، سید حسین شاہ جلالی سید شاہ جلال اور حاجی جعفر خان شامل تھے جس کی پاداش میں خواجہ حسن شاہ کی جاگیر ضبط ہوئی ، خواجہ سعد الدین شال کو جلاوطن ہونا پڑا اور مولانا احمد اللہ کو دربار سے اخراج کی سزا ملی ۔ انہی ایام میں مولانا نے خلافت کمیٹی قائم کی ۔ مولانا نے سر ایلبین بنرجی وزیر کابینہ اُن کی رعایا کے اصلاح احوال میں ناکامی پر استعفیٰ اور پھر بیرون ملک جا کر ریاست کے عوام کی زبوں حالی پر اخبارات میں بیان جاری کرنے کا ذکر کیا ۔ جس سے حکومت کے رویہ کی خوب تشہیر ہوئی اور حکومت نے مولانا احمد اللہ سے اس بیان کی تردید چاہی ، لیکن انہوں نے انکار کر دیا ۔

پھر مولانا نے کشمیر میں پنجاب کے مسلم اخبارات کے ریاست میں داخلہ پر پابندی ، ۱۹۳۱ء میں احرار کانفرنس منعقدہ حبیبیہ ہال لاہور میں دربار کشمیر کی روش پر اظہار افسوس ، جموں میں توہین قرآن اور خطبہ پر بندش جیسے جذبات بھڑک اُٹھنے کا ذکر کیا ۔ اس تحریک حریت کو دبانے کی کوشش مجاہد اول غازی عبد القدیر کی گرفتاری ، ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو مسلمانوں پر گولیاں برسانے کا ذکر کیا ، جس کے بعد مظاہروں اور ہڑتالوں کا سلسلہ شروع ہوا ۔ ۱۵ اگست ۱۹۳۱ء کو دس مسلم نمائندوں نے مہاراجہ کو تیس مطالبات پیش کیے ۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۱ء کو وزیر اعظم ہری کشن کول نے اشک شوئی کی بے معنی کوشش کی ۔ اس دوران ، مردوں ، عورتوں ، بوڑھوں اور جوانوں نے سینے تان کر گولیاں کھائیں رفتہ رفتہ اقتدار کے نشہ میں چور حکمران بدحواس ہو گئے اور کمیشن پر کمیشن مقرر ہونے لگے ۔

بیرون کشمیر کے مسلمانوں کی ہمدردی کے عنوان سے احرار کی کشمیر میں آمد مرزائیوں سے کشمکش احرار کی مساعی سے ہندوستانی مسلمانوں کی کشمیریوں سے حمایت ، کشمیریوں سے اظہار ہمدردی کی پاداش میں مولانا مظہر علی اظہر ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ، اُن کے فرزند مولانا احمد علی ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری ، مولانا احمد سعید ، چوہدری افضل حق ، مولانا محمد چراغ ، مولانا عبد الرحمٰن نکودری ، شیخ حسام الدین وغیرہ مقتدر رہنماؤں کی گرفتاریاں ۔

احرار کے علاوہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ اور اُن کے رفقاء نے جو گول میز کانفرنس لندن میں شریک تھے کشمیریوں کی اعانت کی بیش بہا خدمات انجام دیں ۔ ان سب کو ہدیہ تبریک پیش کیا ۔

راہنمایان جموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ یہ چینی کا یہ سیلاب جموں و کشمیر اور پونچھ کے اطراف واکناف تک پہنچ گیا اور جموں سے سردار گوہر رحمٰن اور شیخ غلام قادر کو گرفتار کیا گیا۔

وزیراعظم پری کشن کول مستعفی ہونے پر مجبور ہوگئے۔ مہاراجہ کے حکومت ہند کے رشتہ خارجہ و سیاسیہ کے ممبر بیلیز شہر طرح ہے۔ بی گلینسی کی سرکردگی میں مقررہ کمیشن کی سفارشات جو کہ ۱۵ اگست ۱۹۳۱ء میں نمائندگان کے پیش کردہ مطالبات کی نسبت نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اُن پر بھی کما حقہ عمل درآمد اور بعض سفارشات پر غور تک نہیں کیا گیا۔

مولانا نے اپنے خطبے میں مرزائیوں کی امداد و اعانت کی آڑ میں دینِ حق پر ضرب کاری لگانے کی سازش کا ذکر کیا۔ کشمیر کمیٹی کو مرزائیت سے پاک کیا گیا۔ اور علامہ اقبال ممبران کی اصلیت سے واقف ہو کر حقیقت آشنا ہوئے۔

آپ نے اپنے خطبہ میں مسلم پولیٹیکل کانفرنس کو اور سنیر مسجد کی جماعت کو دعوت دی کہ اگر وہ مرزائیت نواز عناصر کو خارج کر دیں تو وہ اُن سے اشتراک عمل کرنے کو تیار ہیں۔

آپ نے اپنے خطبہ میں مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ گلینسی کمیشن کی رپورٹ ہمارے دعووں کا مکمل مداوا نہیں ہے اور نہ ہی اُن پر مکمل طور پر عمل درآمد کیا گیا ہے۔ ہمیں اپنے ابتدائی مطالبات کا اعادہ کر کے اُنہیں منوانے کے لیے سینہ سپر ہو جانا چاہیے۔ گلینسی صاحب کی سفارشات پر فوری عمل کے لیے کوشش کی جائے۔ ایک ذمہ دار اسمبلی کا قیام ہو جو دستوری معاملات پر نظر رکھے۔ فرنچائز کمیٹی کے معیار رائے دہی کی تنقیص کے ذکر کے بعد، میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کی ضرورت اور اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ تعلیم کے سلسلہ میں مکاتب اور غیر سرکاری سکول کی گرانٹ میں کمی کاٹ کو کرتے ہوئے عیسائی مشنریوں کی گرانٹ کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ تعلیمی وظائف کے اجراء کی ضرورت پر بھی روشنی ڈالی۔

مالگیوں، زمینداروں اور کاشتکاروں کی مشکلات و مصائب اور اُن کے مسائل کا ذکر اور اُن کے حل کی طرف توجہ دلائی۔ ٹیکسوں میں تخفیف، ٹھیکیدار باہر سے مزدور نہ لائیں۔ تبدیلی مذہب پر جائداد سے محرومی کے قانون کو ختم کیا جائے۔ صغر سنی میں شادی کی صورت میں اولاد کو محروم الارث قرار دینا، خلاف شریعت اور سراسر ظلم ہے۔ خصوصاً مسلمانوں کا قانون وراثت حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے، وغیرہ کی اصلاح کی طرف حکومت کی فوری توجہ دلائی گئی ہے۔

ریاست کے اندر امن کی فضا کے لیے تالیف قلوب ضروری ہے۔ ان میں قیدیوں کی رہائی کو اولیت حاصل ہے۔ سرکاری ملازمتوں اور آئینی مجالس کی نشستوں میں آبادی کے تناسب سے توازن قائم کیا جائے۔

مولانا نے سیاسی اور اجتماعی جدوجہد کے لیے اپنی پارٹی کی تنظیم اور جموں و کشمیر اور پونچھ میں شاخیں قائم کرنے پر زور دیا۔ پھر اس کا مجلسی، اقتصادی اور تحفظ مذہب کا تعمیری پروگرام پیش کر کے ایک ضروری گزارش اور خاتمہ کے ساتھ خطبہ کا اختتام کیا۔ یہ خطبہ اُردو زبان میں ایک اعلیٰ دستاویز ہے۔

(۲۸)۔ کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد: مرتبہ مرزا شفیق حسین، ناشر قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت پی، او بکس ۱۲۳۰ اسلام آباد۔ منتخب دستاویزات ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۹ء میں دستاویز نمبر ۹ کے عنوان سے شامل ہے۔

خطبہ صدارت اجلاس جموں و کشمیر مسلم کانفرنس منعقدہ پونچھ شہر مورخہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ جون ۱۹۴۵ء (۲۹)

مولانا محمد احمد خلف میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ کا بیان ہے کہ :-

"پونچھ شہر میں مسلم کانفرنس کے اجلاس ۱۹۴۵ء میں شرکت کے لیے میرواعظ مولانا یوسف شاہ صاحب

مولانا محمد امین (والد مولانا محمد فاروق) خواجہ غلام الدین وانی، محمد یوسف قریشی اور میں سرینگر سے

اوڑی تک اپنی گاڑی میں آئے اور اُوڑی سے پونچھ تک براستہ علیا آباد گھوڑوں پر سفر کیا۔ خواجہ

غلام الدین وانی نے یہ سفر پیدل طے کیا۔ پونچھ میں تین دن تک اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں چوہدری

غلام عباس کے علاوہ سردار یار محمد اور سید نذیر حسین شاہ بھی موجود تھے۔" (۳۰)

"مہاراجہ نے گزشتہ سال بھی پونچھ میں انعقاد جلسہ کی مخالفت کی تھی۔ چونکہ قائد اعظم سرینگر میں تھے۔ اس لیے مسلم کانفرنس کا اجلاس بجائے پونچھ کے سرینگر

میں کر لیا تھا۔ اس دفعہ پھر مہاراجہ نے راولاکوٹ میں جلسہ کی مخالفت کی، راؤ پہلے تو ڈٹے رہے۔ لیکن مہاراجہ کو بتائے بغیر چوہدری غلام عباس کو کر تمام اجلاس

پونچھ میں منتقل کرا دیا تھا۔ مہاراجہ نے پونچھ خاص کے لیے بھی اتفاق نہ کیا۔ مہاراجہ نے اُسے مجبور کیا کہ وہ اجلاس کو قانوناً روک دیں۔ راؤ نے صاف انکار کر دیا۔ جس

کی وجہ سے اُنہیں مستعفی ہونا پڑا۔" (۳۱)

مسلم کانفرنس کے اس تیرھویں اجلاس میں، جس کا خطبہ استقبالیہ حاجی محمد قاسم نے پڑھا۔ میرواعظ کشمیر مولانا محمد یوسف شاہ صاحب منتخب صدر اجلاس

نے ایک بلیغ خطبہ صدارت اُردو زبان میں پڑھا۔ جس کا خلاصہ بذیل ہے :-

مولانا نے اپنے صدر منتخب ہونے کا رسمی شکریہ ادا کرنے کے بعد سال گزشتہ کے جون میں سرینگر میں ہونے والے بارھویں سالانہ اجلاس کا ذکر کیا۔ جس

کی دیگر خصوصیات کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت قائد اعظم کی شرکت اور خطاب تھا۔ قائد اعظم کی مسلمانانِ ریاست کو خصوصی نصائح "قرآن کا خدا، کعبہ

کعبہ، رسولؐ اور قرآن ایک ہے۔ اس لیے اُنہیں ایک پلیٹ فارم پر، ایک جھنڈے تلے، ایک نصب العین کے لیے منظم ہو جانا چاہیے" کا ذکر کیا۔

مولانا نے مسلمانانِ پونچھ کی مسلم کانفرنس میں سو فیصدی شرکت اور نیشنلسٹوں کے منفی رویہ، قائد اعظم کا دعویٰ کہ ننانوے فیصد مسلمان مسلم کانفرنس

کے حامی ہیں۔ مسلمانانِ سرینگر کی قربانیوں کا تذکرہ، سرینگر میں مسلم کانفرنس کے ممبروں کی تعداد پندرہ ہزار اور اس سال دوگنی ہونے کی اُمید، دور دراز علاقوں میں مسلم

کانفرنس کی ممبر شپ پھیلانے کی ضرورت، تنظیم کے ساتھ ساتھ تبلیغ کو منظم کیا جائے تو یہ دوسرا ہتھیار ہے۔ عوام کو مسلم کانفرنس کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا جائے۔

---

(۲۹) ہفت روزہ کشمیر راولپنڈی، اگست ۱۹۴۵ء

(۳۰) انٹرویو: مولانا محمد احمد خلف میرواعظ مولانا یوسف شاہ، ۲ جولائی ۱۹۸۹ء، بمقام اصغر مال روڈ راولپنڈی۔

(۳۱) کشمکش: غلام عباس، چوہدری، سن ندارد، ناشر اُردو اکیڈمی لاہور، ص ۲۹۹۔

ایک مستقل شعبہ تبلیغ قائم کیا جائے۔ شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے مبلغ بھیجے جائیں۔ بیرونی اخبارات ورسائل کے ذریعے مسلم کانفرنس کی کارکردگی اور پروگراموں سے عوام کو روشناس کیا جائے۔

ریاست کے اندر دوسری سیاسی جماعتوں نے "نیا کشمیر" کے ناموں سے کتابیں چھاپ کر عوام میں تقسیم کی ہیں۔ مگر اُن جماعتوں کی حیثیت کاغذی اور دستاویزی سے زیادہ نہیں۔ ان جماعتوں نے رائج الوقت کاغذی ہتھیار سونت کر کچھ مسلمانوں کو دھوکے کا شکار کیا ہے۔ ہم بامقصد جماعت ہونے کے باوجود ان ہتھیاروں سے اب تک خالی ہیں۔

مولانا نے اپنے خطبے میں سیاست میں مذہبی نقطۂ نظر کے پیش نظر کہا "ہمیں نہ نہ بالشوزم، نہ فسطائی ازم، نہ نازی ازم، نہ ایمپریل ازم اور نہ امریکی جمہوریت کی نقالی کی ضرورت ہے۔ ہمارے پاس وہ سرچشمہ ہدایت موجود ہے۔ جس نے ہمیں (جب کبھی بھی ہم نے اس پر عمل کیا) غلامی کے درجے سے اُٹھا کر امیری کے درجے پر پہنچا دیا۔ جس کی ضیا باریوں سے مشرق ومغرب، دونوں تاریکی سے نکل کر روشنی میں آچکے تھے۔ ہمیں چاہیئے کہ اسی سرچشمۂ ہدایت پر خود عمل پیرا ہو کر اس کی نشرو اشاعت اور تبلیغ کریں"۔

مطالبہ ذمہ دارانہ حکومت :۔

ریاست جموں وکشمیر میں کامل ذمہ دارانہ حکومت کا قیام ہمارا محبوب اور بلند نصب العین ہے۔ جس کا تعین مسلم کانفرنس نے ۱۹۳۲ء میں کیا تھا۔ جسے ہر سال دہرایا جاتا ہے۔ اُنہوں نے مہاراجہ کے اُس اعلان کا ذکر کیا جو اُس نے سر سٹیفورڈ کرپس کے ہندوستان کو اصلاحات آزادی کی پیشکش کرنے کے موقع پر آزادی پسندی کے جذبہ سے سرشار ہو کر کیا تھا۔ اور اُسی کے الفاظ میں سال گزشتہ ہم نے اعلان کیا تھا کہ "اب وقت آگیا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کی چالیس لاکھ آبادی کو دفتری حکومت کی گلوگیر پابندیوں سے آزاد کراتے ہوئے ریاست میں کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ افسوس کہ اب تک مہاراجہ بہادر کا وہ اعلان تشنۂ تکمیل ہے۔ ریاست میں حکومت نے جو ڈی۔ آرنافذ کیا ہے۔ ہمارے مخالفین نے اس گورکھ دھندے کو قبول کرتے ہوئے ذمہ دارانہ نظام حکومت کی طرف ایک قدم قرار دیا ہے۔ مگر مسلم کانفرنس نے اس پر غور کر کے مسترد کر کے دوراندیشی کا ثبوت دیا ہے۔ اُنہوں نے ریاستی اور غیر ریاستی وزراء کا ذکر کیا۔ جن میں سے ریاستی وزراء میں بیگ صاحب کا ذکر جن کو باوجود، اسمبلی میں عدم اعتماد ہونے کے عہدہ وزارت پر رکھا گیا تھا۔ وزراء نے عوام کا کوئی کام نہیں کیا اور خزانہ عامرہ پر بوجھ ہیں۔

مولانا نے تعلیم کی کمی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ تعلیم کا تناسب ۵ % ہے۔ لاریوں اور موٹروں کا روڈ ٹول میٹر بیگ نے بڑھا دیا ڈرائیوروں اور عوام کو مشکلات سے دو چار کر دیا ہے۔ بلدیات کی اصلاح کی طرف توجہ نہ دی۔ جس شہروں کا حال خراب ہے۔ بیگ صاحب کے دور وزارت کی خامیوں پر تنقید کی گئی ہے کہ یہ ایک سودا بازی تھی جو حکومت اور نیشنل کانفرنس میں ہوئی جس کی دلالی شیخ عبدالرحمن بادر سپرد کی اور سولہ سو روپیہ میں خدمت عوام کا جذبہ فروخت کر کے سیاسیات کشمیر میں ایک نئے اور سیاہ باب کا اضافہ کیا۔

مسلم کانفرنس کا عزم ہے کہ وہ مقصد حاصل کرنے کے لیے جدوجہد جاری رکھے۔ منزل مقصود یہی ہے کہ ریاست کے عوام کو عوامی حکومت ملے اور عوام سے مُراد ریاست میں بود و باش رکھنے والے لوگ۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی خوف زدہ ہونے کا اندیشہ نہیں رکھنا چاہیے۔ اُنہیں بھی مولانا نے مسلم کانفرنس کی طرز پر ایک جماعت بنا کر حکومت کے سامنے اپنے مطالبات رکھنے کا مشورہ دیا ہے اور راجیہ سبھا جیسی جماعت سے اجتناب برتنے کا مشورہ دیا۔ مولانا نے مظفر آباد میں منعقد ہونے والی راجیہ سبھا کانفرنس کا ذکر کیا۔ جس کے خطبہ صدارت میں معاندانہ رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ مولانا نے ریاست میں ملازمتوں کے تناسب کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ۱۸ فی صد تناسب رکھنے والی قوم کے پاس نوے فیصد ملازمتیں ہیں اور ۸۰ فیصد تناسب رکھنے والی قوم کو ۵ سے ۱۰ فیصد تک ملازمتیں دی جاتی ہیں۔ وہ بھی معمولی۔ کلیدی آسامیوں پر سو فیصد غیر مسلم قابض ہیں۔

مسلم درسگاہوں سے سوتیلی ماؤں والا سلوک ہوتا۔ ریاست کی پندرہ فیصد آبادی کے کئی کالج حکومت کی امداد سے چل رہے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک کالج بھی حوصلہ شکن رویئے کی بنا پر معرض وجود میں نہ آسکا۔

ریاست میں مسلمانوں کو دبانے کے لیے قوانین موجود ہیں۔ مثلاً اسلحہ ایکٹ۔ ہندی کی ترویج بہ جائے اُردو کو جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان تھی مٹانے کی خاطر کی گئی۔ اس سے مقصود ہندوؤں کی خوشنودی تھی۔

مسلمانوں کے خون پسینہ کی کمائی محکمہ دھرم ارتھ جیسے ادارہ کے قیام کے لیے خرچ کی جاتی ہے۔ ریاستی فوج میں ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ آزمائش کے موقع پر مسلمان فوج میں زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ پونچھ اس سلسلہ میں اعلیٰ مثال ہے۔ اس جاگیر اور ریاست کے باشندے شمشیر ان خان نے ایک لاکھ کے قریب مسلم نوجوانوں کو جنگی خدمات کے لیے پیش کیا۔

سر این گوپالا سوامی آئنگر؟ سرن این راؤ کا عہد وزارت اور مسلمانوں کے عنوان سے مولانا نے اُن کے عہد وزارت عظمیٰ جو ایک سال پر مشتمل ہے کا ذکر کیا کہ اُنھوں نے اعلان کیا تھا کہ وہ ریاست کو ایک نمونہ ریاست بنائیں گے اور آبادی کو متناسب حصہ دینے کا اعلان کیا تھا جس کی بنا پر ہندوؤں نے آپ کو پاکستانی کا خطاب دیا تھا۔ اُن کی نرم مزاجی کا اعتراف کرتے ہوئے اُن کے دور میں مسلمانوں سے کی گئی بہت سی بے انصافیوں کی نشاندہی کی۔ مثلاً آٹھ ٹریفک انسپکٹروں کی آسامیوں میں سے ایک پر مسلمان اور سات پر ہندو تعینات ہوئے۔

مسلم پریس کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ غیر مسلم اخبارات کو ماہوار تیس رم کاغذ کا کوٹہ ملتا ہے۔ جب کہ مسلم اخبارات کو صرف دو رم کوٹہ دیا جاتا ہے۔ اب بتائے کہ راؤ کے جسم میں جناح کی روح ہے یا رام چندر کاک کی۔

مولانا نے راجیہ سبھا کے اختلاف آمیز رویہ پر پھر اظہار افسوس کیا۔ آپ نے نسلی برتری کے احساس کی عبرتناک انجام کی مثال جرمنی کی دی۔ جسے اتحادیوں کے پاؤں تلے روند ڈالا۔ مولانا نے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی بھی مثال دی۔ جنہوں نے آٹھ سو برس تک ہندوستان میں حکومت کی اور آج وہ صرف اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

مولانا نے آخر پر اپنے خطبہ میں یعنی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کے صدر کی حیثیت سے غیر مسلموں کو یقین دلایا کہ بحیثیت اکثریت و بحیثیت مسلمان اُن پر جو ذمہ داریاں عائد ہوں گی وہ اُن کو نبھانے میں کبھی لیت و لعل نہیں کریں گے ۔ (۳۲)

ترجمہ و تفسیر کلام اللہ بزبان کشمیری :۔

مولانا نے قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر کشمیری زبان میں لکھی ۔ اس کا رسم الخط اُردو ہے ۔ یہ مری اور راولپنڈی کے قیام کے دوران لکھا گیا اور اصل مسودہ مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد احمد سے صدر انجمن نصرت الاسلام بر واسطہ مولانا محمد فاروق نے لے کر اس کی طباعت سرینگر سے کرائی ۔ سن طباعت ۱۵ اپریل ۱۹۸۲ء ہے ۔ طباعت کے کام کی نگرانی خواجہ علی محمد تاجر کتب سرینگر نے کی ۔

اس سے قبل بھی قرآن پاک کا ایک کشمیری ترجمہ محمد احمد مقبول سبحانی الکشمیری المدنی فاضل دیوبند نے کیا ۔ قرآن مجید ۱۳۶۶ھ کا مخطوط عالمگیر تحریک ہے ۔ جب کہ پیش نظر نسخہ پر سن طبع ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء درج ہے ۔

(۳۲) ۔ ہفت روزہ کشمیر ، مظفر آباد / راولپنڈی اگست ۱۹۷۰ء ۔

باب، ہشتم

متوسلین کی خدمات زبان اردو

۱۔ مولانا محمد انوری فیصل آبادی ۔

مولانا محمد انوریؒ فیصل آبادی

حالاتِ زندگی :۔

آپ ۶ صفر ۱۳۱۹ھ بمطابق ۲۵ مئی ۱۹۰۱ء موضع اوگی، تحصیل نکودر، ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد ارائیں برادری کے نامور چوہدری اور صاحب جائداد بزرگ تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مولانا فتح دین، عالم باعمل اور شیخ الوقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خاص خدام میں سے تھے۔ آپ چھ ماہ ہی کے تھے کہ آپ کے والد کو چک نمبر ۲۳۸ لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں زمین ملی اور وہ اسی چک میں مقیم ہو گئے۔ (۱)

مولانا عزیز الرحمٰن خلف مولانا محمد انوری کا بیان ہے کہ :۔

"آپ ۲۵ مئی ۱۹۰۱ء میں اوگی، ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کے آباد ہونے پر اسی گاؤں اوگی کے نام سے لائل پور میں چک نمبر ۲۵۱ آباد ہوا اور مولانا یہاں منتقل ہو آئے۔ اب یہ موضع ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں آ گیا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا فتح دین صاحب جو کہ ایک عالم دین تھے، سے حاصل کی، اس کے بعد رائے پور گجراں ضلع جالندھر میں مدرسہ جامعہ رشیدیہ میں لے جا کر داخل کرا دیا۔ وہاں پر آپ نے مولانا معقول احمد صاحب اور مفتی فقیر اللہ صاحب جیسے علمائے دین سے دینی علوم حاصل کئے۔ یہاں پر آپ کا قیام چھ سات سال رہا۔"

مولانا عزیز الرحمٰن نے اپنے والد ماجد کی زبانی روایت بیان کی ہے کہ :۔

"رائے پوری گجراں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، جو دریا کے کنارے پر آباد تھا۔ اس گاؤں میں مدرسہ جامعہ رشیدیہ ایک کچی عمارت میں تھا۔ اس کے کمرے، ان کی دیواریں فرش سب کچے تھے۔ چٹائیوں کی جگہ گھاس بچھی ہوئی تھی۔ اس مدرسہ کے ساتھ ملحقہ کوٹھی کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اس کے اندر کی دیواریں اور چھت پر سب گھاس سے بنائے گئے تھے۔

(۱) فیوض الرحمٰن، قاری: مشاہیر علمائے دیوبند، ناشر مکتبۃ العزیزیہ اردو بازار لاہور، ج ۱، ص ۲۲۲۔

مولانا نے یہاں تعلیم کے دوران خدمتِ اساتذہ کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے رکھا تھا - اساتذہ کے ذاتی مکانات کی تعمیر، اُن کی گارے سے لپائی مولانا نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی - جب مولانا جامعہ رشیدیہ سے فارغ ہو کر دیو بند چلے گئے تو وہاں سے بھی فرصت پا کر رائے پور گجراں آتے اور اپنے اساتذہ کے مکانات کی لپائی اور دوسری خدمات بھی انجام دیتے"۔ (۲)

حافظ غلام فرید اپنی تصنیف احوال العارفین میں رقمطراز ہیں :-

"اسی سال نومبر ۱۹۱۰ء میں مولانا فتح دین صاحبؒ کو دریا برد زمین کے عوض چک نمبر ۲۲۸ گ ب اب ضلع فیصل آباد میں زمین ملی تھی، اور بچپن میں آپ کی والدہ داغِ مفارقت دے گئیں۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن عزیز ناظرہ حضرت حافظ محمد عمر صاحب جالندھری سے شروع کیا، جو کہ اعلیٰ درجہ کے قاری اور طبیب تھے نیز پرائمری کا امتحان مقامی سکول میں پاس کیا - چھٹی جماعت میں داخل ہوئے تو والد بزرگوار نے فارسی شروع کرائی - بوستان تک گھر میں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد مدرسہ رائے پور گجراں میں داخل کیے گئے۔ سکندر نامہ، یوسف زلیخا، جامع القواعد احسن القول، نیرنگ عشق، نفحۃ الیمن، قلیوبی، سبعہ معلقات حضرت مفتی فقیر اللہ صاحبؒ سے پڑھیں۔ میزانِ منشعب، ابواب الصرف، صرفِ میر، نحو میر، شرح مائۃ عامل، ایساغوجی، میزانِ منطق، مرقاتِ التہذیب، حضرت مولانا فضل احمد صاحب سے پڑھیں"۔ (۳)

دو سال پڑھائی نہ ہو سکی، اس کے بعد دوبارہ رائے پور گجراں حاضری ہوئی، کتابوں کو دہرایا اور مزید منیۃ المصلی، کافیہ، قدوری بھی پڑھیں - حضرت مولانا کریم بخشؒ صاحب نے امتحان لیا۔ بہت خوش ہوئے اور اپنے ہمراہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر مدرسہ منبع العلوم لے گئے۔ وہاں کچھ حصہ کنز الدقائق، شرح تہذیب، مقامات حریری اور کچھ حصہ جامی کا پڑھا - وہاں بخار آنے لگا اس لیے گھر واپس آگئے - اس کے بعد پھر رائے پور گجراں پہنچ کر کنز الدقائق، شرح وقایہ، قطبی، تصدیقات، شرح جامی وغیرہ کی تکمیل کی - اس کے بعد پنجاب کے مختلف مدارس میں تحصیلِ علوم کرتے رہے - پھر رائے پور گجراں حاضر ہوئے اور مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا مفتی فقیر اللہؒ سے پڑھی - (۴)

---

(۲) انٹرویو مولانا عزیز الرحمٰن خلف مولانا محمد انوری بمقام سنت پورہ فیصل آباد مورخہ یکم اپریل ۱۹۸۸ء

(۳) غلام فرید، حافظ : احوال العارفین، نذر سنز پبلشرز ۴۰-بی اردو بازار لاہور اگست ۱۹۷۹ء، ص، ۲۵۰ -

(۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص، ۲۵۱ -

دیوبند میں حاضری اور حضرت الحاج علامہ محمد انور شاہؒ سے تلمذ :-

رائے پور گجراں سے شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی دیوبند میں آمد کی خبر سن کر دیوبند حاضر ہوئے اور ۱۳۳۸ھ میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے ترمذی شریف، مسلم شریف کا کچھ حصہ اور بخاری شریف پڑھیں، حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ سے مسلم شریف پوری کی۔ ابو داؤد شریف حضرت مولانا سید میاں اصغر حسینؒ سے پڑھی اور بقایا کتب کی مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ سے تکمیل کر کے شیخ المشائخ مولانا فضل الرحمٰنؒ گنج مراد آبادی کی سند بھی حاصل کی۔ (۵)

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی بیعت :-

حافظ غلام فرید، اپنی تصنیف احوال العارفین میں رقمطراز ہیں :-

"حضرت شیخ الہندؒ نے اسیری مالٹا سے رہائی کے بعد دیوبند آکر فرمایا تھا کہ بخاری شریف پڑھائیں گے، لیکن سخت بیمار ہو گئے اور اسی بیماری سے وصال فرما گئے۔ اسی زمانہ میں حضرت مولانا فقیر اللہؒ صاحب نے حضرت شیخ الہند سے بیعت کرا دیا تھا۔ سلسلہ چشتیہ صابریہ کا ذکر تلقین فرمایا۔ حضرت شیخ الہند کے وصال کے بعد حضرت شیخ مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کشمیری قدس سرہ سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے بعد ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء مولانا محمد انور شاہؒ کی وفات کے بعد میں شیخ المشائخ قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ رائے پوری قدس سرہ سے رائے پور میں بیعت ہوئے تھوڑے سے عرصہ بعد اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔" (۶)

قاری فیوض الرحمٰن اپنی تصنیف مشاہیر علمائے دیوبند میں مولانا کے متعلق صوفیانہ مسلک کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں :-

"مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ نے آپ کو شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے بیعت کرا دیا۔ پھر ان کے وصال کے بعد علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے اصلاح کرواتے رہے اور ان سے خلافت حاصل کی۔ ۱۹۳۸ء میں حضرت مولانا عبدالقادرؒ رائے پوری کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ ان کی طرف سے بھی مجاز بیعت ہوئے۔ آپ کے خلفاء یہ ہیں، مولانا مفتی بشیر احمد پسروریؒ، مولانا عبدالکریم فاضل مظاہر العلوم

---

(۵) ایضاً ایضاً ایضاً ص، ۲۵۱۔

(۶) ایضاً ایضاً ایضاً ص، ۲۵۱۔

سہارنپور، صدر شاہ پور ضلع سرگودھا اور حکیم عبدالمجید صاحب منڈی بہاؤ الدین ہیں۔ (۷)

دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے بطور مدرس ملازمت اختیار کی اور مختلف جگہوں پر تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ دوران ملازمت کے درج ذیل واقعات مولانا عزیز الرحمٰنؒ خلف مولانا محمد انوریؒ نے اپنے والد مرحوم کے بیان کردہ راقم کو نوٹ کروائے۔

۱۔ مولانا کا تبادلہ رائے کوٹ ضلع لدھیانہ میں ہوا۔ اس گاؤں کے تھانہ کے ساتھ تریپن گاؤں تھے۔ تین گاؤں میں مسلمان اکثریت میں تھے جبکہ بقیہ پچاس گاؤں میں ہندو اور سکھ اکثریت میں تھے۔ یہاں کا تھانیدار مسلمان تھا۔ مولانا نے تدریس کے ساتھ مسجد میں جمعہ بھی پڑھانا شروع کیا اور ساتھ ہی وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ نے دوران بیان مسائل کسی حدیث کے حوالہ سے یہ مسئلہ بیان کیا کہ جہاں پر گائے کی پوجا کی جاتی ہو وہاں گائے کی قربانی مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس بات کا جب گاؤں میں خبر چرچا ہوا تو ہندوؤں نے باہر سے سکھ اور دیگر غنڈے بہ نیت فتنہ منگوائے۔ مسلمان بھی اکٹھے ہو گئے۔ تصادم ہوا۔ تھانیدار نے روکنے کی کوشش کی۔ ایک سکھ نے لاٹھی مار کر تھانیدار کا بازو توڑ دیا۔ تھانیدار نے مداخلت سے انکار کر دیا۔ بلوائیوں کو آخر بھاگنا پڑا۔ واپسی پر راستہ میں مسلمانوں کا ایک مکان تھا جس میں پانچ بھائی رہتے تھے اور اس خطرہ کے پیش نظر سب گھر میں موجود تھے۔ بلوائیوں نے اُس مکان کو جلانا چاہا۔ لیکن وہ پانچوں بھائی لاٹھیوں سے مسلح باہر نکلے اور بلوائیوں کو مار مار کر بھگا دیا۔ بلوائیوں کو بھاگتے ہوئے یہ کہتے سُنا گیا کہ پتہ نہیں اتنے مُسلے یہاں کیسے اکٹھے ہو گئے۔

یہاں کے ضلع کا ایس۔ پی قربان علی موقع پر انکوائری کے لیے آیا اور سب معززین کو اکٹھے کر کے فتنے کا سبب دریافت کیا۔ معززین میں سے ایک چوہدری صاحب نے مولاناؒ کو فتنے کا سبب قرار دیا۔ ایس۔ پی چوہدری پر برس پڑا اور بولا تم کیسے مسلمان ہو۔ میں خود گائے کا گوشت کھاتا ہوں۔ اُس نے حکم دیا کہ آئندہ قربانی کے موقع پر یہاں ہندو تھانیدار آیا کرے گا جو امن عامہ کا ذمہ دار ہوا کرے گا۔ چنانچہ گائے کی قربانی کی رسم ۱۹۴۷ء تک وہاں جاری رہی۔ یہ ایس۔ پی بعد میں پاکستان آکر بڑے عہدوں پر فائز رہا۔

۲۔ رائے کوٹ میں تازیانہ کی رسم: "جب مولاناؒ رائے کوٹ میں تبدیل ہو کر آئے تو یہاں سے اٹھارہ تازیے نکلتے تھے۔ مولاناؒ نے اپنے تبلیغی خطبہ میں تازیوں کی شرعی حیثیت بیان کی اور بعدہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات جن میں تازیہ کو غیر شرعی قرار دیا گیا تھا، ثبوت میں پیش کیے۔ تازیہ نکالنے والوں نے آپ سے معافی مانگی اور اب صرف دو تازیے وہاں سے نکلتے تھے۔" (۸)

ڈاکٹر صاحبزادہ محمد حسین الفاری اپنی تصنیف حیات طیبہ مولانا شاہ عبدالقادرؒ رائے پوری میں رقمطراز ہیں:۔

"مولانا محمد صاحب انوریؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مولانا محمد انور شاہؒ

(۷) فیوض الرحمٰن، قاری، حافظ: مشاہیر علمائے دیوبند، ناشر المکتبۃ العزیزیہ۔ ۱۳۔ اردو بازار لاہور، ایڈیشن، ۱۹۷۶ء، ص ۲۲۲، ۲۲۳۔

(۸) انٹرویو مولانا عزیز الرحمٰنؒ خلف مولانا محمد انوری بمقام شنت پورہ فیصل آباد، مورخہ یکم اپریل ۱۹۸۸ء

سے دریافت کیا کہ ابن تیمیہ کیسے ہیں؟ شاہ صاحبؒ نے فرمایا "بحر لا ساحل لہ" یعنی وہ علم کا ایسا سمندر جس کا کوئی کنارہ نہیں، اور فرمایا کہ وہ صرف اپنے مذہب کی بات سنتے ہیں، دوسروں کی نہیں سنتے" اور فرمایا جب اپنے مذہب پر تقریر کرتے ہیں تو ایک طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ اُس وقت میں ایک درخت پر چڑھ جاتا ہوں۔ جب آگے گزر جاتے ہیں تو میں نیچے اتر کر ادب سے ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہوں، حضرت کچھ ہماری بھی سنیں گے یا نہیں اور فرمایا کہ میں نے حافظ ابن حجر اور شیخ ابن تیمیہ کے متعلق استخارہ کیا کہ میں انکے مقابلے میں بول سکتا ہوں یا نہیں، تو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے یہ القاء ہوا کہ تم کو اُن کے مقابل میں گفتگو کرنے کا حق حاصل ہے۔" (۹)

حافظ غلام فرید رقمطراز ہیں:۔

"آپ ابتدائی زمانہ میں سکول میں ملازم تھے۔ ۱۳۶۳ھ، ۱۹۴۴ء میں حضرت شاہ عبدالقادر لدھیانہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ دو بجے رات آپ کو فرمایا کہ میں آپ سے بہت خوش ہوں "ضیاء القلوب" کا مطالعہ کریں اور اُسکے مطابق بیعت لیا کریں اور سکول کی ملازمت ترک کر دیں۔ بس توکل کر کے بیٹھ جائیں۔ آپ نے اگلے روز استعفیٰ دے دیا اور مدرسہ عربیہ کی بنیاد ڈالی اور تقسیم ملک کے بعد مکان نمبر ۲۳ محلہ سنت پورہ۔ فیصل آباد میں مدرسہ تعلیم الاسلام شروع فرمایا، جس میں حفظ و ناظرہ قرآن مجید اور عقائد و اصلاح کی کتابوں کے علاوہ درس نظامی اور حدیث شریف کی تعلیم دیتے رہے جس سے بہت لوگ فیضیاب ہوئے۔ تقریباً ۲۰ سال علوم ظاہری و باطنی اور ارشاد و تلقین میں گزارتے ہوئے آپ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربان ہو گئے۔ ۷۰ سال کی عمر پائی۔ تاریخ وفات ۱۲ ذیقعد ۱۳۸۹ھ ۲۲ جنوری ۱۹۷۰ء ہے۔ مزار مبارک قبرستان کلاں۔ فیصل آباد میں ہے۔ (۱۰)

(۹) محمد حسین انصاری، صاحبزادہ، ڈاکٹر: حیات طیبہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، ص، ۳۰۹ تا ۳۱۰ -

(۱۰) غلام فرید، حافظ، احوال العارفین، نذر سنز پبلشرز، ۴۰۔ اے اُردو بازار لاہور - ایڈیشن اگست ۱۹۷۹ء، ص ۲۵۲ -

مولانا عزیز الرحمٰن خلف مولانا محمد انوریؒ کا بیان ہے کہ مولانا پر فالج کا حملہ ہوا ۔ علاج سے قدرے افاقہ ہوا مگر زبان میں لکنت رہ گئی کبھی کبھی دل کی تکلیف بھی ہو جاتی تھی ۔ یہ سلسلہ چار پانچ سال تک رہا ۔ انتقال سے پانچ دن پہلے دل کا دورہ پڑا ۔ لیکن نماز باجماعت نہ چھوڑی ۔ اس دوران سب اہل خانہ سے لفافیح کرتے رہے ۔ ۲۱ جنوری ۱۹۹۰ء کو مغرب کی نماز بھی باجماعت ادا کی ۔ دائیں طرف سلام پھیرا لیکن بائیں طرف نہ پھیر سکے اور بے ہوشی طاری ہو گئی ڈاکٹروں کو بلایا گیا تو معائنہ کیا کہ دماغ کی نس پھٹ گئی ہے ۔ ہسپتال پہنچایا گیا ۔ ڈاکٹروں نے سخت محنت کی ۔ آخر ۲۲ جنوری ۱۹۹۰ء کو صبح چار بجے انتقال فرمایا ۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ (۱۱)

جامع مسجد انوری بیاد علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ :۔

یہ جامع مسجد محلہ سنت پورہ فیصل آباد میں واقع ہے ۔ مولانا نے اس مسجد کو اپنی خصوصی کوششوں سے تعمیر کرایا ۔ پہلے معمولی تعمیر ہوئی ۔ پھر اسکی تعمیر نو اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی اور مولانا نے اس مسجد کا نام اپنے اُستاد و مرشدِ طریقت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے نام پر مسجد انوری رکھا ۔

تحریک ختم نبوت میں شرکت :۔

مولانا نے ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں حصہ لیتے ہوئے ایک جلوس کی قیادت کی اور گرفتار ہو کر ایک ماہ جیل میں رہے ۔ مولانا کی طبیعت میں شانِ استغنا پائی جاتی تھی ۔ انہیں مکان ، زمین اور تجارت کی پیشکشیں ہوئیں لیکن آپ نے ہمیشہ قبولیت سے انکار کر دیا ۔ (۱۲)

اُولاد :۔

آپ کے پانچ صاحبزادے ۱۔ مولانا عزیز الرحمٰن ۔ ۲ ۔ مولانا سعید الرحمٰن ۔ ۳ ۔ مولانا قاری مسعود الرحمٰن ۔ ۴ ۔ مولانا محمد ایوب الرحمٰن ۵ ۔ مولانا مقبول الرحمٰن ہیں ۔ آپ کی تین صاحبزادیاں ہیں ، سارے صاحبزادے اُن کی بیویاں اور صاحبزادیاں حافظ قرآن ہیں ۔

مولانا محمد انوری نے اپنے مضمون " حضرت الأستاذ محدث کشمیریؒ " میں اپنے اُستاد و مرشد علامہ کشمیریؒ پر مختلف اہل علم کی آراء کا ذکر کیا ہے ۔ جن کا بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے ۔

۱۔ علامہ فہامہ جناب مولانا مولوی سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری ساکن کشمیر بے نظیر شخص ہیں ۔ ذہین و ذکاء ورع و تقویٰ میں فردِ کامل ۔ مدرسہ امینیہ دہلی) میں ابتداءً مدرس اوّل تھے ۔ (مفتی کفایت اللہ)

۲۔ " حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ حقانیت اسلام کی زندہ حجت ہیں " یہاں کا اسلام میں وجود دینِ اسلام کے حق ہونے کی دلیل ہے

(۱۱) انٹرویو مولانا عزیز الرحمٰن خلف مولانا محمد انوری ، بمقام سُنت پورہ ، فیصل آباد ، مورخہ یکم اپریل ۱۹۸۸ء

(۱۲) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

"مولانا انور شاہ صاحبؒ کے ایک ایک فقرے پر ایک ایک رسالہ تصنیف کیا جا سکتا ہے"۔ "حضرت شاہ صاحبؒ سے میں نے اس قدر استفادہ کیا ہے کہ میرے قلب میں ان کا احترام اس طرح ہے کہ جیسا کہ اپنے اساتذہ کا"۔ (مولانا اشرف علی تھانویؒ) (۱۳)

۳:۔ "حضرت شاہ صاحبؒ کاملین میں سے تھے۔ آپ کے وصال سے علماء یتیم ہو گئے"۔ (مولانا حسین علیؒ)

:۔ "مولانا انور شاہ صاحبؒ بڑے محدث ہیں"۔ ایضاً

۴:۔ "آپ نائب رسولؐ ہیں، میرا جی چاہتا ہے آپ کو دیکھتا ہی رہوں کہ جناب کا چہرہ پُر انوار ہے"۔ (حضرت میاں شیر محمد صاحب شرق پوری)

"دیوبند میں چار نوری وجود ہیں، ایک ان میں سے حضرت شاہ صاحبؒ ہیں"۔ ایضاً

۵:۔ "میں نے عرب ممالک کا سفر کیا اور علمائے زمانہ سے ملا ہوں، خود مصر میں کئی سال حدیث شریف کا درس دیا۔ میں نے شام سے لے کر ہندوستان تک اس شان کا کوئی محدث اور عالم دین نہیں دیکھا۔ میں نے ان کو ہر طرح بند کرنے کی سعی کی لیکن ان کے استحضار علوم اور تیقظ و اتقان، ذکاوت اور وسعت نظر سے میں حیران رہ گیا۔

"اب بفضل تعالیٰ امید قوی ہے کہ یہ میرا سفر عبادت میں گنا جائے گا کہ میں نے ایسی مقدس درسگاہ کی زیارت کی اور مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ جیسے محدث اور بزرگانِ دین کے علوم سے فیضیاب ہونے کا شرف حاصل کیا"۔ (علامہ علی مصری حنبلی) (۱۴)

۶:۔ "آسٹریلین بلڈنگ کی مسجد میں بعد نماز جمعہ وعظ فرمایا"۔ وعظ کرسی پر بیٹھ کر فرما رہے تھے۔ احقر کے دل میں وسوسہ سا گزرا کہ مسجد میں تو شاید کرسی بچھانا سوءِ ادب ہو۔ حضرتؒ نے فوراً خطبہ بند کر دیا۔ فرمایا کہ مسجد میں کرسی بچھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک سائل کے جواب دینے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدینہ کے بازار سے کرسی لائی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ اس کرسی کے پائے سیاہ تھے غالباً لوہے کے تھے۔ خطبے کے قریب لائی گئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر بیٹھ کر جوابات دیئے۔ (محمد انوری) (۱۵)

۷:۔ "اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ کو دیکھ لے"۔ (مولانا محمد ابراہیمؒ سیالکوٹی)

۸:۔ "مولانا انور شاہ صاحبؒ تو حافظ حدیث ہیں"۔ (مولوی محمد اسماعیل صاحبؒ گوجرانوالہ) (۱۶)

---

(۱۳) - محمد ازہر شاہ، قیصر، سید: حیاتِ انور، طابع و ناشر، نسیم اختر شاہ، منزل دیوبند، ایڈیشن، جنوری ۱۹۶۵ء ج ۱، ص ۳۰۵، ۳۰۹، ۳۱۰۔

(۱۴) - ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۱۹۔

(۱۵) - ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۲۹، ۳۳۰۔

(۱۶) - ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۳۰۔

یہ خط سید احمد رضا بجنوری کے قلمی ڈابھیل سے ۱۰ نومبر ۱۹۳۲ء کو تحریر ہوا ہے۔ صفحہ ۵۲ پر خط نمبر ۷ بھی حضرت علامہؒ کا بنام مولوی محمد ڈابھیل سے تحریر کیا گیا ہے۔ یہ خط بھی سید احمد رضا کے قلمی تحریر ہوا ہے۔ تاریخ ۳ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ ہے۔ اس خط میں بواسیر خونی کی شدت اور ضعف کا ذکر ہے۔ خط نمبر ۸ محمد انور شاہ فقیر بنام مولانا محمد ہے۔ خط نمبر ۹ مولوی عبدالغفور صاحب کا حسبِ ارشاد حضرت شاہ صاحبؒ مولوی محمد صاحبؒ کے نام تحریر ہے۔ ۱۰ مارچ ۱۹۳۲ء کا تحریر کردہ ہے۔ خط نمبر ۱۰ ص ۵۴۔ حضرت علامہ بنام مولانا احمد علیؒ دیوبند سے تحریر ہوا ہے۔ یہ وہ تعارفی خط ہے۔ جو میر واعظ مولانا محمد یوسف کو مولانا احمد علی کے نام دیا تھا۔ اصل خط عربی میں ہے۔ جو میر واعظ صاحب کے بیٹے مولانا محمد احمد کے پاس موجود ہے۔ راقم کے پاس اُسکی عکسی نقل ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے کیا ہے۔ مولانا نے اس کا ترجمہ شامل کیا ہے۔ صفحہ ۵۵ پر حضرت علامہ کا خط بنام حاجی محمد جانسبرگ ارسال کیا گیا۔ فارسی میں تحریر ہے۔ ص: ۵۶، ایک دفعہ کشمیر جاتے وقت حضرت علامہؒ نے مولانا محمدؒ کو اپنے دست مبارک سے کشمیر کا پتہ لکھ دیا "کشمیر نیدوارہ ورنو، محمد انور شاہؒ"۔ ص: ۵۷، خط نمبر ۱۲ علامہ محمد انور شاہؒ بنام حاجی مولوی محمد بن موسیٰؒ۔ فارسی میں۔ خط نمبر ۱۴، ۱۵، ایضاً فارسی میں۔ خط نمبر ۱۶ حضرت علامہ کا خط مکتوب الیہ کا نام تحریر نہیں۔ ڈابھیل سے ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۵۱ھ کو تحریر کیا گیا۔ خط نمبر ۱۷ حضرت علامہ بنام حاجی ابراہیم از دیوبند، خط نمبر ۱۸، حضرت شاہ صاحبؒ بنام حاجی یوسف گارڈی، وحاجی موسیٰ ۴ ڈابھیل سے یکم جمادی الآخر ۱۳۴۸ھ کو تحریر کیا گیا ہے۔ خط نمبر ۱۹، حضرت علامہ بنام مولوی لبشیراحمد کشمیر نیدوارہ سے ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۲۹ھ کو تحریر کیا گیا۔ صفحہ ۶۴ تا ۶۵ متفرق خطوط ہیں۔

۵:۔ انوار الانوری :۔ یہ کتاب بھی اُردو میں لکھی گئی ہے۔ مصنف مولانا محمد لائلپوری (فیصل آبادی) سن اشاعت ۳۰ جنوری ۱۹۶۸ء مطبع اڈ ناشر درج نہیں ہے۔ کل صفحات ۲۰۸۔ صفحہ ۴۱ تک مختلف لوگوں کی زبانی حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے واقعات، فرمودات وغیرہ۔ صفحہ ۴۲ تا ۵۳ مقدمہ بہاولپور میں حضرت علامہ کے بیانات کا ذکر ہے۔ ص ۵۴ تا ۶۲ مولانا خیر محمد مہتمم خیر المدارس کے تاثرات۔ ص ۶۳ تا ۷۰ یوم عاشورہ کی تاریخ کی تحقیق، ص ۷۱ تا ۷۴، عالم کی بقا یاد الٰہی پر منحصر ہے، ص ۷۵ تا ۷۹ ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق۔ ص ۸۰ تا ۸۲ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی علمی شکل۔ ص ۸۳ تا ۹۶، مختلف موضوعات، ص ۹۶ تا ۱۶۱ مختلف موضوعات حضرت کے تاثرات۔ ص ۱۶۲ تا ۱۶۸ علامہ کا قصیدہ معراجیہ عربی میں ہے اور ساتھ ترجمہ اُردو زبان میں ہے۔ ص ۱۶۹ تا اختتام مختلف موضوعات پر کمالات انوری کا ذکر ہے۔

۶:۔ ملفوظات حضرت رائپوری :۔ مؤلفہ مولانا محمد انوریؒ۔ مطبع، سن اشاعت، ندارد۔ کل صفحات ۳۲۔ اندر کے آخری صفحہ پر تاریخ ۷ ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ درج ہے۔ اس میں بغیر کسی عنوان کے حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری کے ملفوظات جوکہ مختلف موضوعات پر ہیں۔

درج کیے گئے ہیں ۔ حضرت علامہ کا بھی ذکر موجود ہے ۔ کل ۶۰ ملفوظات درج ہیں ۔

۷ :۔ احادیث الحبیب متبرکہ :۔ مصنف مولانا محمد انوری لائلپوری (حال ضلع فیصل آباد) سنت پورہ دسمبر ۱۹۷۴ء کل صفحات ۴۰ ۔ ص ۲ پر دو حدیث درج ہے جو چہل حدیث کی فضیلت میں ہے ۔ ص ۳ تا ۲۰ چالیس احادیث مع عربی متن اور اُردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ درج کی گئی ہیں ۔ نیچے ۳ اکتوبر ۱۹۶۲ء درج ہے ۔ ص ۲۱ پر متبرکہ چہل احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عنوان ، مصنف کا نام تاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۶۲ء درج ہے ۔ ص ۲۲ تا ۳۲ مزید چالیس احادیث مع اُردو ترجمہ درج کی گئی ہیں ۔ ص ۳۳ تا ۳۸ پر علامہ محمد انور شاہؒ کی عربی نعت نبی کے ۲۴ اشعار مع اُردو ترجمہ بالوضاحت درج ہے ۔ ص ۳۹ پر اختتامی نوٹ ہے ۔

۸ :۔ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر سے نکالنے کے متعلق فتاوی علمائے کرام :۔ یہ رسالہ بھی اُردو زبان میں ہے ۔ جو ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے جو راقم کو مولانا محمدؒ کے فرزند مولانا عزیز الرحمٰن نے چھپا کیا ۔ اس کا ٹائٹل نہیں ہے ۔ ص ۱ تا ۶ پر اس موضوع پر مولانا محمدؒ کا فتویٰ موجود ہے ۔ ص ۷ پر مولانا کی طرف سے تنبیہ کے عنوان سے چند سطور درج ہیں ۔ بقیہ رسالے میں فتوے کی تائید میں دیگر علماء کے فتاویٰ درج ہیں ۔

۹ :۔ حیات انور :۔ مولفہ سید از ہر شاہ قیصر میں مولانا کا مضمون حضرت الاستاذ و محدث کشمیریؒ حصہ اوّل میں ص ۳۰۲ تا ۳۴۰ پر مشتمل ہے ۔ حافظ قاری فیوض الرحمٰن نے مشاہیر علمائے دیوبند میں بذیل مزید تصانیف کا ذکر کیا ہے ۔

۱ ۔ الحج المقبول ، اُردو زبان میں ۔ ۲ ۔ السنن والآثار لسید الابرار اُردو ۴۰ صفحات ۔ ۳ ۔ تعلق الانور علامہ انور شاہ کی تقریر ترمذی ۵۰۰ صفحات قلمی ۔ ۴ ۔ ترجمہ خاتم النبیین (قلمی) علامہ انور شاہؒ کی فارسی کتاب کا ترجمہ ۔ ۵ ۔ مکتوبات و ملفوظات (قلمی) علامہ انور شاہؒ کی کتاب کا اُردو ترجمہ ۔ ۶ ۔ مسئلہ حیات النبیؐ (قلمی) ۔ ۷ ۔ تقلید کیا ہے ۔ ۸ ۔ ردِّ قادیانیت ۔ ۹ ۔ البشارات فی حل الارشادات ، بوعلی سینا کی کتاب ارشادات کی عام فہم اُردو زبان میں تلخیص ۔ ۱۰ ۔ سوانح عمری مولانا انور شاہ کشمیریؒ (یہ کتاب تقسیم ملک کی وجہ لدھیانہ میں رہ گئی قلمی نسخہ) ۔ ۱۱ ۔ مولانا مودودی کے خلاف چند پمفلٹ ۔ ۱۲ ۔ ردِّ قادیانیت میں ایک رسالہ ۔

راقم حروف یکم اپریل ۱۹۸۲ء کو مولانا انوریؒ پر کام کے سلسلہ میں اُن کے گھر محلہ سنت پورہ فیصل آباد گیا اور اُن کے بڑے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن کے ہاں قیام کیا اور اُن سے مفصل معلومات حاصل کیں ۔ وہاں دوسرے صاحبزادوں سے بھی ملاقات کی ۔ مولانا عزیز الرحمٰن نے بتایا کہ تقسیم ہند کے وقت کچھ کتب تو جالندھر میں رہ گئیں ۔ بقیہ کتب یہاں ہم سب بہن بھائیوں میں ترکہ میں تقسیم ہو گئیں ۔ جس کی وجہ سے اکثر کتب اور قلمی نسخے ضائع ہو گئے ۔ (دستیاب شدہ کتب کا حوالہ زبان اُردو کے سلسلہ میں مفصل حوالہ دے دیا گیا ہے)

× × ×

(۱) فیوض الرحمٰن ، قاری ، حافظ : مشاہیر علمائے دیوبند ۔ مکتبہ عزیزیہ اُردو بازار لاہور ۔ بار اوّل ۱۹۷۶ء جلد ۱ ، ص ، ۲۲۳ ، ۲۲۴ ۔

ماخذ و مصادر

(۱)۔ اعزاز علی، مولانا: اُردو شرح قصیدہ (عربی)، طبع ندارد، امروہہ ضلع مُراد آباد، ناشر ندارد، ۱۳۳۶ھ

(۲)۔ 〃 : البینات اُردو ترجمہ لامیۃ المعجزات، ندارد، کراچی، میر محمد کتب خانہ آرام باغ، ۱۳۴۳ھ

(۳)۔ 〃 : حواشی جدیدہ وحل اللغات و ترجمۂ اُردو، دیوان متنبی، 〃 〃، ۱۳۴۸ھ

(۴)۔ اعجاز الحق، قدوسی: اقبال اور علمائے پاک و ہند، اوّل، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء

(۵)۔ اختر راہی: تذکرہ علمائے پنجاب،

(۶)۔ اظہر شاہ، قیصر: حیاتِ انور، دوم، دیوبند، محمدی پریس، ۱۹۷۷ء

(۷)۔ انظر شاہ، مسعودی: نقشِ دوام، ندارد، کراچی، المکتبۃ البنوریہ بنوری ٹاؤن، سن ندارد

(۸)۔ احمد رضا، مولانا، بجنوری: انوار الباری، ندارد، دیوبند، مکتبہ ناشر العلوم، سن ندارد

(۹)۔ انظر شاہ، مسعودی: تذکرۃ الاعزاز، اوّل، دیوبند، شاہ منزل، ۱۹۵۳ء

(۱۰)۔ احسان اللہ، مولانا، تاجور نجیب آبادی، شمس العلماء، پروفیسر: پیامِ زندگی، ندارد، لاہور، میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز، سن ندارد

(۱۱)۔ 〃 : رزم و بزم، 〃، 〃، علمی مرکز، 〃

(۱۲)۔ 〃 : و پنڈت میلا رام وفا: روحِ نظم، ندارد، لاہور، مرکنٹائل پریس، 〃

(۱۳)۔ 〃 : منتخب افسانے، ندارد، لاہور، میسرز عطر چند کپور، 〃

(۱۴)۔ 〃 : مداحِ رو مراثی، 〃، 〃، 〃، 〃

(۱۵)۔ 〃 : مہاتما بدھ، 〃، 〃، گورداس کپور اینڈ سنز انارکلی، 〃

(۱۶)۔ 〃 : تصویرِ خاطر، 〃، 〃، میسرز عطر چند کپور، 〃

(۱۷)۔ جگن ناتھ آزاد، پروفیسر: اقبال اور کشمیر، اوّل، دہلی، جال پریس سری نگر علی محمد اینڈ سنز، ۱۹۷۷ء

(۱۸)۔ سلیم خان، گمی: اقبال اور کشمیر

(۱۹)۔ 〃 : کشمیر میں اشاعتِ اسلام، ندارد، لاہور، یونیورسل بکس، اُردو بازار، ۱۹۸۶ء

(۲۰)۔ سعید احمد، اکبر آبادی، مولانا: چار علمی مقالات، ندارد، علیگڑھ، مسلم یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۷ء

(۲۱)۔ سعید احمد، اکبر آبادی، مولانا : صدیق اکبر، دوم، ندارد، ندارد، سنہ ۱۹۸۱ء

(۲۲)۔ " : الرق فی الاسلام، سوم، دہلی، لعل قلعہ خانگی آرٹ پریس، سنہ ۱۹۶۰ء

(۲۳)۔ " : خطبات اقبال پر ایک نظر، ندارد، سرینگر، یونیورسٹی اقبال انسٹیٹیوٹ کشمیر، سنہ ۱۹۸۳ء

(۲۴)۔ " : غلامی کی حقیقت (اسلام میں)، اوّل، لاہور، نخشی سٹریٹ بیرون موری گیٹ، سنہ ۱۹۸۲ء

(۲۵)۔ " : غلامان اسلام، ندارد، دہلی، ندوۃ المصنفین الجمعیت پریس، سنہ ۱۹۶۳ء

(۲۶)۔ " : فہم القرآن، ندارد، دہلی، یونین پرنٹنگ پریس، سنہ ۱۹۶۱ء

(۲۷)۔ " : مسلمانوں کا عروج وزوال، سوم، دہلی، آملی پرنٹنگ پریس، سنہ ۱۹۶۰ء

(۲۸)۔ " : مولانا عبیداللہ سندھی اور اُن کے ناقد، اوّل، لاہور، چمبرلین روڈ، سنہ ۱۹۴۶ء

(۲۹)۔ " : مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) سیرت وشخصیت علمی وعملی کارنامے)، مرتب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

— — اوّل، کراچی، ادارہ تصنیف وتحقیق پاکستان، سنہ ۱۹۸۶ء

(۳۰) " : وحی الٰہی، ندارد، ندارد، ندارد، سنہ ۱۹۶۳ء

(۳۱)۔ شمس الدین قاسمی، مولانا : القول الجلی فی حیاۃ النبیؐ، دوم، گوجرانوالہ، قاضی شمس الدین مہتمم مدرسہ جامعہ عربیہ محلہ جاوید پورہ، سنہ ۱۹۸۳ء

(۳۲)۔ " : تیسیر القرآن فی تعبیر الرحمٰن، اُردو تفسیر قرآن پاک جو دستیاب نہ ہوسکی۔

(۳۳)۔ " : مسالک العلماء فی حیاۃ الانبیاء، ندارد، ندارد، ندارد، سن ندارد

(۳۴)۔ " : مدعیان نفاذ مکمل نظام مصطفےٰؐ کا کردار، فارسی نظم مع اُردو ترجمہ۔ دیگر کوائف ندارد۔

(۳۵)۔ شمس الحق، مولانا، افغانی : سائنس اور اسلام، ندارد، لاہور، مکتبۃ الحسن چوک عبدالکریم محلہ گوجر سنگھ، سن ندارد

(۳۶)۔ " : سرمایہ دارانہ اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، ندارد، "، "، "

(۳۷)۔ " : علوم القرآن، "، "، "، "

(۳۸)۔ شفیق مرزا : کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد، منتخب دستاویزات ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۹ء، ندارد، اسلام آباد، قومی ادارہ برائے

— — تحقیق وثقافت، سن ندارد

(۳۹)۔ شیر بہادر خان، پنی، ڈاکٹر : تاریخ ہزارہ، اوّل، ایبٹ آباد، دارالشفاء، سنہ ۱۹۶۹ء

(۴۰)۔ عبدالقدوس، ہاشمی، مولانا : تقویم تاریخی، دوم، اسلام آباد، ادارۂ تحقیقات اسلامی، سنہ ۱۹۸۷ء

(۴۱)۔ عبدالرحمٰن، کوکندو : الانور، چہارم، دہلی، ندوۃ المصنفین، سنہ ۱۹۸۱ء

(۴۲)۔ عبدالصمد، صارم : سیرت انور شاہ کشمیری، ندارد، لاہور، ایم ثناء اللہ خان ۲۶ ریلوے روڈ، سن ندارد۔

(۴۳)۔ عبدالرشید ارشد : بیس بڑے مسلمان، ندارد، لاہور، مکتبہ رشیدیہ شاہ عالم مارکیٹ، سنہ ۱۹۸۳ء

(۴۴)۔ غلام فرید، حافظ : احوال العارفین، ندارد، " ، نذر سنز پبلشرز ایم۔ اے اُردو بازار، سنہ ۱۹۷۹ء

(۴۵)۔ غلام محمد : تذکرہ احسن، " ، کراچی، مجلس علمی، سنہ ۱۹۵۹ء

(۴۶)۔ غلام اللہ خان، مولانا : البیان، افادات مولانا حسین علی بتصحیح مولانا غلام اللہ خان، ندارد، راولپنڈی کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار ۱۹۷۹ء

(۴۷)۔ " : تفسیر القرآن (جواہر القرآن)، ندارد، راولپنڈی، کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار، سن ندارد

(۴۸)۔ " : جواہر التوحید، افادات مولانا غلام اللہ خان، مرتبہ ابو سجاد بخاری، ندارد، " ، سنہ ۱۹۸۶ء

(۵۰)۔ غلام غوث، مولانا، ہزاروی : فیوض غوث، افادات مولانا ہزاروی مرتبہ مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی، ندارد، راولپنڈی، مکتبہ فیض الشیخ ۱۹۸۰ء

(۵۱)۔ " : لاہوری محضرنامہ کا جواب، دیگر کوائف ندارد

(۵۲)۔ " : مسلمہ اصول جنگ سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں، ندارد، لاہور، مکتبہ جدید پریس، سن ندارد

(۵۳)۔ " : مولانا مفتی محمود کی مسلسل غلط بیانیوں کے جوابات، " ، راولپنڈی، کوہاٹی بازار، "

(۵۴)۔ " : مودودی دجل وفریب، ندارد، سکھر، الجمعیت پبلیکیشنز، سن ندارد

(۵۵)۔ فضل الرحمان، مولانا : تاریخ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک، ندارد، ندارد، ندارد، سنہ ۱۴۰۵ھ

(۵۷)۔ فیوض الرحمٰن، قاری، حافظ : مشاہیر علمائے دیوبند، ندارد، لاہور، مکتبۃ العزیز ۱۲ اُردو بازار، سنہ ۱۹۷۶ء

(۵۸)۔ محمد ادریس، مولانا، کاندھلوی : اسلام اور عیسائیت، ندارد، ندارد، ندارد، سنہ ۱۴۰۵ھ

(۵۹)۔ " : احسن الحدیث فی ابطال التثلیث، ندارد، لاہور، مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ، سن ندارد

(۶۰)۔ " : حیات عیسیٰ علیہ السلام، " ، " ، " ، ادارہ اسلامیات، سنہ ۱۹۷۷ء

(۶۱)۔ " : حجیت حدیث، " ، " ، مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ، " ، سن ندارد

(۶۲) " : سیرۃ المصطفیٰ، تین جلد، " ، " ، " ، " ، " ، سنہ ۱۹۷۹ء

(۶۳)۔ " : عقیدت الاسلام، " ، " ، " ، " ، سن ندارد

(۶۴)۔ " : علم الکلام، " ، " ، " ، " ، "

(۶۵)۔ محمد ادریس، مولانا، کاندھلوی : مقدمہ معارف القرآن، ندارد، لاہور، مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ، سنہ ۱۹۸۶ء

(۶۶)۔ 〃 : معارف القرآن، ۶ جلد، 〃، 〃، 〃، سنہ ۱۹۸۲ء

(۶۷)۔ 〃 : لامیۃ المعراج مع شرح الموسوم بتنویر السراج، ندارد، ملتان، ادارہ الصدیق، سن ندارد

(۶۸)۔ 〃 : کلمۃ اللہ فی حیاۃ روح اللہ، ندارد، لاہور، مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ، سن ندارد

(۶۹)۔ محمد انور شاہ، علامہ، کشمیری : دعوت حفظ ایمان،

(۷۰)۔ 〃 : سہم الغیب فی کبد اہل الریب،

(۷۱)۔ 〃 : گنجینۂ اسرار، بیاض وظائف و عملیات علامہ انور شاہ، تحریر و ترتیب مولانا مظفر الحسن قاسمی، اوّل،
— لاہور، ادارہ اسلامیات انارکلی، سنہ ۱۹۷۹ء

(۷۲)۔ محمد انوار الحسن، پروفیسر، شیر کوٹی : امام غزالیؒ کے تعلیمی نظریات و اصلاحات، ندارد، لاہور، ملک دین محمد اینڈ سنز، سنہ ۱۹۵۴ء

(۷۳)۔ 〃 : انوار قاسمی، اوّل، لاہور، ادارہ سعدیہ مجددیہ جمبر لین روڈ، سنہ ۱۹۶۹ء

(۷۴)۔ 〃 : انوار عثمانی، ندارد، کراچی، مکتبہ مولوی مسافر خانہ بندر روڈ، سنہ ۱۹۶۶ء

(۷۵)۔ 〃 : تجلیات عثمانی، 〃، ملتان، ادارہ تصنیف و تالیف جلیک، سنہ ۱۹۵۷ء

(۷۶)۔ 〃 : حیاتِ امداد، 〃، کراچی، مکتبہ دار العلوم، سنہ ۱۹۸۵ء

(۷۷)۔ 〃 : خطباتِ عثمانی، 〃، لاہور، نذر سنز، سنہ ۱۹۷۲ء

(۷۸)۔ 〃 : روح رمضان، 〃، 〃، رشید آرٹ پریس، سنہ ۱۹۴۲ء

(۷۹)۔ 〃 : سیرت یعقوب و مملوک، 〃، کراچی، مکتبہ دار العلوم، سنہ ۱۹۷۴ء

(۸۰)۔ محمد النوری، مولانا : انوار النوری، ندارد، ندارد، ندارد، سنہ ۱۹۶۸ء

(۸۱)۔ 〃 : الصلوٰۃ، 〃، جالندھر، 〃، سنہ ۱۹۳۲ء

(۸۲)۔ 〃 : العجالہ، 〃، فیصل آباد، الیکٹرک پریس ریلوے روڈ، سنہ ۱۹۶۶ء

(۸۳)۔ 〃 : الحدیث الحبیب المتبارکہ، ندارد، ندارد، ندارد، سنہ ۱۹۶۹ء

(۸۴)۔ 〃 : سیرت خاتم الانبیاء، 〃، فیصل آباد، الیکٹرک پریس ریلوے روڈ، سنہ ۱۹۶۷ء

(۸۵)۔ 〃 : فتاوٰی علمائے کرام، دیگر کوائف ندارد

(۸۶)۔ محمد انوری، مولانا : مکتوباتِ بزرگان، ندارد ، ندارد ، ندارد، ندارد، ۱۹۶۶ء

(۸۷)۔ " : ملفوظات حضرت رائے پوری، دیگر کوائف ندارد۔

(۸۸)۔ " : میت کو دفنانے کے بعد نکالنے کے متعلق، "

(۸۹)۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، سر: ارمغان حجاز، ستا ایڈیشن، ندارد، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، سن ندارد،

(۹۰)۔ محمد اکبر شاہ، حافظ : ذکر طیب، ندارد، لاہور، ادارہ اسلامیات انار کلی، ۱۹۸۶ء

(۹۱)۔ " : سیرت بدر عالم، "، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک، ۱۹۸۵ء

(۹۲)۔ محمد اسحاق، بھٹی : فقہائے ہند، اول، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ، ۱۹۷۹ء

(۹۳)۔ محمد بدر عالم، مولانا، میرٹھی: ترجمان السنۃ، چار جلد، ندارد، کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، ۱۹۷۶ء

(۹۴)۔ " : جواہر الحکم، ندارد، "، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک، ۱۹۸۰ء

(۹۵)۔ " : حکایاتِ عزیمت، "، لاہور، گلستان پبلیکیشنز، ۱۹۷۷ء

(۹۶)۔ " : نزول عیسیٰ علیہ السلام، "، رحیم یار خان، ادارہ نشریاتِ اسلام، سن ندارد

(۹۷)۔ " : زبدۃ المناسک، دیگر کوائف ندارد۔

(۹۸)۔ محمد حفظ الرحمٰن، سیوہاروی، مولانا: اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ندارد، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۰ء

(۹۹)۔ " : اسلام کا اقتصادی نظام، دوم، لاہور، ادارہ اسلامیات انار کلی، ۱۹۸۳ء

(۱۰۰)۔ " : بلاغ مبین، دیگر کوائف ندارد۔

(۱۰۱)۔ " : حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان، "

(۱۰۲)۔ " : مالابار میں اسلام، دستیاب نہ ہو سکی۔

(۱۰۳)۔ " : نور البصر فی سیرت خیر البشر، ندارد، لاہور، سُنّی پبلیکیشنز، سن ندارد

(۱۰۴)۔ " : قصص القرآن، چار جلد، ندارد، کراچی، ندارد، ۱۹۷۲ء

(۱۰۵)۔ محمد حنیف : حالاتِ مصنفین درس نظامی، ندارد، کراچی، دارالاشاعت، سن ندارد۔

(۱۰۶)۔ محمد حسن شاہ، پیر، ڈاکٹر: حیات جاودان، "، راولپنڈی، سعدیہ کتب خانہ اردو بازار، سن ندارد۔

(۱۰۷)۔ محمد حنیف، مولانا، ندوی: مطالعہ قرآن، "، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۷۸ء

(۱۰۸) - محبوب رضوی، سید : مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، ندارد، کراچی، مرکز علم وادب، سنہ ۱۹۸۳ء -

(۱۰۹) - محمود، سید، آزاد : تاریخ کشمیر زمانہ قدیم تا ۱۹۴۷ء، 〃، راولپنڈی، تعمیر پرنٹنگ پریس، ادارہ معارف کشمیر، اردو گیل باغ، سنہ ۱۹۷۰ء

(۱۱۰) - محمد دین، فوق : مشاہیر کشمیر، دیگر کوائف ندارد

(۱۱۱) - محمد شفیع، مولانا، مفتی اعظم : آلات جدیدہ کے شرعی احکام، طبع جدید، کراچی، ادارہ المعارف، سنہ ۱۹۸۶ء

(۱۱۲) - 〃 : ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں، ندارد، لاہور، مکتبہ خلیل گلستان سٹریٹ ابراہیم روڈ، سنہ ۱۹۵۰ء

(۱۱۴) - 〃 : تصویر کے شرعی احکام، اوّل، لاہور، 〃 سنہ ۱۹۸۵ء

(۱۱۵) - 〃 : تاریخ قربانی، 〃، 〃، مطبع کاروان پریس دربار مارکیٹ، سنہ ۱۹۸۵ء

(۱۱۶) - 〃 : جوامع الکلم، دیگر کوائف ندارد

(۱۱۷) - 〃 : گناہ بے لذت، ندارد، لاہور، مکتبہ خلیل گلستان سٹریٹ ابراہیم روڈ، سنہ ۱۹۷۷ء

(۱۱۸) - 〃 : معارف القرآن، 〃، کراچی، ادارۃ المعارف، سنہ ۱۹۸۸ء

(۱۱۹) - 〃 : مصیبت کے بعد راحت مع رسالہ دافع الافلاس، اوّل، 〃، سنہ ۱۹۸۵ء

(۱۲۰) - 〃 : نجات المسلمین یعنی گناہوں کا کفارہ، ندارد، 〃، سنہ ۱۹۷۸ء

(۱۲۱) - محمد طیب، قاری، مولانا : اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام، ندارد، دہلی، کوہ نور پریس، سنہ ۱۹۸۵ء

(۱۲۲) - 〃 : آفتاب نبوت، ندارد، ادارہ اسلامیات انارکلی، سنہ ۱۹۸۰ء

(۱۲۳) - 〃 : اسرائیل کتاب وسُنت کی روشنی میں، 〃، 〃، سنہ ۱۹۷۸ء

(۱۲۴) - 〃 : اسلام کا اخلاقی نظام، ندارد، 〃، 〃

(۱۲۵) - 〃 : اسلامی تہذیب وتمدن، 〃، 〃، سنہ ۱۹۸۵ء

(۱۲۶) - 〃 : انسانیت کا امتیاز، 〃، 〃، سنہ ۱۹۷۶ء

(۱۲۷) - 〃 : اصول دعوتِ اسلام، 〃، 〃، سن ندارد

(۱۲۸) - 〃 : تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام، 〃، کراچی، نفیس اکیڈمی، سنہ ۱۹۸۶ء

(۱۲۹) - 〃 : حیات رسولؐ کا قرآنی معیار، 〃، لاہور، ادارہ اسلامیات انارکلی، سنہ ۱۹۷۷ء

(۱۳۰) - 〃 : خطبات حکیم الاسلام، 〃، ملتان، کتب خانہ مجیدیہ، سنہ ۱۹۸۳ء

(۱۳۱) - محمد طیب، قاری، مولانا : دارالعلوم کی صد سالہ زندگی، ندارد، دیوبند، دارالعلوم، ۱۹۶۵ء

(۱۳۲) - " : دینی دعوت کے قرآنی اصول، " ، " ، مجلس معارف القرآن، ۱۹۷۷ء

(۱۳۳) - " : سائنس اور اسلام، ترجمہ سید محمد اسحاق علی، ندارد، لاہور، ادارہ اسلامیات انارکلی، ۱۹۸۴ء

(۱۳۴) - " : شانِ رسالت، ندارد، ملتان، کتب خانہ حدیقیہ، سن ندارد۔

(۱۳۵) - " : شہید کربلا اور یزید، " ، لاہور، ادارہ اسلامیات انارکلی، ۱۹۷۶ء

(۱۳۶) - " : علمائے دیوبند کا دینی رُخ اور مسلکی مزاج، ندارد، " ، ۱۹۸۸ء

(۱۳۷) - " : علم الغیب، ندارد، دہلی، کوہِ نور پریس، ۱۹۵۸ء

(۱۳۸) - " : فلسفہ نعمت و عصبیت کامل، ندارد، لاہور، ادارہ اسلامیات انارکلی، ۱۹۸۱ء

(۱۳۹) - " : کلمہ طیبہ و مجموعہ رسائل کلمات طیبات، " ، " ، " ، ۱۹۷۶ء

(۱۴۰) - " : مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، " ، کراچی، میر محمد کتب خانہ، سن ندارد

(۱۴۱) - " : معجزہ کیا ہے، " ، دیوبند، کتب خانہ قاسمی، سن ندارد

(۱۴۲) - محمد عبداللہ، شیخ، شیر کشمیر : آتش چنار، ندارد، لاہور۔ الفیصل مارکیٹ چوہدری اکیڈمی اردو بازار، سن ندارد

(۱۴۳) - محمد عبداللہ، ڈاکٹر چغتائی : اقبال کی صحبت میں، ندارد، " ، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء

(۱۴۴) - محمد میاں، حسد نعیمی : تذکرہ مولانا ادریس کاندھلوی، اوّل، لاہور، مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ، ۱۹۷۷ء

(۱۴۸) - محمد میاں، سید : تحریک شیخ الہند،

(۱۴۹) - " : سیرت محمد رسول اللہ،

(۱۵۰) - " : شواہد تقدس،

(۱۵۱) - " : علمائے حق اور اُن کے مجاہدانہ کارنامے،

(۱۵۲) - " : علمائے ہند کا شاندار ماضی،

(۱۵۳) - مناظر احسن گیلانی، مولانا : امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، پنجم، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۳ء

(۱۵۴) - " : الدین القیم، ندارد، کراچی، جاوید پریس میکلوڈ روڈ، ۱۹۷۸ء

(۱۵۵) - " : النبی الخاتم، " ، " ، دستگیر کالونی، سن ندارد

(۱۵۶) ۔ مناظر احسن، مولانا، گیلانی : حضرت ابوذر غفاریؓ، ندارد، کراچی، انجم پریس لارنس روڈ، سنہ ۱۹۴۹ء

(۱۵۷) ۔ 〃 : تذکرہ شاہ ولی اللہؒ، 〃، 〃، قرآن محل، سن ندارد

(۱۵۸) ۔ 〃 : تدوین حدیث، 〃، 〃، مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ، سنہ ۱۹۵۶ء

(۱۵۹) ۔ 〃 : تدوین قرآن، اوّل، 〃، 〃، سنہ ۱۹۷۶ء

(۱۶۰) ۔ 〃 : تذکرہ سورۂ کہف، ندارد، بلوچستان، مکتبہ رشیدیہ، سنہ ۱۹۸۱ء

(۱۶۱) ۔ 〃 : دربار نبوت کی حاضری، 〃، کراچی، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد، سنہ ۱۹۸۱ء

(۱۶۲) ۔ 〃 : سوانح قاسمی، 〃، دیوبند، دارالعلوم، سن ندارد

(۱۶۳) ۔ 〃 : سوانح ابوذر غفاریؓ، 〃، 〃، ادارہ تاج المعارف، سنہ ۱۹۵۶ء

(۱۶۴) ۔ 〃 : مقالات احسانی، 〃، کراچی، مجلس علمی، سنہ ۱۹۵۶ء

(۱۶۵) ۔ 〃 : مقدمہ تدوین فقہ، 〃، لاہور، مکتبہ رشیدیہ، سنہ ۱۹۷۶ء

(۱۶۶) ۔ 〃 : مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ، ندارد، دہلی، ندوۃ المصنفین، سنہ ۱۹۵۳ء

(۱۶۷) ۔ 〃 : ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ندارد، حیدر آباد، مطبع انتظامی، سنہ ۱۹۴۴ء

(۱۶۸) ۔ محمد یوسف بنوری، مولانا : المقدمات البنوریہ، مرتب مولانا حبیب اللہ مختار، ندارد، کراچی، المکتبہ البنوریہ، سنہ ۱۹۸۰ء

(۱۶۹) ۔ 〃 : البصائر و عبر، 〃، زیر طبع

(۱۷۰) ۔ 〃 : مجربات بنوریہ،

(۱۷۱) ۔ محمد یوسف صراف، جسٹس : کشمیریز فائٹ فار فریڈم، ندارد، لاہور، فیروز سنز، سنہ ۱۹۷۷ء

(۱۷۲) ۔ محمد یوسف شاہ، کشمیری، مولانا، میرواعظ : بیان القرآن (ترجمہ و تفسیر قرآن پاک بزبان کشمیری)، طبع اول، سرینگر، انجمن نصرت الاسلام ۱۹۷۳

(۱۷۴) ۔ میرک شاہ، اندرابی، مولانا : انعام عید الفطر، ندارد، سرینگر، انجمن تبلیغ اسلام نشاط پریس، سنہ ۱۹۴۷ء

(۱۷۵) ۔ 〃 : القول الحق فی ضابط النظم والنسق، ندارد، لاہور، تحریک جانثاران اسلام پاک لیبنڈ پریس، سن ندارد

(۱۷۶) ۔ 〃 : ذابح اور ذبیحہ سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر، بمشورہ کیپٹن محمد اشفاق تمغۂ پاکستان پرنسپل کالج آف اینمل ہسبنڈری لاہور

(۱۷۷) ۔ 〃 : عقیدت المحدثین علی حیوۃ النبیین، ندارد، لاہور، ۲۶ بیرون لوہاری دروازہ کتب خانہ پنجاب، سن ندارد

(۱۷۸) ۔ 〃 : قربانی اور اسلام،

(۱۷۹)۔ نثار حسین : شاہ ہمدان امیر کبیر سید علی ہمدانی، خصوصی اشاعت بسلسلہ شاہ ہمدان بین الاقوامی کانفرنس مظفر آباد آزاد کشمیر ۳۰،۲ اکتوبر ۱۹۸۶ء

(۱۸۰)۔ نور محمد، قاضی، مولانا : ازالۃ الاوہام بعدم فاتحہ خلف الامام، دوم، گوجرانوالہ، قاضی عصمت اللہ، جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ، سن ندارد

(۱۸۱)۔ " : ازالۃ الرین عن مسئلہ رفع یدین، اوّل، " ، ناظم انجمن اشاعت توحید وسنت " ، ۱۹۶۷ء

(۱۸۲)۔ " : احسن المقال فی عدۃ المطلقۃ بالمال، ندارد، " " ، سن ندارد

(۱۸۳)۔ " : اقامۃ البرہان علی اصل الطغیان، ندارد، " ، تسنیم کمپنی چوک بیری والا، "

(۱۸۴)۔ " : بیس رکعت تراویح کا ثبوت، رسالہ،

(۱۸۵)۔ " : صاعقۃ الرحمٰن علی حزب الشیطان، ندارد، " ، اسلامی مکتب خانہ چوک نیائیں، "

(۱۸۶)۔ روئیداد مقدمہ بہاولپور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، طبع اوّل، لاہور، تین جلد، اکتوبر ۱۹۸۸ء۔

مقالات

(۱۸۷)۔ ارشاد احمد گل : مولانا غلام اللہ خان کی قرآنی خدمات، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔اے علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور

(۱۸۸)۔ جہاں آرا : مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور اُن کی ادبی خدمات، " ایم۔اے اُردو، "

(۱۸۹)۔ حفظ الرحمٰن، حافظ : مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی دینی وعلمی خدمات، " " علوم اسلامیہ، "

(۱۹۰)۔ حبیب اللہ خان، حافظ : مولانا محمد شفیع بحیثیت مفسر، " " " " "

(۱۹۱)۔ رضوان اللہ، قاری، ڈاکٹر : علامہ محمد انور شاہ کشمیری حیات اور علمی کارنامے، مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، نسخہ انجمن ترقی اُردو کراچی لائبریری

(۱۹۲)۔ رخسانہ ناہید : مولانا یوسف بنوری کی دینی خدمات، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔اے علوم اسلامیہ، اسلامک سنٹر لاہور۔

(۱۹۳)۔ رفاقت یٰسین : سید محمد میاں بحیثیت مورخ، " " تاریخ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور

(۱۹۴)۔ شازیہ رانا : مولانا مناظر احسن گیلانی اور اُن کی خدمات، " " علوم اسلامیہ، "

(۱۹۵)۔ غلام محمد، کھچی، ڈاکٹر : علامہ محمد انور شاہ کشمیری حیات اور علمی کارنامے، " برائے پی، ایچ ڈی، "

(۱۹۶)۔ مطیع الرحمٰن، حافظ : دارالعلوم دیوبند کی درس ناموز شخصیات، " " ایم۔اے علوم اسلامیہ، "

(۱۹۷)۔ محمد سعد صدیقی : مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی دینی خدمات، " " " " "

رسائل، جرائد، اخبارات

(۱۹۸)۔ ماہنامہ المجاح، اچھرہ لاہور، اگست، ستمبر ۱۹۸۹ء، مولانا محمد چراغ نمبر۔

(۱۹۹)۔ اُورنٹیل کالج لاہور، میگزین، سالانہ روئیداد ۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۸ء

(۲۰۰)۔ ماہنامہ البلاغ، کراچی، مولانا میرواعظ محمد یوسف شاہ مرحوم ایک سیاسی اور مذہبی شخصیت از مولانا امیر الزماں کشمیری، ۱۹۷۰ء

(۲۰۱)۔ " " " ، تعلیمی نمبر، دسمبر ۱۹۵۴ء تا فروری ۱۹۵۵ء

(۲۰۲)۔ " " " ، خصوصی نمبر بیاد مولانا مفتی محمد شفیع اپریل تا جون ۱۹۸۷ء

(۲۰۳)۔ ماہنامہ الرشید، دارالعلوم دیوبند نمبر، فروری و مارچ ۱۹۷۹ء

(۲۰۴)۔ ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، فروری ۱۹۸۸ء

(۲۰۵)۔ " المعارف، لاہور، نومبر ۱۹۷۷ء

(۲۰۶)۔ " برہان دہلی، اپریل ۱۹۷۱ء

(۲۰۷)۔ " بینات، کراچی، بنوری نمبر، جنوری و فروری ۱۹۷۸ء

(۲۰۸)۔ " برہان دہلی، نومبر ۱۹۷۹ء

(۲۰۹)۔ " " ، ستمبر ۱۹۷۹ء و جولائی ۱۹۵۶ء

(۲۱۰)۔ " الانور، سرینگر، سن ندارد، بیاد شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری۔

(۲۱۱)۔ " پکچر، لاہور، جلد ۹، شمارہ ۵، ۳۰ تاجور نمبر، اپریل ۱۹۶۵ء

(۲۱۲)۔ " تعلیم القرآن، راولپنڈی، خصوصی شمارہ بیاد شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، مئی و جون ۱۹۸۱ء

(۲۱۳)۔ " الفرقان، لکھنؤ، ستمبر ۱۹۶۵ء، فروری ۱۹۶۹ء، ستمبر، نومبر، دسمبر ۱۹۸۶ء

(۲۱۴)۔ " دارالعلوم دیوبند، اگست ۱۹۶۷ء

(۲۱۵)۔ " عزیمت مظفرآباد آزاد کشمیر، جلد ۱ شمارہ ۱۱ ۱۹۸۸ء

(۲۱۶)۔ " معارف اعظم گڑھ، جون، جولائی ۱۹۸۵ء، اگست ۱۹۲۲ء تا اپریل ۱۹۵۷ء

(۲۱۷)۔ " نصرت الاسلام، سرینگر، خصوصی شمارہ بیاد میرواعظ مولانا یوسف شاہ، ۱۹۸۱ء

(۲۱۸)۔ " ہمارا ادب، " ، مشاہیر نمبر، جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگوئجز ۱۹۷۷ء

[ ]

(۲۱۹)۔ ہفت روزہ آئین، لاہور، جلد نمبر ۳۶، شمارہ ۲۱، ۱۵ ستمبر ۱۹۸۶ء

(۲۲۰)۔ " کشیر، راولپنڈی، ۹ دسمبر ۱۹۶۸ء

(۲۲۱)۔ ماہنامہ شہ رگ پاکستان، مظفر آباد/ لاہور اکتوبر ۱۹۸۶ء

(۲۲۲)۔ روزنامہ الجمعیت دہلی، مجاہد ملت نمبر،

(۲۲۳)۔ " " ، جون، جولائی ۱۹۳۳ء

(۲۲۴)۔ " زمیندار لاہور، ۱۵ نومبر ۱۹۳۱ء

(۲۲۵)۔

دستاویزات

(۲۲۵)۔ قلمی مسودہ خود نوشت سوانعمری مولانا غلام مصطفےٰ شاہ ملکیت عبداللہ شاہ مسعودی ایڈووکیٹ مظفر آباد،
(فوٹو اسٹیٹ نقل راقم کے پاس موجود ہے)

(۲۲۶)۔ درخواست مولانا غلام مصطفےٰ شاہ بنام پرنسپل اورینٹل کالج لاہور برائے ملازمت۔ ملکیت "
(فوٹو اسٹیٹ نقل راقم کے پاس موجود ہے)

(۲۲۷)۔ سند کارکردگی مولانا غلام مصطفےٰ شاہ از صدر معلم ہائیسکول جلالپور جٹاں۔ ملکیت "
(فوٹو اسٹیٹ نقل راقم کے پاس موجود ہے)

(۲۲۸)۔ مکتوب علامہ انور شاہ بنام مولانا احمد علی لاہوری برائے تعارف پیر واعظ مولانا یوسف شاہ (ملکیت مولانا احمد خلف مولانا امیر مال راولپنڈی)
(فوٹو اسٹیٹ راقم کے پاس موجود ہے)

(۲۲۹)۔ مکتوب میر واعظ محمد یوسف شاہ بنام مولانا میرک شاہ، ملکیت سید رشید احمد اندرابی ۲۱ بی ماڈل ٹاؤن لاہور۔
(فوٹو اسٹیٹ راقم کے پاس موجود ہے)

(۲۳۰)۔ مکتوب مولانا احمد رضا بجنوری بنام راقم، (ملکیت راقم)

انٹرویوز

(۲۳۱)۔ مولانا نثار اللہ ابن قاضی شمس الدین محلہ مجاہد پورہ جامعہ صدیقیہ گوجرانوالہ ۲۴ جولائی ۱۹۸۷ء

(۲۳۲)۔ خواجہ حبیب اللہ ککرو ابن خواجہ عبدالعزیز ککرو، الفلاح بلڈنگ لاہور، ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء

(۲۳۳)۔ رشید احمد اندرابی خلف مولانا میرک شاہ اندرابی ۲۱ بی ماڈل ٹاؤن لاہور ۲۳ فروری ۱۹۸۹ء

(۲۳۴)۔ مولانا عزیز الرحمٰن خلف مولانا محمد انوری محلہ سنت پورہ فیصل آباد، یکم اپریل ۱۹۸۸ء

(۲۳۵)۔ خواجہ عبدالصمد ریٹائرڈ لیکچرار سابق پرائیوٹ سیکریٹری میرواعظ مولانا یوسف شاہ مظفر آباد، ۱۷ جون ۱۹۸۷ء

(۲۳۶)۔ مولانا عصمت اللہ ابن قاضی نور محمد قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ ۲۶ تا ۲۸ جولائی ۱۹۸۸ء

(۲۳۷)۔ مولانا محمد احمد خلف میرواعظ مولانا یوسف شاہ اصغر مال روڈ راولپنڈی، ۱۵ جولائی ۱۹۸۷ء، ۲ جولائی ۱۹۸۹ء

(۲۳۸)۔ ریٹائرڈ جسٹس راجہ محمد اکرم خان، نیا محلہ مظفر آباد یکم جولائی ۱۹۸۷ء

(۲۳۹)۔ مولانا محمد طاسین مجلس علمی ٹاؤر کراچی، مارچ ۱۹۸۹ء

(۲۴۰)۔ مولانا محمد چراغ مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ، ۲۸ دسمبر ۱۹۸۶ء

(۲۴۱)۔ مولانا محمد یحییٰ سیری کلاں موضع لوات تحصیل اٹھمقام ضلع مظفر آباد، ۲ نومبر ۱۹۸۶ء، ۱۲ جولائی ۱۹۸۷ء

تصاویر شخصیات

(۲۴۲)۔ شمس العلماء مولانا احسان اللہ خان تاجور نجیب آبادی

(۲۴۳)۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی

(۲۴۴)۔ میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ۔

(۲۴۵)۔ مولانا محمد چراغ

(۲۴۶)۔ مولانا میرک شاہ اندرابی

(۲۴۷)۔ مولانا یوسف شاہ